محمدن اینگلو اورینٹل کالج میگزین

جلد ۴ | یکم ماہ دسمبر سنہ ۱۸۹۶ع | نمبر ۱۲

فہرست مضامین

انگریزی

اردو

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد مستقیم الدین کے اہتمام سے چھپا

کالج میگزین

قریباً پانچ برس ہوئے کہ اِس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اُردو ملا ہوا — علیگڈہ کالج سے نکلنا شروع ہوا اول اول وہ علیگڈہ انسٹیٹیوٹ کا ضمیمہ بن کر نکلتا رہا — لیکن سنہ ۱۸۹۴ع میں اُسنے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی — اس کے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اُس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے — اور اس وجہہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپی نہ تھی *

اس خیال سے اِس کے منتظموں نے اِس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جائے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ — مسلمانوں کے علوم و فنون — تاریخ اور لٹریچر کے متعلق مفید اور پر زور مضامین لکھے جائیں — اِس غرض سے اِسکے ۲۴ صفحہ بالکل اُردو کے لیئے مخصوص کردیئے گئے — اور اِس صیغہ کا اہتمام مولوی شبلی صاحب نعمانی نے اپنے ذمہ لیا ہی اور وعدہ فرمایا ہی کہ اِس کی ترقی میں وہ حتی الامکان کوشش فرمائینگے *

ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی — نواب محسن الملک مولوی نذیر احمد — اور منشی ذکاءالله وغیرہ بزرگوں نے اِس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہی — اور اہل قلم بھی اگر اِس کی اعانت فرمائینگے تو ہم نہایت فخر کے ساتھہ قبول کرینگے *

ہمکو اُمید ہی کہ ہندوستان کی اِسلامی جماعت خریداری سے اِس کی اشاعت میں مدد دیگی — میگزین کے کل صفحات ۴۰ ہیں اور قیمت معہ محصول ڈاک (ے۴) *

اِس میں اِشتہارات بھی ۴/ فی سطر کے حساب سے درج ہوا کرینگے ایک صفحہ کے چھپوانے والوں سے عمام ایک ماہ میں لیئے جائینگے *

تھیوڈور ماریسن

ایڈیٹر انگریزی

مولوی شبلی نعمانی

اُردو ایڈیٹر

نواز محمد خاں

مینیجر

سنٹرل سٹینڈنگ کمیٹی محمدن اینگلو اورینٹل کانفرنس

ایک عرصہ سے کانفرنس میں یہ بات طے ہو چکی تھی کہ کانفرنس کے مقاصد کو پورا کرنے کیلئے ہر شہر اور قصبہ میں ایک ایک مستقل کمیٹی قائم کی جائے جو کانفرنس کے متعلق اپنے شہر اور ضلع میں دائمی دلچسپی قائم رکھے، لیکن اب تک اس تجویز پر کبھی بھی عملدرآمد نہیں ہوا تھا۔ کانفرنس کے دس جلسے جو اب تک مختلف مقامات پر منعقد ہو چکے ہیں وہ زیادہ تر نتیجہ تھے متفرق اشخاص کی کوشش کا اور انمیں قومی جمعیت کا عنصر اسقدر قلیل پایا جاتا ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ کانفرنس کا اصل مطلب اور علت غائی قوم کو تعلیم کی طرف راغب کرنا ہے نہ کہ چند اشخاص کو جو پہلے ہی سے تعلیم کے فوائد کو بخوبی جانتے ہیں۔ سال بسال ایک جلسہ مجتمع کرنا جس میں اکثر حاضرین جلسہ وہی ہوں جو ہمیشہ شریک اجلاس رہے ہوں اور اُن کے سامنے جوش اور اُبھار کے لکچر اور اشعار پڑھنا آخر کار محض غیر مفید ثابت ہوا۔ کانفرنس کے بانی اور کانفرنس کے مددگاروں کا اصل مدعا یہ تھا کہ اسکے ذریعہ سے مسلمانوں کو سعی متفقہ کی طرف مائل کیا جائے اور اس بات کی کوشش کی جائے کہ ہر طبقہ کے مسلمان تعلیم کی ضرورت کو محسوس کرنے لگیں لیکن اب تک کانفرنس اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوئی۔ اسی لیے امسال جناب سرسید احمد خاں بہادر اور جناب نواب محسن الملک بہادر اور دیگر حضرات بہی خواہان قوم نے اپنی توجہ کو اس طرف

مبذول فرمایا ہے کہ کانفرنس کے مقاصد کو پورا کیا جائے۔ ان حضرات کی اس امر میں سعی کا سب سے اول اور اہم نتیجہ ہے علیگڈھ میں سنٹرل سٹینڈنگ کمیٹی کا قائم ہونا۔ یہ کمیٹی اس مقصد کے لیے قائم ہوئی ہے کہ تمام ملک میں مستقل انجمنیں قائم کرے اور تعلیمی ضروریات کو محسوس اور مہیا کرنے کے لیے ہند کے مسلمانوں میں سے ہر فرد بشر کو آمادہ اور مستعد کرے۔ اور مسلمانوں کو اپنی کوشش متفقہ سے لازوال فوائد پہنچانے کو اپنا موضوع بنائے۔ ہمیں اُمید ہے کہ بہت جلد تمام ملک میں اسی قسم کی سٹینڈنگ کمیٹیاں قائم ہو جائیں گی اور اپنے آپکو مسلمانوں میں اتحاد اور اتفاق کا ایک نہایت زبردست ذریعہ ثابت کرینگے۔

سنٹرل سٹینڈنگ کمیٹی علی گڈھ کے پریسیڈنٹ جناب سر سید احمد خاں بہادر اور وائس پریسیڈنٹ آفتاب احمد خاں صاحب بیرسٹر ایٹ لا اور سکرٹری جناب آنریبل حاجی اسمٰعیل خاں صاحب اور جائنٹ سکرٹری جناب نواب محسن الملک بہادر قرار پائے۔ بالفعل اسکے ممبران جناب بیک صاحب پرنسپل ایم اے او کالج اور جناب ماریسن صاحب اور آرنلڈ صاحب اور ٹھنگ صاحب پروفیسران کالج اور جناب سید کرامت حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا اور جناب مزمل اللہ خاں صاحب رئیس بھیکم پور اور چند گریجویٹ ایم اے او کالج کے ہیں۔ لیکن اسکے ممبروں کی تعداد محدود نہیں۔ ہر شخص جسکو اس کمیٹی کے ممبروں میں سے کوئی تجویز کرے ممبر منتخب ہو سکتا ہے اس کمیٹی کا پہلا جلسہ ۱۷۔ نومبر کی شام کے چھ بجے سر سید احمد خاں بہادر کی کوٹھی پر منعقد ہوا اور آیندہ ہر مہینے میں ایک جلسہ ہوا کریگا۔ اب ہم اس جلسہ کی کارروائی مختصر طور پر قلمبند کرکے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

ٹھیک شام کے چھ بجے تمام ممبر جناب سر سید احمد خاں بہادر کی کوٹھی پر جمع ہوگئے اور کارروائی جلسہ شروع ہوئی۔ جناب نواب محسن الملک بہادر نے اپنی ایک نہایت ہی وسیع لکچر میں

اس بات کی ضرورت کو ثابت کیا کہ کانفرنس کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے اول تو سنٹرل سٹینڈنگ کمیٹی اور پھر ہر قصبہ اور شہر میں ایک ایک سٹینڈنگ کمیٹی قائم کی جائے۔ اس ضرورت کو تمام حاضرین جلسہ نے تسلیم کیا۔ اس کے بعد جناب تھیوڈور بیک صاحب پرنسپل ایم اے او کالج کھڑے ہوئے اور اُنھوں نے فرمایا کہ جب تک کوئی عملی کام نہوگا زبانی جمع خرچ پورا کرنے سے نہ کچھ فائدہ اور نہ سود۔ صدیوں کے بعد بھی ہم وہیں نظر آئینگے جہاں ہم ہیں۔ کانفرنس بجائے اسکے کہ ایک کارکن لوگوں کا گروہ ہو۔ محض ایک مجلس مشاعرہ معلوم ہوتی ہے۔ ہندوستان میں سیکڑوں آدمی ایسے ہیں جو نہایت ہی لایق اور کام کرنے والے ہیں اور اُن میں سے بعض ہر سال کانفرنس کے اجلاس میں بھی شریک ہوتے ہیں لیکن انکو نہ تو اپنے خاص صیغوں میں جنمیں کہ انکو دلچسپی ہے اپنی ہمتیں صرف کرنے کی ترغیب دیجاتی ہے اور نہ اُنکو کانفرنس کے اجلاس میں باہم ملکر کوئی کام کرنے کا موقع ملتا ہے۔ محمڈن ایجوکیشنل سنس جو ایک نہایت مفید کام ہے اسکے لیے مجھے کبھی خاطر خواہ وقت نہیں ملا کہ میں اُن اصحاب سے گفتگو کروں جو اسمیں از حد دلچسپی رکھتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو ملک میں جا بجا سکول قائم کرنا چاہتے ہیں اور اُن کے لیے کوشش کرنا چاہتے ہیں اور اپنے خیالات کو دوسروں پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں اور دوسروں سے مشورہ لینا چاہتے ہیں اُنکو سوائے اجلاس کانفرنس کے اور کوئی عمدہ موقع نہیں ملسکتا کہ وہ اپنے اپنے خاص اور معین صیغوں پر رپورٹیں پڑھیں۔ تجاویز پیش کریں اور تجاویز پر بحث و مباحثہ کے بعد خاص نتائج پیدا کریں۔ رزولیوشن پر رزولیوشن پاس کرنا اور اُنکو چھاپ کر الماریوں کو سجانا کسی طرح مفید نہیں ہوسکتا جب تک ان رزولیوشنوں کو اُسی وقت سے جب وہ پاس ہوں ایک خاص گروہ اپنے لیے دستور العمل نہ قرار دے۔ جب خاص صیغوں میں دلچسپی رکھنے والے لوگوں کو اپنی محنت کے نتائج دکھلانے کا موقع ملیگا تو انکو

آیندہ کے لیے زیادہ تر کوشش کرنے کی ترغیب ہوگی + میرے خیال میں اس کانفرنس کو اسی ڈھنگ پر چلانا مفید ہوگا جسپر یورپ کی علمی کانفرنسیں چلائی جاتی ہیں مثلاً انگلستان کی سائینٹفک سوسائٹی جسمیں یہ قاعدہ ہے کہ جب تمام ممبر جمع ہوتے ہیں تو پریسیڈنٹ ایک افتتاحی سپیچ کہتا ہے اور پھر تمام ممبر اپنے اپنے خاص صیغوں میں منقسم ہوجاتے ہیں۔ اور بہت سے گروہ بنکر اپنے علیحدہ علیحدہ اجلاس کرتے ہیں۔ جو ہیئت سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ علم ہیئت کی جماعت میں شریک ہوتی ہیں اور جو جیالوجی میں دلچسپی رکھتے ہیں وہ جیالوجی کی جماعت میں + لہذا میرے خیال میں ایجوکیشنل کانفرنس کو بھی علیحدہ علیحدہ صیغوں میں منقسم ہوکر اور ہر ایک صیغہ کے دائرۂ عمل کو محدود کرکے کوئی عملی نتائج پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے + میں چار صیغے تجویز کرتا ہوں جو کانفرنس کی منظوری کے لیے کانفرنس کے سامنے پیش کیے جائیں۔ اول سنس۔ دوسرے سکولز و مدارس تیسرے تعلیم النسواں اور چوتھے جنرل علمی + بک صاحب کا یہ رزولیوشن بہ اتفاق رائے ممبران سنٹرل سٹینڈنگ کمیٹی پاس ہوگیا۔

اسکے بعد یہ تجویز پیش ہوئی کہ سنٹرل سٹنڈنگ کمیٹی کو بھی چار حصوں میں منقسم ہوکر اپنے علیحدہ علیحدہ سکرٹری مقرر کرنے چاہئیں تاکہ ہر حصہ کے ممبر اپنی سعی کو اپنے خاص صیغہ تک محدود رکھیں اور چونکہ اب کانفرنس کے اجلاس کا وقت بہت ہی قریب آگیا ہے اس قلیل وقت میں بھی کچھ نہ کچھ عملی کارروائی کریں۔ چنانچہ اس تجویز کے موافق مفصلہ ذیل چار سوسائٹیاں قائم ہوئیں۔ اول تعلیمی مردم شماری جسکے سکرٹری جناب تھیوڈور بیک صاحب قرار پائے دوسرے سکول سوسائٹی جسکے سکرٹری پروفیسر مارین صاحب مقرر ہوئے۔ تیسرے تعلیم النسواں جسکے سکرٹری مولوی کرامت حسین صاحب مقرر ہوئے اور چوتھے جنرل تعلیمی سوسائٹی جسکے سکرٹری جناب آنریبل حاجی اسمعیل خاں صاحب قرار پائے + اسکے بعد اور چند نہایت ہی مفید اور کارآمد

رزولیوشن پاس ہوے اور کارروائی جلسہ ختم ہوئی۔

اب ہم اپنے اُن اصحاب سے جو خاص خاص باتوں میں دلچسپی رکھتے ہیں اور جو ہمیشہ اس بات کے شاکی رہتے تھے کہ اُنکو کام کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ التجا کرتے ہیں کہ وہ کانفرنس کے اجلاس میں شریک ہوکر اپنی اپنی محنت اور سعی کے نتائج کو بشکل رپورٹوں کے اپنے دیگر ہمخیال دوستوں اور ممبروں پر ظاہر کریں اور اپنے اپنے خاص صیغوں میں ترقی کرنے کی کوشش کریں +

ہم اخیر میں محمڈن ایجوکیشنل سنس کے متعلق چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ یہ تجویز کانفرنس کی تمام تجاویز سے بڑھ کر مفید اور کارآمد ہے۔ اسکا مدعا یہ ہے کہ کل ملک میں جسقدر مسلمانوں کی آبادی ہے اُنکی مردم شماری کر کے یہ بات دریافت کیجائے کہ مسلمان بچوں کی تعلیم نہ دلانے کے کیا کیا وجوہات ہیں۔ اگر محض غفلت ہی ہو تو واعظ مقرر کیے جائیں جو اُن کے والدین کو تعلیم کی طرف راغب کریں اور اگر افلاس ہو تو کسی نہ کسی طرح سے اُسکا علاج کیا جائے اور اگر سکولوں کے نہ ہونے کی وجہ ہو تو سکول قائم کئے جائیں۔ لیکن یہ کام اسقدر دشوار ہے کہ جبتک ہندوستان کے ہر حصہ کے مسلمان اسکی طرف متوجہ نہ ہوں اُسکا انجام پانا ممکن ہے اس کام کو شروع کیے چار سال کا عرصہ گذرا ہے اور ہمیں سوائے کالج کے طلباکے بیرونی اصحاب سے اس کام میں بہت ہی کم مدد ملی ہے۔ کالج کے طلبا نے ابتک مختلف صوبوں کے ۱۸ شہروں اور قصبوں میں مردم شماری کی ہے اور تقریباً دو ہزار والدین ایسے دریافت ہوے ہیں جو کسی نہ کسی وجہ سے اپنی اولاد کو تعلیم سے محروم رکھتے ہیں۔ اس تجویز کے متعلق چار پانچ سکول بھی قائم ہوے ہیں۔ اگر حضرات ممبران کانفرنس اپنی توجہ کو اس طرف مبذول فرماویں اور اجلاس کانفرنس میں اپنے اپنے شہروں اور ضلعوں کی تعلیمی مردم شماری کر کے پیش کریں تو اس سے بڑھ کر ہندوستان کی

اسلامی جماعت کے لیے اور کوئی کام مفید نہ ہوگا۔

ہندوستان میں انگریز

انڈین میگزین کے اگست کے پرچہ میں بعنوان بالا ایک آرٹکل مسٹر (کی ایس راؤ) کا شائع ہوا تھا جو کہ اینگلو انڈین لوگوں کے برخلاف بہت سے نامنصفانہ الزامات سے بھرا تھا اور جس میں کہ صاحب موصوف نے انگریزوں اور ہندوستانیوں میں ربط ضبط بڑھانے والی چند ایسی تدبیریں جنکا کہ عمل میں لانا ناممکن ہے۔ بتائیں تھیں کہ مجھے مجبوراً کچھ اعتراضات اور تجاویز جو میں نے ذاتی تجربہ سے اس مسئلہ کے متعلق حاصل کی تھیں پیش کرنی پڑیں۔ اینگلو انڈین لوگوں کی نسبت مسٹر راؤ کی رائے مجملاً ذیل میں بیان کی جاسکتی ہیں"۔ اسکے متعلق لوگ جو جی چاہے کہیں لیکن میرے نزدیک اگر انگریزوں کے خیالات پر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ ہندوستانیوں پر اُنہیں ہمدردی نہیں۔ یا یوں کہو کہ اُنکو اپنے آرام کی زیادہ فکر ہے اور مفتوحوں کی جنمیں کہ وہ رہتے سہتے ہیں بہت ہی کم۔ اُنکے باہمی جلسے گارڈن اور ٹی پارٹیاں اُنکے کلب گھر اور جم خانے اور گھوڑ دوڑیں اُنکو پورے طور پر مشغول کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اور اُنکی بلا کو غرض ہے کہ وہ دیسیوں کی پروا کریں جو کہ فی زمانا اپنی عادات اور اطوار میں انگریزوں سے کوسوں دور ہیں جسکی وجہ سے انگریز اُنکو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں۔

حکام کے خیالات گوروں کی نسبت کالوں کے مقابل ہیں اور اُنکے حقارت آمیز خیالات جو کہ افسوس ہے کہ سویلین کے دلمیں مفتوحوں کے متعلق اس کثرت سے پیدا ہوتے ہیں کہ غالباً یہ ہے کہ ان دو بڑی قوموں کے باہمی اتحاد کے سدراہ ہوتے ہیں۔ دیسیوں کی نسبت یہ

نفرت اور حقارت کے خیالات ریل کے پلیٹ فارم اور درجہ میں بہت نمایاں طور سے ظاہر ہوتے ہیں۔ گھوڑ دوڑ کے میدان میں اور صاف طور پر یہ خیالات اُس حقارت آمیز فروتری کی نگاہ میں ظاہر ہوتے ہیں جس سے کہ انگریز دیسیوں کو دیکھتے ہیں۔"

میری رائے میں صاحب موصوف نے انگریزوں کا یہ بہت ہی متعصبانہ خاکہ کھینچا ہے اور ایسے نامنصفانہ بیانات کو انگریزوں کے خیالات کا سچا فوٹو مان لینا۔ ان دونوں قوموں میں اتحاد اور دوستانہ مراسم کے نمونے پر مبنی ہے۔ جو انگریز کہ ہندوستانیوں کا سخت مخالف ہو ان بیانات کو پڑھ کر یہ جواب دے سکتا ہے۔

اگر اینگلو انڈین جیسا کہ مسٹر راؤ بیان کرتے ہیں اپنی زندگی عیش و آرام میں گذارتے تو ہندوستان کی حکومت اُنہیں کبھی نہ ملتی۔ میں بطور ایک ایسے شخص کے جو کہ ایک بہت ہی دلیر اور آزادانہ خیالات کی قوم کے بچوں کی تعلیم میں مشغول ہو کہہ سکتا ہوں کہ مجھے کمال خوشی حاصل ہو اگر ہم ان نوجوانوں کے ایک ثلث میں بھی محنت اور مشقت کا وہی شوق پیدا کر سکیں جو کہ اینگلو انڈین میں ہوتا ہے۔ اگر عیش و آرام کی پوچھی جائے تو کلب گھر کی آسایش یا گارڈن پارٹی کی تفریح جہاں پر ہر روز وہی دو چار صورتیں نظر آتی ہیں۔ ہندوستان کی مضمحل کرنے والی آب ہوا یورپ اور اُسکی عقل روشنی کرنے والے مشاغل سے جلاوطنی اور اپنے عزیز و اقارب سے جُدائی کا کافی طور پر صلا نہیں ہو سکتی۔ صرف ایک صلے جو کہ انگریزوں کو ہندوستان میں رہنے سے ملتے ہیں۔ یعنی ایک تو وہ خوشی کہ آدمی کو ایک کام میں دلچسپی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مثلاً وہ کام جو ہندوستان کے سولین کے ہاتھوں میں لوگوں کی بہبودی کیلئے دیا گیا ہے اور دوسرے وہ موقعہ جو کہ شکار کے لیے انکو ملتے ہیں ہیں لیکن محض لطف اُٹھانے کی غرض سے نہیں ہوتی۔ گو یہ پر لطف شغل ہیں لیکن انکو آرام طلبی نہیں کہہ سکتے۔ مزید براں اگر انگریزوں کو ہندوستانیوں سے ہمدردی نہ ہوتی تو برٹش گورنمنٹ انگریزوں کو

سرکاری نوکری کے خاص محکموں سے خارج نہ کردیتی۔ اور ہندوستانیوں کو جدید شامل محکمہ میں بڑی بڑی نوکریاں نہ دیتے۔ نہ ہندوستان میں اسکول کالج اور شفا خانے اس کثرت سے بنواتے۔ یہ سب اینگلو انڈین کی ہمدردی کے ایسے بڑے اور صاف نشانات ہیں کہ جنکے مقابلہ میں ہر ایک بُرا نتیجہ جو کہ انگریزوں کے ہندوستانیوں سے نہ ملنے سے نکالا جاسکتا ہے لغو معلوم ہوتا ہے۔ اُن طریقوں سے جو مسٹر راؤ نے اس بُرائی کے دور کرنے کے لیے بیان کیے ہیں یعنی یہ کہ ایسے کلب قائم کیے جائیں جس میں کہ انگریز اور ہندوستانی آپس میں ملا جلا کریں اور گورنمنٹ انگریزوں کو قانوناً ایسے کلبوں میں شامل ہونے پر مجبور کرے اُن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں میں گورنمنٹ کے قادر مطلق ہونے کا آج کل عقیدہ اچھی طرح پھیل رہا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ باہمی اتحاد کے شرائط کو بہت غلط طور پر سمجھے ہیں کیونکہ جب تک ان مراسم کے ادا کرنے میں میلان طبع نہو باہمی اتحاد ترقی نہیں کرسکتا۔ کیا مسٹر راؤ اس بات کو پسند کرینگے کہ گورنمنٹ ایسے معاملات میں دخل دے۔ یہانتک کہ اہل ہنود اور انگریزوں کو قانوناً ساتھ کھانا کھانے پر مجبور کرے۔ میں مسٹر راؤ سے زیادہ انگریزوں اور دیسیوں میں میل جول کا خواہاں ہوں۔ اور میرا ذاتی تجربہ اُنکے تجربہ سے زیادہ اطمینان بخش ہے۔ اگر ایک مشنری کا انگریزی تہذیب کے مطابق اُنکی ملاقات کرنے پر اُنکے مکان پر نہ آنا ہی راؤ صاحب کے مراس کے تجربہ کا اچھا نمونہ خیال کیا جائے

جو باتیں کہ میں نے ان واقعات سے اخذ کی ہیں یہ ہیں۔ اول تو یہ کہ انگریزوں کو دیسیوں سے ملنے میں عام طور پر ایک فرضی اعتراض ہے۔ دوسرے یہ کہ اکثر یہ اعتراض عارضی ہوتا ہے۔ اور جب کبھی میل جول کے موقع ملتے ہیں یہ اعتراض دور ہوجاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ باہمی میل جول کیلیے اسباب کا ہونا ضروری ہے کہ جو لوگ ملیں جلیں اُنکے مذاق اور تربیت ایک ہی سی ہوں

اور اُسکے شرائط ایسے ہونے چاہئیں کہ اس میل جول سے فریقین کو حظ حاصل ہو سکے اس
خواہش کا پورا ہونا بالکل ناممکن ہے کہ وہ لوگ جنکے مذاق یکساں نہوں اور جنکو ایک دوسرے
سے سخت نفرت ہو اپنے فرصت کا وقت ایک دوسرے کی صحبت میں گذاریں۔ انگریز جو انگلستان
میں اپنے سے کم درجہ کے آدمیوں کو اپنی سوسائٹی میں شامل نہیں کرتے۔ اگر ہندوستان میں
اُن لوگوں کو جنکی تربیت اور خیالات شریفانہ نہوں اپنے گھروں میں نہ بلائیں تو یہ خیال کرنا کہ صرف
کالے ہونے کی وجہ سے وہ اس سوسائٹی سے خارج کیے گئے ہیں خلاف عقل ہے بہت سے
ہندوستانی جو انگریزوں کے اس برتاؤ کی شکایت کرتے ہیں اگر فرض کیا جائے کہ وہ یکایک
انگریزوں کے درجۂ تہذیب اور تربیت پر پہنچ جائیں۔ تو اُنہیں بھی ہندوستانیوں سے وہی
شکایت ہوگی جو انگریزوں کو ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہندوستانی طالب علموں کی تہذیب
اور تربیت کا خیال کالج اور اسکولوں میں اسقدر کم کیا جاتا ہے کہ اکثر اچھے خاندان کے لوگ نہ تو
مغربی نہ مشرقی طریقۂ تہذیب کی مطابقت کرتے ہیں۔ اکثر ہندوستان کے شرفا ادب
اور اطوار میں معمولی انگریزی تہذیب کے اسٹینڈرڈ سے بڑہے ہوئے ہوتے ہیں لیکن اُنکے
مذاق اور خیالات اسقدر محدود ہوتے ہیں کہ اُنکی صحبت بہت ہی جلد ناقابل برداشت ہوجاتی ہے۔
اسکے علاوہ باہمی ربط وضبط کی راہ میں پردہ کی رسم اور ذات کی قیود بہت سی دقتیں پیش
کرتے ہیں۔ یورپ میں میل جول ساتھ کھانہ پینے پر مبنی ہے۔ لہذا جو ہندو کہ اپنی ذات کی قیود
کا پابند ہو اپنے ہاتھ سے بہت سے میل جول کے موقعے جو کہ انگریزی سویلزیشن دیتی ہے جانے
دیتا ہے ظاہر ہے کہ مسلمان کو یہ دقت پیش نہیں آتی۔

دیگر یہ کہ لیڈیز ہماری سوسائٹی کی جان ہیں اور ہندوستانی خاتونوں کا سوسائٹی میں
شامل نہونا یہاں کی سوسائٹی کو نہ صرف بے لطف اور پھیکا کر دیگا۔ بلکہ آپس میں میل جول کا ایک

ہر پہلو پر ڈال دیگا جسکو کہ انگریزی لیڈیز بھی پسند نہیں کرینگے۔

فرض کرو کہ واقعات پلٹ دیئے جائیں یعنی ہندوستانی عورتیں سوسائٹی میں بہت بڑا حصہ لینے لگیں اور ہر ذات کے آدمی آپس میں کھانے پینے کو سوسائٹی کا بڑا فرض خیال کرنے لگیں اور اُس وقت میں انگریز اپنی عورتوں کو سوسائٹی سے بلا وجہ خارج کردیں اور ہندوؤں کی طرح چھوت کی بیہودہ رسم کی پابندی کرنے لگیں۔ کیا یہ خیال نہیں کیا جائیگا کہ ہماری یہ رسمیں باہمی اتحاد کے بڑہنے کی سدّراہ ہیں اور کیا یہ ممکن نہیں کہ بہت سے ہندوستانی اپنی بیویوں اور لڑکیوں سے ہمارے ملنے کے مانع ہوں جب تک کہ ہماری رسمیں اُنکے مطابق نہ ہوجائیں یا جب تک کہ اُنکو اِس بات کا یقین نہو جائے کہ ہم بھی آزادی اور حیا کو عورتوں کے لیے ضروری صفات خیال کرتے ہیں۔ بہت سے انگریزوں نے مجھسے بارہا اس امر کی خواہش ظاہر کی کہ وہ خوشی سے ہندوستانیوں کو اپنی بیبیوں کو ملانے لگیں اگر ہندوستانی بھی اُنسے اسی قسم کا برتاؤ کریں۔ انگریز اپنی سوسائٹی کے حقوق کو محفوظ رکھنے میں خود مختار ہیں اور اُنپر ہم کوئی اعتراض نہیں کرسکتے۔ لیکن ہندوستانیوں کے ساتھ اور خاص کرکے اُن ہندوستانیوں کے ساتھ جو کہ اپنی عورتوں کو سوسائٹی میں لانے کو طیار ہیں لیکن عورتوں کے سخت تعصب کی وجہ سے اپنے ارادوں کو پورا نہیں کرسکتے اُن کی دلی خواہشوں اور حالات کے ناموافقت کی وجہ سے اسقدر عنایت کرسکتے ہیں جتنی کہ ہماری طاقت میں ہے یعنی اگر ہم اُنکو اپنے گھر میں آنے کی اجازت دیں تو یہ ہماری رعایت کی وجہ ہوگی۔ حالانکہ اُنکو اُس کے لیے درخواست کرنیکا کوئی حق نہیں جب یہ دقتیں باہمی میل جول بڑہانے میں واقع ہوتے ہیں تو اُنکے دور کرنیکا کونسا عمدہ طریقہ ہوسکتا ہے۔ تجربہ سے مجھے معلوم ہوا کہ ذیل کے طریقے بہت ہی کارآمد ثابت ہونگے۔ اول یہ کہ دیسی انگریزی طریقۂ تہذیب سے واقف ہوں اور اُنکے خیالات اور مذاق اینگلو انڈین کے مطابق ہوں عموماً

انگریزوں کو سب سے زیادہ کھیل کود اور شکار وغیرہ سے شوق ہوتا ہے۔ اور اسمیں ایک خوبی یہ ہو کہ
اسمیں بہت سے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بھی مردوں کی۔ اسی وجہ سے ہم اکثر دیکھتے ہیں
کہ انگریز اور ہندوستانی اس غرض سے بغیر کسی رکاوٹ کے ملتے ہیں اور ایک دوسرے کی
صحبت کا لطف اُٹھاتے ہیں۔ اسکا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ شمالی ہندوستان کی قادر کپ
کے حاصل کرنے کے لیئے سوّر کے شکار میں ہندوستانی اور انگریز دونوں شامل ہوتے ہیں
اور اُس کپ کو ہندوستانی بھی جیت چکا ہے دیسی انگریزوں کے ساتھ پولو کھیلتے ہیں۔ اور
ایک کلکٹر اکثر شکار میں اپنے ضلع کے رئیسوں کے ہمراہ جو شکار کے شوقین ہوتے ہیں جاتا ہو
اور مجھے یاد ہے کہ ایک کلکٹر نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ اس طرح سے میں نے اپنے ضلع کے
لوگوں کے متعلق بہ نسبت اور کسی طریقہ کے بہت زیادہ واقفیت حاصل کرلی ہو جمخانہ جسکی نسبت
مسٹر راؤ اسقدر شاکی ہیں مختلف قوموں کو ملا ہونیکا اور سب سے زیادہ عمدہ ذریعہ ہے۔ میں نے
اکثر دیکھا ہے کہ ایک ضلع کے انگریز اور مسلمان اور ہنود جو وہاں کے جمخانہ میں اور گھوڑدوڑوں
میں باہم ملتے ہیں آپس میں اس طرح کی گفتگو کرتے ہیں کہ کوئی تفاوت حاکم اور محکوم ہونے کا نہیں
پایا جاتا۔ آخر میں میں اُس قومی کھیل کی مثال دینی چاہتا ہوں کہ جو عنقریب ہندوستان کا بھی
قومی کھیل ہوا چاہتا ہے۔ کیونکہ اب یہاں کے شہر کی گلیوں میں بچے ڈنڈوں کو بجائے بیٹ
کے اور اینٹوں کو بجائے سٹمپ کے استعمال کرنے لگے ہیں۔ یہ وہ کھیل ہے جسکے ذریعہ سے
دیسی اور انگریزی الیون میں بالکل مساوی اور دوستانہ برتاؤ ہونے لگے ہیں۔ علی گڈھ کرکٹ کا
الیون جسکو اکثر سویل اور فوجی انگریزوں سے کھیلنے کا اتفاق ہوا کرتا ہے اسکو تقریباً سب انگریز
بڑی خوشی سے لنچ میں شریک کرتے ہیں۔ ان واقعات کو دیکھکر یہ کہنا کہ گورے کالوں کی عزت
نہیں کرتے محل سی بات ہے ہندوستانیوں کی نسبت انگریز جو رائے قائم کرتے ہیں وہ اُنکے چہرے

کی مختلف رنگتوں پر منحصر نہیں ہوتی۔ بلکہ اُن صفات پر مبنی ہوتی ہے جو اُن لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ بہت سے انگریز ہندوستانیوں کی عمدہ صفتیں دریافت نہیں کر سکتے لیکن جس وقت وہ لوگ اُن خوبیوں سے واقف ہو جاتے ہیں تو فطرتاً یہ لوگ اُن ہندوستانیوں کی عزت کرنے لگتے ہیں۔ اور اپنی پسندیدگی ظاہر کرتے ہیں۔ ایسے مواقع بہت کم ہوتے ہیں کہ ہمدرد لوگ باہم میل جول کریں۔ تاہم اسکو رفتہ رفتہ ترقی ہو سکتی ہے۔ وہ دقتیں جو باعث اختلاف زبان و طریق اور رسوم کے حائل ہوتی ہیں اُنکے رفع کرنے کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔ لیکن مجھے اِس امر میں شبہ کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اگر اس مسئلہ پر ٹھیک طور سے اطمینان اور دیانت کے ساتھ بحث کی جاے اور ہمیں بیکار اور غصہ آلود ہجویں انگریزی یا ہندوستانی سوسائٹی پر نہوں۔ تو باہمی اتحاد میں بہت زیادہ ترقی ہو سکتی ہے۔

اکثر یہ بات کہی جاتی ہے کہ انگریزوں اور دیسیوں میں اختلاف بڑھتا جاتا ہے۔ مگر اسکا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ مگر میرے خیال میں اصلیت اسکی ضد ہے۔ جس وقت میں غدر کے واقعات پڑھتا ہوں۔ تو مجھے انگریزی افسر اور دیسی رئیسوں کی باہمی محبت کا کوئی شمہ نہیں ملتا۔ اکثر رئیسوں نے مہربانی اور خیر خواہی کا ثبوت دیا اور انگریزوں کی حفاظت کی۔ مگر یہ سب لوگ وہ تھے کہ جنکو اُن انگریزوں سے معرفتِ سابقہ نہیں تھی۔ اپر انڈیا کے مسلمانوں کے متعلق تو یہ رائے بلا کسی شک کے قائم کی جا سکتی ہے کہ ان میں اور انگریزوں میں جو روابط اب ہیں وہ چالیس برس پہلے سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں۔ اب ممالک مغربی و شمالی میں کم سے کم چند ہندوستانی انگریزوں کے کلب میں شریک ہیں۔ اور بہت سے ایسے جلسے مثلاً ڈنر۔ گارڈن پارٹی۔ کرکٹ اور فٹبال کی میچ ہوتے ہیں۔ جنمیں انگریز اور دیسی آزادی سے آپس میں ملتے ہیں۔ اور اسکے علاوہ آج کل اور بہت سے نشانات میل جول کے پائے جاتے ہیں

جنکا نصف صدی پیشتر نام و نشان بہی نہ تہا۔

یہ بات مشہور ہے کہ شروع میں جب انگریز ہندوستان میں آئے تو اکثر اُنمیں سے ہندوستانی عورتوں سے شادی کر لیتے تہے۔ اور چونکہ اُنکو ولایت جانیکا بہت کم موقع ملتا تہا لہذا ہندوستان میں سکونت اختیار کر لیتے تہے۔ ہاں یہ بات سچ ہے کہ اُس زمانہ میں جب کمپنی کی حکومت تہی چند انگریزوں نے ایسا کیا۔ مثلاً جاب کارنک کی ہندوستانی عورت تہی۔ اور جاب کارنک اُسکے مرنے کے بعد اُسکی قبر پر ہر سال ایک مرغ بہار کے پانچ پیروں کا بطور چڑہاوے کے چڑہایا کرتا تہا۔ لیکن اس صدی میں انگریزوں کو ہندوستانی بنا لینے کا خیال تو جاتا رہا اور اسکے مقابل میں ہندوستانی انگریزی خیالات کے موافق رہنے سہنے لگے یعنی ہندوستانی ولایت جا کر یورپین لیڈیوں سے شادی کرنے لگے۔

اس سے جو نتایج سوسائٹی کے متعلق نکلتے ہیں وہ بہت ہی مفید ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ تبدیلی باعث ترقی کا ہے۔ میں اس بات کے یقین نکرنے کا کوئی ثبوت نہیں پاتا کہ چونکہ اب انگریزوں کو ولایت جانے میں آسانی ہوگئی ہے تو اس خیال سے دیسی اور انگریزوں کے میل جول میں کچھ فرق آسکتا ہے۔ اس بات کو تمام لوگ تسلیم کرینگے کہ وہ اینگلو انڈین جو کہ ہندوستان میں پیدا ہوتے ہیں اور یہیں تربیت اور تعلیم پاتے ہیں وہ دیسیوں سے اُن انگریزوں کی نسبت کم ہمدردی کرتے ہیں جنہوں نے ولایت میں تعلیم پائی ہو۔ جتنی کہ آدمی کی دماغی قوت میں ترقی ہو اُتنی ہی اُسکی ہمدردی بڑہتی ہے اور ذات اور قوم کی کوئی رکاوٹ اُنکو اس بات کی مانع نہیں ہوتی کہ غیر قوم کے لوگوں کے ساتھ کسی طرح کی مہربانی اور اچہا سلوک کیا جائے۔ اکثر لوگ بار بار اس بات کی نسبت لکھتے ہیں کہ دیسیوں اور انگریزوں میں رابطۂ اتحاد کم ہوتا جاتا ہے لیکن افسوس ہے کہ کوئی بہی سچے واقعات کی تحقیق کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔

آخر میں پھر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس بات سے کچھ فائدہ نہیں کہ لوگ ایسے آرٹکل کہ جسمیں نامنصفانہ ہجویں کسی فریق کے لیے ہوں لکھا کریں۔ انگریزوں سے میں اتنا ضرور کہونگا کہ مردوں کی طرف سے اچھا سلوک اُنہی کی جانب سے شروع ہونا چاہیے۔ اور مجھے اُمید ہے کہ اُنکو ہندوستان میں بہت سے ایسے آدمی ملیں گے جنکو وہ بہت خوشی سے اپنی سوسائٹی میں شریک کرینگے۔ اور اُنکے ایسے کرنے سے ہندوستانیوں پر بہت ہی اچھا اثر پڑیگا اور انگریزی حکومت کی بنیاد ہندوستان میں بہت ہی استوار ہو جائیگی۔ اور میرا ذاتی تجربہ اسکی نسبت یہ ہے کہ وہ اپنی خوش قسمتی سے دو تین آدمی ایسے ڈھونڈ لینگے جنکی دوستی کی وجہ سے اُنکو یہ بڑا فائدہ ہوگا کہ ہندوستان میں شہرت حاصل کر لینگے۔ اور ہندوستانیوں کی نسبت میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دونوں فریق کی عورتوں سے اُنکا برتاؤ اچھا ہونا چاہیے۔ اور مردوں کے آپس میں میل جول کے لیے اُنکو بہت سی ایسی باتیں سیکھنی چاہئیں کہ جنکا ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ مثلاً انگریزوں کو دیسیوں کی اس بات نے ایسا بدگمان کر دیا ہے کہ کوئی بھی انگریز اس بات کا قائل نہیں ہوگا کہ ہندوستانی اُنسے بغیر کسی مطلب کے جسمیں کہ اُسکو کوئی ذاتی فائدہ ہوتا ہو ملیگا۔ کیونکہ اکثر دیسی اپنے افسروں سے رابطہ اتحاد بڑھانے کے بہانہ سے ملتے ہیں اور اُنسے اپنے کام نکالتے ہیں۔

اس سے زیادہ کوئی بات تکلیف دہ نہیں ہو سکتی کہ جب ایک دو گھنٹہ کی فضول اور دماغ پراگندہ کرنیوالی گفتگو کے بعد جسمیں کہ فضول بہت سا وقت صرف ہوا ہو اور جسمیں کہ میزبان کو اس بات کی کوشش کرنی پڑی ہو کہ اپنے مہمان کی خاطر اس خیال سے کہ وہ اُسکے گھر پر رابطہ اتحاد بڑھانے کے لیے آیا ہے کرے تو بہت تکلیف معلوم ہوتی ہے۔ جبکہ چلتے وقت مہمان صاحب اپنے میزبان سے کسی اپنے عزیز کی نوکری کے لیے درخوست کریں۔ گویا کہ وہ سب گفتگو جو اس سے

پیشتر ہوتی تھی صرف دھوکھا ہی دھوکا تھا اور صاحب خانہ کو خوشش کرنے کے لیے تھی یعنی یہ خیال کہ ہندوستانی انگریز کے گھر پر رابطہ اتحاد بڑھانے کے لیے آیا تھا بالکل لغو ثابت ہوتا ہے۔ ہندوستان کے رئیسوں کو اس بات کو سیکھنا چاہیے کہ معاملہ اور آپس کی میل جول میں حظ حاصل ہو۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ جب وہ انگریزوں کے مزاج سے پوری واقفیت حاصل کرینگے۔ تو وہ یقیناً ایسا ہی کرینگے۔ ہمارے پر تکلف حال کی سوسائٹی اسبات پر زور دیتی ہے کہ ذاتی عادات پر زیادہ لحاظ رکھنا چاہیے اور خاصکر کے بہت سے اور قاعدے جنکو کہ مشرق میں نہیں برتا جاتا۔

بہت سی اور باتیں ہیں کہ جنکو ہم معرض بحث میں لا سکتے ہیں لیکن انکو بیان کرنا اس حظ کی مدعا کے خلاف ہوگا۔ جسکا کہ منشا صرف یہ ہے کہ چند مشکلات کو جو کہ اس مسئلہ میں درپیش ہیں حل کیا جائے اور اگر وہ کبھی حل ہوسکیں تو وہ برٹش حکومت کے متحد کرنے میں اور ہندوستان کے بڑے بر عظم کے تہذیب کی ترقی دینے میں بہت کچھ مدد دینگے۔

الراقم
تھیوڈور بیک

مسلمانوں کی طرف سے لیجس لیٹو کونسل او میونسپلٹیوں وغیرہ میں انتخاب

ایم اے او ڈیفنس ایسوسی ایشن نے ہمسے درخوست کی ہے کہ ہم عنوان بالا پر ایک یادداشت طیار کریں۔ یہ سوال مختلف طرح سے حل ہوسکتا ہے لیکن اسکا ٹھیک ٹھیک حل کرنا وقت طلب امر ہے۔ اور اس یادداشت کا منشا زیادہ تر اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو بتانا ہے نہ کہ کسی اصول کا بیان لیجس لیٹو کونسلوں میں طریقہ انتخاب کو داخل کرنے کی تجویز کی

نیشنل کانگریس نے بہت شد و مد سے تائید کی ہے اور مسلمانوں کی جماعت نے اس کی سخت مخالفت ان دو وجوہ سے کی ہے۔ اول یہ کہ وہ بوجہ تعداد میں کم ہونے کے مسلمانوں کی جماعت کو ٹھیک ٹھیک ریپریزنٹ نہ کر سکیں گے دوم یہ کہ وہ اس امر سے خائف ہیں کہ انجام کار تمام انتظام ہندؤں کے کثرت (مجوریٹی) کے ہاتھ میں آجائیگا۔ پہلے خوف کا ثبوت بخوبی ان تجاویز سے ہم پہنچگیا ہے جو کہ اب تک اختیار کی گئی ہیں۔ لیکن دوسرے خوف کا کوئی ثبوت اب تک نہیں ملا کیونکہ گورنمنٹ نے اول تو منتخب ممبروں کی تعداد ہی بہت کم رکھی ہے اور دوسرے کونسل کے اختیارات کو بہت محدود رکھا ہے جس سے آخری فیصلہ خود گورنمنٹ کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ نیشنل کانگریس کی وہ تجویز جس سے کہ اختیارات تبدیل ہو کر غیر ملازم ممبروں کے ہاتھ میں آجاتے منظور نہیں ہوئے اگرچہ انتخاب کے اُصول کی منظوری ہو چکی تھی تاہم نیشنل کانگریس اسبات کا دعوی کر سکتی ہے کہ یہ کامیابی محض انہی کی کوشش کا نتیجہ ہے لیکن بات نہایت قرین قیاس ہے کہ اُصول اختیار کر لیے جاتے اگر نیشنل کانگریس نہ بھی ہوتی اور فی الحقیقت نیشنل کانگریس کے وجود سے پیشتر ہی اسکے اختیار کرنیکا خیال تھا۔ کیونکہ ایسا ہی طریقہ بہت سی انگریزی بستیوں میں رائج ہے جنہیں مختلف اقوام آباد ہیں اور لارڈ ڈفرن نے کانگریس کی تحریک کے آغاز ہی میں اپنی خواہش ظاہر فرمائی تھی کہ لیجس لیٹو کونسلوں کے ضابطوں کو زیادہ معقول طریقہ پر قائم کریں جس سے بلاشبہ انکی مراد انتخابی اُصول سے تھی لیجس لیٹو کونسل میں انتخابی طریقہ کو داخل کرنے کی تجویز کی مخالفت میں مسلمانوں کو ناکامیابی ہوئی۔ اسپر بہت کم ہی تعجب ہوتا ہے جب ہم یہ خیال کریں کہ انگریزوں کے پولیٹکل دماغ کو انتخاب (الیکشن) سے کسقدر مناسبت ہے لیکن مسلمانوں کی اس مخالفت سے حسب دلخواہ نتیجہ مرتب ہوا یعنی انگریزوں کے دلوں پر مسلمانوں کی طرف سے یہ خیال ذہن نشین ہو گیا

کہ مسلمان اپنی وفاداری کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ پورا اختیار انگریزوں ہی کے ہاتھ میں دیں اب یہ بات بالکل فضول ونعل ہے اگر کوئی یہ کہے کہ انتخابی اُصول کو چھوڑ دیا جائے۔ اس قسم کی تجویز بلاشبہ ان ہندوؤں کی طرف سے جنہیں انتخاب کا اختیار ہے بہت مخالفت پیدا کریگی اور انگلستان میں مطعون ہوگی اور صرف اسی طرح سے اسکو واجبی ثابت کر سکتے ہیں کہ موجودہ طریقہ سے بہت سخت خرابیاں پیدا ہوں۔ مگر ان خرابیوں کا پیدا ہونا موجودہ طریقہ کی رو سے جنہیں کونسل کے اختیارات بالکل محدود ہیں خارج از امکان ہے۔

ہمارے خیال میں اب مسلمانوں کا مدعا یہ ہونا چاہیے کہ وہ موجودہ لیجسلیٹو کونسل کے قواعد میں اس قسم کی تغیر و تبدیل کرا دیں جس سے اُنکے ہم مذہب ممبروں کی کافی تعداد کو کونسل میں شریک ہونیکا موقعہ ملے۔

ہمارا خیال ہے کہ انصافاً ہمکو اس بات کے حاصل کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئیگی کہ مسلمانوں کے ممبروں کی کافی تعداد کونسل میں ہو سکے۔ تمام معتبر اشخاص جنہوں نے انتخابی طریقہ پر اپنی رائے ظاہر کی ہے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ قلیل التعداد جماعتوں کے حقوق کو بھی محفوظ رکھنا چاہیے۔ دقت اُسوقت پیدا ہوتی ہے جب ہم اس بات کے فیصلہ کرنے کو آمادہ ہوتے ہیں کہ ہم کہاں تک انکے حقوق مد نظر رکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ جب مائناریٹی (قلیل التعداد) ایک مستقل جماعت ہوتی ہے اور گھٹنے بڑھنے والی نہیں ہوتی اور اسکے انتخاب کردہ ممبروں کی تعداد مخالفوں کی تعداد سے بقدر ایک کے بھی کم ہوتی ہے تو اس حالت میں بھی اختیار مطلق کثیر التعداد جماعت کی جانب ہوتا ہے اور قلیل التعداد جماعت بالکل محکوم رہتی ہے۔ اور اختیار اور غلبہ متناسب طور پر واضعان قانون کی دو جماعتوں میں منقسم نہیں ہوتے جیسا کہ انتظامی صیغہ میں ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ بلا کم و کاست و بغیر تقسیم کے اس جماعت کے ہاتھ میں

باتے ہیں جسکی تعداد کثیر ہوتی ہے۔ اور یہ کثیر التعداد جماعت اپنے مخالف گروہ پر بغیر روک ٹوک
کر سکتی ہے۔ مثلاً ایک ایسے شہر میں جہاں مسلمانوں کی کثرت ہو میونسپیلٹی ہندوؤں کو تمام
عہدوں سے محروم کرسکتی ہے جیسے کہ امریکا میں ریپبلکن اور ڈیموکریٹ ہر ایک [illegible] کو یہاں تک
پولیس مین کے عہدہ کو بھی ایک غنیمت خیال کرتے ہیں اور معاونوں کو دلانا چاہتے ہیں۔ اس
ح یہ بات ظاہر ہے کہ ایک صوبہ یا قصبہ میں جہاں کہ ہندو اور مسلمان دونوں آباد ہوں
سل یا میونسپیلٹی میں نصف تعداد ممبروں کی ہندو ہونی چاہیے اور نصف مسلمان لیکن تناسبت
ان اور سادہ طریقہ حل کے خلاف دوسری نوع کے واقعات سے سخت اعتراضات پیدا
سکتے ہیں۔ یہ بات قرین مصلحت ہے کہ انتخاب کنندہ جماعت میں آبادی کا ہر ایک گروہ
ل ہو۔ مگر جب انتخاب کردہ ممبروں کی تعداد بہت ہی کم ہو مثلاً اضلاع شمال و مغرب واودھ
صرف چار ہی ہے تو یہ بات غیر واجبی معلوم ہوتی ہے کہ ان میں سے دو مسلمان ہوں جو کل آبادی
ایک چھٹا حصہ ہیں اور باقی دو ہندوؤں کو دیئے جائیں جنکی آبادی ۵/۶ ہے۔ کیونکہ ہندوؤں کی
یار مختلف جماعتیں ہیں۔ مثلاً تعلقہ دار۔ بنیہ۔ پیشہ ور لوگ۔ دستکار اور کسان۔ دوسری مختلف
تیں جنکے اغراض کسی طرح یکساں نہیں۔ مثلاً برہمن۔ ٹھاکر۔ کایستھ۔ ویش۔ چمار اور زیادہ
ے زیادہ یہ ہوسکیگا کہ ان جماعتوں اور فرقوں میں سے صرف دو کیطرف سے ممبر منتخب ہوسکیں گے
ذا اس خیال سے یہ بات زیادہ واجبی معلوم ہوتی ہے کہ صرف ایک جگہ مسلمانوں کو دیجاے
ر باقی تین ہندوؤں کو۔

اس تجویز پر بھی اور نئے قسم کے اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں۔ اعلی اور تعلیم یافتہ گروہ
جماعتیں ہندو اور مسلمانوں کی بہ نسبت مجموعی آبادی کے اضلاع شمال و مغرب میں زیادہ تر مساوی
ر منقسم ہیں اور صرف یہی لوگ ہیں جو لیجس لیٹیو کونسل کی ممبری کے لیے منتخب ہو سکتے ہیں کیونکہ

وہ دن بہت دور ہے جبکہ ہندوستان کا کسان اور دستکار اس قابل ہوگا کہ اسکو ایسی
لیاقت اور قوت حاصل ہو کہ وہ ایک انگریز مزدور کی طرح اپنے تئیں اس قابل ثابت کرے کہ
وہ تجارتی اتحاد اور ملکی تجاویز میں ایک بڑا حصہ لے سکے۔ ہندوستان کے کسانوں اور دستکاروں
کی جماعت ہر طریقے میں خارج از انتخاب رہیگی۔ اور یہی حال ان کروڑوں لوگوں کا رہیگا جو ادنے
ذاتوں کے ہیں مثلاً چمار وغیرہ۔ علاوہ بریں انتخاب کا طریقہ ملکی انتظام کے قائم رکھنے کے
لیے کسی قدر اسباب پر بھی مبنی ہونا چاہیے کہ جن لوگوں کو منتخب کیا جائے وہ بدنظمی کے زمانہ
میں لڑائی میں اپنے تئیں بہادر ثابت کریں۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں نے گذشتہ چھ
صدیوں سے آبادی کے اور قوموں پر اپنی سپاہگری کی فضیلت کو قائم رکھا ہے اور کسی عارضی
فتنہ و فساد کیوقت اپنے دشمنوں سے مغلوب نہیں ہوجاتے۔ لہذا دو ہندو اور دو مسلمانوں کا
انتخاب سے زیادہ تر انکی نسبتی تمدنی حالت اور ملکی طاقت ٹھیک ٹھیک ریپرزنٹ ہو سکے گی
بہ نسبت اسکے کہ تین ہندو ہوں اور ایک مسلمان۔

پس اسباب کی بہت سی دلیلیں پیش کیجا سکتی ہیں کہ آیا ایک مسلمان منتخب ہو یا دو ہوں
جہاں تک ہمکو معلوم ہے موجودہ طریقہ کی طرفداری میں کہ مسلمان بالکل محروم کیے جائیں۔
کوئی دلیل نہیں۔ اگر منتخب شدہ ممبروں کی تعداد کونسل میں بہت زیادہ اور غالب ہوتی تو
اسباب کی ضرورت پڑتی کہ ہندو اور مسلمانوں کے ممبر برابر برابر منتخب ہوں جس سے کہ انصاف
اور ملکی استحکام حاصل ہو۔ اور چونکہ منتخب شدہ ممبروں کی تعداد کم ہے اسواسطے اس خیال کو
عملاً کچھ زیادہ وقعت نہیں دیجا سکتی۔ فی الحقیقت کونسل کے موجودہ قواعد کی رو سے اسکا
ممبر ہوجانا ملکی طاقت کو عمل میں لانے کا اسقدر ذریعہ نہیں جسقدر کہ ایک معزز امتیاز کا حاصل کرنا
اور مفید لوکل قانون بنانے کا ایک موقعہ پانا ہے۔ لیجس لیٹو کونسل کے ممبر ہونیکا امتیاز

نہ صرف ممبری کے لیے قابل فخر ہو بلکہ ایک فطری اور جائز ذریعہ فخر اس جماعت کے لیے ہے جس سے وہ تعلق رکھتا ہے چنانچہ حال میں کینیڈا کی فرانسیسی رعایا کو اس بات سے کمال مسرت ہوئی کہ انکی جماعت کا ایک شخص مسٹر لوئی کا وزیر علم مقرر ہے۔ ایک انگریز ... کو قومی غربت کا خیال اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کہ کسی دوسرے کسی قوم کے آدمی کو اور گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے یہ نہ صرف انصاف ہے بلکہ مقتضاے حکمت عملی ہے کہ وہ ہندوستانیوں کی اس قسم کی خواہشوں کو بھی پورا کرے جہاں تک کہ وہ استحکام ملکی کے مطابق ہے۔ سلطنت روما کو ہر دل عزیزی اور کامیابی کا بڑا سبب یہ تھا کہ وہ اپنے ماتحت ملکوں سے بہت فیاضانہ سلوک کرتی تھی لیکن اس حکمت عملی کو چلانے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ یہ امر اچھی طرح دریافت کیا جائے کہ قومی خیالات حقیقتاً کہاں تک پیدا ہوئے ہیں۔ اگر مسلمانوں یا ہندوؤں کو مخالف گروہ پر غلبہ دیا جائے تو انکو بجائے اسکے کہ کسی قسم کی طمانیت ہو آزردگی ہوگی۔ شمالی ہندوستان کے مسلمانوں میں انکے امتیاز کی نسبت مدت سے کہاوتیں چلی آتی ہیں اور یہ کہ انکی تمدنی حالت ہندوؤں سے کسی طرح ادنے نہیں۔ اور وہ بوجہ ایک قومی خیال کے زیادہ متحد ہیں بہ نسبت ہندوؤں کی مختلف ذاتوں کے۔ اسلیے وہ بجا یا بیجا طور سے موجودہ حالات میں یہ خیال کبھی نہ کرینگے کہ اُن کے حقوق کو پوری طرح سے تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر ان کو چار میں سے صرف ایک ہی ممبر کی جگہ دیجائے۔

پس اس صورت میں غلبہ دلائل سے ہمارے دلمیں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ اس بات کی ضرورت ہے کہ اسکے برخلاف پہلو کو اختیار کرنا چاہیے اور دو جگہ مسلمانوں کو ملنی چاہئیں اور دو ہندوؤں کو۔ یہ بات بالکل واجبی معلوم ہوتی ہے اور یہ انصاف ہے ان دونوں جماعتوں کے لیے جن میں سے ایک کا پولیٹیکل درجہ بوجہ کثرت آبادی کے اور دوسری کا بباعث تاریخی امتیاز کے مساوی کہا جا سکتا ہے۔

اب ہمکو انتخاب کرنے والوں پر غور کرنا ہے۔ ریپرزنٹیشن کا اصلی منشا یہ ہوتا ہے کہ منتخب شدہ شخص انتخاب کرنیوالوں کو ریپرزینٹ کرے۔ موجودہ حالت میں لیجس لیٹو کونسل کے لیے بھی منتخب کرنے والے کثرت سے ہندو ہیں۔ پس اگر ہندوؤں کو قانوناً مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ممبروں کو منتخب کریں تو وہ مسلمان ممبر جنکو ہندو منتخب کرتے وہ اپنے منتخب کرنیوالوں ہی کی طرف سے ہوتی نہ مسلمانوں کی طرف سے۔ نفس الامر میں یہ بات ہر طرح قرین قیاس ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کی طرف سے ٹھیک ٹھیک ریپرزنٹیشن نہو گا۔ کیونکہ مسلمانوں کی کثیر تعداد میں سو ہزار ہا اشخاص ایسے ہوں گے۔ جو مختلف پولیٹکل راے رکھتے ہوں اور ہندو انتخاب کرنے والے اگر وہ کافی عقل رکھتے ہوں گے تو وہ اُنہی مسلمانوں کو منتخب کریں گے جنکے خیالات اُنسے بالکل یا تقریباً ملتے جُلتے ہوں۔ اور اس طرح مسلمانوں کو معلوم ہوگا کہ اُن کے فرضی وکلا جو درحقیقت ہندوؤں کی وجہ سے منتخب ہوئے تھے ایک ایسی پالیسی کی تائید کر رہے ہیں جسکو تمام مسلمان ناپسند کرتے ہیں۔ اس بات کی مثال ہمکو سیکڑوں دفعہ نیشنل کانگریس کی سلسلہ جنبانی سے ملی ہے جسنے یہ عجیب ترکیب اختیار کی ہے کہ ایک مسلمان ممبر کو پریزیڈنٹ اجلاس بنایا جائے۔ گو کہ اس موقع پر صرف وہ ہی ایک مسلمان ہال میں موجود ہو اور اُسکی لیاقت اور مرتبہ خود مسلمانوں میں ایسا نہ سمجھا جاتا ہو کہ وہ اُسے کسی ایسے اجلاس کا پریسیڈنٹ بناتے۔ لیجس لیٹو کونسل کے انتخاب میں اگر ہندوؤں کو مسلمان ممبر منتخب کرنے کے لیے مقرر کیا جائے تو وہ ایک کانگریس والے مسلمان کو ممبر منتخب کرینگے۔ اور مسلمان اس بات کا خیال کر کے کہ انکو کونسل میں ممبر ہونے کا افتخار حاصل ہو دھوکا کھا جائیں گے اور اس پالیسی کو ترک کر دینگے جو انکی جماعت کے لیے نہایت مفید ہے۔ انتخابی طریقہ کے ابتدائی اُصول کے اسباب کو چاہتے ہیں کہ مسلمان ممبروں کے انتخاب کے لیے مسلمان ہوں اور ہندو ممبروں کے

انتخاب کے واسطے ہندو۔ ورنہ مسلمانوں کا ایسا ہی انتخاب ہوگا جیسا کہ اسکاٹ لینڈ کے کیتھلک عیسائیوں کو پروٹسٹنٹ عیسائی منتخب کریں۔ اسکا انتظام نہایت آسانی سے یوں ہو سکتا ہے کہ ایسا قاعدہ بنایا جائے جسکی رو سے کسی خاص انتخاب میں میونسپلیٹیوں کی ایک خاص جماعت کے ہندو میونسپل کمشنر کسی ہندو ممبر کو منتخب کرے اور دوسرے انتخاب میں مسلمان میونسپل کمشنر کسی مسلمان ممبر کو۔ یہی اصول امپیریل لیجس لیٹو کونسل کو ممبروں کے انتخاب میں اختیار کرنا چاہیے۔

اب ہم میونسپلیٹیوں کے بارہ میں کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ وہی اصول یہاں بھی برتے جا سکتے ہیں یعنی کچھ ممبروں کی جگہ مسلمانوں کے لیے مخصوص رکھنی چاہیے۔ علیگڈھ کی میونسپلیٹی میں شہر کے چھ حصہ ہیں جنمیں سے ہر ایک حصہ سے ایک مسلمان اور ایک ہندو ممبر منتخب ہوتا ہے۔ یہ طریقہ نہایت مکمل ہے کیونکہ ہر دو گروہ ہر طرح مساوی ہیں۔ اور نہیں سے کوئی بھی ناواجبی طور سے اپنے فائدوں اور اغراض کو مضر نہیں ہوتے۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ ایسا ہی طریقہ تمام ہندوستان کے ایسے شہروں میں جہاں مسلمانوں کی آبادی کا ایک بڑا حصہ ہو رائج کیا جا سکتا ہے۔ ممالک مغربی و شمالی اور اودہ کے بعض دیہات میں مسلمانوں کی تعداد بہ نسبت دیگر صوبجات کے بہت زیادہ ہے بعض قصبہ ایسے بھی ہیں جیسے الہ آباد جنمیں مسلمانوں کی تعداد زیادہ اور قابل لحاظ ہے لیکن ہر ایک محلہ میں مسلمانوں کی بہ نسبت ہندو منتخب کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے اپنے ممبروں کا منتخب کرانا ناممکن ہے۔ ہر ایک قصبہ کے لیے کوئی مستقل یکساں قاعدہ بنانا ناممکن ہے کیونکہ آبادی کے کسی حصہ کا قابل لحاظ ہونا صرف اسی بات پر منحصر نہیں کہ وہ تعداد میں زیادہ ہے بلکہ دیگر امور پر بھی۔ مثلاً احاطہ بمبئی میں پارسی گروہ کی دولت لیاقت اور تمدنی حالت اس قابل ہیں کہ نسبتاً ان کی

طرف سے زیادہ ممبر منتخب ہوں بہ نسبت اسکے کہ صرف آبادی کے لحاظ سے ہوتے۔ اجمالاً ہم یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ جن قصبوں میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً ایک چوتھائی کے برابر ہو وہاں موازنہ قائم رکھنے کی غرض سے ہندو اور مسلمان ممبر مساوی تعداد میں منتخب ہونے چاہئیں۔ مفصلہ ذیل اُصول بھی عمل میں آ سکتے ہیں۔

(۱) اِن قصبات میں جہاں مسلمانوں کی تعداد پندرہ فیصدی سے زیادہ ہے وہاں کم از کم ایک مسلمان میونسپلٹی کا ممبر ہونا چاہیے۔

(۲) جن قصبوں میں مسلمانوں کی تعداد پندرہ فیصدی سے زیادہ ہو مگر پچیس فیصدی سے کم ہو وہاں ممبروں کی تعداد جہاں تک ممکن ہو متناسب ہونی چاہیے۔

(۳) ہر ایک میونسپلٹی میں مسلمان ممبروں کو مسلمان ہی منتخب کریں اور ہندو ممبروں کو صرف ہندو۔

(۴) جن حالتوں میں کہ مسلمان یا ہندوؤں کے اغراض بالخصوص وابستہ ہوں اُن صورتوں میں مسلمان یا ہندو ممبروں کی متفقہ درخواست پر ایک یورپین اعلیٰ حاکم ضلع کو جو میونسپل بورڈ کا ممبر ہو اس خاص حالت میں فیصلہ کرنا چاہیے۔

ڈسٹرکٹ بورڈ کے متعلق ابھی ہم کوئی خاص بات کہنے کو تیار نہیں بجز اسکے کہ جہاں تک ممکن ہو انکو بھی وہی اُصول اختیار کرنے چاہئیں جو کہ میونسپلٹیوں کے لیے تجویز کیے گئے ہیں۔

مذکورہ بالا واقعات سے ایک لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمان پولیٹیکل لحاظ سے ایک ایسی جماعت ہیں جنکے تاریخی حالات جنکی اغراض جنکی ملکی مصلحتیں اور مذہب بالکل جُدا ہیں۔ یہ بات ظاہر اور روشن ہے اور کوئی منصف مزاج آدمی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ آیرلینڈ کے رومن کیتھلک اور پروٹسٹنٹ عیسائیوں میں اسقدر اختلاف نہیں جسقدر کہ مسلمان اور ہندوؤں میں ہے

اسباب کی کچھ حاجت نہیں کہ ہم انکے تاریخی واقعات کا حوالہ دیں۔ اب انکے اغراض کی نسبت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہیں سے صرف ایک کو مد نظر رکھنا چاہیے یعنی انکو ملازمت میں ایک بڑا حصہ ملنا چاہیے۔ یہ ایسا معاملہ ہے جسکے لیے ہندو اور مسلمان دونوں بہت بڑی خواہش رکھتے ہیں۔ کہ انکو جسقدر زیادہ ممکن ہو ملازمت میں حصہ ملے۔ انگلستان کے لبرل اور کنسرویٹو فریقوں کا اختلاف بمقابلہ ہندوستان کے مسلمان اور ہندوؤں کے اختلاف اغراض کے ہیچ ہے۔

پولیٹکل خیالات میں بنگال اور ہندوستان کے دیگر صوبوں میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے ترقی یافتہ گروہ سے نہایت ہی مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔ یہاں یہ سوال نہیں کہ آیا مسلمان حق پر ہیں یا غلطی پر اور یہ کہ سلطنت برطانیہ مسلمانوں کے سربرآوردہ لوگوں کے خیالات کے موافق ہندوستان کے لیے نعمت عظمیٰ اور باعث برکت ہے۔ یا جیسا کہ دادا بھائی نوروجی سابق ممبر پارلیمنٹ نے جو کہ اپنی پیدایش اور پارسی مذہب کی وجہ سے صرف ایک لاکھ آبادی کو ریپریزنٹ کرتا ہے کچھ دن ہوئے کہا تھا کہ ملک کے لیے مالی نقصان پہنچانیکا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے خیالات بالکل مختلف ہیں اور ہر ایک معقول طریقہ کے لیے ضرور ہے کہ وہ اسباب مہیا کریں جس سے ان خیالات کا اعتبار ہو سکے۔ علاوہ بریں جب ہم اس بات کا خیال کرتے ہیں کہ مسلمان بہ نسبت کانگریس والوں کے گورنمنٹ کے زیادہ ترحامی و مددگار ہیں اور لیجسلیٹو کونسل میں جتنے ممبر منتخب ہوتے ہیں انکو کانگریس والے ہی منتخب کرتے ہیں۔ تو ہمیں یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو لیجسلیٹو کونسلوں کی ممبری سے کیوں خارج کیا جائے اور گورنمنٹ انکی مدد کے فائدہ سے محروم رہے۔

اس بات کی توقع نہیں کیجا سکتی اور نہ یہ قرین مصلحت ہے کہ اس قسم کی تغیرات ایک دم وقوع

میں آئیں مسلمانوں اور گورنمنٹ دونوں کو اسپر اچھی طرح غور کرنا چاہیے۔ ضروری امر یہ ہے کہ اپنر معقول طور سے بحث کیجائے جو مبالغہ اور شور و شعب سے بری ہو۔ دہوم دہام کے جلسہ کرنے اور اُس فرقہ جہلا سے جو بوجہ غیر تعلیم یافتہ ہونے کے ان اُصولوں اور دقتوں کو نہیں سمجھتے جو پولیٹکل تغیرات میں پنہاں ہوتے ہیں رہنمائی حاصل کرنی ایک ایسی غلط پالیسی ہوگی کہ جس سے تمام تحریک پر ایک دہبہ عاید ہوگا اور جس سے کہ وہ باغیوں کے سے خیالات پیدا ہوں گے جو کچھ عرصہ سے چند گم کردہ راہ انگریزوں اور ہندوستانی مدبروں سے ظہور میں آئے ہیں۔ ایم۔ اے۔ او ڈفینس ایسوسی ایشن کے قائم کرنے کا مدعا یہ ہے کہ ان مسائل پر جنکا اثر مسلمانوں پر پڑتا ہے ایک سنجیدہ اور عملی طور سے غور کرے۔ پولیٹکل مسائل میں انگریزی تعلیم کی وجہ سے دلچسپی بڑہتی جاتی ہے اور ابھی اسکا اور زیادہ بڑہنا متیقن ہے۔ خواہ ہم اسے پسند کریں یا نکریں۔ جب ہندوستانی دماغ ان پُرجوش پولیٹکل خیالات سے متاثر ہوگا جو یورپ میں اور بالخصوص انگلستان میں پائے جاتے ہیں تو وہ رفاہ عام کے کاموں میں دلچسپی رکھنے میں روزافزوں ترقی کریگا۔ اگر یہ جوش عقلمندی سے رہنمائی کیا جاے تو اس سے ملک کو بہت سے فوائد حاصل ہوں گے۔ جب ہم اسبات پر خیال کرتے ہیں کہ ایک ہندوستانی رئیس یا تعلقہ دار کے خیالات کا دائرہ کسقدر محدود ہے۔ اور جب انگلستان کے متمول زمینداروں کے اُس جوش سے مقابلہ کرتے ہیں جسکو وہ اپنے ملک کی بہبودی اور اپنے ہموطنوں کے بہتری کے لیے ظاہر کرتے ہیں تو ہمکو ایک گونہ افسوس ہوتا ہے۔ ہندوستان میں یہہ بات بہت شاذونادر پائی جاتی ہے کہ مالکان آراضی کو اپنی رعیت کی بہبودی کا کسقدر کم خیال ہوتا ہے۔ انگریزی تعلیم یافتہ جماعت میں بھی نظام دولت کے مسائل اور امور متعلقہ صنعت و حرفت میں بہت کم دلچسپی ظاہر کیجاتی ہے۔ اور نیشنل کانگریس بھی بار باراسبات پر زور دیئے جاتی ہے کہ ہندوستان میں بہت سے لوگوں کو پیٹ بھر کھانے کو نہیں ملتا لیکن

وہ بھی سوائے اسکے کہ گورنمنٹ کی فیاضی کے لیے ہاتھ پھیلائے اور کوئی علاج نہیں بتا سکتے۔ جو کوششیں کہ بہت سے نیک نیت حضرات تمدنی اصلاح کے لیے کر رہے ہیں انہیں کامیابی کی بہت کچھ اُمید ہے۔ لیکن ہمیں اسبات میں کچھ شبہ نہیں کہ اگر ہندوستان کی یونیورسٹیاں بجائے اسکے کہ ادھوری تعلیم دیں جس سے کہ کسی ایک خاص مضمون میں ماہر ہونا دشوار ہے۔ سیاست مدن کے مطالعہ کے لیے موقعہ دیتیں جس سے بہت سے لوگ نظام دولت کے مسائل میں مثلاً کسانوں کی حالت اور بنیوں کی قرضداری اور زیادتی آبادی کا اثر اسباب معیشت پر ایک سچی دلچسپی حاصل کرتے۔ اور نہیں سے بعض طالب علم ایسے اُٹھ کھڑے ہوتے جو کہ اپنے ملک کے لیے بوجہ تحقیق کرنے متذکرہ بالا مسائل کے اپنے ملک کے سچے خیرخواہ ثابت ہوتے۔ اگر ہم اپنے کالجوں میں رؤسا اور شرفا کی اولاد کو تعلیم کے لیے بلانے کی ترغیب دیں اور ان کے دماغوں میں رفاہ عام کے مسائل پر غور کرنے کی مناسبت اور دلچسپی پیدا کر دیں تو ملکی مسائل میں جوش جو اُنسے ظاہر ہوگا ہندوستان کے لیے باعث برکت ہوگا۔ اور ہمیں اس بات کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس قسم کے ہمدردانہ خیالات کم بضاعت لوگوں تک ہی کیوں محدود رہیں۔ ہمارے دوست محمد حسین صاحب مرحوم جو اوائل میں اسسٹنٹ انسپکٹر سکول تھے اور اپنے وفات کے قریب حیدرآباد کے محکمہ زراعت کے ڈائرکٹر ہو گئے تھے وہ کسانوں کی بہبودی کے خیالات میں ہمیشہ محو تھے اور تا دم واپسیں اپنے خیالات اور زندگی کو انہی کے پھیلانے کے لیے وقف کیا۔ لفظ پالیٹکس کو اگر ہم ٹھیک ٹھیک استعمال کریں اور اسکے وسیع معنوں میں لیں تو اسمیں علاوہ ایک خاص جماعت کے اغراض کے اور بھی بہت سی باتیں شامل ہیں اور ایم اے او ڈیفنس ایسوسی ایشن جب اس بات کی استدعا کرتی ہے کہ مسلمانوں کو ریپریزینٹیشن میں ایک معقول حصہ ملے تو اس سے اُسکی یہ غرض نہیں ہے کہ وہ تنازع اور تفرقہ انداز ہو۔ یہ امر قابل

افسوس ہی کہ ہندوستان میں ابتک پولیٹکل معاملات میں مذاق اور دلچسپی نے اپنے تئیں زیادہ تر یا تو گورنمنٹ کو ناگفتہ بہ باتیں کہنے میں ظاہر کیا ہی ہندوستان کی مختلف جماعتوں میں قومی حسد اور پھوٹ ڈالی ہے۔ لہذا ہمنے ایک ایسوسی ایشن قائم کی ہے جو میانہ روی اور نیک دلی کا نمونہ قائم کرے اور سوالات کے بحث و مباحثہ میں اور جو مسلمانوں کے اغراض کو محفوظ رکھنے کے لیے نہ صرف حتی الامکان کوشش کرے بلکہ ہندوستان میں اتحاد اور اتفاق کو بڑہانے میں ساعی رہے۔

تھیوڈور بیک
سید محمود

فہرست چندہ انجمن الفرض

ابکی تعطیلوں کے عرصہ میں مفصلہ ذیل طلبا نے ان اصحاب سے چندہ جمع کیا چندہ دہندگان کا اس میگزین کے ذریعہ سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

(۱) محمد عبدالحمید صاحب

از منشی احمد علی صاحب للعہ/
از منشی ممتاز حسین صاحب اوورسیر سے/
از منشی بہاری لعل صاحب ضلعدار صہ/

(۲) منیر حسین صاحب بی اے سابق طالبعلم

از شیخ دین محمد صاحب ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سے/
از برکت اللہ صاحب ۴/
تاج الدین صاحب (بعد منہائی ہرجی آرڈر) عہ/

(۳) بشیرالدین احمد صاحب

محمد اسحاق و محمد عمر سوداگران للعہ/
حکیم نصیرالدین احمد صاحب عا/
خواجہ شہاب الدین حسن صاحب ۸/
شہزادہ بلند اختر صاحب ۸/
برجیس بخت صاحب ۴/
علی رضا خاں صاحب طالبعلم ۸/
ماسٹر فضل الدین صاحب ۴/

منشی [illegible] صاحب طالبعلم ۱۲/
مولوی عبدالرزاق صاحب ۱۲/

میزان ۴۴

(۴) لطیف احمد	۱؍	ماسٹر الطاف علی صاحب	۱؍
(۵) قمر شاہ	۲؍		۱۲؍ ۱۴؍ ۳ پائی
(۶) سید محمد یوسف	۱؍		۱؍ ۱۲؍
(۷) محمد یعقوب	۲؍ ۱۴؍ ۳ پائی	میزان کل	۱۲؍ ۱۰؍ ۳ پائی

اشتہار

سفرنامہ مصر و شام و روم مصنفہ شمس العلما مولانا مولوی محمد شبلی صاحب نعمانی

اس کتاب میں مولانا محمد شبلی نعمانی کے سفر روم و مصر و شام کے حالات اور اُن ممالک کی اصلی کیفیت درج ہے۔ چونکہ مسلمانوں کو عموماً ان ممالک اسلامی سے نہایت دلچسپی ہے۔ اسلیے مولانا صاحب نے ان ممالک کے حالات نہایت خوبی کے ساتھ قلمبند کیے ہیں اور اپنے ہموطن بھائیوں کو گھر بیٹھے اسلامی دُنیا کی سیر کا موقع دیا ہے اور سیر بھی وہ سیر نہیں جو ایک عامیانہ نظر سے ہو۔ بلکہ ایسی سیر جو ایک پروفیسر اپنی باریک بین نظر سے کرتا ہے۔ یہ سفرنامہ مولانا صاحب کے سفر سے واپس آنیکے چند ماہ بعد اول مرتبہ طبع ہوا تھا۔ مگر چونکہ شائقین کی طلب برابر جاری رہی اسلیے اب دوبارہ معہ مقامی نقشجات و تصاویر کے طبع ہوا ہے اور دُکان الفرض مدرستہ العلوم علیگڈہ سے بقیمت عہ ملسکتا ہے۔

اِس دُکان میں ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر و مولانا شبلی نعمانی و نواب محسن الملک مولوی مہدی علیخاں بہادر و مولانا الطاف حسین حالی و مولانا نذیر احمد و آنریبل حاجی سمعیل خانصاحب کی تصانیف موجود ہیں اور نقد قیمت وصول ہونے پر یا بذریعہ قیمت طلب پارسل ارسال ہوسکتی ہیں۔

المشتہر ولایت حسین منیجر دُکان الفرض۔

Club His Highness proceeded to the Strachey-Hall where all the students had assembled to receive him. An address in Persian was read by Maulvi Shibli followed by an Urdoo poem by Mohammed Ismael, the well-known poet of our College. His Highness then rose and addressed the audiance in Persian. In a short but well pithy speech His Highness expressd the pleasure which his visit had afforded him, and besides other things said that every Musulman in India ought to help the Institution in the way it lay in his power.

We have to see now how His Highness proves the truth of his assertions and sets a good example which it followed by his *murids* in Bombay can place the finances of the College on a better footing. After this His Highness on the request of young students, who are always on the look out for such occasions, asked Mr. Morison to close the College for the next day, which was accordingly done. After a visit to the College mosque His Highness was escorted back to Sir Syed's house.

ALTERATION IN THE COLLEGE DIRECTORY.

Syed Mohammad Hashim, Deputy Collector, Etah.

M. Habibullah Khan, B. A., Naib Tehsildar, Khair, Dt. Aligarh.

M. Mazhar-ul Haq, B. A., Naib Tehsildar, Meerut.

Mohammad Daud, B A , Naib Tehsildar, Pailani, Dt. Banda.

Agha Mohammad Husain, Sub-Registrar, Banda.

Mohammad Wajih, Tehsildar, Harya, District Basti.

Kazi Makhdoom Hasan, Tehsildar, Naghasin, District Kheri.

Mustafa Khan, Manager, Court of Wards, Ram Nagar, District Barabanki.

Mohammad Zafaryab, Copyist, Munsiff's Court, Kasgunj.

Shabbir Hasan, Copyist, Munsiff's Court, Bulandshahr.

H. Hasan Mohammad, B. A., High Court Wakil, Etah.

Mohammad Ahsan, Municipal Superintendent, Etah.

Ali Jawwad, Kanoongo, Etah.

Ali Gauhar, Head Constable, Meerut.

Ali Zamin, Sub-Inspector, 3rd grade, Bijnour.

Mohammad Sadiq	Do.	Do.	Etah.
Ali Abid	Do.	Do.	Moradabad.
Abdur Rahim	Do.	Do.	Bareilly.

ing a school that teaches only up to the Middle is such as could easily be borne by any ordinary kasbah. When boys are sufficiently advanced to prepare for the Entrance they are of an age when they can with more safety be allowed to live at a distance from their parents.

The Conference might perharps leave to each school the task of deciding how much religious instruction shall be given. The very valuable suggestion of Mr. Shah Din, Barrister-at Law, with regard to the maktabs ought to receive the full consideration of the Conference.

At the Meerut Conference this year we hope to get the sanction of the General Meeting for a Section on Schools. I hope to be able to have a little material ready by then to lay before that Section. I should be very pleased to receive reports and suggestions from all who are interested, and I hope that all Musalmans who are personally connected with education will come forward at the meeting of the School Section with plans for discussion, so that we may be able to start a workable scheme which will bear practical fruit.

THEODORE MORISON.

29. November 1896.

HIS HIGHNESS AGHA KHAN.

We were honoured with a visit from His Highness Agha Khan, the highly reverenced Imam of the Khojas of Bombay. We are sorry to say that we could not give him a reception which he deserved, as we had very little time, and what little we did towards receiving him was accomplished in no time. His Highness had come to visit Agra and came down to Aligarh to pay a visit to Sir Syed. He was escorted up to the Main Gate of the Boarding-House by the 1st squad of the Riding School at about 2-30 P. M. in company with his Secretary and Nawab Mohsin-ul-Mulk, and was received at the entrance by Mr. Morison and others. When His Highness entered the Main Gate he was saluted by our Drill Squad. Thence His Highness went round the Pucca Boarding House, inspecting each room, and seemed to be very much pleased to find them so very neat and comfortable. After a visit to the Siddons Union

After his visit the inspecting officer should send a written report to the Central Standing Committee of the Conference ; these would be dealt with by the School Section of the Conference.

It is clearly desirable that the travelling expenses of this gentleman should be paid, and it is a kind of charge which can be fairly laid to the Conference. There should be several centres appointed by the Conference in each of which would be an officer who would inspect the schools in his immediate neighbourhood every six months. If as is possible it were found more convenient to make all inspections at the same time (*i. e.* in the same month) possibly the Conference might pay such a gentleman one month's salary in order that he could provide a substitute for his ordinary work. The number of centres would not be large at first and the annual cost to the Conference would be consequently unimportant.

To give a practical illustration I could mention 7 schools which could easily be inspected from Aligarh as a centre (Jalali, Marehrah, Etawah, Rewari, Tilhar, Aonla and a Kamboh school near Meerut) and one of the staff of the College School (such as Mir Walayat Hosain Saheb, or Maulvi Bahadur Ali Saheb) could be placed on inspection duty and his place filled temporarily for Rs. 50 a month ; such a master would draw his ordinary pay from the College and his travelling allowance for that month from the Conference.

II. With regard to the foundation of new schools the Conference will have to depend to a certain extent upon the information laid before them by the Census (A) Section.

It would be very well for the Conference to decide what kind of schools it would most encourage.

My own opinion is that most good can be hoped from small local schools teaching only up to the Anglo-Vernacular Middle. A boy who wants to become a B. A. must begin young, and as parents and especially mothers dislike parting with their children at a tender age we should aim at bringing the means of education to their very doors. Moreover the expense of conduct-

and its excellent results are due entirely to him and his committee, but it has been inspected by members of the M. A.-O. College staff. A school at Rewari in the Panjab has been started which owes its existence largely to Mir Walayat Hosain Saheb, Proctor and 2nd Master, M. A.-O College. With three *viz.* Marehrah, Tilhar and Jalali I have been closely associated.

The difficulties I have encountered are probably typical.

(1) A Committee is formed of the leading men of a village or kasbah who usually subscribe towards the school. When the monthly subscriptions are estimated to be sufficient for the monthly expenses a headmaster is appointed and a school is opened.

The members of the Committee are generally men with business of their own to attend to and do not devote much time to the school after it has once been launched. For the same reason it is difficult to find a Treasurer who is able to collect monthly subscriptions with regularity.

For these reasons the Committee usually get in arrears with their payments of salaries and much dissatisfaction is felt by Muhammadans themselves with this sort of service which offers no guarantee for the future.

(2) In the second place there is no provision for regular inspections of the school which would at the same time give a guarantee of the master's work and would serve to keep the Committee up to their engagements.

If the Educational Conference is to undertake the responsibility of these local schools I think that it might fairly insist upon two provisions :—

(1) The collection of 6 months subscriptions in advance to be paid to an officer of the Conference who would make regular monthly disbursements.

(2) The Conference to appoint an officer to make inspections of the schools recognised by the Conference and to pay his travelling expenses.

It would be a great advantage if these two offices could be held by one and the same gentleman in order that he should receive the subscriptions for the coming six months at his half-yearly visit of inspection.

Mahomedan Educational Conference, in whict it was decided that a meeting should be held of the Census Section of the Mahomedan Educational Conference. The Secretary of the Section will read his report on the work that has been done, or rather has not been done, during the year; in which he will suggest arrangements for putting this very important scheme on a permanent practical basis. All gentlemen interested in the Census are requested to attend. Further as it is very desirable that reports should be read showing the condition of the various towns as regards Mahomedan education, it is requested that all gentlemen interested in the subject will be so good as to prepare and present reports showing to what extent it is desirable to start census operations in their respective localities. These reports will be read in the meetings of the Census, which will be of an essentially businesslike and practical character. The meetings will not be devoted to lamenting the backwardness of the Mahomedans and to stirring up *josh*—useful objects which may be effected in the Literary or General Section of the *Conference*—but to obtaining and digesting information, to gaining knowledge and deciding how to act on that knowledge, to questions of expenditure and the proper functions and union of voluntary and paid labour in the taking of the census etc. etc. It is hoped that though the time is but short some gentlemen will find leisure and take the trouble to write and present reports on the educational condition of the Mahomedans in the towns in which they live.

THEODORE BECK,

SCHOOLS.

The Educational Conference has never fairly tackled the question of schools, but some thing has been done by private members and the experience so acquired may be useful in pointing out the lines on which the Conference should work and the difficulties that will have in all probability to be encountered.

I. Five schools have been founded which are known as branch Schools of the M. A.-O. Collegiate School and with which members of the M. A.-O. College staff have been associated. One at Etawah has been founded by the exertions of Maulvi Bashir-ud-din Saheb

THE MAHOMEDAN ANGLO-ORIENTAL DEFENCE ASSOCIATION OF UPPER INDIA.

Two meetings of this Association will be held at the time of the sittings of the Educational Conference at Meerut. The first of these meetings will be open to all Members of the Association, that is to all persons, not Government servants, who pay the Annual Subscription of Rs. 3 and sympathise with the objects of the Association. The second meeting will be of the Council of the Association. This will be the first occasion on which a meeting of the whole Association has been held. The previous meetings were meetings of the Council only. The reason is that matters of great importance will be discussed and it is thought desirable that everybody who takes an interest in them may have an opportunity of expressing his views. The final decision as to the proposals to be submitted to Government will rest with the Council, and consequently no formal resolutions will be voted on in the general meeting; but absolute freedom will be given to every body to express his views, and to make what suggestions he thinks fit with regard to the matters that will be discussed. These matters refer to the representation of Mahomedans on Legislative Councils and Municipalities. In the Urdu part of this paper a translation will be found of a Memorandum that has been written by the Hon'ble Syed Mahmood and the Secretary of the Association on these questions, that will be submitted in the original to the members of the Association. Considering the great importance to the Mahomedans of these questions, and the difficulty that attends their satisfactory solution, it is hoped that all gentlemen who have given attention to them will come and be present at the general meeting.

THEODORE BECK,
Honorary Secretary,
M. A.-O. Defence Association.

MAHOMEDAN EDUCATIONAL CONFERENCE. CENSUS.

In the Urdu part of this paper an account will be found of a meeting held in Aligarh of the Standing Committee of the

the terrors of Famine—that was the chief item of their indictment. With regard to the argument of "business", food stuffs, as distinct from luxuries, could not, at a dangerous contingency, be allowed to be lightly tampered with by a privileged class.

Other speakers followed, the honourable gentleman of the motion getting support from Messrs. Muti'-ud-din and Ali Mohammad. The following gentlemen spoke on the side of the opposition : Prof. Douglas, Messrs. Ajudhia Prashad, Mohammad Said, Mohammad Yaqub, Mohammad Hayat, and Sajjad Haidar. MR. AJUDHIA PRASHAD, M. A. (of Delhi) did not consider their action justified in any way — neither from the business point of view nor from the humanitarian. He further remarked that as members of the Indian society their action at such a hard time was really blamable, in no way softened by the importation of corn, as an incidental good proceeding from a real evil does in no way justify that evil. PROF. DOUGLAS dwelt on the abnormal condition of the present economies, and gave some very striking Government figures. The Bunyas, he said, possessed stores sufficient to last two years. For the last decade or so they had never bought corn at less than 10 seers a rupee, but they had brought up prices to 7 years and were not stopping there.

SHAIKH ABDULLAH rose to make a reply which was well conceived. He tried to meet the objections of the array of speakers on the other side, and requested the house not to be carried away by the numbers who had blindly swallowed the grievances of the ignorant masses. He further laid stress on the fact that the raising of prices would prevent waste and rapid consumption.

The motion being put to the vote was lost by 15 to 10.

It may be added that the afternoon of the day saw the long spell of the drought broken. There were showers and the mass of clouds indicated that we might expect a rainfall. At any rate the much traduced weather prophets of the meteorological department must mark this as their red-letter day. It is to be hoped that this day may make something more than a mere academical settlement of the question.

S. ABDUL HAQ.

THE UNION CLUB.

An ordinary meeting of the Union Club was held on Saturday, November 21st, at 6-30 P. M. The proposition before the house was "That the Bunyas are not to be blamed for raising the price of corn." A lively interest was evinced by those present as the subject was not only interesting in itself, but was seasonable and opportune. The debate that took place was very brisk and keen. The speakers did ample justice to the subject; the arguments used and the weapons of dialectic skill and horse-play of words they employed vivified the otherwise somewhat statistical analyses and dry details natural to the question.

SHAIKH ABDULLAH, B. A., had charge of the motion. He warned the house against prejudging the question in consequence of the hysterical cries and virtuous indignation of the anti-Bunyas. The Bunyas did their business like other traders, and, subject to the law of supply and demand, had their gains and losses distributed over a series of years. Free-trade was the ruling principle, and it was cruel to deprive them of their rightful gain, now that they were recouping past losses. Moreover the Bunyas could not raise prices much further, as that would invite importation. Importation, adding to the quantity in store, had already set in, and that fact ought to be remembered in poor Bunya's favour as resulting from high rates.

SHAIKH ABDUL HAQ, B. A., opposed the motion. He thought it was doubtful whether the apologists of the Bunyas had not lost the entire case by allowing that the importation of corn had been brought about by the *unintentional* action of the Bunyas. The Bunyas cared for no such things which were far beyond their intellectual reach. They were a moneyed class ignorant of economical principles, and given to collecting and calculating, with their human and social feelings hardened to reasoning and appeal, and their eyes shut to anything beyond their immediate horizon. To apply rules of European or rather English political economy in all their rigidness to the comparatively capital-less India under abnormal conditions, would be unjust. The Bunyas had accelerated and accentuated

which supplies a great many students to the M. A.-O. College. The chief defect in the school, to my thinking, is that it has not enough students to provide healthy competition in the class-room and in the field. There are at present 30 boarders, and the rooms will not accommodate more. If more rooms were built and the numbers raised to 50, it would be possible to give a better education to all. The taluqdars of Oudh may well be proud of their school, and if they would add a few more rooms they would show a wise liberality. The introduction of a class of boys who belong to the same social status as the taluqdars but who have to earn their living afterwards would probably be beneficial, as these boys would work hard to pass their examinations and thereby tend to keep up a good level to work. However, the boys have been very successful in passing creditably such public examinations as they have appeared for, so that Mr. Siddons seems to have overcome the difficulty which besets similar institutions of getting the boys to take a proper interest in their studies. This school is one of the few schools for gentlemen existing in the N. W. P. and Oudh. The M. A.-O. College School is another. But most Indian gentlemen have to be content with sending their sons to Zila Schools open to all classes, in which of necessity there can be no social training such as every gentleman in England tries, often at great expense, to obtain for his sons. It might be a good thing if the Government, instead of keeping up a large number of second rate institutions, were to retire from such places in which private enterprise or missionary effort provides secondary schools, and concentrate the funds so set available on creating two or three first class schools for the sons of the gentry, with moderately high fees, good boarding-houses, and Headmasters who were English University men with attainments, and drawing salaries, similar to those of the higher officers in the Education Department.

portunity on a recent visit to Lucknow of carefully inspecting this school. The Principal of this school is Mr. Siddons, formerly Principal of the M. A.-O. College, Aligarh; and the excellence of the school is entirely due to the ability and continuous care and attention bestowed by him on the institution. Mr. Siddons' house is situated in the spacious compound of the school, as well as the houses of the Headmaster and assistant master. The buildings are built in a graceful oriental style, and the lawns of grass and, the walks and the gardens of the school are kept beautifully. They remind one of an English College, not of an Indian College or school. A considerable outlay of money is necessary to maintain them in this condition, but such outlay is befitting to on institution of this character. I hope that some day in the future the compound of the M. A.-O. College will present as pleasing an appearance to the eye, but considering the present urgent necessity we have of funds for tuition, which is of course the first need of a College, we cannot hope to achieve this end until some benefactor presents a sum of money the interest of which must be devoted by the terms of his bequest to this purpose. The rooms of the boys in the Colvin School are kept scrupulously clean, a fact due to the constant inspection of the Principal. They are about equal in comfort to the rooms in the pukka quadrangle of the M. A.-O. College, but they are kept cleaner. A cricket ground, football ground, riding school and lawn tennis courts are provided in the school compound; likewise a billiard table in the school buildings. Mr. Siddons lives morning, noon and night amongst his pupils, and exercises that personal influence which is invaluable and so difficult to secure. The boys are nice neat looking gentlemanly youths, all of good family and wealthly or in easy circumstances. About half are Hindu and half Mahomedan. The latter belong to the same class

bad University in the first position among the Universities of India. It will be possible to plant the seeds of scholarship though doubtless many years will be required for their fruition. The preparation of these Honours Courses will be a very important matter engaging the attention of the Professors of the various College. For the old courses proceeded on well-known lines and were so elementary in their character that but little time and reading were necessary to settle a list of text-books. But if the new courses are to be really good the Professors will have not only to teach but to decide what they are to teach. There is a prevalent idea in India that it doesn't much matter what is taught so long as the student passes his examination. This is the crammer's view of education. When examinations are too severe it tends to become every body's view of education. The distinction that will now be introduced between Pass and Honours men will we hope lead Colleges to think rather of the excellence of the men they turn out than of the number of passes. Another important change will be introduced by the proposed scheme. Although English will still remain compulsory on all students, Philosophy will no longer be so. One of the worst features of the present B. A. Courses is that every body is forced to read up a subject which but few take an interest in and still fewer understand. By giving greater option to the student his interest in his work will be increased, and it may be hoped he will acquire a love of knowledge which will induce him to carry on his studies after he has left the University and has entered on his business in life.

THE COLVIN SCHOOL, LUCKNOW.

The Colvin School at Lucknow for the sons of talukdars is well worthy of attention by all who are interested in the progress of school education in these Provinces. I had an op-

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 4. | DECEMBER 1, 1896. | No. 12.

THE ALLAHABAD UNIVERSITY.

The Faculty of Arts of the Allahabad University has by an overwhelming majority adopted a new scheme of studies for the B. A. examination. This scheme, while leaving it possible for students and for Colleges to pursue the old line of studies, offers opportunities of specialization to students who wish to obtain a mastery of one subject. According to the scheme that has been passed by the Faculty Honours Courses will be introduced in English, Philosophy, History, Mathematics, Arabic and Sanskrit; and students will be allowed to read two pass courses and an Honours Course in one of these subjects instead of three pass courses in three separate subjects. Thus instead of their being able to give only one-third of their time to any single subject, they will have the option of giving two-thirds of their time to one subject for the two years of their study between the Intermediate and B. A. In other words the student who takes an Honours Course will be twice as good a man in that particular subject as the present graduate. This change will be in the direction of the Universities of Oxford and Cambridge, and will shortly we believe place the Allaha-

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A. O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs 3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. p. for Rs. 3 or for Re. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 2 annas per line or Rs. 2 per page in Urdu.

THEODORE BECK,
English Editor.
MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,
Urdu Editor.
NIAZ MUHAMMAD KHAN,
Manager.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 4.	DECEMBER 1, 1896.	No. 12.

CONTENTS.

Printed at the Institute Press, Aligarh.

For Siddon's Union Club.

محمدن اینگلو اوریئینٹل کالج

میگزین

جلد ۴ | یکم ماہ نومبر سنہ ۱۸۹۶ ع | نمبر ۱۱

فہرست مضامین

انگریزی

اُردو

علیگڈہ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتازالدین کے اہتمام سے چھپا

کالج میگزین

قریباً پانچ برس ہوئے کہ اِس نام کا ایک علمي رسالہ انگریزي اور اُردو ملا ہوا — علیگڈھ کالج سے نکلنا شروع ہوا اول، اول وہ علیگڈھ انسٹیٹیوٹ کا ضمیمہ بن کر نکلتا رہا — لیکن سنہ ۱۸۹۴ع میں اُسنے ایک مستقل رسالہ کي صورت اختیار کي — اس کے مضامین زیادہ تر کالج کي خبروں اور اُس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے — اور اس وجہہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپي نہ تھي *

اس خیال سے اِس کے منتظموں نے اِس کو زیادہ وسعت دیني چاھي تاکہ وہ بالکل ایک علمي میگزین بن جائے جس میں کالج کي خبروں کے علاوہ — مسلمانوں کے علوم و فنون — تاریخ اور لٹریچر کے متعلق مفید اور پر زور مضامین لکھے جائیں — اِس غرض سے اِسکے ۲۴ صفحہ بالکل اُردو کے لیئے مخصوص کردیئے گئے — اور اس صیغہ کا اھتمام مولوي شبلي صاحب نعماني نے اپنے ذمہ لیا ھے اور وعدہ فرمایا ھے کہ اِس کي ترقي میں وہ حتی الامکان کوشش فرمائینگے *

ملک کے مشہور اھل قلم یعني مولانا حالي — نواب محسن الملک مولوي نذیر احمد — اور منشي ذکاءاللہ وغیرہ بزرگوں نے اِس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ھے — اور اھل قلم بھي اگر اِس کي اعانت فرمائینگے تو ھم نہایت فخر کے ساتھہ قبول کرینگے *

ھمکو اُمید ھے کہ ھندوستان کي اِسلامي جماعت خریداري سے اِس کي اشاعت میں مدد دیگي — میگزین کے کل صفحات ۴۰ ھیں اور قیمت معہ محصول ڈاک (۳) *

اِس میں اِشتہارات بھي ۴/ في سطر کے حساب سے درج ہوا کرینگے ایک صفحہ کے چھپوانے والوں سے عصہ ایک ماہ میں لیئے جائینگے *

تھیو ڈور بیک

ایڈیٹر اِنگریزي

مولوي شبلي نعماني

اُردو ایڈیٹر

نیاز محمد خان

مانیجر

تجارت کے متعلق چند خیالات

جو لوگ پولیٹکل اکانومی (علم نظام دولت) کے اُصول سے ناواقف ہیں۔ اور جنکو اِس علم کے اُن کلیات و قواعد سے آگاہی نہیں ہے جنکو صدیوں کے تجارتی معاملات وحالاتِ عالم کے مشاہدہ کے بعد دُنیا کے بڑے غور کرنے والوں نے منضبط کیا ہے وہ صرف سطحی اور عام درجہ کی واقفیت کی وجہ سے تجارت کے متعلق بہت سی غلطیوں میں پڑجاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کا بیان اختصار کے ساتھ اِس موقع پر کیا جاتا ہے

اندرونی تجارت کی نسبت یہ بڑا اور بدیہی مغالطہ ہے کہ اُس سے ملک اور قوم کی مالی حالت کو ترقی نہیں ہوتی اور صرف ایک شخص کی جیب سے نکلکر دوسرے کی جیب میں روپیہ چلا جاتا ہے۔ مجموعی فائدہ کوئی نہیں ہوتا۔ حالانکہ اندرونی تجارت سے (اندرونی و بیرونی تجارت کی تفریق پُرانے اور غلط اُصول پر مبنی ہے لیکن اِس اہم بحث کو چھیڑنے کا یہ موقع نہیں) دولت ملک میں بڑھتی ہے کیونکہ جہاں بعض چیزوں کی افراط ہوتی ہے اور بوجہ افراط کے وہ ارزاں ہوتی ہیں اگر ان اشیا کو وہیں رہنے دیں اور دوسری جگہ نہ لیجائیں یعنے اُن کی مانگ نہ پیدا کریں اور قیمت نہ بڑھائیں تو لوگ ان چیزوں کو پیدا یا مہیا کرنے کی زحمت نہ اُٹھائیں گے یعنی کم اشیا پیدا ہوں گی۔ اور اشیا کا

جن سے مُراد ہے سامان آسائش و فرحت و ضرورت کم بنتا یا پیدا ہونا دولت کا کم ہونا ہے
مثلاً ایک جگہ چمڑے کا سامان عمدہ اور سستا بنتا ہے۔ دوسری جگہ گیہوں اور چنے
بہت افراط سے پیدا ہوتے ہیں اور وہاں کی زمین میں اسکی قابلیت ہے۔ اب اگر
چمڑے والے شہر میں صرف یہ سامان محدود رہے تو کارخانہ والے محدود سامان پیدا
کریں گے کیونکہ وہ جبقدر اپنے شہر کی ضرورت سے زیادہ سامان بنائیں گے ضائع جائیگا
یہی حال زراعتی شہر کے گیہوں اور چنے کا ہوگا۔ دونوں شہر دولت کم پیدا کریں گے۔
لیکن اگر اندرونی تجارت آکر چمڑے کے اسباب اور اناج میں تبادلہ پیدا کر دے تو
دونوں شہر والے زیادہ فارغ البالی سے زندگی بسر کریں گے۔ زیادہ اسباب اور زیادہ
اناج پیدا کرنے میں انکا فائدہ ہوگا اور ایک دوسرے کو قیمت ادا کرنے کی وجہ سے
زیادہ سامان و اناج (یعنی دولت) پیدا کرنے کی ضرورت ہی انکو لاحق ہوگی۔ پس
اندرونی تجارت سے ملک کی دولت میں زیادتی ہوتی ہے۔ بہت سی مثالیں اور دلیلیں
اس امر کے ثبوت میں دیجا سکتی ہیں مگر غور سے دیکھا جائے تو اسیقدر کافی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اندرونی تجارت سے فائدہ اُسی وقت ہوتا ہے جبکہ
بہ نسبت سابق کے چیزیں عمدہ اور سستی بنتی ہوں لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ اب تک
ایسی مثال معلوم نہیں کہ کوئی اندرونی دُکاندار ایسا کرتا ہو۔ حالانکہ ہر قسم کی تجارت
سے صنعت و حرفت کی اشیا کی جو زیادہ مانگ ہوتی ہے اُس سے کارخانوں میں
چیزیں سستی بن سکتی ہیں۔ اُسوقت کارخانہ والے آپ چیزیں زیادہ ارزاں کرینگے
تاکہ بکری زیادہ ہو۔ رہی اشیا زراعت انمیں البتہ زیادہ پیداوار کرنے سے
خرچ کم نہیں ہوتا۔ مگر اندرونی تجارت سستے مقامات سے مہنگے مقامات میں جو غلہ

وغیرہ لیجاتی ہے اُس سے بہ نسبت سابق کے نرخ ضرور ارزاں ہوجاتا ہے۔ اگر یہ نہوتا ہوا اور جو نرخ قحط زدہ شہروں میں دوسرے مقامات کے غلہ آنے سے پہلے رہتا ہے وہی رہا کرے تو ½ حصہ شہر کا فاقہ سے مرجائے۔ دوسرے تجارت میں رقابت شرط ہے اور رقابت او منافع کا خیال خود بخود قیمت ارزاں کردیتا ہے۔

جو مغالطہ اندرونی تجارت کے بارہ میں ہے بعینہ وہی بیرونی تجارت کے متعلق کیا جاتا ہے۔ یعنی بنگالہ۔ بمبئی۔ مدراس وغیرہ کے لوگ جو بیرونی تجارت کرتے ہیں وہ بھی صرف اپنے ملک کا روپیہ دوسروں کی جیبوں سے نکالکر اپنی جیب میں ڈالتے ہیں۔ حالانکہ جو فوائد اندرونی تجارت سے ہوتے ہیں وہی مگر زیادہ وسعت کے ساتھ اِس بیرونی تجارت سے ہوتے ہیں۔ جن اشخاص سے وہ مال خریدتے ہیں اُنکو فائدہ ہوتا ہے، خود اُن تاجروں کو فائدہ ہوتا ہے، جہاں وہ مال بھیجتے ہیں وہاں کے لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ ملک کا روپیہ ایک دوسرے کے پاس منتقل تو ضرور ہوتا ہے مگر چیزوں کی مانگ زیادہ ہونے سے جو زیادہ کام کیا جاتا ہے اُس سے یقیناً ملک اور قوم کو سرسبزی ہوتی ہے۔

ایک اور مغالطہ ہے جو ۱۷۷۶ء میں ایڈم سمتھ نے باطل کردیا تھا اور ابتدائے تاریخ سے چلا آتا ہے یعنی ملک کی سرسبزی صرف بیرونی تجارت سے ہوسکتی ہے۔ حالانکہ بیرونی تجارت کا وجود اور قیام بغیر اندرونی تجارت کے محال ہے۔ کہنا کہ اگر آ ملک میں ب ملک کی اشیا کی تجارت ہو تو آ روز بروز مفلس اور ب روز بروز متمول ہوتا جائیگا۔ ایک مبہم فقرہ ہے۔ تجارت کبھی ایک طرف سے نہیں ہوسکتی جیسے تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ بات فقط اتنی ہے کہ ہر ملک کو اسکا خیال

رکہنا چاہیئے کہ اُسکو مضر اور بیکار اور جلد ضائع ہوجانے والی چیزوں کا زیادہ شوق نہ پیدا ہونا چاہیئے مثلاً شراب اور شیشے کے فانوس و جھاڑ وغیرہ کا کیونکہ اس سے جو دولت درآمد سے آئیگی برآمد کے مقابل میں وہ جلد ضائع ہوجائیگی۔

ان تمام خیالات سے یہ ٹپکتا ہے کہ بعض حضرات جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ملک کی چیزیں تو جہاں تک ہوسکیں غیر ملک میں جائیں مگر وہاں کی چیزیں ہمارے ملک میں نہ آئیں اسطور پر ملک دولتمند ہوجاتا ہے۔ اسکا بطلان ایک بدیہی امر سے ہوسکتا ہے فرض کیجیے کہ ہندوستان ایک ارب روپیہ سال کا مال و سامان ممالک عالم کو بہیجے بہت اچھا اب دوسروں کی شے یادہ نہیں لینا چاہتا تو معاوضہ میں اُسکو کیا ملیگا۔ ہوا یا خلا۔ اپنے کڑوڑوں کی چیزیں دینے کے لیے تو طیار رہنا اور دوسروں سے اُسکے معاوضہ میں کچھ نہ لینا فیاضی اور سخاوت تو یقینی ہے مگر یہ امر اُصول تجارت کے ذرا خلاف معلوم ہوتا ہے۔

شاید یہ کہا جائے کہ اگر ہم ملک چین کی طرح اپنے اسباب برآمد کے عوض صرف چاندی یا سونا لیا کریں (جیسا کہ ہندوستان کے آدمی پسند کرتے ہیں) تو ملک بہت جلد متمول ہوجائیگا۔ شاید ایسا ہی ہو مگر چین جو کڑوڑہا روپیہ کی چیزیں کئی سو برس سے ہر سال باہر بہیجتا ہے اور اُسکے معاوضہ میں حتی المقدور چاندی کے سوا کچھ لینا پسند نہیں کرتا دنیا کا سب سے زیادہ امیر ملک ہونا چاہیئے۔ مگر غریب چین دولت میں امریکہ یا انگلستان و فرانس کا کیا مقابلہ کرسکتا ہے؟ نیز ہندوستان میں جو درحقیقت باعتبار مجموعی دنیا کی بہت مفلس ممالک میں سے ہے اسوقت تخمیناً ایک ثلث مقدار چاندی کی اور ایک ربع سونے کی موجود ہے منجملہ اُس کے جو تمام دنیا میں ہے۔ مگر باوجود اس کے یہ ملک سب سے زیادہ دولتمند نہیں ہے۔ اہل یورپ و امریکہ جہاں چاندی اربوں رُپئے کی جمع ہے

بہت خوشی سے اُسکو ایشیا کے ممالک میں جو اُصول تجارت کی ابجد سے ناواقف ہیں سیکھتے ہیں اور سیکھیں گے۔ مگر بات یہ ہے کہ روپیہ اور دولت کو مرادف سمجھنا یہ ایک پُرانی اور سخت مضر غلطی ہے۔ دولت کو معیارِ دولت پر محدود سمجھنا زمانۂ دراز سے چلا آتا ہے اور اس نے قوموں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ میں نے ایک بسیط مضمون اس مسئلہ کے متعلق لکھا ہے جسکا نام ہے "دولت کی نسبت چند مغالطے"۔ اِس لیئے میں یہاں رُپئے اور دولت کے مسئلہ پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

یہ سوال کیا جائیگا کہ ملک کی دولت پھر کن ذریعوں سے بڑھتی ہے؟ اسکا مختصر جواب یہ ہے کہ بکثرت مفید اور کار آمد چیزوں کے پیدا کرنے سے۔ اور اس کے لیئے حاجت ہے

(۱) بہت سے کارخانے کھولنے کی۔

(۲) روپیہ یعنی دولت کے بیکار نہ رکھنے کی۔

(۳) جو سرمایہ کسی ملک میں اہلِ محنت اور مزدوروں کو معاوضہ دینے میں خرچ ہوتا ہے اُس کی مقدار کو ہمیشہ بڑھاتے رہنے کی اور یہ اِس طرح ہوتا ہے کہ فضول اخراجات کو کم کیا جائے۔ اور عیش و عشرت میں سے سرمایہ کو نکالکر کاروبار میں لگایا جائے۔

(۴) اندرونی تجارت کے پھیلانے اور وسیع کرنے کی۔

(۵) بیرونی تجارت کرنے کی۔

(۶) ملک میں امن اور حفاظت ہونے کی۔ اُصول تجارت و معاملہ سے بخوبی واقف ہونے کی۔

اس کے علاوہ بہت سے ذرائع بیان ہو سکتے ہیں مثلاً ریل و سڑکوں کا ہونا۔

اور نہروں کا ملک میں موجود ہونا۔ وغیرہ وغیرہ

انجام کار یہ عرض کرنا ضرور ہے کہ ہر قسم کی ترقی سے پیشتر تعلیم اور اعلیٰ اور عمدہ تعلیم کی بیحد ضرورت ہے بلکہ تجارت میں یا کسی اور شے میں ترقی کرنا۔ بغیر اس شرط کے محال ہے۔ اس رائے پر جو بزرگ قائم ہیں وہ حقیقت میں نہایت عمدہ سبق دیتے ہیں اور ہم سب کو انکا مشکور ہونا چاہیئے۔

لیکن اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ تجارت کی توسیع یا صنعت و حرفت کی ترقی یا کارخانوں کے کھولنے کی جو تجویزیں کیجائیں وہ بھی کچھ کم مفید نہیں اور اس امر کا انتظار کرنا کہ زمانہ مستقبل میں ایک نامعلوم قرن آئیگا جب ایسی کوششیں مفید ہوں گی اب ان سے احتراز کرنا چاہیئے کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

الراقم

غلام الثقلین۔ حیدرآباد دکن

دنیا کی زبانیں

فلالوجی (علم زبان) کے محققوں نے دنیا کی زبانوں کو دو بڑی جماعتوں میں تقسیم کیا ہے (۱) مرتقی (۲) غیر مرتقی۔ دوسری جماعت کے ذیل میں جنوبی افریقہ کی زبانیں۔ امریکا کی اصلی باشندوں کی زبانیں چین کی زبانیں اور دیگر ادنےٰ درجہ کی زبانیں شامل ہیں جو ایک سلیبل کے الفاظ سے مرکب ہیں اور اُنمیں اسم و فعل اور حرف کا امتیاز نہیں ہے

مرتقی زبانیں تین بڑے خاندانوں میں منقسم ہوتی ہیں (۱) تورانی (۲) آرین (۳) سامی تورانی خاندان میں منغلی۔ ہنگاری۔ اور اوغرانی زبانیں شامل ہیں اور یہ زبانیں غیر متصرفہ

کے نام سے مشہور ہیں کیونکہ ان زبانوں کی الفاظ گردان کی قابلیت نہیں رکھتے۔ نہیں
اشتقاق کی بنیاد اس بات پر ہے کہ فعل کے اصلی مادہ پر زائد الفاظ اضافہ کیئے جائیں
ترکی زبان اس خاندان کی زبانوں میں سب سے ترقی یافتہ زبان ہے۔

آرین خاندان میں برعظم یورپ۔ ہندوستان۔ فارس۔ کردستان کی زبانیں شامل ہیں۔ اور یہ زبانیں یافثیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ کیونکہ ان زبانوں کے اکثر بولنے والے یافث ابن نوح کی اولاد میں ہیں۔ آرین خاندان جنوبی اور شمالی دو بڑے گروہوں میں منقسم ہوتا ہے۔ جنوبی گروہ میں جنوبی ایشیا کی زبانیں شامل ہیں۔ ان زبانوں کا سرچشمہ سنسکرت ہے جو ہندوستان کی مقدس زبان ہے۔ سنسکرت کے ساتھ اُس کی شاخیں ہندی۔ پراکرت۔ اُردو۔ فارسی۔ پشتو۔ ارمنی۔ کردی۔ اوستی۔ اور بخاری بھی اسی گروہ میں شامل ہیں۔ شمالی گروہ میں یورپ کی زبانیں ہیں جو ذیل کی پانچ قسموں میں منقسم ہوتی ہیں۔ (۱) کلٹک جسمیں انگریزی کے سوا جزائر برطانیہ کی سب زبانیں شامل ہیں (۲) ایطالین جسمیں لاطینی اور اُسکی تمام شاخیں فرانسیسی۔ ایطالی۔ اسپینش اور پرتگیزی شامل ہیں۔ (۳) ہلینک جسمیں قدیم اور جدید یونانی زبان شامل ہے۔ (۴) وَنڈک جسمیں روسی۔ بلگیرین اور بوہیمین زبانیں شامل ہیں۔ (۵) ٹیوٹانک جسمیں انگریزی۔ جرمن۔ ڈچ۔ ڈینش۔ اور ایسلنڈک زبانیں شامل ہیں۔

آرین خاندان کی زبانوں میں چند خصوصیات ہیں جن سے وہ زبانیں دیگر خاندانوں کی زبانوں سے ممتاز ہوتی ہیں۔ وہ خصوصیات یہ ہیں کہ ان زبانوں کے الفاظ گردان کی قابلیت رکھتے ہیں۔ اور اُن میں اشتقاق کی بنیاد اِس بات پر ہے کہ مادوں کے اول و آخر چند الفاظ اضافہ کیئے جاتے ہیں جنمیں سے اکثر بامعنی ہیں مثلاً انگریزی زبان میں

تھینک thank ایک لفظ ہے جسکے معنی ہیں شکریہ۔ تھینک فل (Thankful) کے معنی ہیں شاکر۔ اَن تھینک فُل (un-thankful) کے معنی ہیں غیر شاکر۔ تھینک فُل نَس (Thankful-ness) کے معنی ہیں شاکریت۔ اَن تھینک فُل نَس (un-thank-fulness) کے معنی ہیں عدم شاکریت۔ اسی طرح کیپبل (in-capabil-i-ty) کے معنی ہیں قابل۔ اِن کیپبل (in-capable) کے معنی ہیں ناقابل۔ ان کیپبلٹی (in-capa-bili-ty) کے معنی ہیں ناقابلیت یہی حال تمام گردانوں کا ہے اور آرین خاندان کی تمام زبانوں میں یہی قاعدہ جاری ہے۔

سامی خاندان سے اُن زبانوں کا مجموعہ مراد ہے جن کے اکثر بولنے والے سام بن نوح کی نسل سے ہیں۔ اس خاندان میں تمام مشرقی زبانیں شامل ہیں جو زور بیان۔ ادائے مطالب اور کثرتِ الفاظ کے لحاظ سے دنیا کی زبانوں میں وسیع تر اور ترقی یافتہ ہیں یہی زبانیں ہیں جن میں دنیا کی قدیم تاریخ محفوظ ہے اور کلدانیوں۔ اشوریوں اور اہلِ فنیشا میں جوان زبانوں کے بولنے والے تھے سب سے پہلے علم اور شائستگی نے ترقی پائی تھی۔

سامی خاندان تین بڑے گروہوں میں منقسم ہے۔ (اوّل) آرامی اور اسکی شاخیں سریانی اور کلدانی۔ آرامی بابل کی قدیم زبان ہے جسکے کتبے بابل اور اشور کی آثارِ قدیمہ میں موجود ہیں جو پیکانی حرفوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ کلدانی وہی زبان ہے جس کے الفاظ کو زمانۂ دراز کے انقلابوں نے متغیر کر دیا ہے۔ عہد عتیق کی بعض کتابیں عزرا دانیال وغیرہ اسی زبان میں لکھی ہوئی ہیں۔ کلدانی کو غلطی سے آرامی کہتے ہیں مگر کلدانی اور اصلی آرامی میں الفاظ اور معانی کے لحاظ سے بہت واضح فرق ہے۔ آج کل جو زبان

کلدانی زبان کے نام سے مشہور ہے وہ فی الحقیقت سریانی زبان ہے جسمیں چند الفاظ و حرکات کا فرق ہوگیا ہے۔ سریانی زبان بھی وہی کلدانی زبان ہے جسکے الفاظ اور معانی میں کسیقدر تغیر ہوگیا ہے۔ گویا بابل کی قدیم زبان ابتدا میں آرامی کہلاتی تھی پھر کسی قدر تغیر ہوکر وہی زبان کلدانی ہوگئی۔ جب اُسمیں بھی بہت سے تغیرات واقع ہوئے تو وہ سریانی زبان کے نام سے مشہور ہوئی۔ سُریانی زبان کی حرکات میں ایک قسم کا تغیر ہونے سے مشرقی اور مغربی سریانی پیدا ہوگئی۔

اصلی آرامی زبان نے زمانہ قدیم کے بعض تاریخی واقعات کو محفوظ رکھا ہے جو بابل اور اشور کے کتبوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ سریانی زبان نے بائبل کی مقدس کتابوں کو محفوظ رکھا ہے جو دوسری صدی عیسوی میں اِس زبان میں ترجمہ ہوئیں۔

(دوم) عبرانی۔ قدیم تاریخ کو محفوظ رکھنے میں یہ زبان سب سے ممتاز ہے۔ اس زبان کے بولنے والے زمانہ قدیم کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ ادائے مطلب پر قادر تھے۔ آجکل بنی اسرائیل میں جو زبان جاری ہے وہ خالص عبرانی نہیں ہے بلکہ آرامی اور کلدانی زبانوں کے بعض الفاظ اُسمیں شامل ہوگئے ہیں خاصکر اُسوقت جبکہ بنی اسرائیل بابلیوں کے ہاتھ میں گرفتار تھے۔ اِس زبان میں جو کتابیں لکھی گئیں اُن سب کا مدار عہد عتیق پر ہے۔ عبرانی زبان سے فنیشیا اور کارتھیج کی زبانیں نکلی ہیں۔ اور یہ دونوں زبانیں اب بالکل مٹ گئی ہیں۔

(سوم) عربی۔ سامی خاندان کی تمام زبانوں میں عربی سب سے بلند اور ممتاز درجہ پر واقع ہے۔ عربی زبان ظہور اسلام کے وقت تک جزیرہ نمائے عرب میں محدود تھی اسلامی فتوحات کے ساتھ یہ زبان بھی تمام دنیا میں پھیل گئی۔ ایک زمانہ تھا جبکہ عربی زبان مشرق سے

مغرب تک وسط ہند اور آبنائے جبل طارق کے درمیان اور شمال سے جنوب تک بحر اسود اور بحر عرب کے درمیان پھیلی ہوئی تھی۔ غرض یہ زبان اُس وقت تمام شائستہ دنیا پر چھا گئی تھی عربی حروف جو آج اہل عجم میں مستعمل ہیں اس زبان کی عالمگیر فتوحات کے یادگار ہیں ابی سینیا (حبش) کی موجودہ زبان عربی زبان سے نکلی ہوئی ہے۔ اِسکے سوا اور شاخیں بھی عربی زبان سے نکلی ہیں جن کا نام و نشان صفحۂ روزگار سے معدوم ہو گیا ہے۔ اسمیں شک نہیں ہے کہ اگر قرآن مجید اس زبان میں نازل نہ ہوتا تو اور زبانوں کی طرح اس زبان سے بھی بہت سی شاخیں نکلتیں۔ مگر قرآن مجید کے نازل ہونے کے سبب سے تحریر میں آج تک وہی زبان مستعمل ہے۔

سامی خاندان کی زبانوں میں سب سے ممتاز علامت یہ ہے کہ یہ زبانیں سہ حرفی مادوں سے ملکر بنتی ہیں جو اشتقاق کی مختلف حالتوں میں بدستور قائم رہتے ہیں۔ اور حرکات کے بدلنے سے معنی بدلتے جاتے ہیں۔ مثلاً **قتل** عربی زبان کا ایک مادہ ہے جسکے معنی ہیں مارنا۔ اِس مادہ کی حرکتوں کے بدلنے سے بہت سے اسما اور صفات اور افعال مشتق ہوتے ہیں جنکے معنی مادہ کی اصلی معنوں سے بدلتے جاتے ہیں قَتَلَ ماضی معروف ہے۔ قُتِلَ ماضی مجہول ہے۔ قِتْلٌ کے معنی ہیں دشمن۔ قَتْلیٰ اور قُتَّلٌ قتول کی جمع ہے۔ اسی طرح حرکات کے کھینچنے سے قَاتِلٌ۔ قَاتَلَ قَتِيْلٌ۔ قَتُوْلٌ۔ قِتَالٌ قَتَّالٌ اور قِتْلیٰ وغیرہ الفاظ بنجاتے ہیں۔ آرین خاندان کی زبانوں کی طرح ان زبانوں میں بھی یہ قابلیت ہے کہ الفاظ پر الفاظ بڑھانے سے مشتقات بنائے جائیں۔ مگر یہ زبانیں فی الحقیقت اسی بات میں ممتاز ہیں کہ اُنمیں اشتقاق کی بنیاد حرکتوں کے بدلنے پر ہے۔ اور جہاں مادوں پر الفاظ کے بڑھانے سے مشتقات بنائے جاتے ہیں

وہاں عموماً ایسے الفاظ لگائے جاتے ہیں جو فی نفسہ کوئی معنے نہیں رکھتے۔

وسعت اور فصاحت اور نزاکت کے ساتھ ادائے مطلب کے لحاظ سے عربی زبان نہایت بلند درجہ پر واقع ہے اور اس لحاظ سے یونانی۔ لاطینی اور سنسکرت زبانیں بھی اس کے قریب قریب ہیں۔ ان کے بعد جرمن زبان کا درجہ ہے۔ لیکن موجودہ زبانوں میں علوم و فنون کے لحاظ سے جرمن زبان سب سے زیادہ زرخیز اور طاقتور ہے۔ فرانسیسی زبان پولیٹکل مضامین کو تمام زبانوں سے زیادہ وضاحت اور صفائی سے ادا کرتی ہے۔ اسی لیئے آج کل ان معاملات میں یورپ کی زبانوں میں سے اس زبان کو خاص طور پر ترجیح دیگئی ہے۔

(وحید الدین سلیم)

فن کتابت کی ایجاد اور اُسکی ترقیوں کی تاریخ

انتھروپالوجی (علم انسان) ایک جدید علم ہے جس پر یورپ کی زبانوں میں کثرت سے کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس علم کا موضوع انسان کی طبعی حالت ہے جو بتدریج ترقی کرتے کرتے موجودہ حالت تک پہنچگئی ہے۔ علماء انسان اس بات پر نہایت تفصیل سے بحث کرتے ہیں کہ انسان نے حیوانی حالت سے رفتہ رفتہ غذا، پوشش، مکان، زبان اور لکھنے کے طریقہ میں کیونکر ترقی کی ہے۔ ہم اس آرٹیکل میں دکھانا چاہتے ہیں کہ انسان نے لکھنا کیونکر ایجاد کیا؟ دنیا کی مختلف قوموں میں لکھنے کے جو طریقے اب جاری ہیں یا زمانہ کے انقلاب سے مٹ گئے اُنکو انسان نے یکے بعد دیگرے کب اور کیونکر نکالا؟

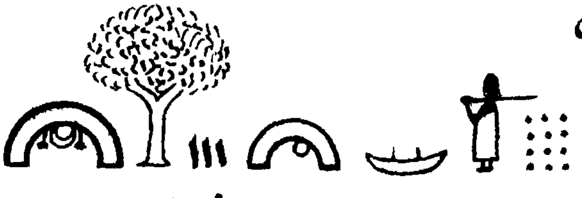
انسان پر دو قوتیں عمل کرتی ہیں جو ایجاد اور اکتشاف کی بنیاد ہیں۔ اول وہ طبعی روشنی ہے جو فطرت کے اسرار تک اُسکی رہنمائی کرتی ہے اور اُن اسباب کے مہیا کرنے

اُسکو آمادہ کرتی ہے جس سے اُسکی ذات کو قیام اور اُسکی نسل کو دوام ہو۔ دوسری قوت ضرورت ہے جو اُسکو اسرار فطرت کے سُراغ لگانے اور فطرت کی چیزوں کو تسخیر کرنے پر مائل کرتی ہے۔ آگ سے لیکر جس کی ایجاد کا زمانہ معلوم نہیں ہے باطنی تصویر تک جسکا طریقہ حال میں ڈاکٹر راغجن نے ایجاد کیا ہے انسان کی تمام ایجادوں پر غور کرو اُن سبکی بنیاد ضرورت پر ہے۔ اور یہ مقولہ جو قریب قریب دنیا کی تمام مہذب قوموں میں ضرب المثل ہوگیا ہے نہایت صحیح اور درست ہے کہ "الحاجۃ ام الاختراع"۔

انسان عرصۂ دراز تک اسی حالت میں رہا کہ وہ کھاتا اور پیتا' پہنتا اوراوڑھتا' سوتا اور جاگتا' بولتا چالتا تھا مگر لکھنا نہیں جانتا تھا۔ جب اُسکی نسلیں کثرت سے پھیل گئیں اور سوسائٹی بڑہ گئی اور اسکی تعلقات کا دائرہ وسیع ہوگیا اور روزی کی تلاش اور کسب معاش کے لیئے گردوپیش کا سفر کرنے لگا تو وہ اس بات پر مجبور ہوا کہ اپنے ہمسایوں کو کسی واقعہ کی خبر دینی یا گذشتہ واقعات کو محفوظ رکھنے یا اپنے تجربوں اور مشاہدوں کو جمع کرنے کے لیئے لکھنے کا طریقہ ایجاد کرے۔

اب فرض کرو کہ انسانی تمدن کا آغاز ہے۔ بنی نوع انسان کا ایک گروہ ہے جو گھاس پات یا جانوروں کے شکار پر زندگی بسر کرتا ہے اور جنگلوں یا پہاڑوں کے غار میں آباد ہے۔ اُس گروہ کے سردار پر ایک شیر نے حملہ کیا اور اُسکو چیر پھاڑ کر چٹ کیا۔ اب اُس گروہ نے چاہا کہ اِس واقعہ کو محفوظ رکھیں۔ کیا اُسوقت اس واقعہ کو قلمبند کرنے کے لیے تصویر کے سوا کوئی اور طریقہ انسان کے ذہن میں آسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اُنہوں نے اس واقعہ کی تصویر اس طرح کھینچی کہ گویا شیر ایک انسان پر حملہ کرتا ہے اور اپنے پنجوں سے اُسکا گوشت نوچتا ہے۔ لکھنے کا سب سے پہلے سادہ اور نیچرل طریقہ یہی تھا جسکی طرف

انسان نے ترقی کا پہلا قدم بڑھایا۔ ہم اس زمانہ کو "دورِ صوری ذاتی" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ زمانہ تاریخِ کتابت کے زمانوں میں سب سے سادہ اور بسیط ہے کیونکہ اس میں واقعات کو محفوظ رکھنے کے لیے انسان کی یہی محدود کوشش تھی کہ جس طرح کوئی واقعہ ہو اُسی طرح بجنسہٖ اُسکی تصویر کھینچ دے۔ مگر یہ طریقہ کچھ بہت مفید نہ تھا کیونکہ اس طریقہ سے وہی واقعات قلمبند ہو سکتے ہیں جنہیں تصویر کھینچنے کی قابلیت ہو۔ حالانکہ دشمنی اور دوستی، صبح اور شام، دن اور رات اور بہت سے ایسے کُلی اور جُزئی مفہوم ہیں جن کی کوئی خارجی صورت نہیں ہے اسلیے ضرور تھا کہ انسان کچھ رموز و علامات قرار دے جنکے ذریعہ سے ان کُلی اور جُزئی مفہومات کی تصویر کھینچ سکے۔ چنانچہ اُس نے محبت کے اظہار کے لیے کبوتر کی تصویر کھینچی۔ دشمنی کا اشارہ سانپ کی تصویر سے کیا اور ایک دائرہ کی بلندی پر آفتاب کی شکل بنا کر دن کا وقت دکھایا۔ اب فرض کرو سمندر کے کنارہ پر ایک قبیلہ آباد ہے اور قبیلہ کا سردار غائب ہو۔ دشمنوں کا ایک گروہ سمندر میں تین دن چلکر رات کیوقت کنارہ پر اُترا اور اُس قبیلہ پر حملہ آور ہوا۔ سردار قبیلہ کے بیٹے یا اُسکے جانشین نے چاہا کہ اس واقعہ کی خبر قبیلہ کے سردار کو پہنچائے۔ کچھ تعجب نہیں ہے کہ اُس نے اس واقعہ کی جزئیات کو رمز و اشارت کا لباس پہنا کر ذیل کی تصویر کھینچی ہو۔



اس تصویر میں ایک مسلح شخص ہے جس سے دشمن کا اشارہ کیا ہے۔ اُس کے پیچھے بہت سے نقطے ہیں جن سے دشمنوں کی کثرت مراد ہے سامنے ایک کشتی ہے جس سے اس بات کا اشارہ ہے کہ دشمن سمندر کی راہ سے آیا۔

کشتی کے آگے ایک نصف دائرہ ہے اُسکے بیچ میں ایک گول نشان ہے۔ نصف دائرہ سے آسمان اور گول نشان سے آفتاب مراد ہے اور اس مجموعی صورت سے دن کا وقت مراد ہے۔ آگے تین خط ہیں جنسے اس بات کا اشارہ ہے کہ دشمن نے تین دن تک سمندر کا سفر کیا۔ درخت سے خشکی پر اُترنے کا اشارہ ہے۔ درخت کے آگے ایک نصف دائرہ ہے جسمیں اوپر کی طرف ہلال اور ستاروں کے نشان ہیں جس سے اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ دشمن رات کیوقت خشکی پر اُترا۔ یہ تاریخ کتابت کا دوسرا دور ہے جسمیں انسان واقعات کو رمز و اشارت کا لباس پہنا کر اُن کی تصویر کہینچتا تہا اور اس طریقہ سے بہت سے واقعات کو قلمبند کرتا تہا۔ اس دور کا نام "دور صوری رمزی" ہے۔

مدتِ دراز کے بعد انسان نے ایک اور طریقہ ایجاد کیا۔ جو پہلے دونوں طریقوں سے زیادہ مفید تہا۔ وہ یہ ہے کہ عدوؔ یعنی دشمن کی تصویر کہینچتا تہا اور اُس سے لفظ (عدو) کا پہلا حرف معہ اُسکی حرکت کے مراد لیتا تہا یعنی (عَ) اسی طرح سَفینہ یعنی کشتی کی تصویر سے (سَ) اور شَجر یعنی درخت کی تصویر سے (شَ) وقس علی ہٰذا۔ تاریخ کتابت انسانی کا یہ نہایت مہتم بالشان دور ہے جسمیں اشیا کی صورتیں بدلکر اپنے ناموں کے پہلے حرف پر دلالت کرنے لگیں۔ علم انسان کی اصطلاح میں اس دور کا نام "دور مقطعی" ہے

لیکن حیوانات، نباتات اور دیگر اشیا کی تصویر کہینچنے میں اسقدر محنت اور دشواری ہے کہ لکھنے کا یہ طریقہ نہ وسعت کے ساتھ بنی نوع انسان میں پہیل سکتا ہے نہ مدتِ دراز تک قائم رہ سکتا ہے۔ اِس کے سوا انسان کا میلان فطرتاً اس بات کی طرف ہے کہ جلد کام کرے اور جہانتک ممکن ہو اپنا وقت بچائے۔ اسی لیے لکھنے کے وقت اُسکا ہاتھ جلد جلد ہر طرف حرکت کرتا ہے اور ایک حالت پر نہیں رہتا۔ یہی سبب تہا کہ پہلے اور دوسرے

دور میں انسان جو تصویریں کھینچتا تھا اُن کی صورتیں رفتہ رفتہ بدل گئیں۔ مگر وہ تصویریں جن مطالب پر دلالت کرتی تھیں اُنکی دلالت بدستور قائم رہی۔ لیکن اس بات کا سمجھنا مشکل ہو گیا کہ موجودہ صورتوں میں اور اُن مطالب میں جنپر وہ دلالت کرتی ہیں کیا تعلق ہے۔

مدت دراز کے بعد انسان نے حروف کے لیئے حرکتیں ایجاد کیں۔ اس دور میں وہ شکلیں جو حروف اور اُنکی حرکات پر ایک ساتھ دلالت کرتی تھیں فقط حرفوں پر دلالت کرنے لگیں۔ اور حرکات کے اظہار کے لیئے جُدا جُدا علامتیں قائم ہو گئیں۔ جو حروف کیساتھ حسب ضرورت لگائی جاتی تھیں۔ مثلاً تیسرے دور میں جو شکل (عَ) پر دلالت کرتی تھی اَب صرف (ع) پر دلالت کرنے لگی اور جن شکلوں سے (سَ) اور (شَ) مراد لیجاتی تھی اَب اُنسے صرف (س) اور (ش) مراد لینے لگے۔ اور زبر اور زیر اور پیش کے لیئے اُن حرفوں پر جُدا جُدا علامتیں لکھنے لگے۔ اس طریقہ سے وہ تمام مشکلات اور دشواریاں دور ہو گئیں جو پہلے تین دوروں کے طریقہ کتابت میں پیش آتی تھیں۔ اسلیئے یہ طریقہ نہایت وسعت کے ساتھ بنی نوعِ انسان میں پھیل گیا اور باقی طریقے یک قلم منسوخ ہو گئے۔ اس آخری دور کا نام علم انسان کی اصطلاح میں "دورِ ہجائی" ہے

اس تمام بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لکھنے کا طریقہ ایجاد ہونے سے ابتک تاریخ کتابت کے چار دور گذر چکے ہیں جنمیں انسان نے رفتہ رفتہ موجودہ طریقہ کتابت تک ترقی کی۔ اور وہ چار دور حسب ذیل ہیں۔

(۱) دورِ صوری ذاتی۔ اس دور میں انسان واقعات کی تصویر ہو بہو کھینچتا تھا۔ مگر وہ اس طریقہ سے چند ہی نہایت سادہ واقعات کی تصویر کھینچ سکتا تھا۔

(۲) دورِ تصوری رمزی۔ اس دور میں اُن واقعات کی تصویریں بھی کھنچنے لگیں جن کی کوئی خارجی صورت نہیں تھی مگر اس کے لیئے سیکڑوں بلکہ ہزاروں تصویریں کھینچنے کی ضرورت تھی اور سخت محنت کا کام تھا۔

(۳) دورِ مقطعی۔ اس دور میں اشیا کی تصویریں اپنے ناموں کے پہلے حرفوں اورُانکی حرکتوں پر ایک ساتھ دلالت کرنے لگیں۔ کتابت کی تاریخ میں یہ نہایت شاندار ایجاد تھی۔ اور اس ایجاد سے جن مطالب کے لیے دوسرے دور میں ہزاروں تصویریں کھینچنے کی ضرورت تھی اب سو دو سو تصویروں کی ضرورت رہ گئی۔

(۴) دورِ ہجائی۔ اس دور میں وہ شکلیں جو پہلے حرفوں اورُانکی حرکتوں پر ایک ساتھ دلالت کرتی تھیں صرف حرفوں پر دلالت کرنے لگیں اور حرکتوں کے لیئے جُداجُدا علامتیں ایجاد ہوگئیں۔ اس طریقہ میں چند ہی شکلوں اور علامتوں کی ضرورت ہے جو زبان کے تمام لفظوں کو تعبیر کرسکتی ہیں اگرچہ وہ کسی قدر بڑھ جائیں۔ یہ آخری دور ہے جسمیں حرفوں اور حرکتوں کے ایجاد ہونے سے زمانۂ حال تک جو ترقیاں طریقہ کتابت میں ہوئی ہیں وہ سب داخل ہیں۔

ہم اُس طریقہ کو بیان کرچکے ہیں جسمیں فنِ کتابت نے نہایت ہی سادہ حالت سے موجودہ حالت تک بتدریج ترقی کی ہوگی مگر اب ہم دنیا کے مشہور خطوں کی تاریخ ابتدائے تمدن سے آج تک بیان کرتے ہیں تاکہ علمِ انسان کی وہ تھیوری جسکا ابھی ذکر ہوا مدلل طریقہ سے ثابت ہوجائے۔

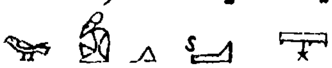
سیکڑوں خط ہیں جنکو انسان نے ابتداے تہذیب سے آج تک استعمال کیا ہے اُنمیں سے بعض خط متروک ہوگئے ہیں اور بعض آج تک جاری ہیں۔ تاریخ کتابت پر آسانی کے ساتھ بحث کرنے کے لیئے ہم تمام خطوں کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں (۱) خطوطِ اصلیہ (۲) خطوطِ فرعیہ۔

خطوطِ اصلیہ سے وہ خط مراد ہیں جنکو انسان نے طبعی طور پر ایجاد کیا۔ اُنمیں وہ تمام خطوط شامل ہیں جو زمانہ قدیم کی شائستہ قوموں میں جاری تھے۔ اُنمیں سے حسب ذیل چار خط ہیں جو علم انسان کے محققوں نے اب تک دریافت کیئے ہیں۔ (۱) ہیروغلیفی یا ہیروگلیفکس (۲) اسفینی یا پیکانی (۳) حبشی (۴) چینی۔ مذکورۂ بالا خطوں میں سے ہر خط نے بجاے خود ترقی کی ہے۔ اور دورِ صوری ذاتی سے نکلکر دورِ مقطعی تک پہنچگئے ہیں۔ مگر اُنکی ترقی دوسری اور تیسرے دور کے درمیان ٹھرگئی۔ اور اسی لیے ان خطوط میں دورِ صوری رمزی اور دورِ مقطعی دونوں کی نشانیاں موجود ہیں۔

خطوطِ فرعیہ سے وہ خط مراد ہیں جو اصلی خطوط سے ماخوذ ہیں۔ اُنمیں زمانۂ قدیم اور زمانہ حال کے بہت سے خط شامل ہیں جنمیں سے بعض اب تک جاری ہیں اور بعض متروک ہوگئے۔

ہیروغلیفی یا ہیروگلیفکس مصر کا قدیم خط ہے اور دنیا کے بہت سے مشہور خطوط اسی خط سے نکلے ہیں۔ ہیروغلیفی کا جو نمونہ ہم تک پہنچا ہے وہ اُس زمانہ کی یادگار ہے جبکہ یہ خط دورِ صوری رمزی سے نکلکر دورِ مقطعی کی طرف قدم بڑھا رہا تھا کیونکہ اس کی بعض شکلیں بجنسہ اُن مطالب پر دلالت کرتی ہیں جنکے لیئے وہ شکلیں دورِ اول میں ایجاد ہوئی تھیں اور بعض شکلیں ہیں جو بطور رمز و اشارہ کے اُن معانی کو تعبیر کرتی ہیں جنکو تعبیر کرنا دورِ اول میں

نا ممکن تھا۔ اسی طرح بعض شکلیں حروف پر دلالت کرتی ہیں۔ معانی محسوس پر دلالت کرنیکا طریقہ وہی ہے جو تمام اصلی خطوط میں جاری ہے۔ مگر واقعات کو رمز و اشارت کے پیرایہ میں ادا کرنے کا طریقہ ہر قوم میں مختلف ہے۔ مصریوں کے نزدیک اشکال رمزی کی مثال حسب ذیل ہے۔



پہلی شکل کسی چیز کے چھن جانے یا ضائع ہو جانے کو ظاہر کرتی ہے۔ دوسری شکل ستارہ آویزاں کی ہے جس سے تاریکی مراد ہے تیسری شکل ایک پھیلے ہوئے ہاتھ کی ہے جو مضبوطی کے ساتھ لکڑی کو تھامے ہوئے ہے اور اس سے قبضہ اور قوت کی طرف اشارہ ہے۔ چوتھی شکل دو چلتی ٹانگوں کی ہے جو چلنے کو تعبیر کرتی ہیں۔ پانچویں شکل انسان کی ہے جسکا ہاتھ مونھ میں ہے اور اس سے کھانا پینا یا بولنا مراد ہے چھٹی شکل ایک پرند کی ہے جو برائی اور شر کی تعبیر کرتا ہے۔

ہیروغلیفی خط میں جو شکلیں حروف پر دلالت کرتی ہیں اور جو بائیں طرف سے دائیں طرف کو پڑھی جاتی ہیں انکی مثال حسب ذیل ہے۔



سہینا حر تو حمص حر تو اُن اُن

مصریوں میں یہ خط مدت دراز تک جاری رہا۔ پھر اس خط سے دو خط اور نکالے گئے جو ہیروغلیفی کے ساتھ ساتھ جاری تھے۔ انمیں سے ایک کا نام ہیراتی اور دوسرے کا نام دیموطیقی ہے۔ مصری باشندے مذکورۂ بالا تینوں خطوں کو ایک ساتھ استعمال کرتے تھے۔ ہیروغلیفی خط مصر کے کاہنوں میں محدود تھا اور گمان غالب ہے کہ تیسری صدی عیسوی تک جاری رہا۔ ہیراتی خط ہیروغلیفی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

جسکے صورتیں جلد جلد لکھنے سے بدل گئی ہیں۔ دیموطیقی خط بہت قریب کے زمانہ کا ہے اور اسی لئے حروف تہجی سے ملتا جلتا ہے۔ یہ تینوں خط بہت مدت تک مصر میں جاری رہے۔ پھر قبطیوں نے یونانی زبان کے قدیم حروف لکھنے شروع کیئے اور اُنہیں دیموطیقی خط کے بعض حروف شامل کر لیئے جنکی آوازوں کی تعبیر کرنے کے لیئے یونانی زبان میں کوئی حرف نہ تھا۔

ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ ہیروغلیفی خط سے دنیا کے بہت سے مشہور خطوں کا اشتقاق ہوا ہے۔ اسمیں شک نہیں ہے کہ اس خط کو بہت سے ملکوں میں لیجانے اور بہت سی قوموں میں رواج دینے کی فضیلت اہل فینشیا کا حق ہے۔ جو تاریخ کے بہت قدیم زمانہ میں ملک شام کے سواحل پر آباد تے۔ اہل فینشیا فراعنۂ مصر کے ساتھ ہم عصر ہیں۔ یہی قوم تھی جسنے سب سے پہلے تجارت اور استعمار کا نشان بلند کیا۔ اور اس مطلب کے لیئے بہت سے ملکوں کا سفر کیا۔ سمندروں میں جہازرانی کی۔ اور حضرت عیسٰی کی ولادت سے کئی صدی پہلے ہیروغلیفی خط سے حروف تہجی نکالے۔ اور اس طبع زاد خط کو لیکر دنیا کی بہت سے ملکوں میں گئے۔ یونانیوں، کلدانیوں، یہودیوں اور بہت سی قوموں کو لکھنا سکھایا۔ اہل فینشیا کے خط سے بہت سے مشہور خط نکالے گئے ہیں جو آج تک مہذب ملکوں میں جاری ہیں۔

اہل فینشیا نے ان حرفوں کو ایجاد نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے ہیروغلیفی کی شکلوں کو اپنی پسند سے انتخاب کیا اور مشق و مزاولت سے اُنکی اصلاح کی۔ حروف تہجی کی اصلیت میں علما کے اقوال مختلف ہیں جنمیں سب سے صحیح قول یہ ہے کہ اہل فینشیا جب مصر میں تاجرانہ وارد ہوئے۔ تو اُنکو مصریوں اور دیگر ممالک کے باشندوں سے لین دین کرنیکو لیے

خط وکتابت کا طریقہ ایجاد کرنا پڑا۔ اُنہوں نے ہیروغلیفی یا ہیراتی خط کی بعض شکلیں پسند کیں جو اُسوقت مصر میں مستعمل تھیں۔ اور اُنکو آسانی سے استعمال کرنے کے لیے کچھ کچھ تصرف کیا۔ کچھ مدت کے بعد اہل فینیشیا نے بائیس شکلوں کی ابجد طیار کرلی اور ہر شکل سے اپنی زبان کا ایک حرف مراد لیا۔ ہر شکل کا نام اُس چیز کے نام پر رکھا جسپر وہ شکل دلالت کرتی تھی۔ مثلاً ذیل کی صورت () مصریوں کے نزدیک بیل پر دلالت کرتی تھی جسکو اُنکی زبان میں (آدا) کہتے تھے۔ اہل فینیشیا نے بیل کے سر کی تصویر بنائی جو حرف الف پر دلالت کرتی تھی۔ اس شکل کا نام الف رکھا کیونکہ اہل فینیشیا کی زبان میں الف بیل کو کہتے ہیں۔ اسیطرح ذیل کی ایک مربع شکل بنائی جو گھر کی صورت سے مشابہ تھی () یہ شکل مصریوں کے نزدیک گھر پر دلالت کرتی تھی جسکو اُنکی زبان میں (دبا) کہتے تھے۔ اہل فینیشیا اس شکل سے حرف (ب) مراد لیتے تھے اور اس شکل کا نام (بیث) تھا جو اُنکی زبان میں گھر کے معنوں میں بولا جاتا تھا۔ جیم کے لیے ذیل کی شکل ایجاد کی جو اونٹ کے سر کی مشابہ ہے () اس شکل کا نام اُنکی زبان میں (جیمل) تھا جو اونٹ پر بولا جاتا تھا۔ شین کے لیے ہیروغلیفی خط میں ذیل کی شکل ہے () یہ شکل درختوں کی قطار کی تصویر ہے۔ باقی حروف کو اسی پر قیاس کرو۔ اہل فینیشیا مصری حرفوں کو اخذ کرتے تھے پھر اُنکو تراشتے اور سنوارتے تھے۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے اپنی زبان کے تمام حرفوں کی شکلیں طیار کرلیں اور پندرہویں صدی قبل مسیح سے پیشتر اُنکی ابجد مکمل ہوگئی۔

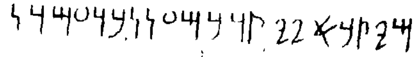
اہل فینیشیا پندرہویں صدی قبل مسیح میں اپنی ابجد یونان میں لے گئے۔ یونانی زبان کے قدیم حروف اسی ابجد سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح وہ اپنی ابجد ملک اشور میں لیکر پہنچے۔ قدیم کلدانی یا آرامی حروف بھی اسی ابجد سے لیے گئے ہیں۔ اس سے پیشتر کلدانیوں

میں پیکانی خط جاری تھا جسکی جگہ اُنھوں نے اہلِ فنیشیا کی ابجد اختیار کی۔ کیونکہ اس ابجد کی نسبت پیکانی حروف کے لکھنے میں سخت دشواری تھی۔ قدیم یونانی خط سے رومی یا غوطی (گاتھک)، یونانی جدید اور سلافی خط نکالے گئے ہیں۔ امریکا اور یورپ کی زبانیں جن حروف میں لکھی جاتی ہیں وہ بھی یونانی قدیم سے ماخوذ ہیں۔ قدیم یونانی خط سے قبطی حروف بھی لیے گئے ہیں۔ اس کے سوا بہت سے اور خط بھی اُس سے نکلے تھے جو اب متروک ہیں اور جن کے نام حسبِ ذیل ہیں (۱) تریجبانی (۲) لیسیانی (۳) اتروسکانی (۴) کاریانی۔ آرامی خط سے تمام شرقی خطوط نکالے گئے ہیں جنمیں عبرانی مربع، سطرنجیلی، نبطی اور ہندی خط شامل ہیں۔ سطرنجیلی خط سے سریانی اور کوفی خط نکلے۔ نبطی خط سے عربی زبان کا موجودہ خط نکالا گیا جو خطِ نسخ کے نام سے مشہور ہے۔ ہندی خط سے تمام ہندوستانی خطوط اخذ کیے گئے ہیں۔ اہلِ فنیشیا کے خط سے تین خط اور براہ راست نکالے گئے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) عبرانی قدیم (۲) قبرسی (۳) قرطجنی یا کارتھجین۔ عبرانی زبان کے قدیم خط سے سامری حروف مشتق ہوئے ہیں اور یہ سب رفتہ رفتہ متروک ہو گئے ہیں۔

ذیل کی جدول میں اہلِ فنیشیا کے حروف ہیں جو عربی حروف کے مقابل ہیں نیز اُنکے مقابل یونانی قدیم کے حروف ہیں جن پر سرسری نظر ڈالنے سے اہلِ فنیشیا اور قدیم یونانیوں کے حروف صاف طور پر ملتے جلتے نظر آئیں گے۔ یہی حال ان خطوں اور اُن کی شاخوں کا ہے۔

آرامی خط پر تمام شرقی خطوں کی بنیاد ہے۔ اوّل اوّل
اس خط میں اور اہل فنیشیا کے خط میں کوئی فرق نہ تھا۔ مگر
رفتہ رفتہ اسمیں تنوع ہونے لگا اور اہل فنیشیا کے خط سے
دور ہوتا گیا۔ سب سے پہلا تغیر جو آرامی خط میں ہوا وہ یہ تھا
کہ زاویہ دار حرفوں کے بالائی سرے اور زاویے کھل گئے
اور اکثر حروف اپنے آپ پر پلٹ گئے۔ مثال کے لیے
ذیل کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔



میتبا زی قرب معنن بر عمرن



لصلم الہا یحیی نقشہ

دیکھو اس خط میں (ب) اور (د) اور (ر) کے
سرے کھلکر نیچے کو جھک گئے ہیں مگر اہل فنیشیا کے
حروف کی شکل ابتک برابر موجود ہے۔
اسکے بعد آرامی خط ایشیا کے اطراف میں پھیلنے لگا
اور ہر قوم کے مختلف حالات کے لحاظ سے اسمیں تنوع
ہونے لگا اور اس سے بہت سی شاخیں نکل آئیں جنکا
ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ مگر ان شاخوں میں سے ہمارے
نزدیک نبطی خط سب سے زیادہ مہتم بالشان ہے کیونکہ عربی

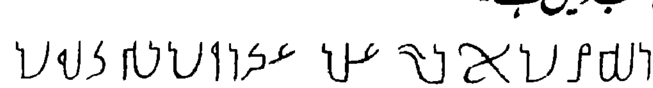
حروف یونانی	حروف اہل فنیشیا	حروف عربی
Α	𐤀	ا
Β	𐤁	ب
Γ	𐤂	ج
Δ	𐤃	د
Ε	𐤄	ہ
Υ	𐤅	و
Ι	𐤆	ز
Η	𐤇	ح
Θ	𐤈	ط
ϛ	𐤉	ی
Κ	𐤊	ک
Λ	𐤋	ل
Μ	𐤌	م
Ν	𐤍	ن
Ξ	𐤎	س
Ο	𐤏	ع
ϛ	𐤐	ف
Ϻ	𐤑	ص
Φ	𐤒	ق
Ρ	𐤓	ر
Μ	𐤔	ش
Τ	𐤕	ت ۃ

زبان کے موجودہ خط کا اشتقاق اسی خط سے ہوا ہے۔ نبطی خط کو نبطی اسلئے کہتے ہیں کہ وہ نبطیوں میں مستعمل تھا۔ جو بصرہ۔ حبرون۔ سرخد۔ اور حوران کے شہروں اور اُنکی مضافات میں آباد تھے۔ علمائے آثار نے ان اطراف کے قدیم کھنڈرات میں اس خط کی کتابوں کا سُراغ لگایا ہے۔ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کی دو مختلف قسمیں ہیں جنہیں سے ایک آرامی خط سے بہت قریب ہے اور یہ بہت قدیم ہے۔ حوران کے اطراف میں سویدیہ کے قریب جو کُتابے دستیاب ہوئے ہیں اُنہیں سے ذیل کا نمونہ بطور مثال کے پیش کیا جاتا ہے۔



نفشہ دی حمرت دی بنہ لہ ادینۃ بعلہ

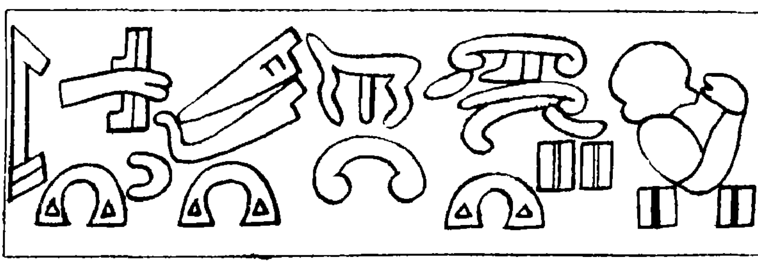
یہ آرامی خط کی بہت قدیم شکل ہے۔ دوسری قسم کا آرامی خط عربی زبان کے خط سے بہت قریب ہے۔ علمائے آثار نے اس خط کا کتابہ بھی تلاش کر لیا ہے جو پتھر کی تختیوں پر لکھا ہوا تھا۔ اِس کُتابے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے حروف آپس میں ملگئے ہیں اور یہ زمانہ عربی حرفوں کے باہم ملنے کا پہلا زمانہ ہے۔ اس خط کی مثال حسب ذیل ہے۔



دنخ قبرا دی عبد عیدو بن کہیلو بن

اسکے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کُتابہ ایک مقبرہ میں نصب کیا گیا تھا جسکو عیدو بن کہیلو بن قصی نے اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لیے تعمیر کیا تھا اور اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ کتابہ سنہ قبل مسیح اور سنہ ء کے درمیان لکھا گیا۔

حتی ایک قدیم قوم کا نام ہے جو زمانۂ تمدن کے آغاز میں ملک شام اور ایشیائے کوچک میں آباد تھی۔ یہ قوم مصر قدیم کے فراعنہ کے ساتھ ہمعصر تھی۔ حتیوں اور اشوریوں میں اور حتیوں اور مصریوں میں بہت سے معرکے ہو چکے ہیں۔ اس قوم کی حکومت اور تاریخ حضرت مسیح کی ولادت سے بہت پیشتر مٹ چکی تھی مگر علمائے آثار نے اِس صدی میں اُنکے کتبوں کا سُراغ لگایا ہے جو پتھر کی تختیوں پر لکھے ہوئے ہیں۔ حتیوں کا خط ہیروغلیفی خط کی طرح تصویری حروف سے مرکب ہے۔ مگر ان کتبوں کے بعض حروف ہیں جو علمائے آثار نے نہایت محنت سے پڑھ لیے ہیں اُنسے معلوم ہوتا ہے کہ حتی خط ایک مستقل خط ہی اور اسکو ہیروغلیفی خط سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حتی خط کا جو کتابہ شہر حماۃ واقع ملک شام کے کھنڈرات میں سے دستیاب ہوا ہے اُسکا نمونہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔



پہلی تصویر انسانی ہاتھ کی ہے جو مونھ تک پہنچا ہے اس سے بولنا مراد ہے۔ اس تصویر کے نیچے دو مربع شکلیں ہیں جنسے لفظ (ما) مراد ہے۔ اس سے آگے گھوڑے کے کوہان کی تصویر ہے اور اس کے نیچے تین شکلیں اور ہیں۔ جو لفظ (اس) پر دلالت کرتی ہیں اور اُنسے فاعلیت کا اظہار مقصود ہے۔ باقی شکلوں کو جنکو علمائے آثار اب تک حل نہیں کر سکے اسی پر قیاس کرو۔ غالباً حتی خط سے اور خط نہیں نکلے یا نکلے ہوں اور زمانہ دراز کے انقلاب سے فراموش ہو گئے ہوں۔ تو کچھ تعجب نہیں ہے کیونکہ

حمیری اور حبشی خط ہمارے نزدیک اس قدیم خط کی یادگار ہے اور ان دونوں خطوں میں اور حتی خط میں صاف مشابہت معلوم ہوتی ہے۔ حمیری اور حبشی خطوں کی اصلیت میں علما کا مدت سے اختلاف ہے اور وہ اب تک کسی ایسے خط پر متفق نہیں ہوئے ہیں جس کو ان دونوں خطوں کی اصل کہا جا سکے مگر ہمارے نزدیک تمام خطوں کی نسبت حتی خط حمیری اور حبشی خطوں سے بہت قریب ہے۔ حمیری خط کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

KΠYTλK₮HI/I·IIH/ΛI·ITDKΠTKAY!ΞI··ЗIЪH··I···ЗAI·IIDA

اس سطر میں دائیں طرف کا پہلا حرف (س)۔ دوسرا (م)۔ تیسرا (ی) ہے چوتھا فاصلہ کی علامت۔ پانچواں حرف (ع)۔ ساتواں (الف) ہے۔

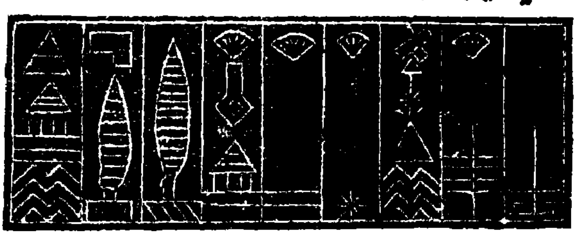
حبشی خط کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

ኧግዚአብሔር፡ ኧንዲሁ፡ ዓለሙን፡ ወድዋልና፡

ان نمونوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حبشی اور حمیری خطوں میں باہم پوری مشابہت ہے۔ مگر حبشی خط بائیں طرف سے دائیں طرف کو لکھا جاتا ہے۔ حبشی خط کی سطر میں بائیں طرف سے پہلا حرف (الف) ہے جو حمیری سطر کے ساتویں حرف سے نہایت مشابہ ہے۔ دوسرا حرف (ج) ہے۔ تیسرا (ز) ہے اور وہ حمیری (ذ) سے بہت مشابہ ہے جو حمیری سطر میں پندرھواں حرف ہے وقس علیٰ ہذا۔

اسفینی یا پیکانی خط وہی خط ہے جو اشوریوں اور بابلیوں میں اس وقت سے پہلے مستعمل تھا جبکہ انہوں نے اہل فینیشیا کے حروف اختیار کیے۔ اس خط کے حروف تیر کی نوک سے مشابہ تھے اسی لیے اس خط کو پیکانی خط کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس خط میں دو صورتیں رمزی اور مقطعی کی نشانیاں موجود ہیں۔ مثلاً (سار و کالو) اشوری زبان کے الفاظ ہیں۔ جو پیکانی خط

اس طرح لکھے جاتے ہیں۔() ان لفظوں کے معنی ہیں "پادشاہ نے جلایا" عراق میں بابل اور اشور کے کھنڈرات اس خط کے کتابوں سے معمور ہیں جو مٹی کی تختیوں پر منقوش ہیں۔ اشور اور بابل کے باشندے میخول یا میخ نما اوزاروں سے گیلی مٹی کی تختیوں پر حرف کھودتے تھے۔ پھر ان تختیوں کو سایہ میں خشک کر لیتے تھے یا آگ میں پکا لیتے تھے۔ انکے برخلاف مصر قدیم کے باشندے پتھروں پر حرف کندہ کرتے تھے۔ سرسری نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ پیکانی حرفوں کو تصویری حرفوں سے کچھ تعلق نہیں ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط بھی تصویری خط کا بقیہ ہے جو اس سے بہت پیشتر مستعمل ہوا ہوگا۔ یہ خیال درحقیقت نہایت صحیح ہے کیونکہ اس خط کا ایک قدیم کتابہ جو بیضوی شکل کے ایک پتھر پر کندہ ہوا ہے اور جو برٹش میوزیم میں موجود ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیکانی خط کا یہ قدیم نمونہ تصویری خط سے بہت قریب ہے۔ علماء آثار نے اس کتابہ کو پڑھ کر تحقیق کیا ہے کہ یہ کتابہ حضرت مسیح کی ولادت سے ۴۰۰۰ برس پیشتر کا لکھا ہوا ہے۔ ذیل میں اس کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔



دیکھو اس کتابہ کی شکلیں تصویری حرفوں سے بہت قریب ہیں

شاید پیکانی اور حبشی خطوں کے درمیان کوئی تعلق رہا ہو۔ ہمکو معلوم نہیں ہے کہ پیکانی خط سے کوئی اور خط نکلا یا نہیں۔

چینی خط نہایت قدیم ہے اور اس کی شکلیں قدیم خطوں کی طرح کامل الفاظ پر دلالت کرتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ چینی زبان میں سیکڑوں اور ہزاروں شکلیں موجود ہیں مگر سرسری طور پر

اُن کے دیکھنے سے نہیں کُھلتا کہ یہ شکلیں تصویری حروف کی یادگار ہیں۔ اگر ہم زیادہ غور کریں تو قیاس غالب ہوتا ہے کہ ان شکلوں کی بنیاد بھی تصویری حروف پر تھی جو زمانہ دراز کے گزرنے سے متغیر ہو گئے ہیں چینی حرفوں کا نمونہ دیکھو اور اُنپر غور کرو۔

(古 凡 予 甚 困)

چینی زبان میں کئی قسم کے حروف ہیں اُن سب کی بنیاد غالباً ایک ہی قدیم خط پر ہے جو تصویری حروف سے مرکب تھا اور جو صدیوں کے انقلاب سے گم ہو گیا چینی خط کا کوئی نہایت قدیم نمونہ ہم تک نہیں پہنچا ہے اسلئے ہماری رائے جو اس خط کی اصلیت پر ہے وہ قیاس تمثیل پر مبنی ہے۔

مضمون کے آخر میں ہم ایک جدول اضافہ کرتے ہیں جس سے ناظرین کو معلوم ہو گا کہ خطوطِ اصلیہ سے کون کون سے فرعی خطوط نکالے گئے اور اُن میں سے کونسے خط ابتک جاری ہیں اور کونسے متروک ہو گئے۔

(دیکھو صفحہ ۴۶۴)

جدول خطوط فرعیہ جو خطوط اصلیہ سے نکالے گئے ہیں

تحریری علامتی اشکال

- **(۱) فنیقی حروف**
  - (۱) یونانی قدیم
    - (۱) رومی — اس خط میں یورپ امریکا کی زبانیں لکھی جاتی ہیں۔
    - (۲) غوطی (گاتھک) — اس خط میں جرمن کی زبانیں لکھی جاتی ہیں۔
    - (۳) یونانی جدید — ” یونان ” ”
    - (۴) قبطی — ” قبطی زبان ” ”
    - (۵) سلاونی — ” روس کی زبانیں لکھی جاتی ہیں
    - (۶) فریجیانی — یہ خط متروک ہو گیا۔
    - (۷) لیسیانی — ” ”
    - (۸) اتروسکانی — ” ”
    - (۹) کاریانی — ” ”
  - (۲) آرامی
    - (۱) ہندی — مع اپنے اقسام کے۔
    - (۲) عبرانی مربع — اس خط میں عبرانی زبان لکھی جاتی ہے۔
    - (۳) سطرنجیلی
      - (۱) سریانی۔
      - (۲) کوفی۔
    - (۴) نبطی — عربی زبان کا خطِ نسخ اسی خط سے نکلا ہے۔
    - (۵) تدمری — یہ خط متروک ہو گیا۔
  - (۳) عبرانی قدیم — اس خط سے سامری خط نکلا اور دونوں متروک ہو گئے
  - (۴) قبرسی — یہ خط متروک ہو گیا۔
  - (۵) قرطجنی — ” ”
- **حبشی**
  - (۱) حمیری
  - (۲) حبشی — اس خط میں حبشی زبان لکھی جاتی ہے۔
- **اشوری** — اسفینی یا پیکانی
- **چینی** — چینی خطوط

(وحید الدین سلیم)

اجلاس ممبران بورڈ آف منیجمنٹ مدرستہ العلوم علی گڈھ

منعقدہ ۲۴ اکتوبر ۱۸۹۶ء

ممبران موجودہ اجلاس ٹرسٹیان

محمد مزمل اللہ خاں صاحب۔ مرزا عابد علی بیگ صاحب۔

سرسید احمد خاں بہادر کے سی ایس آئی ایل ایل ڈی سکرٹری ٹرسٹیان (اکس افیشیو ممبر)

کالج اسٹاف

مسٹر تھیوڈور بیک پرنسپل (اکس افیشیو ممبر)۔ مسٹر ایل ٹینگ پروفیسر۔

شمس العلما مولوی محمد شبلی صاحب۔ سید ولایت حسین بی اے قائم مقام ہیڈ ماسٹر۔

صدر انجمن

مرزا عابد علی بیگ صاحب۔

آنریری سکرٹری

سرسید احمد خاں بہادر کے سی ایس آئی ایل ایل ڈی۔

مسٹر تھیوڈور بیک صاحب نے تحریک کی اور سرسید احمد خاں صاحب نے تائید کی کہ مرزا عابد علی بیگ صاحب اس جلسہ کے لیے صدر انجمن مقرر ہوں۔

جملہ ممبران موجودہ نے اتفاق کیا اور مرزا عابد علی بیگ صاحب نے صدر انجمن کی کرسی پر اجلاس کیا۔

سرسید احمد خاں سکرٹری نے اطلاع کی کہ ششماہی رپورٹ کارروائی ممبران بورڈ آف مینجمنٹ کی جو آخر ستمبر ۱۸۹۶ء کو ختم ہوئی حسب ضمن (ط) قاعدہ ۹۲ قواعد و قوانین

ٹرسٹیان ترمیم شدہ جو مجکو بحیثیت سکرٹری مرتب کرنی تھی میں نے مرتب کرلی ہے اور اجلاس میں پیش کرتا ہوں جو آجکے علیگڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں چھاپی جاویگی۔ اور ایک ایک کاپی کل ٹرسٹیان اور ممبران بورڈ آف مینجمنٹ کی خدمت میں مرسل ہوگی۔

بعد اسکے مسٹر تھیوڈور بیک پرنسپل نے بلحاظ گرانی اجناس خوردنی جو اس زمانہ میں ہوگئی ہے طالب علموں کے کھانے کی فیس کی نسبت حسب مندرجۂ ذیل کیفیت پیش کی اور اُسکی درستی اور اصلاح کے لیئے تین رزولیوشن پیش کیئے۔

کیفیت طالب علموں کے کھانیکی فیس کی نسبت

پیش کردہ مسٹر تھیوڈور بیک۔

میں یہ تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں کہ بورڈ آف مینجمنٹ کھانے کی فیس میں دو روپیہ ماہواری کے اضافہ کی منظوری دیدے۔ معمولی کھانے کی شرح میں اور نیز تخفیف کے کھانے کی شرح میں اور طالب علموں کو یہ اختیار دیا جاوے کہ جو اب معمولی کھانا کھاتے ہیں وہ تخفیف کی کلاس کا کھانا جس کی شرح اضافہ ہوجاویگی وہ آٹھ روپیہ ماہوار میں کھاسکیں اگر کوئی ایسی تدبیر اختیار نہیں کی جاویگی تو فوڈ فنڈ کا خرچ سال رواں میں آمدنی سے چھ ہزار روپیہ زیادہ ہوجاویگا۔ اور کیونکہ فوڈ فنڈ میں روپیہ جمع نہیں ہے اس لیئے یہ روپیہ کالج ایکسپنس فنڈ میں سے ادا کیا جاویگا۔

واقعہ یہ ہے کہ نہ صرف اس قحط کے سال میں بلکہ معمولی فصل کے سال کے لحاظ کر بھی کھانے کی فیس کی شرح جو مقرر کی گئی ہے وہ مقررہ خوراک ہر بورڈر کے خرچ سے کم کی گئی ہے جیسا کہ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا۔ گذشتہ سال سے فوڈ فنڈ میں جو باقیات ہیں وہ کم ہوتا جاتا ہے اور اب اُس مقدار سے بہت کم ہے جو معمولی ماہوار اخراجات کیلئے

کافی ہو۔ یہ ٹھیک ہے باوجود اس امر کے کہ چند سال ہوئے جب میںنے تجویز کی تھی کہ بورڈروں سے دو روپیہ ماہوار کی فیس تعطیل کلاں کے مہینوں کے لیئے وصول کرنی چاہیے۔ نوکروں وغیرہ کی تنخواہ دینے کے لیے اور یہ کہ میں نے اسباب کا انتظام کیا تھا کہ بورڈروں سے اُنکے مہانوں کے لیے فیس لیجائے اور یہ کہ جن بورڈروں کو خاص قسم کا کھانا ملے اُنسے الگ اُسکے لیے لیا جاے۔ ان ذریعوں سے ہماری آمدنی بہت بڑہ گئی تھی۔ تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ فوڈ فنڈ کا خرچ آمدنی سے زائد ہے تو اس عرصہ میں فوڈ فنڈ کا دوالہ کیوں نہیں نکل گیا۔ اسکا یہ جواب ہے کہ حساب کے پُرانے طریقہ میں دراصل کوئی خاص فوڈ فنڈ نہیں تھا۔ جو روپیہ بورڈنگ ہوس میں آتا تھا اُسکی تقسیم مختلف فنڈ میں ٹھیک نہیں ہوتے تھے یونہیں غیر مکمل تفریق تھی۔ کھانے کے بل کا روپیہ دیدیا جاتا تھا اور جو روپیہ بچتا تھا وہ آنریری سکرٹری کالج کے پاس چلا جاتا تھا۔ لیکن مثلاً جبکہ کوئی طالب علم کالج چھوڑ کر چلا گیا اور بعد میں بقایا ادا کیا تو اُس روپیہ کا ایک پیسہ بھی کرایہ وغیرہ کے نقشوں میں جو مدین کالج سکرٹری کو دی جاتی تھیں نہیں درج ہوتا تھا۔ بلکہ فوڈ میں خرچ ہوجاتا تھا اور مجھکو کوئی شبہ نہیں ہے کہ کئی برس سے جو فیسیں بورڈروں سے خوراک کی مد میں وصول ہوتی ہیں وہ اُن کے کھلانے کے لیے کافی نہیں ہوتیں اور اس لیے کالج اکپنس فنڈ کا وہ روپیہ جو بورڈنگ ہوس سے وصول ہونا چاہیے تھا اُس فنڈ کو نہیں ملتا۔

میں نے کئی برس سے کوشش کی کہ ایسا طریقہ اختیار کروں جس سے خوراک کی ماہوار آمدنی معلوم ہوجاوے لیکن جو محنت کہ پیچیدہ نقشوں میں جو تیار ہوتے تھے خرچ ہوئی تھی وہ اسقدر زیادہ تھی کہ وہ نقشے باقاعدہ نہیں رہ سکتے تھے اور غلطیاں اس کثرت سے ہوتی تھیں کہ جو نتیجے نقشوں سے نکلتے تھے وہ کبھی نقد روپیہ جو موجود تھا اُس سے مطابق

نہیں ہوتے تھے۔ جو اصلاح اُس کے بعد کی گئی ہے حساب کے طریقہ میں اُس سے ہم کو بہت ضروری اطلاع سید ہے طور پر معلوم ہوجاتی ہے اور نیز صحت کی جانچ کا ذریعہ بھی پورا ہے۔

لیکن جبکہ اب حساب میں ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ آنریری سکرٹری کا کتنا روپیہ چاہیے اور خزانچی کرکٹ وغیرہ کا کتنا اور یہ کہ خوراک کے لیے کتنی رقم موجود ہے تو یہ ضروری ہے کہ فوڈ فنڈ خود اپنے سہارے پر چل سکے میں اس کے پورا کرنے کے لیے ذمہ داری اپنے اوپر لینے کو طیار ہوں لیکن مجکو اجازت دیجاوے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے جو کفایت ضروری سمجھوں وہ کروں۔ میرا خیال ہے کہ معمولی سالوں میں یہ امر پورا ہوسکتا ہے بلا اضافہ کے موجودہ شرح فیس میں۔ لیکن اگر تجربہ کے بعد یہ ناممکن ثابت ہو تو میں بورڈ کو رپورٹ کروں اور اس معاملہ میں اُن کے احکام حاصل کروں۔ مجکو کبھی طمانیت نہیں ہوگی۔ جبتک کہ بورڈنگ ہوس میں اتنا روپیہ موجود نہو گا کہ برابر باقاعدہ طور پر جتنا روپیہ آنریری سکرٹری و خزانچی کرکٹ وغیرہ کا چاہیے ہوا ادا کرتے رہیں۔ اور خوراک کے اخراجات کے لیے نقد روپیہ بچتا رہے۔

نقشہ مفصلہ ذیل سے سو طالب علموں کا خرچ خوراک فصل سال معمولی اور موجودہ نرخ کا معلوم ہوگا۔

(دیکھو صفحہ ۴۶۹)

شرح خوراک جو بحساب آٹھ روپئے ماہواری دیجاتی ہے

مدات	مقدار فی کس فی یوم	نرخ معمولی	معمولی خرچ	نرخ موجودہ	خرچ موجودہ
آرد	۱۰ چھٹانک	۱۲ سیر فی روپیہ	ماصہ	۶ سیر فی روپیہ	سماصہ
گوشت	۵ "	۱۱ پیسہ فی سیر	مالہ سہ	۱۱ پیسہ فی سیر	مالہ سہ
دال	۲ "	۱۲ سیر فی روپیہ	لہ سہ	۸ سیر فی روپیہ	للعہ
گھی برائے گوشت	۱۵/۱۶ "	۱ سیر فی روپیہ	مالللعہ	۱ سیر ۶ چھٹانک فی روپیہ	ماعسہ
گھی برائے جنس دیگر	.	.	صسہ	.	ءسہ
چاول	۲۰/۳۰ "	سعہ/ فی من	سہسہ ۸/	.	سہسہ ۸/
لکڑی	.	.	سصہ	.	سصہ
نمک	.	.	عسہ	.	عسہ
ترکاری	.	.	عسہ	.	عسہ
مصالح وغیرہ	.	.	صللعہ	.	صللعہ
برف حساب سالانہ تمام پر منقسم	.	.	صمہ/	.	صمہ/
خرچ رمضان عید حساب سالانہ تمام پر منقسم	.	.	سعلے/	.	سعلے/
	.	.		.	.
دودھ	.	.	سے/	.	سے/
قابل وصول					
... بلا کھاتہ	.		صعسہ	.	صعسہ

میزان   للماصہ ۸/   الـسے ۸/

متفرق اخراجات

تنخواہیں اور اُجرتیں	... ماعسہ		ماعسہ
تیل	... سہ		سہ
کمیشن بقال	... للہ عہ		للہ عہ
چادر میز۔ وردی ملازمان۔ پیالی۔ رکابیاں۔ گلاس و شکے وغیرہ...	عہ		عہ
کاغذ و محصول خطوط وغیرہ	... صعہ		صعہ
میزان	... ماللعہ		ماللعہ
میزان کل۔	... للماللعہ ۸		الــ ماللعہ ۸

اسلیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سو طالب علموں کے کہانے کا خرچ مطابق مقررہ مقدار خوراک کے معمولی سال میں نوسو پچاس روپیہ ہے اور موجودہ نرخ سے ایک ہزار دو سو یعنی معمولی فصل کے زمانہ میں فی کس کی خوراک کا خرچ نو روپیہ ۸ آنہ ہوتا ہے اور اب بارہ روپیہ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ کسقدر نامنصفانہ وہ شکایتیں ہوتی ہیں جو ہمیشہ کالج کی نسبت کی جاتی ہیں کہ اچھی طرح کہانا طالب علموں کو نہیں دیاجاتا اور کیونکہ پبلک اور طالب علم اُس حالت میں راضی نہیں ہوئے جبکہ جتنا وہ دیتے تھے اُس سے ڈیڑہ روپیہ فی کس زیادہ اُنپر خرچ کرتے تھے۔ تو اسبات کا صاف ثبوت کہ اس سے زیادہ بیوقوفی کوئی نہیں ہوسکتی کہ ہم اپنے طریقہ کو اُن خلاف عقل شکایتوں پر منحصر رکھیں اور وہ روپیہ جو اور اغراض کے لیے دیا گیا ہے اس فضول کوشش میں برابر خرچ کیے جائیں۔ کہ وہ لوگ خوش ہوں جو بجائے ہمارا شکریہ ادا کرنے کے اُسی طرح شکایت کیئے جاتے ہیں۔ ہمارا فرض صاف یہ ہے کہ طالب علموں کو

بہترین خوراک جو اُس رُپئے میں ممکن ہو جو وہ دیتے ہیں دیں۔ اور جہاں تک ہم سے ہو سکتا ہو کفایت شعاری اور خوبی سے اس صیغہ کا انتظام کریں۔ اور لوگوں کو اخباروں وغیرہ میں جو اُنکا دل چاہے کہنے دیں اور غلط الزامات جو لگائے جاویں اُنکی کچھ پرواہ نہ کریں۔ میںنے جو تخمینے کیئے ہیں وہ فرضی نہیں ہیں بلکہ اصلی خرچ ماہ جولائی پر مبنی ہیں۔ جبکہ ہمارا موجودہ جفاکش اور کفایت شعار بہ سرتہا جسکی تنخواہ فوڈ فنڈ سے نہیں دیجاتی بلکہ کالج اکپنس فنڈ سے اور اسی کالج فنڈ سے پچاس روپیہ ماہوار انگلش سپرنٹنڈنٹ ڈائننگ ہال کو دیئے جاتے ہیں۔ اور اگر ہم اُن فوائد کا حساب لگائیں جو کالج اکپنس فنڈ سے فوڈ فنڈ کو پہنچے ہیں تو میری تنخواہ کا بھی ایک جزء فوڈ فنڈ سے دلایا جاوے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ابھی تک مجھے اُمید ہے کہ بہت سی کفایتیں کی جاوینگی۔ لیکن مجکو اسی امر میں بہت شک ہے کہ اس ملک میں کوئی اور صیغہ کہانے کا ایسا ہے جہاں اتنے کم خرچ میں ایسی اچھی غذا دیجاتی ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں سدہی سدہائی لیاقت مفت اس صیغہ کے لیے کام کرتی ہے۔

معمولی خرچ رڈیوسڈ کلاس میں معمولی کلاس سے سو طالب علموں کے لیے اکیس روپیہ کم ہے۔ یعنی یہ طالب علم چھ روپیہ ماہوار دیتے ہیں اور انکو آٹھ روپیہ ۲ آنہ کی خوراک ملتی ہے۔ اس لیے اس کلاس کے طالب علم جو شکایت کریں وہ اُس سے بھی زیادہ خلاف انصاف ہے جو زیادہ شرح کے دینے والے طالب علم کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے ان میں سے بہت سے طالب علم ایسے ہیں جنکو اسکالرشپ اور وظیفے ملتے ہیں اور اس سے جو کچھ وہ کالج کو اپنے اخراجات کے لیے دیتے ہیں اُسمیں اور بھی زیادہ کمی ہو جاتی ہے۔

ہمارا موجودہ کام خوراک کی معمولی شرح سے اسوقت نہیں ہے بلکہ فیس کے ضروری اضافہ سے ہے اور اسیلئے مندرجہ ذیل رزولیوشن تجویز کرتا ہوں۔

رزولیوشن نمبر۱

یہ کہ معمولی کھانے کے لیے تعداد فیس خوراک طالب علمان دس روپیہ ماہواری تک اور رڈیوسڈ کلاس کی خوراک کے لیے آٹھ روپیہ ماہواری تک از ابتدائے میقات حال بڑھادی جاوے۔

رزولیوشن نمبر۲

یہ کہ وہ طالب علم جو اب تک آٹھ روپیہ ماہواری اپنی خوراک کے دیتے رہے ہیں اُن کو اجازت دیجاوے کہ وہ رڈیوسڈ کلاس کی خوراک میں اسی نرخ سے شریک ہوسکیں بشرطیکہ وہ یا اُنکے مربی اسبات کو چاہیں۔

رزولیوشن نمبر۳

یہ کہ پرنسپل صاحب کو اختیار دیا جاوے کہ وہ شرح خوراک گھٹا سکیں اگر نرخ غلہ سستا ہوجاوے اور وہ اسبات سے مطمئن ہوں کہ خرچ خوراک آمدنی سے زائد نہیں ہے۔ لیکن اضافہ فیس بغیر منظوری بورڈ نہیں ہوگا۔

سرسید احمد خاں بہادر نے کہا کہ میں ان تینوں رزولیوشنوں کی جو مسٹر تھیوڈور بیک نے پیش کئے ہیں تائید کرتا ہوں اور ممبروں کو یہ بات یاد دلانی چاہتا ہوں کہ جبکہ مدرسہ قائم ہوا اسکے بعد ایک مدت دراز تک جسمیں گرانی غلہ کی بہی نہیں تہی کہانے کے متعلق فرسٹ اور سیکنڈ دو درجہ قائم رہے فرسٹ کلاس کی فیس طعام بارہ رُپئے ماہواری لی جاتی تہی اور سیکنڈ کلاس کی آٹھ روپیہ ماہواری مگر بعد اُس کے یہ تجویز ہوئی کہ مدرسہ میں خوراک کی دو کلاسیں قائم رکھنی مناسب نہیں ہیں۔ اسلیے صرف ایک کلاس قائم رہی اور آٹھ روپیہ ماہواری اُسکی فیس قرار پائی۔ تہوڑا عرصہ ہوا کہ مسٹر تھیوڈور بیک نے اس خیال سے

کہ غریب یا کم مقدور طالب علموں کو آٹھ رُپئے ماہواری فیس خوراک کا دینا مشکل ہوگا یہ تج
کی کہ ولایت کی یونیورسٹیوں میں دستور ہے کہ شام کا کھانا کل طالب علموں کا متحد ہ
اور صبح کا کھانا سب کا یکجا ہونا ضرور نہیں ہے۔ پس کالج کلاس کے طالب علموں کو بھی ج
کم مقدور رکھتے ہیں صبح کا کھانا سب کے شامل کچھ ضرور نہیں ہے اور انکو صبح کا کھانا س
قیمت کا دیا جاوے اور اسنے دو رُپئے فیس خوراک کم لی جاوے۔

گو میرا دل اس تجویز کو پسند نہیں کرتا تھا مگر اسمیں کچھ شک نہیں کہ مسٹر بیک کی تجویز
زیادہ تر طالب علم کالج کلاسوں میں داخل ہوئے اور مسلمانوں کو بہ نسبت سابق کے زیا
موقع تعلیم پانے کا ملا۔

جو نقشہ جات اخراجات واقعی کے پرنسپل صاحب نے پیش کیے ہیں اُنسے ظاہر
کہ معمولی دو وقتہ کھانے میں معمولی نرخ کے زمانہ میں بجائے آٹھ روپیہ ماہواری کے
روپیہ سات آنہ ماہواری فی طالب علم خرچ ہوا ہے یعنی ایک روپیہ سات آنہ ماہواری ایک
طالب علم کی خوراک میں زیادہ صرف ہوا ہے۔ جو کالج کی دیگر آمدنیوں سے ادا کیا گیا ہے
میں نہایت خواہشمند ہوں کہ کثرت سے مسلمانوں کو تعلیم دیجاوے۔ مگر روپئے کا معا
بغیر رُپئے کے نہیں چلسکتا۔ جبوقت ایک روپیہ سات آنہ ماہواری فی طالب علم معمولی
اجناس کے زمانہ میں زیادہ خرچ ہوتا ہے تو آخر یہ کہانسے دیا جاویگا۔ اگر کالج کلاس کا کوا
طالب علم معمولی کھانے کا خرچ نہیں دیسکتا تو اُسکو ضرور ہے کہ وہ کم خرچ کا کھانا کھاوے
پرنسپل صاحب نے بالفعل زمانۂ گرانی میں جو دس روپیہ دو وقتہ معمولی خوراک کی بابت ا
آٹھ رُپئے کم خرچ خوراک کی بابت تجویز کیے ہیں وہ ہرگز کافی نہیں ہونے کے۔ کیونکہ حا
نرخ کے بموجب معمولی کھانے کا خرچ فی طالب علم بارہ رُپئے ماہواری سے کم نہیں پڑ

جیسا کہ خود پرنسپل صاحب کے نقشہ سے ظاہر ہے اور جو خرچ زائد پڑیگا وہ کالج کو دینا ہوگا مگر جو رزولیوشن پرنسپل صاحب نے پیش کیے ہیں۔ اُنسے میں اختلاف کرنا نہیں چاہتا کیونکہ وہ مسلمانوں کے فائدہ پر مبنی ہیں۔ اور پرنسپل صاحب کا جو یہ منشا ہے کہ زیادہ تر مسلمان تعلیم سے فائدہ اٹھاویں۔ اسکو میں بھی پسند کرتا ہوں۔ پس جو رزولیوشن اُنھوں نے پیش کیے ہیں اُنکی تائید کرتا ہوں۔ اور اُمید ہے کہ اور ممبر بھی اس سے اتفاق کرینگے۔

مزمل اللہ خاں صاحب نے اُس فیس خوراک کو جو رزولیوشنوں میں بیان ہوئی ہے کم سمجھا اور اس لیے اُس سے اختلاف کیا۔ اور کہا۔

صاحب صدر انجمن۔

اگر آپ مجکو اجازت دیں تو میں مسٹر بک کی قابلانہ رپورٹ اور اُن کے رزولیوشن اور آنریبل سکرٹری کی تائید کی بابت کچھ عرض کردں۔ مسٹر بک نے جس قابلیت کے ساتھ اس بارہ میں رپورٹ پیش کی ہے اُسکی میں دل سے عزت کرتا ہوں۔ لیکن باوجود اُس عزت کے جو مسٹر بک اور اُنکی قابلیت کی میرے دل میں ہے اور باوجود اُس ادب کے جو آنریبل لائف آنریری سکرٹری کا ملحوظ رکھنا میرا فرض ہے مجھے افسوس ہے کہ اس بارہ میں مجکو اُنسے اختلاف ہے اور اسباب اختلاف یہ ہیں کہ بحیثیت ہم قومی مسلمانوں کی سوشل لیف کا علم مجکو اپنی ذات میں بہ نسبت مسٹر بک کے زیادہ محسوس ہوتا ہے اور موسم پیداوار فصل و نرخ وغیرہ کی بابت بحیثیت ایک زمیندار ہونے کے میں دعوی کرسکتا ہوں کہ بہ نسبت آنریبل لیف سکرٹری کے مجکو زیادہ واقفیت ہے۔ مسٹر بک نے اپنی رپورٹ میں یہ لکھا یا ہے کہ طالب علموں سے شرح خوراک ماہواری فرسٹ کلاس فی کس ۸ روپے اور سیکنڈ کلاس فی کس سے لیجاتی ہے اور گذشتہ سالوں سے فی کس لعہ ۸ اور مابعد الذکر کلاس

میں فی کس ملے ۸ آنہ صرف ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جو کمی فوڈ فنڈ میں
فی کس خرچ کی بیشی اور فیس کی کمی کی وجہ سے ہوا کی ہے اُسکو کالج دوسری فیسوں یا اپنے
دوسرے فنڈوں سے پورا کیا کرتا رہا ہے لیکن باوجود اس کے کہ کالج جتنی کہ فیس خوراک لیتا
ہے اُس سے زیادہ کھانے میں خرچ کرتا ہے۔ اخبارات میں برابر شکایت ہوا کرتی ہے
کہ طالب علموں کو خوراک اچھی نہیں دیجاتی۔ ان شکایتوں کا علاج میرے دوست مسٹر بیک
یہ تجویز کرتے ہیں کہ شکایت کرنے والوں کو شکایت کرنے دیجاوے اور ہم اپنا کام کرتے
رہیں۔ معزز لیفٹ آنریری سکرٹری نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ابتدا ءً کھانے کے دو کلاس تھے
فرسٹ اور سکنڈ۔ فرسٹ کلاس میں فی کس ملے اور سکنڈ میں فی کس ملے ۶ فیس مقرر تھی۔
جسمیں تخفیف کر کے موجودہ تعداد فیس کی ملے ۸ رکھی گئی ہے۔ لیکن اس سے پہلے فوڈ فنڈ
کا حساب دیگر بورڈنگ ہوس کی فیسوں سے علیحدہ نہیں بنایا گیا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ
کھانے کی فیس میں درحقیقت کیا خرچ ہوتا ہے اور کیا لیا جاتا ہے۔ ان بیانات کو سنکر میری رائے
یہ ہے کہ طالب علموں کے ساتھ معاملہ ناشائستگی جو سلوک کالج کی طرف سے ہوتا رہا ہے
(اور وہ سلوک بجائے خود ایک بڑا سلوک ہے) درحقیقت طالب علموں اور پبلک کو اُسکا
نہایت مشکور ہونا چاہئے لیکن بدقسمتی سے قضیہ بالعکس ہے اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ اس وقت
تک طالب علموں نے صرف ہماری غفلت سے فائدہ اُٹھایا ہے یعنی اسکی مثال بعینہ یہی ہے
کہ جیسے کسی شخص کو کوئی شے استحساناً دینا یا کسی شخص کا آپ کے سامنے سے کوئی چیز لیجانا
پس میں کہتا ہوں کہ آپ اپنے فوڈ فنڈ کا مفصل حساب شائع کیجئے اور شکایت کرنے والے
کو دکھائیے کہ اُن کی حالت کیا ہے اور آپ کی کیا ہے۔ موجودہ خوفناک موسم اور آئندہ خطرات
کے لحاظ سے میری قطعی رائے یہ ہے کہ ہم کو فیس خوراک وہی جاری رکھنی چاہیے جو ابتداءً تھی یعنی

ہیے اور سلے، اگر ایسا نہوگا تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے عالم گرانی میں کالج کہانسے اپنے نقصان کا معاوضہ پورا کریگا۔ مسٹر بیک نے بربنائے گرانے صرف گذشتہ اخراجات کے لحاظ سے فرسٹ کلاس میں (یعنی آرڈینری کلاس میں) آٹھ آنہ فی کس کا اضافہ اور رڈیوسڈ کلاس میں چند آنہ فی کس خسارہ کے حساب سے ترقی فیس خوراک کی تجویز پیش کی ہے۔ میری یہ رائے ہے کہ موجودہ گرانی اور آیندہ کے خطرات کے لحاظ سے فیس خوراک طلبا سے لیجاوے۔ اس طرح پر ہمکو فوڈ فنڈ کا حساب اس حیثیت سے چلانا چاہیے کہ پورے دام لیں اور پوری جنس دیں۔ میری جو رائے بربنائے رپورٹ مسٹر بیک و آنریبل لیفٹ سکرٹری تھی وہ آزادی سے میں نے آپ صاحبوں کے سامنے بیان کردی۔ آیندہ فیصلہ کا بورڈ کو اختیار ہے۔

مگر باقی موجودہ ممبروں نے تینوں رزولیوشنوں سے اتفاق کیا اور باختلاف رائے محمد مزمل اللہ خاں وہ تینوں رزولیوشن کثرت رائے سے پاس ہوئے۔

اُسکے بعد محمد مزمل اللہ خاں نے مندرجہ ذیل رزولیوشن پیش کیا۔

رزولیوشن نمبر ۴

دو مہینے بعد کالج کا برسر ایک رپورٹ پیش کرے جسپر پرنسپل صاحب کے دستخط ہوں کہ اُن مہینوں میں واقعی اخراجات طعام فی طالب علم کیا ہوا اور جو فیس طعام بموجب بنائے کوۂ بالا رزولیوشنوں کے طالب علموں سے لینی قرار پائی اُس کا کیا نتیجہ ہوا۔ آیا وہ فیس واسطے اخراجات طعام کے پوری ہوئی یا خرچ کم ہوا یا زیادہ ہوا۔ اُسوقت اسبات پر غور ہوگا کہ جو فیس طعام آج کے اجلاس میں مقرر ہوئی ہے اُسپر مبحث کرنے کی ضرورت ہوگی یا نہیں۔

اس رزولیوشن سے جملہ ممبران موجودہ نے اتفاق کیا اور یہ رزولیوشن بالاتفاق پاس ہوا۔ اسکے بعد محمد مزمل اللہ خاں صاحب نے ایک اور رزولیوشن مندرجۂ ذیل پیش کیا۔

پانچواں رزولیوشن

یہ کہ مسٹر ہیک پرنسپل کالج اسبات کے ذمہ دار ہوں کہ خرچ خوراک آمدنی سے نہ بڑہے اور یہ کہ ایسی کفایت شعاریاں عمل میں لانیکا انکو اختیار رہا وے جو کہ اس مقصد کے لیے عمل میں لانے کے لیے ضروری ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ کافی خوراک طالب علموں کو دیجاوے مگر درصورت اسبات کے اخراجات پہر بہی آمدنی سے زیادہ ہوں تو انکو ضرور ہوگا کہ وہ بورڈ سے اس بارہ میں احکام حاصل کرنیکے لئے درخوست کریں۔

جلہ ممبروں نے اس رزولیوشن سے اتفاق کیا اور بالاتفاق پاس ہوا۔

سکرٹری نے ڈاکٹر رابرٹس سول سرجن کی چہٹی مورخہ ۱۱ اگست ۱۸۹۶ء جو درباب صفائی مکانات سکونت یورپین اسٹاف کالج کے آئی تہی اجلاس میں پیش کی اور کہا کہ گذشتہ اجلاس میں درباب درستی وتعمیر غسلخانوں اور پاخانوں کے رزولیوشن پاس ہوا تہا اور سکرٹری کو اسپر متوجہ کیا گیا تہا اُسکی میں اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ ڈیچز بورڈنگ ہوس کے لیے بارہ پاخانے ورسات غسلخانے نہایت عمدہ اور پختہ انہی مقامات میں جہاں سب کمیٹی نے تجویز کیے تہے بن کر طیار ہوگئے ہیں اور پُرانے پاخانوں کی کسی قدر صفائی اور مرمت کردی گئی ہے اور آپ صاحبوں کو معلوم ہے کہ تعمیر کے فنڈ میں بالفعل روپیہ نہیں ہے مگر کوشش کیجاتی ہے اور رفتہ رفتہ کچے بورڈنگ ہوس کے غسلخانے اور پاخانے بہی درستی سے تعمیر ہوجاوینگے اور ہر مکان بہی تعمیر ہوجاویگا۔

اس چہٹی کے پیش ہونے پر محمد مزمل اللہ خانصاحب نے مندرجہ ذیل رزولیوشن پیش کیا۔

رزولیوشن نمبر ۶

یہ کہ نقل چہٹی صاحب سول سرجن سب کمیٹی صفائی کے پاس اس غرض سے بہیجی جاوے کہ

وہ اُسپر رپورٹ کرے۔

سر سید احمد خاں نے اس رزولیوشن کی تائید کی اور بالاتفاق یہ رزولیوشن پاس ہوا۔

بعد اس کے سکرٹری نے کہا کہ اگرچہ پچھلے اجلاس میں بموجب تیسرے رزولیوشن کے ایک کمیٹی واسطے نگرانی صفائی کالج کے مقرر ہوگئی ہے مگر غسلخانوں اور پاخانوں کی صفائی کا ایسا کام ہے کہ کم سے کم دن میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ دیکھا جاوے اور خاکروب جو اُس کی صفائی کے لیے مقرر ہیں اگر وہ تساہل کریں تو ان پر تاکید کیجاوے اور یہ کام ممبروں سے انجام نہیں پاسکنے کا اور اسیلیے میری رائے میں مناسب ہی کہ ہر ایک بورڈنگ ہوس میں جو بورڈر رہتے ہیں اُن میں سے دو یا تین بورڈر جو لائق اور ہوشیار ہوں اُنکو اُس بورڈنگ ہوس کی صفائی کی نگرانی کا کام بھی سپرد کیا جاوے جس میں وہ رہتے ہیں حالفعل ڈبنچر بورڈنگ ہوس میں پاخانے اور غسلخانے مکمل طور پر طیار ہوگئے ہیں اسوقت صرف اُسی بورڈنگ ہوس کے رہنے والے طالب علم بطور نگراں کے منتخب کیے جاویں اور سب کمیٹی جو مقرر ہو وہ اُس کی عام حالتوں کی نگراں رہے اور دیکھے کہ اس تجویز سے کیا نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔

پرنسپل صاحب نے کہا کہ بالفعل بورڈنگ ہوسوں میں ہوس مانیٹرز کا انتظام ہے اور وہ لوگ اس کام کو بھی بخوبی کرسکینگے۔ اسپر سر سید احمد خاں نے مندرجہ ذیل رزولیوشن پیش کیا۔

ساتواں رزولیوشن

پرنسپل صاحب سے درخواست کیجاوے کہ جو طالب علم ڈبنچر بورڈنگ ہوس کے رہنے والے ہیں اُنمیں جو طالب علم بطور ہوس مانیٹر کے مقرر ہیں یا آیندہ مقرر ہوتے ہیں اُنکو غسلخانوں اور پاخانوں کی صفائی کے نگراں رہنے اور جو خاکروب اس کام کے لیے متعین ہیں اُنپر صفائی کی تاکید کرنے کی اجازت دیں۔

اس رزولیوشن کی مسٹر پنسپل بیک نے تائید کی اور بالاتفاق منظور ہوا اس کے بعد شکریہ صدر انجمن کا ادا کیا گیا اور جلسہ برخاست ہوا۔

(دستخط) سید احمد خاں۔
سکرٹری

چٹھی آنریبل حاجی اسمٰعیل خانصاحب

بخدمت جناب اڈیٹر صاحب۔

افسوس ہے کہ انسانی خوشی اور استقلال کے بڑے دشمن یعنی قحط نے ڈرانا شروع کیا ہے اگرچہ ابھی وقت ہے اور خدا کا فضل شامل ہے تو مہاوٹوں کے برسنے سے یہ بلائے عظیم کمزور ہو جائیگی۔ مگر تاہم ہر ایک سمجھدار بقدر امکان اپنے تدبیر میں مصروف ہے اور ہونا چاہیئے۔ سوال یہ ہے کہ قومی تنزل کا خطرہ بھی مسلمانوں نے پیش نظر کیا ہے یا نہیں یعنے بلائے فاقہ کشی سے بچنے کے واسطے صدہا مسلمان بچّے (جو آئندہ کو خاندان کے اجداد بنیں گے) خدانخواستہ عیسائی مشنریوں کے ہاتھ میں پڑکر مذہب اسلام کی برکات سے ہمیشہ کے واسطے محروم ہو جائینگے۔ اور اس طرح سے قوم کی ترقی اعداد میں سخت نقصان پہنچیگا۔ جو اس زمانہ میں لاعلاج خسارہ ہے۔

پس کیا جناب مہربانی کر کے میرے اس عریضہ کو چھاپ کر یا مناسب مضامین لکھکر اپنے اخبار کے مسلمان ناظرین سے التجا کریں گے کہ وہ اس ممکن العلاج قومی نقصان سے مسلمانوں کو بچائیں؟ اس کام کے واسطے کمیٹیوں کے بنانے کی صلاح دینا خالی از وقت نہیں ہے۔ مگر تمام گانوں اور شہر و قصبات کے رہنے والے ایسے مسلمان جو اپنی پرورش کے بعد کسی دوسرے کی پرورش کرنیکا مقدور رکھتے ہیں یہ التزام کریں کہ وہ ایک دو چار پانچ دس میں یعنی بقدر اپنی طاقت کے قحط زدہ بچوں کو یا چھوٹے بچے والی ماؤں کو اپنے اپنے

پاس رکھیں۔ اس طرح پر کہ تمام زمانہ قحط کے واسطے اُن کے خور و نوش کے کفیل ہو جائیں تاکہ مشنریوں کے پنجۂ دراز سے بچے رہکر اپنے آبائی دین مبین پر قائم رہ سکیں اور جو بچے اسطرح پرورش کرنے کے واسطے رکھے جائیں قحط کے تمام ہونے پر اگر اُن کے والدین چاہیں تو فوراً اُن کے حوالہ کر دیئے جائیں اور اگر والدین نہ چاہیں تو اُنکو نہایت رحمت اور خندہ پیشانی سے اسوقت تک پرورش کیے جائیں جب تک کہ وہ سمجھدار ہوں یا تعلیم و تربیت کے واسطے مختلف اسلامی یتیم خانوں کے حوالہ کر دیئے جائیں اگر کُل کھاتے پیتے مسلمان اس نیک اور رحم دلی کے کام کیواسطے تیار ہو جائیں تو وہ بڑی خدمت ملک اور قوم اور مذہب کی کرینگے اور بلا شبہ یہ لوگ جنتی کہلائے جانے کے ہر طرح پر مستحق ہوں گے۔ یہ کام ہرگز مشکل نہیں ہے البتہ تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے۔

آپ کا ممنون خادم

۱۳۔ اکتوبر ۱۸۹۶ء

اسمٰعیل

علیگڈھ

WANTED

A Mahomedan graduate as Headmaster of a Mahomedan School. Salary Rs. 65 per month.

A Mahomedan Master to teach Mathematics in a Mahomedan School. Salary Rs. 30 if he has passed the Intermediate; if not Rs. 25.

A Gymnastic Master for a Municipal school. Salary Rs. 15.

Applications to be made as soon as possible to the Principal M. A.-O College.

NOTICE.

The Anniversary Meeting of the Union will be held on Saturday, November 21st.

The College Athletic Sports will be held on Friday and Saturday December 4th and 5th.

to congratulate the Cricket Captain and his team for the victory. He seemed to be a staunch friend of the Mohammedans, and was very much pleased with our victory.

PAVILION FUND.

Amount previously acknewledged	...	...	1,420
Pandit Amba Lal	...	...	25
Registrar s. c. c. Ajmere	...	..	25
Hafiz Tufail Ahmad	...	...	5
Iftikhar Hossein (Tahsildar)	...	.	5
Aftab Ahmad Khan	...	...	25
Abul Hasan (Moradabad)	...	.	25
Total up to Oct. 21.	..	...	1,555
Haji Ismail Khan Sahib	...	...	25
			1,580

NOTICE.

A meeting of the Mahomedan Anglo-Oriental Defence Association will be held at Meerut while the meetings of the Mahomedan Educational Conference are being held. Important questions will be considered relating to the representation ot Mahomedans on Legislative Councils and Municipalities. Practical suggestions will be offered as to how this should be effected, and we hope to be able to present our readers with a more detailed account of the measures likely to be considered.

PERSONAL NEWS.

Professor Arnold has returned from leave to England.

Professor Douglas joins the College in the commencement of November to officiate on the College staff.

Nazir Ahmed, B.A., L. L. B., has been appointed Subordinate Judge in the State of Khairpur.

Zafar Ali, B. A., has been appointed teacher to the military school in Hyderabad, on a salary of Rs. 100 per month.

Nazir Hosain Faruqi, who acted for some time as Headmaster of the M. A.-O. C. Branch School at Mahreba, has been appointed to a post of Rs. 100 a month in Hyderabad.

We would like here to call attention to what is a very serious defect in the play of our team, namely the want of judgment shewn in running. This is a most important matter and was nearly costing the match the other day. It might be remedied to a great extent if our players would remember that.

(1) it is the batman's call if he plays the ball in front of his wicket and his partner's call if the ball goes behind the wicket.

(2) that a player should not attempt a risky run unless the risk is pretty sure to fall upon himself; that is he should never endanger his partner's wicket.

The *North Western Magazine* has evidently an eye upon the future, for in its last number it announced our defeat by the Parsis some 10 or 12 days before the match was played. It was certainly unfortunate in its first attempt at prophesying.

Our match with the Parsis excited very widespread interest. We will publish below some of the congratulatory telegrams which have reached the Captain from all parts of India.

L. TIPPING.

CRICKET.

We have received Telegrams and letters from the following gentlemen congratulating us for the victory over the Parsis.—

TELEGRAMS.

Azmatullah	Nawab of Banda
Shaukat Ali	Ali Mirza (Bandikoi)
Sultan Ahmed Khan	Razaullah and Enayetullah.

LETTERS.

Mustafa Khan
Revd. S. A. Allnutt of Delhi.
Haji Mohammed Ali Khan Sahib (Sessions Judge, Rampore).
Zafar Ali Sahib (Municipal Secretary, Mirzapur).
Zulfiqar Ali Khan Sahib.
Tofail Ahmed Sahib.
Honorary Secretary, Young Men's Association, Cawnpore.
Mahomed Hassan (Lucknow)

J. Pollen, L L. D., an old Civilian of India, while passing Aligarh on his way to Bombay, came down to the College

heartily congratulate the members of the team and especially Captain Abdullah upon this great victory ; a victory which, wel take this opportunity of saying, was brought about by no mere fluke, but by months of steady continuous practice. Even if we had been so unfortunate as to lose we should stil have felt that though Mohammed Abdullah was unable to command success, yet by his cheerful, unfailing energy, his tact in managing his team and his excellent Captaincy at all times, he had certainly deserved it. We with the rest of the College rejoice that he has both deserved and obtained it.

The Parsis came with a high reputation as bowlers, but certainly during the two days no one could say that our own men compared unfavourably with them. Abul Hassan especially bowled with great judgment, varying his pace with great effect. Most of our bowlers are learning how extremely important this is. When all hope of actually bowling a man out seems gone, his wicket may be often obtained by getting him to misjudge the pace of a ball and put up an easy catch. It was his skill in this particular more than anything that made spofforth, for a time, the deadliest bowler in the world. Both he and Richardson have obtained wicket after wicket by bowling a few rather slow balls and then sending in a ' yorker, as hard as they knew how. In the second Innings Abdullah used his pace with excellent effect, the change in bowling was well timed. We would congratulate Ali Hassan upon the great advance he has made in batting during the last year. His off drives were excellent and he is getting rid of a dangerous tendency he had towards pulling good length balls.

Munzoor too is another player who has made his reputation during the present year. We have at last found what the College has been wanting for many years, an efficient wicket keeper. He takes the ball and puts down the wicket capitally, but seems to find catches a difficulty. When the bowling is from the off it would perhaps be as well to stand a little less directly in front of the wicket facing rather towards the off. This is done by some of the great wicket keepers in England, and it seems to make catches rather easier.

very good wickets of Daroowala and Mistry who played a very good game of 18 and 37 runs respectively. Mistry had bad luck being given. lbw in a ball from Abul Hasan. He showed some very good cricket this time. His strokes to mid off were very pretty. Raja (junior) and Kapadia were disposed off very easily Now when Bapasola came in every one expected to see some good cricket, the spectators cheered him a great deal, but he disappointed them by being clean bowled by a twister from wily Abul Hasan who was bowling him different pitches. He could add only 3 runs. (5 for 71). Mehronji now joined Raja (senior). While Raja played a steady game the other slogged the balls vigorously pulling the score up to 130 The Captain then thought it wise to try change in bowling placing himself at one end. The change was very [illegible], Mehronji was clean bowled by him in the 1st over. The wickets now fell like anything. Madan was bowled in the 2nd over. R porter and Gazdar were given lbw. The innings came to a close for 141 runs Our boys fielded very smartly in the innings and thus saved a great many runs Now the College had 79 runs to [illegible] and there was plenty of time to make the score Kabir and Ziaullah opened the innings and played the steady which was now necessary. They seemed to be getting set and every one hoped that the pair would knock off the runs, but Ziaullah unfortunately was bowled off his pads as in the 1st innings. (1 for 21).

[illegible] then joined and was run out for an addition of only 1 run. but Ali Hasan joining Kabir put some life in the game. The pair were not separated till the total had reached 65, Kabir being run out when he seemed to be fully settled. Sarfraz came in and was bowled for nothing. (4 for 6[illegible]) [illegible] and joined Ali Hasan but Ali Hasan left him very soon.

Three wickets fell one after the other with an addition of a couple of runs The supporters of the College grew very anxious as the game grew more and more uncertain. At last Jalil and Abul Hasan settled themselves and succeeded in putting up the remaining few runs, Jalil making the winning stroke and thus the College defeated the famous Parsees by 3 wickets.

ABDULLAH.

The Parsi match was a great triumph for the College, this is the best thing our Cricket team has yet done. We very

When he was bowled by Mughni, he had made only 5 runs in 35 Mts. His partner did not survive him long and was out for 30 runs which were scored in an hour, the total score for 5 wickets being 48 only. But Bapasola and Mehronji changed the aspect of the game altogether. Though both of them played a risky game they pulled the score up rapidly knocking up 75 runs in 50 Mts. They made some capital drives but not without giving one or two catches at long on which were missed by Jalil, as the sun was right in his eyes.

A change in the bowling put an end to their hilting, Bapasola being caught at mid off while Mehronji had a bad luck in being run out for 44. The 7th wicket fell for 127. The rest were disposed off for an addition of 20 runs The Parsi innings was finished at 1 P. M for 147.

Kabir and Mughni commenced the innings for the College. We had to stop for lunch for an hour with the score at 13 for no wickets. The game was resumed at 2-45. Kabir and Mughni were playing in capital style when the former was unfortunately run out at 52 Ziaullah joined Mughni but was bowled off his pads making a very poor addition of 7 only. (2 for 73). Ali Hasan became Mughni's partner and we had an interesting game; their runs were coming very quickly when Mughni was bowled by Mistry for 61, after an admirable innings which did much to break the bowling of our opponents who had tried all their bowlers by this time. Sarfraz went in next but did not stay long though he made 15 runs by brilliant and fast cricket. He fell to a very fine catch at long off left hand high up by Raja (senior) and Abdullah was bowled by Mistry for 8 runs (5 for 150). Hamid joined Ali Hasan but stumps were drawn soon after. The total score for the day was 156 out of which Ali Hasan had made 36.

Second day's play began at 9-30 on a fast wicket. Ali Hasan who was showing some very good cricket, the night before was given lbw adding only 1 to his overnight score. Abul Hasan joined Hamid who after an over or two was also given lbw Abul Hasan played a very good game all-through and came out bat in hand for 21, the College having succeeded in putting together the respectable score of 210. When the Parsees began their second innings, the College had a lead of 63 which was only knocked off for the loss of 2

the educational reformer, it was that of a statesman, and it is to you students to exert yourselves as far as in you lies to realise the ambition of your great founder that I appeal to-day."

The Hon'ble Haji Mahomed Ismail Khan then rose and thanked the President on behalf of the Trustees of the College and the ceremony ended.

CRICKeT.

There has been much more life in the College Cricket this year than during any preceding year. The stimulus was given by the long expected Match with the Parsees whose superiority in Cricket has been acknowledged by every body in India. The Match at last came off on the 25th and 26th of October after the dates had been changed twice. The first fixture drew a large number of visitors to Aligarh from different parts of the country but they had to go away disappointed.

Before the Parsi Match the Cricket eleven, which stayed at the College for the greater part of the vacation, played many matches all of which resulted in its favour.

We need not give detailed accounts of these Matches, as these easy victories were a sort of prelude to the far greater trumph which the College team attained on the 26th by which they have proved themselves the Champions of India in Cricket.

The game began at 10-45 on the 25th with a large number of spectators all assembled under the 4 tents which were pitched for this occasion through the kindness of the Collector and the D. S. P. The College Captain won the toss and put the Parsees in for reasons of his own. Mistry and Daroowala came in to face the bowling of Abul Hasan and Mughni, but the latter was disposed off very easily for 3 runs only. Raja and Kapadia followed each showing great respect for the bowling of Mughni and Abul Hasan. The third wicket fell for 18 runs. Mistry, who was playing with great ease and in good style was joined by Raja (senior), who played a steady though very slow game.

not merely the cramming of a certain number of facts into a boy's head, enough to enable him to pass an examination and to be then thankfully forgotten. Nor is it merely the training of the mind to think and of the body to act. The highest mental and physical abilities are apt to prove a curse to their possessor instead of a blessing unless they are controlled and directed by a trained moral sense. To be really educated you must be educated mentally, physically, and morally. To teach us to distinguish between right and wrong and to teach us to prefer what is right and abhor what is wrong is, I take it, one of the main aims of religion; it is certainly the main aim of every system of education which is worth the name.

As to the need which existed in these provinces for such a College as this it is unnecessary for me to say much. It is not so many years ago that we used to see in the public press and to hear from those who were responsible for the government of the country, constant complaints that owing to the want of education among them the Mahomedans were not sufficiently represented in important positions in the public service. The complaint was no setimental one. In a country composed of different nationalities with different religions like India the concentration of power in the hands of certain classes and the exclusion from office of other classes was felt to be likely to lead to grave social and political dangers. On the other hand it was clearly impossible to place power in the hands of uneducated and unenlightened men. If Sir Saiyid Ahmed had done nothing more than remove this complaint he would still deserve to be ranked high among the benefactors of his country. But he aimed at more than turning out a number of well mannered and fairly educated country gentlemen and a number of able public servants whose ability I may add will not be diminished by the fact that they are also accomplished cricketers. He aimed beyond all this at regenerating a people who had accomplished great deeds in the past and who he felt were capable, if properly instructed and enlightened, of securing for themselves a prosperous future. He felt as we all feel, whether we like it or not, that the knowledge and method of our fathers are not enough for us and that if we are not to fall into impotence and contempt we must march with the times Sir Saiyid Ahmed's aim was not merely that of

THE PRESIDENT's SPEECH.

" Sir Syed Ahmed, Mr. Beck, ladies and gentlemen—

It was with much pleasure that I accepted the invitation to distribute the prizes to-day, as I was only too glad to do anything however small the deed might bo to show the deep interest I take in the welfare of this College.

It is I believe a little over one and twenty years ago that the M. A.-O. College was first opened in a hired bungalow in this station. In that relatively short period of 21 years the progress made has been little short of marvellous. What the number of students was when the College was first opened I do not know. but probably the number was as unpretentious as the building in which the students met. There are now on your rolls no less than 506 students of whom 333 are boarders. Instead of a hired bungalow you have spacious and imposing buildings of your own which if still unfinished are at least sufficiently advanced to provide good working accommodation. You have houses for your Principal and your chief professors, and above all you have an assured income sufficient to guarantee permanence to the College. It is to me, as I am sure it is to all who are present to-day, a matter of sincere congratulation that your great founder has been spared by Providence to witness such a splendid result.

To found by one's own exertions a great College and to obtain for that College a position of assured success, is a great achievement in any country. In this country for certain reasons the achievement was still more notable. I do not intend here to attempt to enumerate the difficulties which Sir Saiyid Ahmed had to encounter in carrying out his great task; probably no one but himself could tell how many and how great those difficulties were, or what patience, tact, steadfastness of purpose, and firm belief in his own success were required to overcome these difficulties. One objection, however, I would like to refer to briefly, as I believe it is still sometimes repeated in this country and faint echoes of it are occasionally heard even in the enlightened West. I refer to the objection that modern education tends to produce disbelief. I have no hesitation in describing that objection as a delusion of the dark ages. So far from being true it is the exact opposite of the truth. For what is education ? It is as you all know,

the matches played during the past week. I allude, Sir, of course to Mrs. Porter who has treated our students with so much kindness. You will understand, ladies and gentlemen, that this is no formal expression of thanks for conventional favours. And I express them not only on behalf of myself and our students but at the special request of Sir Syed Ahmed on his behalf and that of the Trustees of the College. We very genuinely appreciate your generous behaviour to our students and we firmly believe that your kind conduct will assist greatly in cementing feelings of friendship beween the English and Native communities, and in binding together more closely the various parts of the great Empire to which we belong. Among the well-known Indians of the present day what a contrast we see between the sentiments and popularity of the politician Naoroji and the great cricketer Ranjit Singjhi. The former makes the most outrageous and unjust attacks on the Government; the latter protests that we shall be ready to fight together against common foes. Who has done most for the popularity and reputation of the Natives of India? Who in England cares for Dadabhai Naoroji? As for Ranjit Singhji he has only to appear in the Cricket field to be guested by the enthusiastic cheers of thousands of Englishmen. Well, gentlemen, we are of the same way of thinking as Ranjit Singhji and I hope that some day our College will turn out as distinguished a Cricketer. There are many people in India who do not appreciate the value of these games. But on the other hand the crowd of people who flocked to Aligarh from hundreds of miles distance showed that a keen interest in cricket is spreading very fast among the Mahomedans. Others think that because we are interested in Cricket we do not care for learning. This is a mistake. Interest in sports does not preclude interest in learning. We have made and are making constant efforts to improve the courses of study in the Allahabad University, but this is not the occasion on which to allude to them. I have wished rather to allude to the social aspects of our life and to thank our English visitors for the invaluable help they have given us in doing that which without their assistance would have been impossible."

ANNUAL PRIZE DISTRIBUTION IN THE COLLEGE.

A Meeting for the Annual Prize distribution took place on the 18th of the last month. The Collector of Aligarh kindly condescended to preside over the meeting.
Mr. Beck made the following speech :—

" Mr. President, Ladies, and Gentlemen,

In asking you to be so good as to distribute the prizes to-day I wish to express a few words of thanks to the English ladies and gentlemen of this station for the kind interest they take in our students. One of the chief objects of Sir Syed Ahmed in founding this College was as he has frequently said, to establish friendly feelings between the English and Mahomedan communities. He thought that the distance which formerly separated was due chiefly to want of knowledge, and his desire was therefore that the rising generation of Mahomedans should be trained to understand the ideas and tastes of Englishmen. The result has fully justified his hopes. And for this we have very largely to thank the English ladies and gentlemen of the station of Aligarh. We have received from them an amount of kindly interest in our work and in our students such as would have been remarkable even if the College had been situated in England with English students surrounded by people of their own nationality. This interest has been manifested spontaneously and more particularly in connection with the great national game. Our English friends have not only very handsomely assisted us in collecting funds for a cricket pavilion, a design for which has been very kindly drawn up by Mr. Evans, but they have joined with our players, practised with them, and together made one team to play and defeat foreign teams. I must in particular thank Mr. Piggott who has done so much to encourage the game here and elsewhere in India, and Messrs. Innes, Sparling, Clarke, and Nestor who have by their presence on the field put so much life into our eleven. But most of all I feel that we owe our thanks to the kind lady who provided refreshments and has presided so graciously over the visitor's tents during

classes. Neither kinds of technical education are suitable for Indian Schools, the one because it is too high, the other because it is too low. No College in these Provinces can give a real scientific education in a chemical laboratory, though the Muir College if given a free hand by the University might achieve something as it has a chemical specialist on its staff. On the other hand our school students belong to a social stratum higher than that of the carpenter or blacksmith, and the little smattering of science that some of them learn which might possibly be of use to artisans can be of no monetary value to them. It is not this kind of technical education which is dealt with in this article, but commercial education. Can anything be done to help our students to start in business? Now there are I think one or two things which might with advantage be taught to students who contemplate a commercial career. The first is book-keeping. Without a knowledge how to keep accounts a man will not succeed in business. This knowledge itself will not enable a man to do so, but it is a necessary condition. Now our students do not so much as know that there is a science of book-keeping. The proper place for teaching this science is after, not before, the Entrance, partly because the subject is difficult and partly because the schools do not contain masters competent to teach it. I think that book-keeping might be allowed as an alternative subject in the Intermediate Examination. The objection may be raised that the introduction of this element will degrade the University. But the University is already degraded by the fact that the object of a great deal of its teaching is to train up persons who wish to use their instruction simply as a means of livelihood; and if commercial or practical courses were clearly separated from the scholarly courses, the latter would gain because it would not be necessary in framing them to bear practical ends constantly in view.

Another way of helping our students would be to give them some preliminary notions as to how modern business is carried on, and how to set to work to acquire the knowledge and experience that is necessary to success, but on account of want of space I must adjourn this subject to a future occasion.

THEODORE BECK.

a knowledge of English is of the greatest value to any one who enters into trade in India. Not only will correspondence with English firms be conducted in this language, and dealings with English customers, but a knowledge of English will enable the business man to read trade journals and profit by the mass of information which is the common property of Europe. If English is necessary it must be learnt in a school, and so far it is clear that English education is useful for a youth who wants to enter into business. We may now ask whether the schools and colleges can teach anything else that may help to set the student on the right lines. The Government of India has devoted considerable attention to this matter, which is known in India as technical education, but I am not aware that anything practical of importance has resulted from their efforts. The chief, evidence we have of their activity has been the foundation of the School Final Examination. Regarded as a training for business life this examination is worthless. Two or three subjects, such as Book-keeping, Political Economy and Drawing, which are supposed to assist in attaining the desired object, have been introduced as alternative subjects, but the training in each is so rudimentary as to be of no practical utility to the student while the curriculum admits of only one of these courses being read by each student. The phrase technical education is used very vaguely in India, scarcely any one who uses it appearing to have a clear notion of what he means by it, and most people attaching different meanings to the word. Thus legal education is sometimes spoken of as technical, while other people seem to have trades such as carpentering and shoemaking in their minds. In England technical education generally denotes scientific knowledge adapted to the purposes of manufacture. And this education consists of two branches, a higher and a lower, the one suitable for the employer, the other for the workman. Thus in the chemical industries the training of men for years, sometimes it is said as much as six or seven years, in a first class chemical laboratory gives the technical education necessary to apply a scientific knowledge of chemisty to the manufacture of chemicals. While on the other hand a little elementary knowledge of mechanics taught to carpenters in industrial schools is an example of teachnical education applied to the working

dependent on the wealth and number of the litigants ; and the number of posts under the Government does not increase at the same rate as the number of candidates for them. Nor can the Mahomedans hope to oust to any large extent representatives of other nations. And even if they could the problem here considered, how to provide a livelihood for the surplus of educated youths, would only be the more pressing for these other races and therefore no less important than before.

I have no doubt that from the point of view of the government and the taxpayer this increase in the number of candidates for posts is an excellent thing, for it enables the government to secure men of higher attainments at lower pay and thus to get its work done cheaper and better Moreover candidates fully qualified to discharge the more difficult and responsible duties attached to the higher posts are comparatively few. The excess is found chiefly in the subordinate posts for which crowds of persons of mediocre ability apply. But as a great many of our students belong to this latter class, we cannot but feel considerable sympathy with them in their efforts, often vain, to obtain a modest competency. The proposition which this article seeks to maintain is that it would be better for these men and for the Mahomedan community that they should seek a livelihood in trade rather than that they should spend their lives in hunting for or in occupying very subordinate posts on very small salaries.

Take the case for example of a youth who becomes an apprentice in the Judge's Court on Rs. 10 per month, and who works for years in the hope of a rise to Rs. 20 or Rs. 25. If such a youth were to devote these years to learning some particular trade, to acquiring some special knowledge possessed by comparatively few people, he would be worth, at the end of that period, a salary three or four times as large as that which he would enjoy as an official clerk.

The difficulty is for these young men to know how to begin, and the question arises whether the national College could not do something to help them. If not, then what other agencies should be relied on ? Now there can be no doubt that

The
Muhammadan Anglo-Oriental
College Magazine.

New Series VOL. 4.	NOVEMBER 1, 1896.	No. 11.

TRADE AND EDUCATION.

In considering the present condition of the Mahomedan community of Upper India it is clear that the production of men of learning is not the only object of the workers at educational reform. Important as it is that the community should have intelligent leaders, desirable as it is from the point of view of national honour that Islam should be able to boast of distinguished scholars, these are not the primary aims of many of the men who are anxious to spread English education among the Mahomedans, The chief thing which these men desire is to see the community prosperous from a worldly point of view, and though this object may not be so lofty, yet it is a necessary condition of intellectual progress. For a nation that has no money cannot support scholars and men of learning. And considering the general poverty of the community when measured by a European standard or even by the standard of the wealthier races in India, no one can deny that the object is one that well deserves the interest and labour of patriotic men. In other words the object of education is in most cases to provide a means of livelihood for the student. This he is expected to obtain in most cases by entering the government service, or joining the legal profession. Now the number of lawyers required by the country is limited and

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A. O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs 3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. p. for Rs. 3 or for Re. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 2 annas per line or Rs, 2 per page in Urdu.

THEODORE BECK,

English Editor.

MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,

Urdu Editor.

NIAZ MUHAMMAD KHAN,

Manager.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 4. | NOVEMBER 1, 1896. | No. 11.

Contents.

Printed at the Institute Press, Aligarh.

For Siddon's Union Club.

Mohomed
MU AKHAN

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین

نمبر ۱۰	اکتوبر ۱۸۹۶ء غیر معمولی پرچہ	جلد ۴

فہرست مضامین

(مطبوعہ مطبع العلوم
برای سٹڈنٹس یونین کلب)

کتاب یوذاسف و بلوہر

پر

ایک مورخانہ نظر

(بقیہ مضمون)

یہ تو صرف چند حکائیتیں ہیں جنکا ہم نے حوالہ دیا ہے لیکن حقیقت میں تمام حکائیتیں ایسی ہی چُبھتی ہوئی ہیں اور اُن میں سے بعض کو منتخب کرنا اور بعض کو چھوڑ دینا ممکن نہیں ہے، نصیحت کی کیا اچھی مثال دی ہے۔ کہ

"کسان بونے کے لیئے اچھے اچھے بیج نکالتا ہے اور جب ایک مٹھی بھر کر پھینکتا ہے تو کچھ دانے رستہ کے کنارے پر گر جاتے ہیں اور تھوڑی دیر میں چڑیاں چُگ جاتی ہیں اور کچھ پتھروں پر گرتے ہیں اور اگر کسی پر ذراسی مٹی بھی جمی ہوئی ہے تو پھوٹتے ہیں اور سبزہ لہلہاتا ہے مگر جب پتھر یا اُن کی جڑ پہونچتی ہے تو جل کر سوکھ جاتے ہیں اور کچھ دانے زمین پُرخار پر جا پڑتے ہیں اور جب وہ اُگتے ہیں اور بالیں نکلتی ہیں اور پھلنے اور پھولنے کا زمانہ قریب آتا ہے تو کانٹوں میں لپٹ کر ضائع و بیکار ہو جاتے ہیں اور جو دانے ایسی زمین پر گرتے ہیں جو تھوڑی ہے مگر صاف ہے تو وہ خوب پھلتے پھولتے ہیں" اے شہزادہ کسان تو مثل ناصح کے ہے اور دانے نصیحتیں ہیں۔ لیکن وہ دانے جو رستہ کے

کنارے پر گرے اور چڑیاں چُگ گئیں وہ اُن نصیحتوں کے مانند ہیں جو کان تک پہنچیں اور دل پر مؤثر نہ ہوئیں اور جو دانے پتھر پر گرے اور کچھ جمے اور پھر اُس کی سختی سے اُنہیں جلا دیا وہ مثل اُن نصیحتوں کے ہیں کہ کوئی شخص سُنے اور دل لگا کر سُنے اور سمجھے لیکن اُنکو اپنے ذہن میں محفوظ نہ رکھے اور جو دانے اُگے اور کانٹوں نے اُنہیں بیکار کر دیا یہی مثال اُن نصیحتوں کی ہے کہ سُننے والا سُنے اور سمجھے اور گرہ میں باندھے مگر جب عمل کرنے کا موقع آئے تو خواہشہائے نفسانی قدم آگے نہ بڑھنے دیں اور اُن کے عدم و وجود کو برابر کر دیں۔ اور وہ دانے جو پھلے اور پھولے وہ ایسی نصیحتیں ہیں جنہیں کان سُنیں اور عقل سمجھے اور حافظہ محفوظ رکھے اور عزم و ہمت اُنہیں عمل میں لائے اور یہ بات جب ممکن ہوتی ہے کہ بُری خصلتوں اور خواہشوں کی جڑ دل سے اُکھاڑ ڈالی ہو اور نفس کو بُرائیوں سے پاک و صاف کر لیا ہو۔

اگرچہ اِس کتاب کا اصل الاصول ترک دنیا ہے لیکن جو پند و نصائح کہ مندرج ہیں وہ ایسے وسیع دنیاوی تجربہ پر مبنی معلوم ہوتے ہیں کہ دنیاوی کامیابی کے لیئے بھی از بس مفید ہیں چنانچہ ایک موقع پر لکھتا ہے۔ کہ

جو باتیں کہ صاحبِ عقل کو لازم ہیں اُنہیں سے یہ بھی ہے کہ جو اُمور اُسے پیش آئیں اُنہیں غور و فکر کے بعد جس بات کو حق و صواب کے موافق پائے اُسپر عمل کرے۔ اور جس میں دھوکا دیکھے اُسکو ترک کرے اور اپنے آپ کو اُس سے روکے اور چاہیئے کہ اپنے آپ کو اور اپنے علم و فہم و رائے کو حقیر سمجھتا رہے تاکہ غرور و خودبینی اُسپر غالب نہو جائے۔

یہ تحقیق ہے کہ حق تعالےٰ نے اہلِ عقل کی مدح فرمائی ہے اور جاہل و خودبیں کی

مذمت کی ہے اور بعنایت الٰہی عقل سے ہر چیز کو دریافت کر سکتے ہیں اور ناواقفیت سے لوگ تباہ ہو جاتے ہیں اور ایک موقع پر لکھتا ہے۔ کہ

سب سے بڑھ کر عادل وہ ہے جو لوگوں کے ساتھ اکثر اپنے نفس کو ملزم قرار دے اور سب سے بڑھ کر ظالم و جابر وہ ہے جو اپنے ظلم و ناانصافی کو عدل سمجھے اور اہلِ عدل کے عدل کو ظلم و جور شمار کرے اور سب سے بڑھ کر عاقل وہ ہے جو اپنا سامانِ آخرت درست کر رکھے۔ اور سب سے بڑھ کر نادان وہ ہے جو ہمہ تن دنیا ہی میں مصروف ہو جائے اور گناہ و معصیت سے کام رکھے اور سب سے بڑھ کر خوش نصیب وہ ہے جسکے اعمال کا انجام بخیر ہو۔ اور سب سے بڑھ کر بدنصیب وہ ہے کہ اُس کے اعمال کا نتیجہ ایسا ہو کہ غضب پروردگار کا باعث ہو۔

اس کے بعد حکیم نے کہا کہ جو شخص لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرے اور اُن کو اس طرح سے بدلہ دے کہ اگر اُس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں اور اُسکو ویسا ہی بدلہ دیں تو اُس کی تباہی و بربادی کا باعث ہو تو اُسنے اپنے خدا کو غضبناک کیا اور اُسکی مرضی کے خلاف کاربند ہوا۔ اور جو شخص لوگوں سے اس طرح پیش آئے کہ اگر اُس سے اُسی طرح کوئی پیش آئے تو اُس کی بہتری کا باعث ہو تو وہ شخص اپنے خدا کا فرمانبردار ہے اور خوشنودی الٰہی کے حصول کی اُسنے توفیق پائی ہے اور غضب خدا سے محفوظ ہے اس کے بعد کہنے لگا کہ کوئی اچھی اور نیک بات اگر بُرے لوگوں میں بھی دیکھو تو ہرگز اُسکو بُرا نہ سمجھو اور اگر نیک لوگوں میں بھی کوئی بُری بات دیکھو تو اُسکو اچھا نہ خیال کرو یہ ایسے اعلیٰ اخلاقی اُصول ہیں کہ دنیا و عقبی دونوں کے لیئے مفید ہیں اور خصوصاً جو اُصول کہ آپس کے برتاؤ کے متعلق بتایا ہے وہ وہی ہے جسپر عیسائیت کو اسقدر

ناز ہے یعنے یہ کہ اپنے ہمسایہ کے ساتھ ویسا ہی سلوک کر جیسا کہ تو اُس سے کرانا چاہتا ہے
اور یہی اُصول درصل اسلام کا بھی ہے گو کہ عیسائی اسکو تسلیم کرنا اپنی مصلحت کے خلاف
سمجھتے ہیں۔

اسی طرح جذبات بہیمیہ کی بہی خوبصورتی سے تعریف کی اور اُن کی خصوصیات کو
بتایا ہے کہ اگر کوئی شخص سرسری طور پر بہی دیکھ لے تو کبھی بُھول نہ سکے۔

پوچھا کہ جس انجام پر کہ آپ نے فرمایا نظر کرنا چاہیئے وہ کیا ہے اور جن دشمنوں سے
کہ حذر کرنا چاہیئے وہ کون ہیں کہا انجام تو آخرت ہے اور وہ دشمن حرص اور غصہ اور
حسد اور بوالہوسی اور ریاکاری اور بیہودہ لجاجت ہیں۔ پوچھا جن دشمنوں کا آپ نے
نام لیا اُن میں وہ کونسا ہے جو سب سے زبردست ہے اور اُس سے بچنا مشکل ترین
ہے۔ کہا کہ حرص اور اُس میں خوشحالی نہیں رہتی اور غیظ و غضب کا باعث ہوتا ہے اور
کسی سے حسد کرنا خدا کی نسبت بدگمانی اور عقیدہ میں فساد ہے اور کینہ خواہی انتہا کی
لجاجت اور گناہان کبیرہ کا باعث ہے اور بغض سے عداوت دیرینہ و بیدردی و نافہمی
و شدت قہر و غلبہ پیدا ہوتا ہے اور ریاکاری تمام مکاریوں سے بدتر ہے اور لجاجت کرنا
بہت ہی جلد آدمی کو مقابلہ کے وقت عاجز اور ذلیل کو قطع کر دیتا ہے۔ پوچھا کہ شیطان
کی مکاریوں میں کونسا مکر لوگوں کے تباہ کرنے میں پورا اُترتا ہے اور تاثیر زیادہ رکھتا ہے
کہا جو خواہشہائے نفسانی کے سبب سے لوگوں پر نیک و بد اور ثواب و عذاب اور
اُمور ناشائستہ کے انجام کو مشتبہ اور پوشیدہ کردے پوچھا کہ حق تعالےٰ نے وہ
کونسی قوت انسان کو عنایت فرمائی ہے جس سے ان سب بُرے خصائل اور بدفعلوں
اور خراب کرنے والی خواہشوں پر غالب ہوسکے کہا کہ وہ قوت عقل اور اُس کے ساتھ

علم اور دونوں پر عمل کرنا اور اپنی خواہشوں کے ترک پر نفس کو مجبور کرنا اور شرع میں
جو ثواب وارد ہوئے ہیں اُن کی اُمید رکھنا اور فنائے دنیا و نزدیکی موت کو بہت یاد
کرنا اور ہمیشہ حذر کرتے رہنا کہ دنیا کے اُمور فانی کی وجہ سے آخرت کے اُمور باقی
کہیں فوت نہو جائیں اور دنیا کے گذشتہ معاملوں کا جو بُرا انجام ظاہر ہوا ہے
اُس سے عبرت پکڑنا اور اپنے آپ کو اہلِ عقل کی راہ و روش پر اور نفس کو بُری باتوں
سے باز رکھنا اور اچھی عادتوں اور اچھے اخلاق کی عادت ڈالنا اور دور و دراز اُمیدوں
کو اپنے دِل سے دور کرنا اور سختی میں صبر کرنا اور بقدر کفاف رزق پر قانع رہنا اور قضائے
الٰہی پر راضی رہنا اور عذابِ آخرت کی شدت کو سوچتے رہنا اور آدمی سے دنیا میں جو
چیزیں فوت ہو جایا کرتی ہیں اُن میں اپنے آپ کو تسلی دینا اور جو کام انجام کو پہنچنے والا نہیں
ہے اُسے ترک کرنا اور اُمورِ آخرت میں سے جس امر کہ اُسکا انجام ہوتا ہے اُسکو
آنکھ کھول کر دیکھنا اور سعادت کے طریق کو گمراہی کے راہ پر مقدم رکھنا اور اس بات کو
یقین جاننا کہ عمل خیر و شر کے لیئے جزا و سزا ہے اور خدا اور خلق خدا کے حقوق کو پہچاننا
اور سب کا خیر خواہ رہنا اور ہوا و ہوس کی اطاعت اور خواہشوں کے پورا کرنے سے
نفس کو بچانا اور ہر کام کو سوچ سمجھکر کرنا اگر کوئی خرابی اس سے پیدا بھی ہو تو یہ عذر ہے
اس سبب سے کہ اس نے غور و تامل کر لیا تھا یہ سب باتیں وہ قوتیں اور فوجیں ہیں جنسے
اُن دشمنوں پر غالب ہو سکتا ہے۔

یہ وہ نادر اُصول ہیں جو انسان کو دین و دنیا دونوں کے لیئے کار آمد ہیں اور اگر
کوئی شخص بھی اُنپر عمل کرے تو انسان کامل بن سکتا ہے حقیقت میں یہ کتاب پند و نصائح
اور کار آمد اُصولوں کا عجب ذخیرہ ہے اور اس قابل ہے کہ بادشاہوں کے مشیر وزرا کی

ندیم اُمرا کی جلیس شرفا کی انیس اور غربا کی ہمدم بنائی جائے اور امیر غریب بڈھے جوان بچے سب کے حق میں یکساں مفید ہے اور ہر شخص کو لازم ہے کہ اُسکو دیکھے پڑھے سوچے سمجھے حافظہ میں جگہ دے اور اُس کے مضامین کو اپنا ہادی و رہبر طریق بنائے کیونکہ اُس میں کوئی ایسی بات درج نہیں جو کسی مذہب کے خلاف ہو بلکہ جو اُصول اسمیں بتائے گئے ہیں وہ یکساں تمام مذاہب میں پائے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہو کہ مغرب و مشرق دونوں کے اخلاق پر اِس چھوٹی سی کتاب کا ایسا عمیق اثر پڑا ہے۔

خاکسار

محمد عزیز مرزا

(مددگار ہوم سکرٹری حیدرآباد)

متنبی

ایشیائی شعر وشاعری کی نسبت آج کل یہ عام خیال پیدا ہو گیا ہے کہ اس میں جھوٹی نیرنگ سازی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ خیال صرف فن شعر تک محدود نہیں ہے بلکہ ایشیائی شاعر کے اخلاق وعادات کا اندازہ بھی اِسی معیار سے کیا جاتا ہے، یعنی شاعر اصل اقتضا کے لحاظ سے ضرور ہے کہ خوشامدی مدّاح، لاف گو، بزدل اور حریص ہو اور خود ایشیائی شعرا نے شاعر کا یہی مفہوم سمجھا ہے، انوری ایک موقع پر چند ہمراہیوں کے ساتھ جن میں ایک طبیب اور دوسرا درزی تھا ڈاکوں کے زغہ میں آگیا تھا اور چونکہ بغیر اسکے کہ کچھ ہات پانوں ہلاتا ہتیار ڈال دیئے اس لیئے اِسکا عذر اس طرح بیان کرتا ہے ع

طبیب و شاعر و درزی چگونہ جنگ کند۔ عرفی ایک قصیدہ میں لکھتا ہے

بعقد گوشۂ دستار شاعران حریص — کہ بے برات صلہ سینہ ایست پُر آزار

ہمارا اُردو کا ملک الکلام سودا شاعروں کی نسبت لکھتا ہے۔

گر عید کا سجدہ میں پڑہیں جاکے دوگانہ — نیت قطعۂ تہنیت خانِ ماں ہے

بے شبہ یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے اور فارسی شاعری کی نسبت تو قریباً بالکل ٹھیک ہے۔ اسلام میں فارسی شاعری کی ابتدا ہی اِسوقت ہوئی جب کہ شاہی درباروں میں خوشامد اور جہوٹی مداحی کا عام رواج ہوچکا تہا اِس لیئے فارسی شاعری نے آنکھ کہولکر جو کچھ دیکہا وہی مدح و ثنا کی نیرنگ آرائیاں تہیں،

لیکن عرب کی شاعری کی نسبت مذکورۂ بالا خیال بالکل غلط ہے، عرب میں مدتوں تک مدح و صلہ کا وجود تک نہ تہا، اول یہ ذلت نابغہ ذبیانی نے اختیار کی لیکن ہمعصروں نے اِس بات کو حقارت کی نگاہ سے دیکہا۔ پہر اعشیٰ نے اِس ذلت کو اور ترقی دی یہانتک کہ بنو امیہ کے زمانہ میں خاصی مداحی اور بہٹئی پیدا ہوگئی تاہم اِسقدر عزت کا پاس ملحوظ تہا کہ بادشاہ کے سوا اور کسی کی مدح نہیں کہتے تہے۔ رفتہ رفتہ یہ احتیاط بہی جاتی رہی اور ہر کس و ناکس کی مداحی کرنے لگے۔ **متنبی** جسکا ہم تذکرہ لکھنا چاہتے ہیں اگرچہ اُس زمانہ کا آدمی ہے جب شاعری ایک قسم کی گداگری رہ گئی تہی تاہم اُس میں عرب کے کچھ کچھ اوصاف باقی تہے اُس کی لائف لکھنے سے ہمارا یہ مقصود ہے کہ لوگ اِس بات کا اندازہ کرسکیں کہ عرب کی شاعری جب بالکل اپنے جوہر کہو چکی تہی اسوقت تک اُسکا کیا حال تہا اور عرب کے شعرا کے کیا اخلاق و عادات ہوتے تہے۔

متنبی کا نام احمد بن الحسین الجعفی اور کنیت ابو الطیب ہے۔ کوفہ میں کندہ نام

ایک بہت بڑا محلہ تہا جسمین تین ہزار صرف پیشہ ور رہتے تے متنبی اسی محلہ میں ۳۰۳ھ میں پیدا ہوا اور اسیوجہ سے وہ کندی کے انتساب سے مشہور ہے۔ اِس زمانہ تک اگرچہ مسلمانوں میں مدارس اور دارالعلوم کا طریقہ نہیں قائم ہوا تہا۔ تاہم تعلیم نہایت وسعت کے ساتھ جاری تہی۔ ہر جگہ ہر ہر محلہ میں کثرت سے خانگی مکاتب موجود تہے محلہ کندہ میں بہی بہت سے مکتب تہے اور ایک اِن میں سے خاص شریفوں کی اولاد کے لیئے مخصوص تہا۔ متنبی کے باپ نے متنبی کو اسی مکتب میں بٹہایا۔ کوفہ چونکہ درحقیقت عرب کا ایک ٹکڑا تہا اور تمام عرب ہی عرب آباد تہے اِس لیئے مکاتب میں جن مضامین کی تعلیم ہوتی تہی وہ صرف شعر و شاعری لغت۔ انساب اور اُس کے متعلقات تہے متنبی نے بہی انہی مضامین میں تعلیم پائی اور چونکہ طبیعت ابتدا سے موزوں تہی بچپن ہی میں شعر کہنا شروع کر دیا تہا۔

متنبی کا باپ ایک مفلوک الحال آدمی تہا شہر کے مصارف برداشت نکر کے عرب کے بیابانوں میں پہرنا شروع کیا وہ خود عربی النسل تہا اور بادیہ نشین عربوں کے لیئے ہم قومی و ہم نسبی کی بہی ضرورت نہ تہی۔ وہ جہاں جاتا تہا بدو نہایت فیاضی سے اسکو مہمان رکہتے تہے۔ اِس طرح برسوں وہ عرب کے میدانوں میں پہرتا رہا اور ہر جگہ متنبی ساتھ ساتھ رہتا تہا۔ اگرچہ یہ اتفاق صرف ضرورت کی وجہ سے پیش آیا تہا لیکن اس اتفاقی واقعہ نے متنبی میں وہ جوہر پیدا کر دیئے جس کے حاصل ہونے کے لیئے خلفا اور سلاطین بڑی بڑے بندوبست کرتے تہے۔ یہ واقعہ یاد رکہنے کے قابل ہے کہ خلفائے بنوامیہ ہمیشہ اپنی اولاد کو صغر سنی میں عرب کے صحراؤں میں بہیجدیا کرتے تہے اور وہ بادیہ نشیں عربوں کے ساتھ پلکر بڑی ہوتی تہی۔ اس سے یہ مقصود تہا کہ بدوؤں کی صحبت میں رہکر اُن میں

عرب کی اصلی اوصاف یعنی فصاحت و بلاغت۔ زور تقریر۔ آزادی۔ جفاکشی۔ حوصلہ مندی پیدا ہو۔ اِسی تربیت کا اثر تھا کہ سلاطینِ بنی اُمیہ میں باوجود انتہا سامان عیش کے اخیر تک سپہگری کے جوہر موجود تھے۔ متنبی میں بھی بدوُں کی فیض صحبت نے یہ اوصاف پیدا کر دیئے۔

شاعری اگرچہ اِسنے بدوُں سے سیکھی لیکن یہ اتفاقی بات تھی کہ اُسکا مذاق عجمی واقع ہوا تھا یعنی وہ نازک اور دقیق مضامین ایجاد کرتا تھا اور نیچرل مضامین کے بجائے اسکی طبیعت خیال بندی اور مبالغہ گوئی کیطرف مائل تھی اِسبات نے اُسمیں عُجب وغرور کا مادّہ پیدا کر دیا اور اسکو خیال ہوا کہ وہ معمولی آدمی نہیں ہے۔ رفتہ رفتہ وہ ریاست و حکومت کے خواب دیکھنے لگا اور خانہ بدوش عربوں کی ایک جمعیت پیدا کرلی۔ عام طور پر مشہور ہے کہ اُس نے اِس زمانہ میں پیغمبری کا دعویٰ کر دیا' بعض بعض مورخوں نے اُس کے مصنوعی معجزے بھی نقل کیئے ہیں بلکہ یہ بھی روایت کی ہے کہ اُس نے قرآن مجید کے مقابلہ میں کچھ سورتیں بھی گھڑی تھیں جنمیں سے ایک یہ ہے۔

والنجم السیار والفلک الدوار واللیل والنہار ان الکافر لفی اخطار امض علیٰ سننک واقف اثر من کان قبلک من المرسلین فان اللہ قامع بک زیغ من الحد فی الدین وضل عن السبیل۔

لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ متنبی کی فصاحت و بلاغت پر مفتوں ہو کر بہت سے عرب اِس کی نبوت کے قائل ہو گئے۔ یہاں تک کہ سلطانِ وقت کو خبر ہوئی متنبی اسوقت حمص کے علاقہ میں تھا اور بنو عدی کا قبیلہ اِس کی اُمت بنکر ساتھ تھا۔ سلطانِ وقت کے اشارہ سے ابن علی ہاشمی نے متنبی کو گرفتار کر کے قید خانہ میں بھیجدیا۔ اگرچہ اِس میں

شبہ نہیں کہ متنبی فاسد العقیدہ تھا اور اسکو مذہب کا بہت کم اعتقاد تھا۔ لیکن یہ امر کہ اُسنے پیغمبری کا دعویٰ کیا محض ایک عامیانہ قصّہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ متنبی کو ریاست اور حکومت کا خیال ضرور تھا اور یہ سودا تمام عمر اس کے سر سے نہیں گیا۔ جب اُس کی سازش اور ادعائے حکومت کی خبر زیادہ پھیلی تو سلطنت کی طرف سے اِس فتنہ کے فرو کرنے کے لیئے افسروں کو حکم دیا گیا۔ افسروں نے فوجی قوت کے علاوہ یہ تدبیر بھی اختیار کی کہ متنبی پر ادعائے نبوت کی تہمت لگائیں اور اسکو شہرت دیں۔ اسلامی سلطنتوں میں مدعیانِ حکومت کے مقابلہ میں اکثر یہ تدبیر اختیار کی جاتی تھی اور کامیاب ہوتے تھے۔

بہرحال متنبی گرفتار ہوا اور چند روز قید میں رہا۔ اتفاق سے قیدخانہ کا داروغہ جسکا نام ابو دلف تھا شعر و شاعری کا مذاق رکھتا تھا اس نے متنبی کی قدردانی کی اور قیدخانہ میں اسکو آرام سے رکھا۔ متنبی نے اِس کے شکریہ میں کچھ اشعار لکھے جو اس کے دیوان میں موجود ہیں۔ متنبی نے ایک قصیدہ اُس افسر کی شان میں بھی لکھا جس نے اسکو گرفتار کیا تھا۔ اس قصیدہ میں اُس نے اپنی برارت کی جو وجوہ پیش کی ہیں اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسپر بغاوت اور ادعائے سلطنت کا الزام لگایا تھا۔ غرض افسر نے متنبی کے حال پر رحم کیا اور اسکو چھوڑ دیا۔ قیدخانہ سے نکلکر وہ برسوں گمنامی اور کس مپرسی کی حالت میں رہا کیونکہ شاہی مجرم ہونے کی وجہ سے لوگ اس سے پرہیز کرتے تھے۔

یہ متنبی کے آغاز شباب کا زمانہ تھا اور اُس کی شاعری اوج کمال تک پہنچ چکی تھی۔ ادھر تمام اسلامی ممالک میں شعر و شاعری کا اسقدر مذاق پھیلا ہوا تھا کہ عام و خاص میں یہی چرچے تھے اور بڑے بڑے درباروں میں اس سے بڑھ کر تقرب کا کوئی وسیلہ نہ تھا

ایسی حالت میں متنبی زیادہ دنوں تک ناکامیاب نہیں رہ سکتا تہا۔ دمشق میں اُس نے جو
قصیدہ لکہا اور جسکا مطلع یہ ہے ایا لائمی ان کنت وقت اللوائم الخ اسپر اسکو سو ۱۰۰
اشرفیاں صلہ میں ملیں اور یہ اس کی خوشحالی اور دولتمندی کا پہلا دیباچہ تہا۔ اِس کے بعد
وہ انطاکیہ پہنچا یہاں سیف الدولہ کی طرف سے ابو العشایر ضلع کا حاکم تہا اور نہایت صاحب
مذاق اور قدردان سخن تہا۔ متنبی نے اس کی شان میں متعدد قصیدے لکہے جس کے
صلہ میں ابو العشائر نے اُسکو مالا مال کر دیا۔ متنبی کی شہرت روز بروز بڑہتی جاتی تہی حسن
اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں سیف الدولہ ادہر آنکلا۔ ابو العشائر نے متنبی کو اُس کے دربار
میں پیش کیا اور بڑی تعریف و توصیف کی۔ متنبی نے اگرچہ زمانہ کے اقتضا سے شعر و شاعری
کو ذریعۂ معاش بنایا تہا لیکن صحرانشین عربوں کی صحبت نے اُس میں جو خودسری اور
آزاد مزاجی پیدا کر دی تہی وہ اسکا خمیر بنگیا تہا اور ہر موقع پر اُسکا ظہور ہوتا تہا۔ مدح گوئی
اور باد خوانی کی تو اُس میں بہی اپنا طرز سب سے جُدا رکہا۔ عام دستور یہ تہا کہ تمام شعرا دربار
میں کہڑے ہو کر قصیدے پڑہتے تہے۔ متنبی سیف الدولہ کے دربار میں پیش ہوا تو یہ
شرط پہلے پیش کی کہ بیٹہکر اپنا کلام پڑہیگا۔ اور عام درباریوں کی طرح زمیں بوسی نکریگا۔
چونکہ یہ امر عام حالت کے خلاف تہا لوگوں نے متنبی کی اِس خودداری کو جنون سمجہا
لیکن سیف الدولہ نے قدردانی سے دونوں شرطیں منظور کیں۔ اِسوقت متنبی کی عمر ۳۴
برس کی تہی اور یہ ۳۳۷ھ کا واقعہ ہے۔

سیف الدولہ عربی النسل تہا اور نہایت سخن شناس۔ نکتہ سنج۔ فیاض طبع۔ دلیر
اور بہادر تہا۔ اگرچہ برائے نام وہ خلافت بغداد کا ماتحت تہا لیکن درحقیقت وہ مستقل
فرمانروا تہا اور شام کے تمام اضلاع اُس کے قبضۂ اختیار میں تہے اسکی قدرشناسی

اور فیاضی کی وجہ سے اُسکا دربار علم و فضل کا مرکز بنگیا تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ شعرا اور اہل ادب جس کثرت سے سیف الدولہ کے دربار میں جمع ہوئے کبھی کسی کے دربار میں نہیں ہوئے۔ وہ خود بھی شاعر تھا اور اسکا بھائی ابو فراس اس درجہ کا شاعر تھا کہ اُسکو خاتم الشعرا کا لقب دیا گیا ہے۔ انوری کا شعر ہے۔

شاعری دانی کدامی قوم کردند آنکہ بود　　　اوّل شاں امرء القیس آخر شاں بو فراس

باوجود اِن تمام باتوں کے سیف الدولہ کا اصلی رُجحان سپہگری کی طرف تھا۔ چنانچہ اُس نے رومن امپائر کی مقابلہ میں ایشیای کوچک میں بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں اسکے اوقات ہی زیادہ جنگ و جدل میں گذرتے تھے۔ متنبی جب اس کے دربار میں پہنچا تو اس نے بخلاف عام شاعروں کے متنبی میں سپہگری کا مادّہ پایا۔ اس خیال سے اِسنے متنبی کی تربیت شروع کی اور فنون سپہگری کے اُستاد اُس کے لیئے مقرر کیئے کہ اُسکو لڑائی کے کرتب سکھائیں۔ سیف الدولہ جو بڑی بڑی لڑائیاں ایشیای کوچک میں لڑتا رہتا تھا۔ متنبی کو بھی ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ متنبی۔ لڑائی اور معرکہ آرائی کے مضامین نہایت خوبی سے باندھتا ہے اور اشعار میں موقع جنگ کی تصویر کھینچدیتا ہے چنانچہ اُس کی اِس خصوصیت کو تمام اہل فن نے تسلیم کیا ہے۔ (باقی آیندہ)

جلسہ سالانہ انجمن الفرض مدرسۃ العلوم علی گڈھ بابت سنہ ۹۶-۱۸۹۵ء

انجمن الفرض کا سالانہ جلسہ ۲۹ جولائی سنہ ۱۸۹۶ء کو چار بجے اسٹریچی ہال میں منعقد ہوا۔ مسٹر تھیوڈور ماریسن کرسی صدارت پر جلوہ افروز تھے۔ اور قریباً تمام بورڈر کالج و اسکول کلاسوں کے موجود تھے۔ باجازت صدر انجمن۔ مولوی بہادر علی صاحب قائم مقام امین انجمن الفرض نے اپنی رپورٹ بابت سال گذشتہ کے پڑھی جسکا ترجمہ حسب ذیل ہے

بخدمت مسٹر تھیوڈور ماریسن پریسیڈنٹ

جلسہ سالانہ انجمن الفرض

مدرسۃ العلوم علی گڈھ

جنابمن

میں آپ کے روبرو رپورٹ کارگذاری انجمن الفرض بابت سنہ ۹۶-۱۸۹۵ء پیش کرنا چاہتا ہوں۔ پچھلے سالانہ جلسہ منعقدہ ۵ اگست سنہ ۱۸۹۵ء سے آج تاریخ ۲۹ جولائی سنہ ۱۸۹۶ء تک مفصلہ ذیل رقومات جمع ہوئیں۔

۱	مسجد فنڈ	[illegible]	بمحاذی سنہ ۹۵-۹۴	[illegible]
۲	فری بورڈنگ فنڈ	[illegible]	” ”	[illegible]
۳	اسکالرشپ فنڈ	[illegible]	” ”	[illegible]
	میزان	[illegible]	” ”	[illegible]

حسابِ ڈیوٹی شاپ مفصلہ ذیل ہے

سرمایہ موجودہ	معاعہ ۱۵/	بحاذی ۹۵-۱۸۹۴ء	سماہصہ ۵/
مطالبہ دوکان	معاسہ	〃	صمالوسہ ۲/
نقد	اہعہ		اعیسہ ۹/
میزان	الصماییہ ۱۵/	〃	السالاوصہ ۵/
واجب الادا	ساعیہ ۱۰/	〃	صماللوعیہ ۹/
موجودہ حیثیت دوکان	الماہجہ ۵/	〃	لالوعہ ۱۱
منافع سال حال	للعاہجہ ۹/		
میزان کل آمدنی انجمن الفرض بابت سال حال	الالالہ ۱۴/		

اسکالرشپ فنڈ | اسکالرشپ فنڈ سے مبلغ ایکسو پانچ رُپیے اس سال وظیفوں کے لیئے مارچ ۱۸۹۶ء تک دیئے گئے۔ اور منجملہ تین سو رُپیے کے جو وظائف سال آیندہ کے لیئے خادمان الفرض نے منظور کیئے ہیں دو سو سینتالیس رُپیے ادا کر دیئے گئے۔ مبلغ پانسو رُپیے سر سید بالقابہ کو اس شرط پر دیئے گئے ہیں کہ ایک طالب علم بغیر کرایہ دینے کے بورڈنگ ہاؤس میں ڈیوٹی کی طرف سے رہ سکے۔

فری بورڈنگ ہاؤس کی طرف سے پانسو رُپیے اور جمع کیئے گئے پس کل رقم جو اسکول فری بورڈنگ کی طرف سے اسوقت تک جمع ہوئی ہے دو ہزار روپیہ ہے۔

مسجد مدرستہ العلوم | اس سال انجمن الفرض کی خدمتگزاری میں مفصلۂ ذیل نمایاں

مدات ہیں۔

(۱) مسجد مدرستہ العلوم کے لیئے انجمن ہذا کی طرف سے بمقابلہ پچھلے سالوں کے زیادہ چندہ جمع کیا گیا۔ مبلغ تین سو چار روپیہ گیارہ آنے سال حال میں مسجد کے نام سے جمع ہوئے اور جبکہ آیندہ سال کے لیئے جناب مولوی عبداللہ صاحب انصاری کا فتوے جسپر مشاہیر علماء ہند کی جو جلسۂ ندوۃ العلما میں جمع تھے مہریں ہیں اور نیز جناب مولوی عباس حسین صاحب کا فتویٰ جس میں دلائل عقلی و نقلی سے ضرورت امداد تعمیر مسجد کالج ثابت کی ہے چھپوالیا گیا ہے تو اُمید قوی ہے کہ مسجد کالج کے لیئے آیندہ سال اور بھی زیادہ چندہ جمع ہوگا۔

(۲) انجمن حامی مدرستہ العلوم | سال گذشتہ تک انجمن الفرض کی چار شاخیں تھیں یعنی اسکالرشپ فنڈ کمیٹی۔ فری بورڈنگ فنڈ کمیٹی۔ شاپ فنڈ کمیٹی۔ اور مسجد فنڈ کمیٹی سال حال میں پانچویں شاخ سنٹرل انجمن حامی مدرستہ العلوم اور شامل کی گئی ہے سنٹرل انجمن حامی مدرستہ العلوم کا اصلی مقصد یہ ہے کہ مختلف شہروں اور قصبات میں انجمنیں قائم کیجائیں جن کے ذریعہ سے مسلمانوں کی پبلک مبینہ کالج کے موافق اور کالج کی طرف سے خوش عقیدہ ہوجائے۔ کُل قوم یا کم از کم تعلیم یافتہ حصہ قوم کا مدرستہ العلوم مسلمانان علی گڈہ کو قومی کالج سمجھنے لگے اور اُسی حیثیت سے اُس کی قدر اور مدد کرے منجملہ خدام انجمن الفرض کے چھ شخص ممبر سنٹرل انجمن کے قرار دیئے گئے ہیں امین انجمن الفرض اس کے سکرٹری ہیں۔ ممبران لوکل انجمن کے یہ فرائض قرار دیئے گئے ہیں کہ وہ اپنے شہر یا قصبہ کے مسلمانوں کے خیالات کالج کی طرف رجوع کریں اور کالج کی نسبت ان کے دل میں اچھے خیالات بٹھائیں۔ اس کے متعلق مفصلہ ذیل

تجویزیں پیش کی گئی ہیں۔

(۱) ابتدا میں ممبروں کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اُن کے شہر یا قصبہ میں جتنے مسلمان اِن کے ہم خیال یعنے مدرستہ العلوم کو قومی کالج سمجھنے والے ہوں اُنکو انجمن میں شامل کریں اور عملی طور پر کچھ کرنے کے لیئے اُن میں تحریک پیدا کریں

(ب) رفتہ رفتہ اِس بات کے لیئے کوشش کریں کہ ان کے شہر یا قصبہ کے ہر ایک محلہ میں ان کے ہم خیال مسلمان ہوں اور ہر ایک محلہ میں انجمن کا اثر پہیلے۔

(ج) ممبروں کا یہ فرض ہوگا کہ ان کے شہر یا قصبہ کے مسلمانوں کے جو خیالات ہوں اُنہیں معلوم کریں۔ جو تعلیم یافتہ اور سنجیدہ مسلمان ہوں اُنسے وہ کالج کے متعلق جس طرح اور جسوقت مناسب ہو گفتگو کریں۔ جو حضرات کہ کالج کے موافق ہوں اُن کے خیالات کو قوت دیں۔ جو حضرات کہ کالج کے مخالف ہوں اُن کی مخالفت کے وجوہ معلوم کریں۔

(د) کالج کے متعلق واقعی حالات کی اپنے شہر یا قصبہ میں اشاعت کریں جو کالج کی مخالفت بوجہ ناواقفیت یا غلط معلومات کے ہو اُسکو دُور کرنے کی کوشش کریں۔

(۲) ممبروں کو چاہیئے کہ اُن کے شہر یا قصبہ میں جو کالج کی مخالفت ہو اُس کے وجوہ جو اُنکو معلوم ہوں اُنسے بذریعہ اپنے ڈویزنل ممبر کے سنٹرل انجمن کو مطلع کریں جو اعتراضات کالج پر ہوتے ہوں اُنکے متعلق پوری اطلاع سنٹرل انجمن کو دیں۔

(۳) جو امور سنٹرل انجمن یا ڈویزنل ممبر دریافت کریں اُن کے متعلق جواب دیں۔

انجمن حامی مدرستہ العلوم کی نسبت دو مرتبہ چہپی ہوئی تجویز اور قواعد شائع کیئے گئے ہیں اور اسوقت تک کسی قدر کامیابی بہی ہو چکی ہے۔ مارہرہ ضلع ایٹہ۔ میرٹھ

اور دہلی میں انجمن حامی مدرسۃ العلوم قائم ہوگئی اُنکا کام حسب تجاویز مذکورۂ بالا کر رہی ہیں۔ اس جدید شاخ کی بانی مسٹر آفتاب احمد خاں احمدی بیرسٹر ایٹ لا ہیں جن کے نام سے انجمن الفرض اور ہمدردان الفرض بخوبی آشنا ہیں کیونکہ انجمن الفرض اپنی وجوہ کے لیئے اُنہی کی ممنون ہے۔

(۳) تیسرے قابل لحاظ خدمت الفرض کی طرف سے جو ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک طالب علم شریف خاندان۔ نیک چلن اور محنتی جس نے چند سال گذرے مدرستہ العلوم سے انٹرنس پاس کیا اور چند سال کی محنت کے بعد انجیرنگ کالج روڑکی اوور سیر کلاس کے امتحان داخلہ میں کامیاب ہوا وہ بوجہ ایک مصیبت ناگہانی کے کالج مذکور کے اخراجات تعلیم ادا کرنے سے مجبور ہو گیا تھا۔ اور قریب تھا کہ مایوس ہو کر اپنی سالہا سال کی محنت کو ضائع کر دینے پر مجبور ہو جاوے۔ چونکہ یہ طالب علم مدرستہ العلوم میں تعلیم پا چکا تھا اُسکو معلوم تھا کہ مدرستہ العلوم میں ایک انجمن الفرض قائم ہے جو محتاج مسلمان طلبا کی اعانت کرتی ہے اس لیئے اُس نے مسٹر ہورسٹ سابق ہیڈ ماسٹر کے پاس ایک درخوست وظیفہ کے لیئے بھیجی۔ مسٹر ہورسٹ نے اس درخوست کو امین الفرض کے نام بھیجدیا اور خادمان الفرض نے جن میں سے اکثر طالب علم مذکور سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے بالاتفاق منظور کیا کہ صاحب پرنسپل کی خدمت میں جن کے سپرد تقسیم وظائف الفرض ہے اِس درخوست کو بھیجکر التجا کیجاوے کہ بشرطیکہ نہ ہو کسی امر مانع کے طالب علم کو ایک وظیفہ منجملہ وظائف الفرض منظور شدہ سال حال کے دیا جاوے۔ صاحب پرنسپل نے حسب درخوست خدام الفرض ایک وظیفہ پانچ روپیہ ماہوار کا حبیب احمد طالب علم مذکور کے لیئے منظور فرماکر مبلغ ساٹھ روپیہ سال تمام کے لیئے

پرنسپل انجینرنگ کالج کے نام بہیجدیئے - یہ مدد اگرچہ قلیل ہے مگر اُمید ہے کہ اس
طالب علم کے لیئے ایسے نازک وقت میں نہایت مفید ثابت ہوگی۔

فری بورڈنگ کمیٹی

فری بورڈنگ ہاؤس کمیٹی نے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے
کمروں کی تعمیر میں اعانت کے دو ہزار روپیہ اسوقت تک جمع کیئے ہیں۔ اِس لیئے آٹھ
اسکول کلاس کے طالب علموں کے لیئے بورڈنگ میں بغیر کرایہ رکھنے کا کمیٹی مذکور کو
استحقاق حاصل ہے اور چونکہ اس سال ڈیوٹی نے پانسو رُپیئے بمد نقصان کالج اس
شرط پر دیئے ہیں کہ ایک طالب علم کو بغیر کرایہ کے رہنے کی اجازت ہو۔ پس نو طالب علموں
کی جگہ فری بورڈنگ کمیٹی کے اختیار میں ہے - مگر یہ امر قابلِ تعجب ہی کہ اسوقت تک
صرف دو طالب علم فری بورڈنگ سے مستفیض ہوسکے ہیں۔ اور فری بورڈنگ کمیٹی نے
اپنی جمع کی ہوئی رقم سے پورا فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اِس کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ
کالج کے قواعد اسکول کلاس کے بورڈروں کے لیئے سخت ہیں۔ موجودہ قواعد کے
بموجب فری بورڈنگ میں داخل ہونے سے ایک طالب علم کو صرف ڈیڑہ رُپیئے
ماہوار کرایہ کا فائدہ ہوتا ہے۔ اور کسی فیس میں کمی نہ ہونے سے سوائے کرایہ کے
پورا صرف کرنا لازم ہوتا ہے۔ حالانکہ جو اصلی غرض بانیان فری بورڈنگ کمیٹی کی
تہی وہ یہ ہی تہی کہ اسکول کلاس کے بورڈروں کے اخراجات میں کمی ہونے سے جو
محتاج طلبا محمڈن کالج کے اسکول ڈپارٹمنٹ میں نہیں پڑہ سکتے اُن کے لیئے آسانی
ہوجائے۔ پس اگر فری بورڈنگ کمیٹی اپنے اصلی مقصد میں کامیاب ہونا چاہتی ہے تو
اُسکو منتظمان کالج سے ملتجی ہونا چاہیئے کہ اُن اسکول کلاس بورڈروں سے جو
فری بورڈنگ میں داخل ہوں ادنیٰ درجہ کی فیس لیجائے۔

ڈیوٹی شاپ کے قائم کرنے سے شروع میں یہ غرض تھی کہ جو اخراجات
مثل اُجرت چھپائی کارڈ و اشتہارات وغیرہ انجمن الفرض کو ادا کرنے پڑا کریں وہ دوکان
کے منافع سے لئے جاویں۔ کیونکہ جو روپیہ وظائف یا فری بورڈنگ۔ یا مسجد کے لئے
جمع ہوتا ہے اُس میں سے ایک حبہ دوسری مد میں صرف نہیں کیا جا سکتا۔ ڈیوٹی شاپ
نے اس سال میں دوسری شاخوں کے بالائی اخراجات بآسانی ادا کئے۔ اور فتاوی
مسجد اور کارڈوں کی چھپائی سب دوکان سے ادا کی گئی۔ کل منافع دوکان کا بشکل نقد
نہیں دکھایا جا سکتا سرمایہ دوکان میں جو زیادتی ہے وہ ہی منافع سمجھنا چاہیئے۔
اسوقت دوکان کی حیثیت ۱۱۱۱ روپیہ کی ہے اور چونکہ سال گذشتہ میں دوکان کی
حیثیت ۱۱ روپیہ قرار دی گئی تھی پس کل منافع سال حال ۱۰۰ روپیہ سمجھا جانا چاہیئے۔
پچھلے سال امین انجمن نے اپنی رپورٹ میں افسوس ظاہر کیا تھا کہ مبلغ ۱۰۰ روپیہ دوکان
کے قرض بذمہ خریداران ہیں۔ اس سال اور زیادہ قابلِ افسوس حالت ظاہر ہوتی ہے کہ
معاملہ یعنی سرمایہ دوکان سے زیادہ مطالبہ بذمہ خریداران واجب ہے۔ پس خدام الناس
کو آیندہ سال سب سے اول یہ خدمت اپنے اوپر لازم سمجھنی چاہیئے کہ یہ روپیہ قرضہ دوکان
کا اُنکی مدد سے وصول ہو جائے۔

امین انجمن کی رپورٹ سال گذشتہ میں مفصلہ ذیل التجا طلبار کالج کے روبرو پیش
کی گئی تھی " منجملہ ۱۶۰ مسلمان طلبار کے جو کالج کلاسوں میں پڑھتے ہیں صرف ۳۰ (یعنی
چوتھائی سے بھی کم) اس کارِ خیر میں شریک ہوئے۔ اگر اسقدر کام یعنے ۱۱۱۱ روپیہ کا جمع کرنا
صرف ۳۰ طلبار کی کوشش سے ہو سکتا ہے تو کونسی کامیابی اُمید سے باہر ہو سکتی ہے
درصورتیکہ کل طلبار کالج اس کام میں مدد دیں۔ دنیا کی بعض نہایت مالدار انجمنوں کی آمدنی کا

ذریعہ بے شمار چھوٹی چھوٹی رقمیں ہیں۔ اور اگر وہ طلبا جنہوں نے چندہ جمع کرنے کی غرض سے کارڈ لیئے تھے سب ایک ایک روپیہ لاتے تو ڈیوٹی کے ذخیرہ میں ماسوے زیادہ ہو جاتے۔ اس التجا کے الفاظ بغرض یاد دہانی حاضرین جلسہ کیخدمت میں پڑہے گئے ہیں اور اُمید ہے کہ جو تقریریں پچھلے سالانہ جلسہ میں کی گئی تہیں وہ بہی یاد سے نہ بھولی ہوں گی خصوصاً اُن صاحبوں کو جنکو کارڈ تقسیم کرنے کے وقت بار بار یاد دلایا تہا کہ بڑی بڑی رقمیں جمع کرنیکی کوشش میں چھوٹی چھوٹی رقمیں جمع کرنیکا خیال نہ چھوڑ دیں اور اپنی بیوقعتی ہرگز اس میں خیال نہ کریں کہ الفرض کے لیئے صرف روپیہ یا ور روپیہ ہی جمع ہوا۔ مگر سال حال کے تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس التجا پر توجہ نہیں کی گئی اور اکثر صاحبوں نے کارڈ لیکر اُس کے واپس کرنے کا بہی خیال نہ کیا۔ اُمید ہے کہ آیندہ سال کے لیئے جو صاحب الفرض کی خدمت کرنیکا ذمہ لیں گے اور کارڈ۔ اشتہار یا فتوی بغرض وصول چندہ لیں گے وہ ضرور اپنے وعدوں کے وفا کرنے کا خیال رکہیں گے۔ اَلْکَرِیْمُ اِذَا وَعَدَ وَفَا۔ خاتمہ رپورٹ امین الفرض۔

بعد ختم رپورٹ امین انجمن مختلف صاحبوں نے تقریریں کیں اور تین نظمین پڑہی گئیں۔ نظم مصنفہ حیدر حسن صاحب تہرڈ ایر کلاس و محمد اسمعیل صاحب فورتھ ایر کلاس ذیل میں درج ہیں۔

نظم مصنفہ حیدر حسن صاحب تہرڈ ایر کلاس ایم اے او کالج علی گڈہ

ادراک حال ما زنگہ مستواں نمود حرفی زحال خویش بہ سیما نوشتہ ایم
تاریکی تہی ہر طرف کو چہائی گہنگور گہٹا تہی سر پر آئی
تہارات کا وقت اور برسات اک ہم تہے اور اک خدا کی تہی ذات
طوفان کے آرہے تہے تہپیڑے برباد ہوئے تہے سب بکھیڑے

تاروں کا جگر تھا پارا پارا / گردش میں تھا ماہ کا ستارا
معدوم ہوئی تھی روشنائی / پھیلی تھی جہان میں سیاہی
پہچانتا تھا نہ دوست کو دوست / تھا سب کے دلوں میں رنج اور کوفت
تاریکی تھی یا سیاہیِ مصر؟ / تاریکی تھی یا تباہیِ مصر؟
آندھی کے وہ چل رہے تھے جھونکے / دُنیا کے ہوئے چراغ ٹھنڈے
وہ سرد ہوا تھی دل ہوا سرد / آندھی نے جہان کو کیا گرد
رہبر کی تلاش خضر کو تھی / بھولا تھا وہ راہ رہنمائی
بیچارہ وہ لاعلاج تھا درد / چہرہ تھا ہر ایک شخص کا زرد
سب کی یہ دعا تھی یا الٰہی ٭ / ہو دور جہاں سے یہ سیاہی ٭
گر کوئی چراغ سامنے لائے / گل غنچۂ دل ہر اک کا بن جائے
سب لوگوں کی ہر طرف نظر تھی / آنکھوں کو تلاش چارہ گر تھی
ناگاہ کیا ہما نے سایا / اک چھوٹا دیا سا ٹمٹمایا
پھر غور سے خوض سے جو دیکھا / آیا نظر اک نیا تماشا
دیکھا بجلال و شان و شوکت / اک پیر بزرگ خضر صورت
صورت پہ شکوہ و رعب شاہی / با اوج و بشانِ کج کلاہی
آتا ہے بعزت و صولت و جاہ / ہیں اور بھی لوگ اُس کے ہمراہ
لوگوں میں وہ اس طرح گھرا تھا / ہو چاند کے گرد جیسے ہالا
چھوٹا سا دیا جو ہاتھ میں تھا / اِک کرۂ نور ساتھ میں تھا
تھا چونکہ ہر اک طرف اندھیرا / ہر شخص بنا ہوا تھا اندھا

اُس خضر کو کوئی غول سمجھا — اور ہول سے کوئی دل میں سہما
جانا نہ کوئی کہ خضر ہے یہ — مانا نہ کوئی کہ خضر ہے یہ
آیا ہے ہماری رہبری کو — آیا ہے ہماری بہتری کو
پہر باد خلاف کا ہوا زور — آندہی نے مچایا اک نیا شور
چاہا کہ چراغ کو بڑہائے — اُس شمع کی روشنی گھٹائے
چاہا یہ کہ دہجیاں اُڑائے — اُس شمع پہ بجلیاں گرائے
لاکھوں ہی طرح سے اُسکو تاکا — کچھ بس نہ چلا مگر ہوا کا
آندہی ہی اگرچہ چل رہی تہی — لو اُس کی ترقی کر رہی تہی
اُس پر تو نے سب کے دلمیں جاکی — ہر سمت کو روشنی وہ پہیلی
کرتے ہیں اُسی کا سب نظارا — آنکھوں کا وہ بن گیا ہے تارا
ہر گہر کا چراغ ہو گیا ہے — چشمہ کہیں فیض کا بچا ہے
اس قصۂ و ذکر کو بڑہانا — سورج کو چراغ ہی دکہانا

اے قوم کے ہونہار پودو — اے قوم کے نونہال بچو
اُس شمع سے مستفیض تم ہو — پہنچاتی ہے روشنی وہ تم کو
ہوجاؤ بس اب تم اُس کی قربان — ہے سر پہ تمہارے بار احساں
تم اُس کی مدد کرو قدم سے — دینار و درم سے اور قلم سے
ہے فرض تمہارے سر پہ بہائی — کوشش کرو خوب باری باری
یہ فرض کسی طرح ہو پورا — رہجائے نہ کام کچھ ادہورا

اِک اپنا ضروری کام سمجھو
فخر اپنا اور اپنا نام سمجھو

اب قوم کے تم بنو فدائی
لو ہاتھ میں کاسۂ گدائی

ہمت کرو گھر تو تم کو ہانیں
خدمت کرو قوم کی تو جانیں

اُس کے لیئے در بدر پھرو تم
ہر گھر کا طواف بھی کرو تم

دیکھو کہ عجیب سیر ہے بھیہ
محنت کرو کار خیر ہے یہ

حیدر

نظم مصنفہ محمد اسمعیل صاحب فورتھ ایر کلاس ایم اے او کالج علی گڈھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نوشیرواں کی محفل جشن سُنا ہے
اُن محفلوں کا شہرہ کانوں میں بھر رہا ہے

آؤ ادھر کو دیکھو کیا کام ہو رہا ہے
شاہوں کے جشن وہ تھے یہ جشن قوم کا ہے

شوکت میں وہ بڑے تھے عظمت میں یہ بڑا ہے

اِس قرن میں عزیزو گرداب میں ہے بیڑا
اسلام کے فدائی کشتی کو مل کے کھینا

ہر کام اگلے روزوں تھا کھیل اور تماشا
دولت کے تھے وہ جلوے ملت کا ہے یہ نقشا

کاغذ کی تھیں وہ ناویں بیڑا یہ نوح کا ہے

ظاہر میں اک چمک تھی باطن میں تھی سیاہی
چہروں پہ گو خوشی تھی دراصل بیدلی تھی

ایام کا تداول یہ بزم ہے ہماری
بے روح تھے وہ قالب ہیں یہ روحِ خوشی

موج سراب تھے وہ یہ چشمۂ بقا ہے

اخوان باصفا جو ہیں مجتمع یہاں پر
اُڑنا ہے انکو اونچا مضبوط کرلیں شہپر

ب فرض ہے یہ انکا دکھلائیں اپنے جوہر — وہ دن گئے کہ نازاں تھی قوم سلطنت پر
اب قوم کو خدا کا یا اپنا آسرا ہے

ہے بھائیوں پر اپنے امداد کا سہارا — آیت ہے لن تنالوا کافی ہے یہ اشارا
جب تخت و تاج چھوٹی باقی ہے ایک چارا — بس سلطنت یہی ہے مل بیٹھنا ہمارا
یہ چیت نہ سمجھو سر پہ یہ سایۂ ہما ہے

کہو کر تم اپنے مولی کرتے پھرے ہو ماتم — کان اس طرف لگاؤ کیوں چھانو دونوں عالم
اس بزم میں ہماری آتی صدا ہے پیہم — گم گشتہ بخت جسکو پھرتے ہیں ڈھونڈتے ہم
لگتا ہے کچھ تو اسکا لگتا نہیں پتا ہے

بیدار آنکھ والو دیکھا ہے یا نہیں کچھ — بدرنگ ہو چلا ہے اب رنگ یا نہیں کچھ
جلدی سنبھل کے بیٹھو دگنا نہ تم کہیں کچھ — وہ مشکلیں کرینگے اب حل ہمیں تمہیں پر کچھ
جن مشکلوں کا ہم کو اور تمکو سامنا ہے

کتنے تو بے بصر ہیں کچھ جانکر نڈر ہیں — موج بلا ہے آتی ہم اس سے بے خطر ہیں
پر اس سفینہ کے سیّد سے راہبر ہیں — گو سب جہاز والے خطرہ سے بیخبر ہیں
پر رنگ ناخدا کا کچھ فق سا ہو گیا ہے

الغرض کا چلانا تم اپنا فرض سمجھو — اپنی نظر کی پتلی اس کو بنا کے رکھو
کایا پلٹ کا ہونا آنکھوں سے اپنی دیکھو — قدر ایسی مجلسوں کی کچھ دن میں ہوگی سبکو
اب تک ضرورتوں نے مضطر نہیں کیا ہے

ہے آس تم نہ ہونا ناکام ہو اگر اب — پہنچو گے تا بہ منزل امید ہے جو مرکب
اک دن تمہارے جلسے لائیں گے رنگ مذہب — ہوتی ہے قدر انکی بنتی ہے جان پر جب

لاتے ہیں تب یہ ناویں جب بیڑا ڈوبتا ہے

اے مجمع عزیزاں آہیں ہو لب پہ جاری
کرتے ہیں پہلے سب سے حمد و ثنائے باری

پھر اُس کی بارگہ میں یہ ہے دُعا ہماری
یا رب سمیع ہے تو سنتا ہے سب کی زاری

جلسے کو دے ترقی تیرا ہی آسرا ہے

(محمد اسمٰعیل)

طالب علم کی زندگی کا کیا مقصد ہونا چاہئے؟

مدرسۃ العلوم علی گڈھ میں نومبر ۱۹۰۸ء سے ایک سوسائٹی انجمن اخوان الصفا کے نام سے قائم ہے۔ جس کے مقاصد ہیں" زندگی کی پاکیزگی کو ترقی دینا۔ علمی و اخلاقی مضامین پڑھنا۔ ممبروں کا باہم ہمدرد اور دوست ہونا"۔ اس انجمن کے ممبر صرف وہی طالب علم ہو سکتے ہیں جو پاکیزہ زندگی اور عمدہ اخلاق کا نمونہ بننا چاہتے ہیں۔ خواجہ غلام الثقلین بی۔ اے۔ ال۔ بی جو مدرسۃ العلوم علی گڈھ کی تعلیم و تربیت کا عمدہ نمونہ ہیں اور جو آجکل حیدرآباد دکن میں ہز اکسیلنسی نواب مدارالمہام کے اسٹاف میں ہیں۔ اِس انجمن کے ممبر ہیں۔ اُنہوں نے انجمن کے تین جلسوں میں ایک مسلسل مضمون عنوان بالا پر تیار کر کے پڑھا تھا۔ جو طالب علموں کے لئے خصوصاً اور اُن نوجوانوں کے لیئے عموماً نہایت مفید تھا جو علمی دُنیا میں قدم رکھتے ہیں۔ یہ تینوں لکچر اب چھپکر تیار ہو گئے ہیں اور ہمارے سامنے موجود ہیں ہم انپر ایک سرسری نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

عام طور پر تمام مضمون کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خیالات کا دریا نہایت زور شور سے بہ رہا ہے۔ ایک خیال کے بعد دوسرا خیال نہایت گہرا اور عمیق معلوم ہوتا ہے۔

طرزِ تحریر آسان ہے۔ زبان صاف اور رواں ہے۔ مگر مضمون جوں جوں آگے بڑھتا ہے۔ نہایت دقیق اور لطیف ہوتا جاتا ہے۔ کتاب کا شائق اگر جلد پڑھنے کی کوشش کرے تو اُس کے دل اور دماغ پر خیالات کا اسقدر ہجوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے تئیں ایک نئی دُنیا میں پاتا ہے۔ جہاں ہر طرف نئی چیزیں ہیں مگر ہر چیز پر دُھندلا پن ہے۔ اور گردوپیش کے منظر پر کُہر چھائی ہوئی ہے۔ لیکن جو شخص اُسکو غور سے پڑھتا اور ہر خیال پر گہری نظر ڈالتا ہے اُسکو مضمون کے تمام اجزا صاف اور روشن نظر آتے ہیں۔ خیالات کی ایک سطح دوسری سطح پر بتدریج بلند ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ اور فلسفۂ زندگی کے راز یکے بعد دیگرے اُسپر کھلتے اور منکشف ہوتے جاتے ہیں۔

پہلے لکچر میں بطور تمہید کے یہ بحث اُٹھائی ہے کہ بنی نوعِ انسان میں تقدیر کا خیال کیوں پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ خیال جب کسی قوم میں پھیل جاتا ہے تو اُس قوم کی اخلاقی اور دماغی حالت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اور اُسوقت قوم کے مختلف طبقوں کی کیا حالت ہوتی ہے۔ نوجوانوں پر خصوصاً اِس خیال کا کیا اثر ہوتا ہے۔ تمہید کے خاتمہ پر بیان کیا ہے کہ جس طرح ہر ایک انسان کو ناکامیاب ہونے سے مایوسی ہوتی ہے اُسی طرح طلبا کی والدین کو ہوتی ہے جو اُن کو کسی خاص غرض سے تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ اور اُن کی وہ غرض پوری نہیں ہوتی۔ اِس گریز کے بعد لکچر کا اصلی مضمون شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلی بحث جو روشن خیال لکچرار نے کی ہے وہ اِس موضوع پر ہے کہ آیا معاش کا حاصل کرنا طالب علم کی زندگی کا مقصد ہونا چاہیئے یا نہیں۔ اسکا جواب نفی میں دیا ہے۔ اسکے بعد چند باتوں پر بحث ہے جنکو طلبا غلط فہمی سے اپنی تعلیم کا مقصد سمجھتے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہر طالب علم کی زندگی کا مقصد کیا ہونا چاہیئے؟ اس سوال کا اجمالی جواب "انسانی ترقی" ہے۔ انسانی ترقی سے کیا مراد ہے؟ ۔

اس کے جواب میں انسانی ترقی کا مفہوم جس خوبی اور لطافت سے بتایا ہے نہایت قابلِ تعریف ہے۔ اب اس لکچر میں چند مہمات طے کرنے باقی ہیں۔ طالب علم میں کونسی عادتیں ہیں جو اُس کی اخلاقی اور دماغی ترقی کی راہ میں حائل ہوتی ہیں اور جنکا ترک کرنا طالب علم کا فرض ہے؟ طالب علم سے کیا کیا اُمیدیں کی جاتی ہیں اور وہ کہاں تک پوری ہوتی ہیں؟ اصلی تعلیم کیا ہے؟ لائق لکچرار ان مہمات کو بھی طے کرجاتا ہے اور پہلا لکچر تمام ہوجاتا ہے۔

دوسرے لکچر میں ذیل کی بحثیں چھیڑی ہیں جو فی الحقیقت اس مضمون کے لیئے مہتم بالشان اجزا ہیں۔ طالب علم کون ہے؟ تحصیل علم میں کونسی مشکلات پیش آتی ہیں؟ طالبعلم کا فرض ہے کہ اپنے سابقہ اوہام اور تعصبات پر غالب آئے۔ طالب علم کا فرض ہے کہ ہمیشہ آگے کو بڑھے اور بتدریج ترقی کی منزلیں طے کرتا جائے۔ طالب علم کا فرض ہے کہ اپنے ابنا جنس میں تعلیم و تربیت پھیلائے۔ عمدہ خیالات کی اشاعت کرے۔ طالب علم کا فرض ہے کہ علم کو علم کے لیئے حاصل کرے یعنی پاکیزہ خیالات اور پاکیزہ زندگی میں ترقی کرے عقل اور روح دونوں کو معراج کمال پر پہنچائے۔ یہ تمام علمی بحثیں اسقدر دلچسپ، نازک اور لطیف ہیں کہ پڑھنے والا بے اختیار بول اُٹھتا ہے ؎ آفریں بر نکتہ سنجیہائے تو۔ خامہ برخود بالد و قرطاس ہم۔

تیسرے لکچر کا عنوان ہے "زندگی کا مقصد کیا ہونا چاہیئے" اس لکچر میں طالب علم کے معنی وسیع لیئے گئے ہیں اور اب زندگی کے معنی بھی وسیع ہیں اس لکچر میں سب سے اول اس بات پر بحث ہے کہ بنی نوع انسان کی عادات میں، طبائع میں، طرز معاشرت اور طرز خیالات میں اختلاف ہے۔ اس اختلاف کے بیرونی اور اندرونی اسباب ہیں جنکا مقابلہ کرنا دشوار ہے مگر محال نہیں ہے۔ اسی طرح ہر شخص کا ائیڈیل جُدا ہے جو اُس کے ہمنشینوں کی نوعیت پر منحصر ہے

پس ہرایک انسان کا فرض ہے کہ اپنے لیئے بہترین ہمنشین انتخاب کرے تاکہ اُسکا آئیڈیل بھی بہترین ہو۔ اِس کے بعد نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے کہ ہر شخص کا فلسفۂ زندگی جدا ہی بنی نوع اِنسان کے مختلف طبقوں میں زندگی کے مختلف اُصول ہیں اور اِس اختلاف کے بھی طبعی اسباب ہیں۔ زوال پذیر اور ترقی یافتہ قوموں میں اُصولِ زندگی کے نسبت جُدا جُدا خیالات ہیں۔ لیکچر کے اخیر میں نیکی اور بدیٰ اعلیٰ خیال اور ادنیٰ خیال کی تشریح ہے۔ اور بتایا ہے کہ انسانی زندگی کا کونسا اُصول سب سے حاوی اور عالمگیر ہے جو تمام انسانوں کے لیئے یکساں قابل عمل ہے۔ لیکچر کا خاتمہ جناب امیر علیہ السلام کے چند پاکیزہ اشعار پر کیا ہے جن میں فلسفۂ زندگی اور فلسفۂ اخلاق کوٹ کوٹ کر بھرا ہے اور جو اِس قابل ہیں کہ ہر ایک انسان جو علمی و عملی دنیا میں قدم رکھتا ہے اُنکو مپش نظر رکھے۔ غرضکہ یہ لیکچر من حیث المجموع طالب علموں کے لیئے اور ہر ایک شخص کے لیئے مفید ہے جو اُسپر غور کی نظر ڈالے + فقط +

نوٹس

طالب علم کی زندگی کا کیا مقصد ہونا چاہیئے

خواجہ غلام ثقلین صاحب بی۔ اے۔ ال۔ ال۔ بی سابق طالب علم مدرسۃ العلوم علی گڈہ نے جو اسوقت حیدر آباد دکن میں ہز ایکسلنسی نواب مدار المہام بہادر کے اسٹاف میں ہیں۔ مجلس اخوان الصفا (مدرستہ العلوم علی گڈہ) میں عنوان بالا پر تین نہایت مفید لیکچر دیتے تھے۔ یہ تینوں لیکچر اب موزوں تقطیع اور عمدہ کاغذ پہ نہایت صفائی اور لطافت سے چھپکر تیار ہو گئے ہیں۔ جن صاحبوں کو اس کی ایک جلد یا چند جلدیں مطلوب ہوں بحساب آٹھ آنہ فی جلد قیمت بھیجکر یا ویلیو پے ایبل خود مصنف سے یا مینیجر ڈیوٹی شاپ (مدرستہ العلوم علی گڈہ) سے طلب فرمالیں۔ پہلا لیکچر اس مجموعہ سے جدا بھی مل سکتا ہے جس کی قیمت تین آنہ ہے۔

المشتہر

مینیجر ڈیوٹی شاپ مدرستہ العلوم علیگڈہ

محمدن اینگلو اورینٹل کالج میگزین

جلد ۴	ستمبر ۱۸۹۶ء غیر معمولی پرچہ	نمبر ۹

فہرست مضامین

مطبوعہ مطبع العلوم
برای سٹڈنٹس یونین کلب

غیر قوموں کی مشابہت

ہماری قوم میں نئے علوم و فنون اور نئے تمدن اور شائستگی کے نہ پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں کا اب تک یہ خیال ہے کہ ہمکو غیر قوموں کا تشبّہ شرعاً ناجائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک قوم کے مقدس حضرات۔ یورپین علوم و فنون، یورپین زبان، یورپین تمدن، یورپین طرز معاشرت سے جہاں تک ہو سکتا ہے اجتناب کرتے ہیں۔ اور بضرورت کوئی بات اختیار کرنی پڑتی ہے تو انکا دل انکو ملامت کرتا رہتا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اس قسم کی غلطیوں کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قدیم تعلیم میں تاریخ کا حصہ شامل نہ تھا اور اسو جہسے اکثر مسلمان، آنحضرت اور خلفای راشدین اور صحابہ کے طرز معاشرت کے تفصیلی حالات سے بالکل آشنا نہیں۔ جس شخص نے سلف کی تاریخ سرسری نظر سے بھی پڑہی ہوگی وہ اسبات سے کیونکر انکار کر سکتا ہے کہ آنحضرت اور خلفاے راشدین نے تمدن اور معاشرت کے متعلق غیر قوموں کی بہت سی باتیں پسند فرمائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں نہایت تفصیل کے ساتھ اصلاح رسوم پر ایک مضمون لکھا ہے۔ اسمیں ایک موقع پر وہ تحریر فرماتے ہیں کہ انبیا اور پیغمبروں کا طریقہ تہا کہ کہانے پینے، لباس، تعمیرات، آرایش، خرید و فروخت وغیرہ کے متعلق وہ اُن معمولات پر نظر ڈالتے تہے جو ان کی قوم میں پہلی سے جاری تہی، اگر وہ معقول ہوتے تہے تو بحال خود

رہنے دیتے تھے اور جن باتوں میں کسی قسم کی بُرائی ہوتی تھی اُن کی اصلاح کر دیتے تھے"۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے دیت، خمس، قسامۃ، وغیرہ کی نسبت لکھا ہے کہ یہ قاعدے زمانِ جاہلیت میں جاری تھے اور آنحضرت نے اسی طرح رہنے دئیے۔ پھر فرماتے ہیں وکان قباد وابنہ انوشروان وضعا علیھم الخراج والعشر فجاء الشرع بنحو من ذلک یعنی قباد اور اُس کے بیٹے نوشیرواں نے لوگوں پر خراج اور عشر مقرر کیا تھا۔ پس شریعت بھی قریب قریب اسی کی مطابق آئی" شاہ صاحب نے تو چونکہ شریعت کا نام لیا اس لیے قریب قریب کا لفظ لکھا۔ لیکن امام ابو جعفر طبری نے جو محدث او مجتہد دونوں تھے جہاں نوشیرواں کے قانونِ خراج وجزیہ کا ذکر کیا ہے صاف یہ الفاظ لکھے ہیں ؛ اقتدی بھم عمر بن الخطاب یعنی حضرت عمر نے نوشیرواں کے ان قاعدوں کی اقتدا او پیروی کی"

یہ مسلم ہے کہ نوشیرواں مذہباً مجوسی اور قوم کے لحاظ سے ایرانی تھا پھر جب حضرت عمرؓ کو تمدن اور اُمور ملکی کے متعلق ایک مجوسی اور ایرانی کی اقتدا سے عار نہ تھا تو آج ہم لوگوں کو یورپ کی عمدہ باتوں کے اختیار کرنے میں کیا مضایقہ ہو سکتا ہے۔

یہ بحث کلی طور پر تھی اب ہم اس آرٹکل میں اُن باتوں کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھنا چاہتے ہیں جو قرن اول میں دوسری قوموں سے لی گئیں۔ لیکن قبل اس کے ان حدیثوں سے تعرض کرنا ضرور ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسری قوموں کی مشابہت سے منع فرماتے تھے حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی پیغمبر یا بانی مذہب کسی نئے مذہب کی بنیاد ڈالتا ہے تو اسکو خواہ مخواہ بعض ایسی مخصوص علامتیں قائم کرنی پڑتی ہیں جو اس کے پیرؤں اور عام لوگوں میں امتیاز اور شناخت کا ذریعہ ہوں، اس قسم کی علامت کو شعار کہا جاتا ہے اور اردو میں اسکا ترجمہ وردی یا تمغہ کیا جا سکتا ہے۔ بے شبہ

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض بعض چیزوں میں اس قسم کا امتیاز قایم کیا تہا اور ان کے متعلق فرمایا کرتے تہے کہ ان باتوں میں غیر مذہب والوں کی مشابہت نہ اختیار کرو۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ دوسری قوموں اور دوسرے مذہب والوں کی ہر بات سے اجتناب کیا جاے سخت غلطی ہے۔

آنحضرتؐ کے طریق عمل اور متعصب علما کی نافہمی کی ایک عمدہ مثال یہ ہے کہ غزوۂ احزاب میں جب قریش نے بڑے سروسامان سے مسلمانوں پر چڑہائی کی تو سلمان فارسی نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ "ایران میں یہ دستور ہے کہ جب دشمن کی تعداد زیادہ ہوتی ہے تو خندق کہود کر پناہ لیتے ہیں" آنحضرتؐ نے ان کے مشورہ کے مطابق خندق طیار کرائے اور عربی زبان میں خندق کا لفظ اول اسی وقت استعمال ہوا خندق کا لفظ کندہ کا معرب ہے جس کے معنے کہودے گئے کے ہیں" معرب کرنے کا عام قاعدہ ہے کہ اخیر کی اے ہوز کو ق سے بدل لیتے ہیں جس طرح پیادہ سے بیدق۔ خورنگہ سے خورنق۔

اسی طرح منجنیق اور دبابہ جو لڑائی کے آلات ہیں عرب میں مستعمل نہ تہے لیکن فارس اور یونان میں اسکا عام رواج تہا۔ سب سے پہلے طایف کے محاصرہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک رومی نژاد صحابی کے اشارہ سے اسکا استعمال کیا۔ ان واقعات کے مقابلہ میں جان نثاری فوج کا واقعہ خیال کرو۔

یہ سلطنت ترکی کی ایک مشہور فوج تہی جس نے یورپ اور ایشیا میں بے شمار فتوحات حاصل کی تہیں۔ سلطان محمود کے زمانہ میں جب یورپ نے فنون جنگ اور فوجی قواعد میں نئے نئے قاعدہ ایجاد کیئے تو سلطان موصوف نے اپنی فوج کو بہی انہی اُصول کے موافق مرتب کرنا چاہا۔ لیکن جان نثاری فوج نے اس بنا پر انکار کیا کہ ہم کافروں کی تقلید نہیں کرتے۔

یہ انکار دراصل فوج کی طرف سے نہ تھا بلکہ در پردہ شیخ الاسلام کی سازش تھی، اور وہ پیشوای مذہب ہونے کے لحاظ سے اس تقلید کو ناجائز خیال کرتا تھا۔ سلطان محمود سمجھتا تھا کہ نئے اُصول کے اختیار کئے بغیر یورپ کی ہمسری نہیں ہو سکتی، ادہر شیخ الاسلام اور فوج کو اپنے تعصب پر اصرار تھا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج نے بغاوت کی اور کُل کی کُل لڑ کر تباہ ہو گئی۔ اسی قسم کی غلطی ہے جو آج کل ہمارے علما اور متعصب مسلمان کر رہے ہیں۔ اور جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ عہد نبوت اور خلافت کے حالات سے بہت کم واقف ہیں اور زیادہ سچ یہ ہے کہ بالکل واقف نہیں۔

اب ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ بتاتے ہیں کہ معاشرت اور تمدن کے متعلق کیا کیا باتیں غیر قوموں کی اختیار کی گئیں اور کب اور کس وقت اختیار کی گئیں اس حیثیت سے یہ آرٹیکل ایک تاریخی آرٹیکل ہو گا اور عام ناظرین کو اس سے زیادہ دلچسپی ہو گی۔

لباس کے متعلق یہ تو ظاہر ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی خاص لباس نہیں اختیار کیا تھا بلکہ جاہلیت میں جو لباس مستعمل تھا وہی اسلام میں بھی باقی رہا لیکن زیادہ تفتیش سے ثابت ہوتا ہے کہ مجوسیوں اور عیسائیوں کی بہت سی چیزیں اختیار کر لی گئی تھیں۔ عرب میں پاجامہ کا مطلق وجود نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے لیئے کوئی لفظ نہ تھا۔ عرب میں جب اسکا استعمال ہوا تو فارسی لفظ شلوار کو معرب کر کے سروال بنالیا اور وہی لفظ آج تک مستعمل ہے۔ حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں اگرچہ قومی خصوصیت قائم رکھنے کے لحاظ سے لوگوں کو عرب کے قدیم لباس یعنی تہمد کا پابند رکھنا چاہا چنانچہ عتبہ بن فرقد کو جو فرمان لکھا اسمیں صاف یہ الفاظ لکھے کہ "پاجامہ پہننا چھوڑ دو" لیکن قبول عام پر کسکا زور ہے پاجامہ کا رواج ہوا اور اس عمومیت کے ساتھ ہوا کہ تمام عرب میں تہمد کا نام ہی

نہیں رہا۔ عینی شرح بخاری میں لکھا ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی پاجامہ پہنا تھا۔

برنس ایک قسم کی لمبی ٹوپی تھی جسکو خاص عیسائی استعمال کرتے تھے۔ صحابہ میں سے اکثروں نے اسکا استعمال کیا اور خود حضرت عمر فاروق اسکو استعمال کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ جب تعصب کی ابتدا ہوئی تو لوگوں کو اس کے استعمال میں تامل ہوا لیکن بڑے بڑے ائمہ مذہب نے جواز کا فتوی دیا۔ عینی شرح بخاری میں ہے کہ امام مالک سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا برنس کا پہننا اس بنا پر مکروہ ہے کہ وہ عیسائیوں کے لباس کے مشابہ ہے" انہوں نے جواب دیا کہ نہیں یہاں (یعنی مدینہ میں) لوگ عموماً اسکو استعمال کرتے تھے"۔

لباس کے سوا۔ معاشرت کی اور بہت سی چیزوں میں غیر قوموں کی تقلید کی گئی۔ عرب میں پہلے تابوت کا طریقہ نہیں تھا حضرت زینب کا جب انتقال ہوا تو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ جنازہ کے اٹھانے میں کافی پردہ پوشی نہیں ہوتی۔ کیا اس کی کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی اسمار بنت عمیس بھی اس موقع پر تشریف رکھتی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے حبش میں دیکھا ہے کہ مُردوں کے لیئے تابوت بناتے ہیں۔ چنانچہ ان کی رائے کے مطابق تابوت طیار ہوا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو نہایت پسند فرمایا اور اسوقت سے یہ طریقہ جاری ہوگیا۔ معاشرت کے متعلق غیر قوموں کی رسوم و عادات کے پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ مسلمانوں نے روم و فارس کی فتوحات کے ساتھ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں رشتے ناتے شروع کردیئے۔ مدائن کی فتح کے بعد سیکڑوں صحابہ نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کرلیں حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے سپہ سالار کو خط لکھا اور اپنی ناراضی کا اظہار کیا

---

[1] عینی جلد دہم صفحہ ۱۳ مطبوعہ قسطنطنیہ۔

انہوں نے جواب میں لکھا کہ آپکا یہ حکم آپ کی ذاتی رائے ہے یا منصب خلافت سے متعلق ہے؟
حضرت عمرؓ نے جواب لکھا کہ "اسکو منصب خلافت سے کچھ تعلق نہیں بلکہ میری ذاتی رائے
ہے اور اس بنا پر ہے کہ تم لوگ اپنی قوم کی عورتوں کو چھوڑکر غیر قوموں کے نہ ہو رہو" چونکہ
اسوقت تمام مسلمانوں میں آزادی کا جوہر موجود تھا لوگوں نے حضرت عمرؓ کی ذاتی رائے کی
کچھ پروانہ کی اور اپنے ارادوں پر قائم رہے۔ رفتہ رفتہ ہزاروں عیسائی اور یہودی عورتیں
مسلمانوں کے نکاح میں آگئیں۔ اور قدرت کے قاعدہ کے مطابق ان کی معاشرت اور
رہنے سہنے کے طریقے مسلمانوں میں پھیل گئے' اگرچہ اس سے قومی خصوصیتوں کو کچھ
نقصان پہنچا لیکن بڑا فائدہ یہ ہوا کہ رات دن کے ملنے جلنے سے اسلام کے عقیدے انکے
دلوں میں جگہ پکڑتے گئے اور ان میں سے سیکڑوں مسلمان ہو گئیں بلکہ سچ پوچھیئے تو
غیر قوموں میں اسلام کی پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا۔

ملکی نظم و نسق اور طریقہ جنگ تو گویا بالکل فارس اور یونان کے انداز پر قائم ہوا حضرت
عمرؓ نے خراج اور جزیہ کے متعلق جو قاعدے جاری کیے وہ بالکل نوشیرواں کے مرتب کردہ
تھے چنانچہ امام طبری اور ابن الاثیر وغیرہ نے صاف تصریح کی ہے۔ آنحضرت اور حضرت ابوبکر
کے زمانہ تک خزانہ اور دفتر کا بالکل وجود نہ تھا فتوحات میں جو روپیہ آتا تھا وہ اسی وقت تقسیم
کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب روپیہ کی افراط ہوئی تو انہوں نے صحابہ کو جمع
کرکے رائے لی کہ یہ زر کثیر کیا کیا جائے۔ بعض صحابہ جو رومیوں کے دفتر اور حساب کتاب کے
طریقے دیکھ آئے تھے انہوں نے کہا کہ ہم نے شام میں رومیوں کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ
اور فوج کا دفتر مرتب رہتا ہے"۔ آج کل کا زمانہ ہوتا تو ہمارے علما من تشبہ بقوم کا مسئلہ
پیش کرتے لیکن حضرت عمرؓ نے اسیوقت چند حساب داں اشخاص کو بلا کر دفتر کی طیاری کا حکم دیا۔

اسی طرح عدالتوں کا انتظام، پولیس کا محکمہ صوبجات اور اضلاع کی تقسیم۔ پبلک ورک
ل کا بندوبست۔ وغیرہ وغیرہ یہ تمام انتظامات خود خلفائے راشدین کے عہد میں قائم ہوئے
ٹھیک عجم اور یونان کے نمونہ کے موافق قائم ہوئے۔ زمانۂ مابعد میں جب فلسفہ
یرہ کی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو عربی زبان بالکل غیر قوموں کے علوم و فنون سے بھر گئی
ں تک کہ خود مذہبی علوم بھی ان کے اثر سے نہ بچ سکے۔

یونانی علوم و فنون کی تقلید اور اتباع کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ آج یونانی
ب کو ہم مسلمانی طب سمجھتے ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں اکثر امراض کے متعلق آنحضرت
صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے علاج مذکور ہیں یہاں تک کہ طب نبوی ایک مستقل مضمون بنگیا
ہے لیکن تمام اسلامی دنیا میں بیماریوں کا جو علاج کیا جاتا ہے وہ ارسطو اور بقراط کے
عدہ کے مطابق کیا جاتا ہے اور طب نبوی کا ذکر تک نہیں آتا۔ ایک طرف تو یہ بے تعصبی
آزاد خیالی اور ایک طرف یہ تعصب اور ضد کہ یورپ کی کسی بات پر عمل نہ کیا جائے ورنہ
مذہب والوں کی مشابہت لازم آئیگی اور من تشبہ بقوم کا مصداق بننا پڑیگا۔ ع

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

کتاب یوذاسف[1] اور بلوہر

پر

ایک مؤرخانہ نظر

زبان سنسکرت کو یہ شرف حاصل ہے کہ جیسی کثرت اور قدامت سے اُس میں اخلاق کی عمدہ باتیں موجود ہیں۔ کسی دوسری زبان میں نہیں ہیں۔ ہندوستان میں جب مذہب بودھ کا نشو ونما ہوا تو داعیانِ مذہب نے اپنے اُصول کے اشاعت کے لیئے ایک نہایت عمدہ طریقہ اختیار کیا اور وہ یہ تھا کہ اُس عجیب وغریب شخص اور اس کے مریدوں کے حالات کو جس نے دنیا میں سدہارتا کے نام سے قدم رکھا اور بودھ کے نام سے مشہور ہوا مختلف پیرایوں میں لکھا۔ اور اُس کی اخلاقی عظمت اور مذہب کی عمدہ تعلیم کی تصویریں بہت سی مختلف ہیئتوں میں دکھائیں اور یہ کتابیں جو زبان سنسکرت میں جاتکا یعنی کتب پیدائش کے نام سے مشہور ہیں اُن کے ہاتھ میں ایسا پُراثر آلۂ تبلیغ ثابت ہوئیں کہ اسوقت تک پچاس کروڑ مخلوق بودھ کو نبی برحق اور اُس کے مذہب کو دین حقہ سمجھتی ہے۔ مذہب بودھ کا اصل الاصول روحانی ترقی اور ترک لذات تھا اس لئے ان کتابوں میں اعلیٰ درجہ کے اخلاقی اُصول بیان کیئے گیئے اور دنیا کی بے ثباتی ظاہری جاہ وحشم کی دھوکہ دہی لذات دنیاوی کی بے حقیقتی اور جذبات نفسانی کی گمراہی کو خوب ثابت کیا گیا تھا۔ اس قسم کی کتابوں کی تعداد ۵۰۰ بیان کی گئی ہے اور چونکہ جسوقت فارسی لٹریچر میں اردشیر بن بابک کے زمانہ میں جان تازہ پڑی ہو

[1] یہ عربی زبان میں اسی قسم کی ایک کتاب ہے جیسی کلیلہ دمنہ۔ لیکن بعض اسباب سے اسکو عام شہرت نہیں حاصل ہوئی۔ تاہم اس کی عمدگی اور خوبی کو تمام عرب مصنفین نے تسلیم کیا ہے۔

اُسوقت مذہب بودہ کا سرحدِ ایران تک دَور دَورہ تہا۔ اور اہلِ ایران کو پشیدادیوں کیوقت کے ایسے پند و نصایح کی کتابون کی طرف بہت توجہ چلی آتی تہی۔ اس لیئے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں ان مقدس کتابوں میں سے بہی بعض کتابیں ترجمہ ہوئیں اور انہیں کتابوں مین غالباً وہ دو کتابیں بہی تہیں جو اسوقت کلیلہ و دمنہ اور یوذاسف و بلوہر کے نام سے مشہور ہیں جنہوں نے مشرق و مغرب کے اخلاق پر بہت عمیق اثر ڈالا ہے۔ کلیلہ و دمنہ کے تاریخی حالات کو ہمارے مخدوم شمس العلما مولوی سید علیصاحب بلگرامی۔ بی اے۔ بی ایل نے ایسی عمدگی سے بیان کر دیا ہے کہ اب ہم کو اُس کی نسبت کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ اس مضمون میں ہمکو اُس سے زیادہ بحث ہے۔

اگرچہ کوئی خارجی شہادت موجود نہیں ہے لیکن خوش قسمتی سے خود کتاب میں بعض ایسی اندرونی شہادتیں موجود ہیں جسنے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کس زمانہ میں لکہی گئی تہی۔ یعنی جب یوذاسف پر ایمان لایا ہے تو اسوقت تین سو برس بودہ کو ہو چکے تہے اور پہر آخر میں مصنف کتاب نے لکہا ہے کہ یوذاسف کا چچا سمتا اوّلاً اُس کی نیابت بملکِ شولابت میں کرتا رہا اور اُس کے بعد اُسکا بیٹا سامل تخت نشین ہوا اور اُس کی بہت اولاد ہوئی اور یہ سلطنت نسلاً بعد نسل اُس کے خاندان میں رہی۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ یوذاسف کے زمانہ کے سو دو سو برس کے بعد یہ کتاب لکہی گئی اور چونکہ بودہ حضرت عیسیٰؑ سے قریباً پانچسو برس پہلے گذرا ہے اس لیئے کہا جا سکتا ہے کہ کتاب غالباً حضرت عیسیٰؑ کے زمانے سے کچھ ہی پہلے لکہی گئی تہی۔

جب ہندوانہ تعصب نے مذہب بودہ کو مغلوب کیا تو یہ اُمید نہ ہو سکتی تہی کہ متعصب برہمن ایسے پُر اثر آدہ تبلیغ کو جیسے کہ کتب جاتکا ثابت ہوئی تہیں اپنی اصلی حالت پر رہنے دینگے لیکن چونکہ اُن کی اخلاقی عظمت خلایق کے دل پر اپنا اثر کر چکی تہی اس لیئے اُنہوں نے اصل کتابوں کو

منتشر کرکے اُن پر نصیحت قصوں کو جنہے وہ ملوتہیں اپنی کتہا کی کتابوں میں داخل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسوقت زبان سنسکرت میں کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے جسکو یوذاسف و بلوہر کا اصل قرار دیا جاسکے لیکن اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مضامین ہندوؤں کی مشہور کتاب للت بستار سے بہت کچھ ملتے ہوے ہیں۔ یوذاسف۔ و بلوہر بہی ایسے عجیب وغریب نام ہیں کہ گو کثرت استعمال سے کچھ مانوس سے ہوگئے ہیں لیکن کسی زبان سے ملتے ہوئے نہیں ہیں اور اگر ان کی اصلیت کا پتہ لگایا جاے تو معلوم ہوگا کہ کتب پیدایش میں شاہزادہ کپیلا وستو اور اُس کے مریدوں کو بودہ ست یعنی طالب حق کے لقب سے مخاطب کیا کرتے ہیں اور اُسکی بگڑی ہوئی شکل۔ یوذاسف ہے اور لفظ پر دہت کچھ تو تعریب کے شکنجہ میں کسکر اور کچھ اُن غلط فہمیوں کی وجہ سے جو عربی رسم الخط کی بدولت کاتبوں کو ہوئیں بگڑ بگڑا کر بلوہر ہوگیا۔

اہل یورپ کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ جو چیز مسلمانوں کے لیئے واجبی طور پر بہی باعث افتخار ہو اُسکو بہی خواہ نخواہ کسی عیسائی سے منسوب کردیں اور اس لئے اب سے پندرہ بیس برس پیشتر تک یہ خیال تہا کہ یہ کتاب ایک عیسائی طبیب یوحنا (سنٹ جان) نامی کی تصنیف ہے جو دربار ابوجعفر المنصور میں ملازم تہا اور گو کہ حال میں ڈاکٹر لاسے بریکیٹ اور پروفیسر میکسملر نے ثابت کردیا ہے کہ دراصل یہ کتاب سنسکرت سے لی گئی ہے لیکن صرف چند ہی روز ہوے کہ پروفیسر کہن نے تسلیم کیا ہے کہ مسلمانوں نے اس کتاب کے محفوظ رکہنے اور شایع کرنے میں کیا کوشش کی۔

اسلام نے جب اہل عرب پر دنیاوی ترقی کے دروازے کہولدیئے اور انہوں نے علمی ترقی کے میدان میں قدم رکہا تو جس طرح کہ اسلام کے زور بازو نے اقوام غیر سے زر و جواہر میں خراج وصول کیا تہا اُسی طرح اسلام کے دماغی عروج نے دوسری قوموں کی اعلی سے

اعلی علمی ترقی پر ٹیکس لگایا اور اُن کی جان و مال کی طرح اُن کے علوم وفنون کو بھی حلقہ بگوش کیا۔ اور جس طرح کہ اسلام کی روحانی قوت نے وحشی درندوں کو انسان کامل بنا دیا تھا اُسی طرح اسلام کی دماغی ترقی نے دوسری قوموں کے ناقص علوم وفنون کو بھی تکمیل کو پہنچایا۔

اگرچہ اس علمی ترقی کی بنیاد بنی امیہ ہی کے زمانہ میں خالد بن یزید بن معاویہ کے ہاتھ پڑ چکی تھی۔ لیکن اصلی اور پائدار ترقی ابو جعفر المنصور عباسی کے زمانہ سے شروع ہوئی جس نے کتب قدیمہ کو جمع کرنا اور زبان فارسی و سریانی و قبطی و یونانی سے ترجمہ کرانا شروع کیا۔ جبکہ کوئی قوم علمی ترقی پر مائل ہوتی ہے تو وہ اپنی کوششوں کو کسی خاص فن پر محدود نہیں رکھا کرتی بلکہ جس فن پر بھی دسترس ہو جائے اُسکو غنیمت سمجھتی ہے اسی طرح ابو جعفر المنصور کے زمانہ میں مسلمانوں نے صرف نجوم و ہندسہ و طب کے ضروری علوم ہی کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ منجملہ دوسرے علوم کے علم اخلاق کی بعض نادر کتابوں کا بھی ترجمہ ہوا۔ اگر علامہ ابن الندیم کی کتاب الفہرست کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کتاب کا نام اُن ہندی کتب میں داخل ہے جنکا ترجمہ خواہ براہ راست سنسکرت سے یا پہلوی کے ذریعہ سے عربی میں ہوا تھا۔

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ یوذاسف و بلوہر کا ترجمہ ابتداء میں پہلوی میں ہوا تھا قیاس یہ چاہتا ہے کہ اوسکا ترجمہ کلیلہ و دمنہ کی طرح سے پہلوی سے عربی میں ہوا ہوا اور اُس کی بنیاد یہ ہے کہ ابو جعفر المنصور کے زمانہ سے پیشتر ہی ہندوانہ تعصب نے مذہب بودہ کا ہندوستان میں خاتمہ کر دیا تھا اور اس لیئے یہ قیاس نہیں چاہتا کہ وہ فاضل پنڈت جو ۱۵۴ھ میں سندہ سے سفارت کے ساتھ آیا تھا وہ مذہب بودہ کے کسی مقدس کتاب کو اپنے ساتھ لایا ہو۔ یہ امر کہ اس کتاب کا ترجمہ ابو جعفر المنصور ہی کے زمانہ میں ہوا اُس کی بہت بڑی شہادت تو یہ ہے کہ یوحنا طبیب جس سے اُسکا یونانی ترجمہ منسوب ہے منصور ہی کے زمانہ میں گذرا ہے اور دوسری

دلیل یہ ہے کہ کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ بھی اُسی کے زمانہ میں ہوا تھا۔ تیسرے طرز تحریر بھی اُسی زمانہ کا معلوم ہوتا ہے۔ اب بحث یہ ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ کسنے کیا۔ منصور کے زمانہ میں مترجم پہلوی تین تھے۔ (۱) نوبخت منجم (۲) ابو سہیل مجوسی (۳) ابن المقفع۔ نوبخت تو جیسا اُس کے لقب سے ظاہر ہے زیادہ تر علم نجوم سے دلچسپی رکھتا تھا اور اسی طرح ابو سہیل کو بھی ہندی اخلاق کی کتابوں سے زیادہ لگاؤ نہ ہو سکتا تھا اور نہ یہ لوگ مجوسی ہو کر کسی دوسرے مذہب کی کتاب کے ترجمہ کی خاصکر منصور کے زمانہ میں جرأت کر سکتے تھے۔ اس لیئے قیاس یہ چاہتا ہے کہ یوذاسف و بلوہر کا ترجمہ بھی اُسی آزاد منش شخص نے کیا ہوگا جو اسلام اور دوسرے مذاہب کو ایک نظر سے دیکھتا تھا۔ اور جس نے اس قسم کی ایک کتاب کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ بھی کیا تھا یہ شخص عبد اللہ ابن المقفع[۱] تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اسقدر مقبول ہوئی کہ عربی میں اُسکا ایک ہی ترجمہ موجود نہیں ہے بلکہ پروفیسر کُہن کا بیان ہے کہ تین مختلف صورتوں میں یہ کتاب موجود ہے۔ دو نسخوں کا پتہ تو ہمکو بھی لگ چکا ہے لیکن افسوس ہے کہ تیسرا نسخہ دستیاب نہیں ہو سکا۔

سب سے قدیم نسخہ تو وہی ہے جو اسوقت عربی میں چھپا ہوا موجود ہے۔ اور اس کے سب سے قدیم ہونیکا ثبوت یہ ہے کہ وہی یونانی ترجمہ کی بہت زیادہ حد تک مطابق ہے اور اُس کی دوسری صورت اہل تشیعہ کی مشہور کتاب اکمال الدین و اتمام النعمہ میں موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یوذاسف و بلوہر کی اخلاقی عظمت نے مجتہدین اہل تشیع کے دل پر ایسا اثر کیا تھا کہ اُنہوں نے اسکو علی بن حسین بن علی علیہ السلام سے منسوب کر دیا۔ اور ابی جعفر محمد بن علی بن

---

[۱] قدما کے نزدیک عبد اللہ بن المقفع کا زندیق ہونا مسلم ہے اور البیرونی نے کتاب الہند میں ایک موقع پر لکھا ہے کہ وہ مانی کا پیرو تھا۔ مؤلف

بابویہ قمی نے جو چوتھی صدی ہجری میں گذرا ہے اُسکو احادیث میں درج کیا ہے۔ بظاہر اسبات کے بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اسکا ثابت کرنا قریب ناممکن ہے کہ اس قصہ کا وجود علی بن حسین بن علی علیہ السلام کے زمانہ میں تھا لیکن اس حدیث سے یہ بخوبی ظاہر ہے کہ اُس کی قدامت محمد بن بابویہ کے زمانہ میں ہی مسلم تھی۔ چونکہ ہمکو تیسرا نسخہ نہیں ملسکا اس لیئے ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ آیا ان تینوں نسخوں کا ماخذ ایک ہی تھا یا مختلف لیکن سعت در قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یا تو ممکن ہے کہ پہلوی زبان ہی میں تین نسخے اس قصے کے ہوں اور انہیں سے مختلف اشخاص نے عربی میں ترجمہ کیا ہو یا یہ ہو کہ عربی ترجمہ ہی میں لوگوں نے اپنے مذاق کے مطابق تصرف کرلیا ہو اور بعض حکایتیں داخل کردی ہوں۔ محمد ابن بابویہ نے جو قصہ کہ نقل کیا ہے اُسکا دو ثلث تو موجودہ قصہ کا خلاصہ معلوم ہوتا ہے اور اُس میں اور اصل میں بہت کم فرق ہے لیکن آخر کا حصہ بالکل مختلف ہے بہت سی نئی حکائتیں درج ہیں۔ اور جو ماجرا کہ بادشاہ اور یوذاسف اور راکس اور یہوُن کے مابین ہوا اُسکا ذکر بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ جو جدید حکائتیں کہ اُس نے لکھی ہیں اُنکا ماخذ بھی بودہ ہی معلوم ہوتا ہے لیکن ایک حکایت جس میں دخمہ (یعنی پارسیوں کے مدفن) کا ذکر ہے وہ ایرانی نژاد ہے اگر کاش اس کتاب کا تیسرا حصہ بھی موجود ہوتا تو ہم معلوم کر سکتے کہ اسکا آخری حصہ کہیں اُس سے تو ماخوذ نہیں ہے۔ اس خلاصہ کا اُردو ترجمہ ڈاکٹر مرزا اصفدر علی صاحب نے خال ہی میں نہایت عمدگی سے سلیس و بامحاورہ زبان میں کیا ہے اور اس میں شک نہیں یہ ایک ایسا کام ہے جس کے لحاظ سے سب کو اُنکا ممنون ہونا چاہیئے عربی علم ادب پر اس کتاب کا دوسری طرح پر بھی بہت اثر پڑا ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے اپنی مشہور کتاب عوارف المعارف میں نصیحت کے مؤثر اور غیر مؤثر ہونے کی وہی مثال دی ہے

جو اس کتاب میں درج ہے اور متصوفین کی دوسری کتابوں میں بھی اس کی عمدہ تعلیم کے اثر نمایاں ہیں۔ نہیں معلوم ابتدا میں اس کتاب کا ترجمہ کیسی ساعت سعید میں ہوا تھا کہ اسقدر مقبول ہوئی کہ مشرق میں اُسکا ترجمہ فارسی۔ حبشی۔ جارجین۔ ارمنی اور عبرانی زبانوں میں ہوا اور اُس کی شہرت ایسی عالمگیر ہوئی کہ ۱۷۱۲ء میں جزائر فلپائن میں زبان ٹکالا میں بھی ترجمہ ہوا۔ لیکن مغرب میں اُس کی قدردانی مشرق سے بھی زیادہ ہوئی اور ابھی تک اُس میں کمی نہیں ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ترجمہ ہونے کے ساتھ ہی اسقدر مقبول ہوئی کہ یوحنا دمشقی نے جو ابوجعفر المنصور کا طبیب تھا اُسکا ترجمہ زبان یونانی میں کیا۔ لیکن چونکہ وہ ایک متعصب عیسائی اور اپنے مذہب کا اسقدر پابند تھا کہ آخر عمر میں رُہبان ہو گیا۔ اس لیئے اُس نے ترجمہ پر عیسائیت کا روغن چڑھا دیا اور یوذاسف اور بلوہر کو اولیاء عیسائی بنا دیا۔ تعجب ہے کہ شمس العلما مولوی سید علی صاحب بلگرامی نے اپنے مضمون کلیلہ و دمنہ میں وہی غلطی کی ہے جو اہل یورپ نے بیس برس پیشتر کی تھی یعنے اس قصہ کو یوحنا کی تصنیف قرار دیا ہے پروفیسر کہن نے یہ قیاس ظاہر کیا ہے کہ یونانی ترجمہ عربی سے نہیں ہوا بلکہ پہلوی سے عربی کے ساتھ ہوا ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس قیاس کی کیا بنیاد ہے لیکن اصل عربی کو یونانی کے ساتھ ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے بہت کچھ ملتے ہوئے ہیں صرف اُن مقامات میں اختلاف پایا جاتا ہے جہاں یوحنا نے اُسپر عیسائیت کا روغن چڑھایا ہے۔ اگرچہ یوحنا کا عربی جانتا تو مسلم ہے لیکن یہ امر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا ہے کہ وہ زبان پہلوی بھی جانتا تھا اور نہ ایک شامی عیسائی کا جو ایران گیا بھی نہ تھا پہلوی جاننا قرین قیاس ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ عربی ترجمہ یونانی سے نہیں ہوا کیونکہ یونانی میں متعصب مترجم نے اپنے منصب کے خلاف اُس نامہ کو بھی درج کر دیا ہے جو

عیسائی حکیم ارسٹائیڈیز نے رومی شہنشاہ ہیڈرین کو سنہ ۱۲۵ء میں مذہب عیسوی کا اثبات میں لکھا تھا لیکن اس نامہ کا پتہ بھی عربی ترجمہ میں نہیں ہے پس اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یوحنا نے عربی ترجمہ کو اپنا ماخذ بنایا تھا۔

خاص یورپ میں اس قصہ کا علم پہلے دفعہ سائمون مینا فرسٹ کی کتاب تذکرہ اولیاء کے ذریعہ سے ہوا جس میں اُس نے پورے قصہ کو زبان یونانی میں لکھا۔ سائمون سنہ ۱۱۵ء میں گذرا ہے اور اُس نے یہ کتاب ایسے دلچسپ پیرایہ میں لکھی تھی کہ مقبول خاص و عام ہوئی اور ابھی تک اُس کی تصنیفات کے انتخاب میں یہ قصہ بغرض ہدایت عام شایع کیا جاتا ہے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں ونسنٹ نے جو شہر لودے کا رہنے والا تھا اس قصہ کو اپنی کتاب اسپیکیولم ہٹوریال میں داخل کیا اور جیکوبس ڈی ڈورین نے کسی قدر اختصار کے ساتھ اپنی کتاب گولڈن لیجنڈ (احادیث زریں) میں اسکا اعادہ کیا اور انہیں مصنفین کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ یوذاسف و بلوہر کے نام سنیٹ جوزافٹ اور سنٹ بارلم کے لقب سے کلیساء یونانی و رومی کے اولیاء کی فہرستوں میں داخل ہوئے۔ پھر تو چند ہی روز میں ایسی شہرت ہوئی کہ اس قصہ سے بہت سی مثنویاں اور مذہبی ناٹک لکھے گئے عیسائی واعظ اُن چھوٹے چھوٹے دلچسپ اخلاقی قصوں سے جو اس میں جا بجا مندرج ہیں اپنی پند و نصائح کو مؤثر بنانے لگے اور ان سب باتوں کا یہ اثر ہوا کہ سنیٹ جوزافٹ و سنیٹ بارلم اسقدر مقبول ہو گئے کہ اُن کے نام سے گرجا بنائے گئے چنانچہ پارسو واقع سسلی میں ایک گرجا سنیٹ جوزافٹ کے نام سے آج تک موجود ہے۔ ساکیا منی کی یہ سب سے نمایاں فتح ہے کہ اُس نے عیسائیت کو اپنی اعلے اخلاقی قوت سے ایسے وقت مسخر کیا جبکہ یورپ جہل و تعصب کی تاریکی میں پھنسا ہوا تھا۔ یورپ کی کوئی زبان باقی نہ رہی جس میں اُسکا ترجمہ نہوا ہو

یہاں تک کہ بوہمیا اور پولینڈ اور آئس لینڈ کی زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا بلکہ آئس لینڈ کی زبان میں تو ایک ناروے کے بادشاہ نے ۱۲۴۰ء میں خود ترجمہ کیا۔

دوسری طرح پر بھی اس کتاب کے مضامین کا اثر یورپ کے لٹریچر پر بہت پڑا ہے اٹلی کے مشہور فسانہ نگار بوکاچیو اور انگلستان کے شاعر گاور اور وحید الدہر شیکسپیر اور مولف جیسا رومانا رم نے اپنی تصنیفات میں ان قصوں سے بہت مدد لی ہے۔

اب اگر خود قصے پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں کوئی فوق العادت بات جو انسان کو بالطبع مرغوب ہے نہیں ہے بلکہ مصنف نے ساکیا منی کی ابتدائی حالات اور مذہب بودھ کے اخلاقی نصائح کو سیدھے سادے طور پر بیان کر دیا ہے اور اُسکا خلاصہ یہ ہے۔

ہندوستان میں ایک عظیم الشان بادشاہ تھا جسکا نام جنیر تھا اور جو ہوا و ہوس نفسانی میں مبتلا اور حقانیت و رہبانیت سے سخت متنفر تھا جاہ و مال کی کثرت مگر اولاد کی کمی تھی لیکن آخر عمر میں ایک خوش جمال لڑکا پیدا ہوا جسکا نام یوذاسف رکھا گیا اور نجومیوں نے طالع دیکھکر بیان کیا کہ یہ لڑکا عابدوں اور اہل دین کا پیشوا ہوگا۔ بادشاہ کو نجومیوں کی پیشین گوئی سے بہت وحشت ہوئی اور ایک شہر خالی کرا کے وہاں لڑکے کو قابل اعتماد دائیوں اور کھلائیوں اور خدمتگاروں کی نگرانی میں رکھا اور سبکو تنبیہ کی کہ کبھی آخرت و غم۔ فنا و زوال کا ذکر ہونے سے بھی زبان پر نہ آنے پائے اور اس کے بعد اپنی طبیعت کے اقتضا اور مقصد کے تکمیل کی غرض سے عابدوں زاہدوں پر اسقدر ظلم ڈہایا کہ اکثر یا تو قتل ہوئے یا خود جلاوطن ہو گئے لڑکا جب بڑا ہوا تو سوا سے آداب شاہی کے اور کچھ اُسکو نہیں سکھلایا گیا مگر عقل اُسکی ایسی کامل اور ذہن نقاد تھا کہ وہ اپنی حالت کو سمجھ گیا اور ایک خدمتگار کو دہمکا کر ساری کیفیت

دریافت کرلی اور باپ سے بہت اصرار کے ساتھ آزادی حاصل کی اور بہت تزک و احتشام سے شہر میں سوار ہو کر نکلا۔ اگرچہ بادشاہ نے سخت اہتمام کیا تھا کہ کوئی امر کراہت و ناخوشی کا راہ بھر میں رہنے نہ پاوے مگر قضا و قدر نے اُسکو دو فقیروں سے دوچار کردیا جن میں سے ایک کے بدن پر سر سے پانوں تک ورم تھا اور رنگ اُسکا زرد ہو رہا تھا اور دوسرا اندھا تھا جسکو ایک شخص ہاتھ پکڑے ہوئے لیئے جا رہا تھا۔ یوذاسف نے پوچھا کہ کوئی ایسا شخص بھی ہے جو ان بلاؤں میں مبتلا ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔ سب نے کہا کہ نہیں۔ اس سے اُس کے دل پر بہت اثر ہوا اور چند روز کے بعد جب پھر سواری نکلی تو ایک معمر شخص نظر آیا جو ضعف پیری سے قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے تھا دریافت کیا کہ کیا سبھی کی یہ حالت ہو جاتی ہے۔ جواب ملا کہ ہاں۔ اس کے بعد پوچھا۔ کتنے دنوں میں سب نے کہا۔ کوئی سو برس میں پھر کہا۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے۔ جواب ملا۔ موت۔ پھر پوچھا کہ کیا آدمی جتنی عمر چاہتا ہے اسقدر ممکن ہے؟ سب نے کہا نہیں۔ یہ دو نشتر اُس کے دل پر ایسے لگے کہ اُسنے اپنی اصلی فطرت پر عود کیا۔ دنیا اُس کی نظر میں ہیچ ہوگئی اور اپنے رازدار خدمتگار سے درخواست کی کہ کسی اہل اللہ کو لائے۔ عابد و زاہد تو جو باقی رہے تھے وہ پہلے ہی بادشاہ کے ظلم سے جلاوطن ہو گئے تھے مگر ایک شخص بلوہر نامی یوذاسف کے عقل و کمال فکر و تدبیر کی شہرت سُنکر لنکا سے سوداگر کے بھیس میں چلا اور اُس خدمتگار کے ذریعہ سے یوذاسف سے ملا۔ یہ شخص عابد و زاہد ہونے کے علاوہ بڑا عقیل تھا۔ اُس نے شہزادہ کو دیکھتے ہی اُس کی سمجھ کا اندازہ کرلیا اور حکایات و امثال کے ذریعہ سے اُس کی تعلیم شروع کی۔ سب سے پہلے تو اُس نے علم کی عظمت اور جہل کی خرابی کو ثابت کیا اور بتایا کہ نصیحت کا اثر دل پر کس طرح ہونا چاہیئے اس کے بعد یکے بعد دیگرے مثالوں کے ذریعہ سے اُس نے دنیا کی فریب دہی اور اہل

دنیا کے فریب کہانے اور اُن کی خود فراموشی اور ترک دنیا اور خوبی آخرت کی عمدگی اور بدی کی خرابی کو شہزادہ کے دلنشین کیا اور راہ حق کو مختلف پیرایوں سے بتایا اور حق و باطل میں تمیز کرائی اور منصب پیغمبری کے فضائل اور بت پرستی کی گمراہی کو ظاہر کیا غرض کہ اُسنے چند ہی روز میں شاہزادہ کو دنیا و جاہ و حشم دنیا سے متنفر کر کے ترک دنیا اور خلایق کو راہ راست پر لانے کی ہدایت کرنے پر آمادہ کر دیا۔

اسی اثنا میں بادشاہ کو بلوہر کی طرف سے شبہ ہو گیا اس لیئے بلوہر چلا گیا۔ اور بادشاہ ایک جادوگر راکس نامی کو اپنے ساتھ لیکر بلوہر کی تلاش میں جنگل کی طرف گیا بلوہر تو نہ ملا مگر زاہدوں کا ایک گروہ ملا جنکو اُس نے سخت اذیت سے قتل کرایا اور پھر یوذاسف سے ملکر اُسکو اپنے آبا و اجداد کے قصے سُنا کر جو بودھ کے بہت بڑے پیرو تھے اپنا ہمراہی بنانا چاہا۔ مگر اُس نے اولٹا قائل کر دیا۔ اس کے بعد بادشاہ اور شاہزادہ میں سب لوگوں کے سامنے مباحثہ ہوا اور راکس۔ بلوہر کی شکل میں شاہزادہ کی مدد کے لیئے آیا۔ مگر شاہزادہ پر پہلے ہی تمام راز افشا ہو چکا تھا اس لیئے راکس کو بھی سوا اُس کی اطاعت کے کچھ چارہ نہوا اور بالآخر اُسپر ایمان لے آیا۔ پھر راجہ نے ایک جوگی پھون نامی کی صلاح سے چار ہزار عورتیں شاہزادہ کے محل میں داخل کیں اور اُس کی تمام خدمتیں اُنہیں کے سپرد کیں عورتیں عجب ناز و انداز سے اُسکو اپنی طرف مائل کرنے لگیں۔ ایک عرصہ تک تو یوذاسف پر کسی کا جادو نہ چل سکا لیکن بالآخر ایک راجہ کی لڑکی کے زاہد فریب کرشموں نے اُسے اپنی طرف مائل کر لیا یہاں تک کہ ہم بستری کی نوبت پہنچی اور اُس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام سال رکہا گیا لیکن یوذاسف بہت ہی جلد اُس کے دام سے نکلگیا اُس نے عالم رویا میں بہشت کی سیر کی اور پھر دنیا کا عیش و آرام اُس کی نظر میں ہیچ ہو گیا۔ اسکے بعد

یوذاسف اور بہون سے مباحثہ ہوا اور بہون نے اُس کی ہدایت سے راہ رست اختیار کی پھر نیکی کے فرشتہ نے آکر اُسکو بشارت دی اور وہ چند روز بعد اُس کی رہبری سے اُٹھ کھڑا ہوا اور تزک واحتشام شاہی کو خیرباد کہکر جنگل کی راہ لی اور جرلبی کی طرف بڑہنا شروع کیا اور چلتے چلتے ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں ایک شفاف چشمہ کے کنارے پر ایک سرسبز و شاداب اور پہولا پہلا درخت دیکھا جسکا میوہ نہایت لذیذ اور جس کی شاخوں پر بیشمار پرند بیٹھے ہوئے تھے اس درخت کو دیکھکر بہت خوش ہوا اور سمجھا کہ درخت بجائے خوشخبری ہدایت کے ہے جو مجھے پہنچی ہے اور پانی کا چشمہ بجائے علم وحکمت کے ہے اور پرند بجائے اُن کثیر التعداد لوگوں کے ہیں جو مجھسے ہدایت پائینگے اُس کے بعد چار فرشتے اُسے نظر آئے اور انہوں نے اُسکو یکے بعد دیگرے ایسی تعلیم دی کہ اُسپر نشاء اولے یعنی عالم ارواح اور نشاء وسطے یعنے عالم اجسام اور نشاء اخری یعنے قیامت کا راز پوری طرح کہلگیا اور ان چاروں فرشتوں میں سے ایک شخص ہمیشہ اُس کے ساتھ رہا اور پہر لوگوں کو ہدایت کرتا ہوا اپنے باپ کے ملک میں آیا اور اُسکو اور اُس کی رعایا کو راہ رست پر لایا اور وہاں سے دوسرے بہت سے شہروں میں گیا اور آخر کار کشمیر میں پہنچکر لوگوں کو ہدایت کی اور اپنے مرید اباہل کو اپنا قائم مقام کرکے رہگرائے عالم بقا ہوا۔

یہ ایک نہایت عجیب وغریب بات ہے کہ ملک کشمیر میں ابہی تک ایک نہایت پُرانا مزار موجود ہے جو یوذاسف نبی کا مزار کہلاتا ہے۔ اس سے دو باتیں مستنبط ہوتی ہیں ایک تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قصہ کی کچھ اصلیت ہے اور یوذاسف (بودھ ست) جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے مذہب بودھ کا مجدد تہا۔ دوسرے صدی عیسوی کے قریب مذہب بودھ کا تسلط کشمیر پر بہی ہوگیا تہا۔ یوذاسف وبلوہر کا یہ تو اصلی خاکہ ہے لیکن یونانی گلکاری اسپر

اتنی اور ہوئی کہ ابتدا میں تو یہ بڑہا دیا کہ سینٹ ٹامس نے ہندوستان میں دین مسیحی کی ترویج کی تہی اور جب مصر میں رہبانیت کا طریقہ نکلا تو ہند میں بہی بہت سے لوگوں نے اُسکو اختیار کرلیا۔ چند روز بعد ہندوستان میں ایک جابر بادشاہ ابنیر نامی ہوا جسکو عیسائیوں سے سخت نفرت تہی اور اُسنے تمام رہبانوں کو اپنے ملک سے نکالدیا۔ اتنے تغیر کے بعد قصہ اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے صرف اتنا فرق ہے کہ شاہزادہ کا نام بجائے یوذاسف کے جوزافٹ ہے اور بلوہر کا بارلام ہے اور بارلام بجائے لنکا کے مقام سنار یئس واقع مصر سے چلا ہے اور شہزادہ کو دین مسیحی کی تعلیم دیتا اور رہبانیت کی طرف مائل کرتا ہے اور دلچسپی بڑہانے کے لیئے آخر میں اسقدر اضافہ کردیا ہے کہ اتفاق سے بادشاہ نے ایک جادوگر ہٹیوڈاس نامی کو متعین کیا جس نے اپنے منتر کے زور سے شہزادہ کے پاس بجائے خدمتگاروں کے زہرہ جبیں عورتیں جو عجب عشوہ و ناز سے اپنی طرف مائل کرتی تہیں موجود کردیں مگر جب اُن کے زاہد فریب کرشموں اور توبہ شکن غمزوں کا بہی شاہزادہ کے دلپر کچھ اثر نہوا تو بادشاہ نے اُسکو بہی کاروبار سلطنت میں شریک کرلیا اور چند روز کے بعد شہزادہ کی صحبت سے خود بہی دین حق قبول کیا اور اُس کے چند سال بعد راہی ملک بقا ہوا۔ جوزافٹ نے ایک دوست براکیس نامی کو سلطنت دیکر جنگل کی راہ لی۔ اور دو برس کی تلاش و جستجو اور سیکڑوں بہوتوں اور دیوؤں کے مکر و فریب پر غالب آنے کے بعد بارلام سے ملاقی ہوا مگر وہ چند روز بعد مرگیا جس کے بعد جوزافٹ مدتوں تک رہبان کی حیثیت سے زندگی بسر کرکے راہی ملک بقا ہوا۔ اس کے بعد بادشاہ براکیس جنگل میں آکر ان دونوں اولیاء کی نعشوں کو بنگالہ لیگیا جہاں اُنسے بہت سی کرامتیں ظہور میں آئیں

سلہ ست بچن مولفہ مرزا غلام احمد قادیانی۔

عیسائیت کا جو روغن کہ یونانی مترجم نے اس قصہ پر چڑھایا ہے اُس کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ میں اُس زمانہ میں جہل و نادانی کا کیسا زور و شور تھا کہ کوئی مذہبی کتاب بھی خواہ اُس میں کیسے ہی اخلاقی مضامین درج ہوں اُسوقت تک مقبول نہو سکتی تھی جب تک کہ اُس میں فوق العادت اور خلاف عقل امور کو درج کر کے رنگ آمیزی نکی گئی ہو۔ لیکن برخلاف اس کے ہندی مصنف نے جو صدی عیسوی سے پیشتر گزرا ہے اپنے سامعین کے تربیت پذیر دلوں کو مخاطب کرنے کے لئے کسی ایسی چیز کی بہت ہی کم ضرورت سمجھی اور نہ مسلمانوں نے عیسائیوں کی طرح قصہ کو بددیانتی سے اپنے خیالات کے مطابق بنانے کی کوشش کی۔ یہ امر کسقدر تعجب خیز ہے کہ اُس بودھ قصہ نے کیسی آسانی سے عیسائیت کا قالب قبول کر لیا لیکن اُس کی اصل وجہ یہ ہے کہ عیسائیت میں بھی مذہب بودھ کی طرح روحانیت پر زور دیا گیا ہے اور رہبانیت کو روحانی ترقی کا زینہ قرار دیا گیا ہے بلکہ فرقہ کیتھولک کے رہبانوں کے عقائد اور طرز عبادت اور لباس فرقہ بودھ کے رہبانوں سے اسقدر ملتا ہوا ہے کہ بعض محققین کا تو یہ خیال ہے کہ دراصل طریقۂ رہبانیت عیسائیت میں مذہب بودھ ہی سے آیا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے کافی صراحت سے بیان کر دیا ہے کہ قصہ کی اصل ہیئت کیا تھی اور متعصب عیسائیوں کے ہاتھ میں جا کر کیا ہوئی اور اب ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس سیدھے سادے قصہ میں کونسی ایسی بات ہے کہ جس کی بدولت اُسکا ایسا عمیق اثر مغرب و مشرق کے اخلاق پر پڑا ہے۔ اگر فطرت انسانی کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر شخص کے دل میں ایک پر زور و خود فراموش گر بظاہر غیر محسوس ناقابل فہم کشش نامعلوم کی طرف ہوتی ہے اور اس کی جستجو کو ہم اپنی ناقص فطرت کے

کمال کے لیئے ضروری سمجھتے ہیں۔ اسوجہ سے ہمارے بہترین جذبات وہی ہوتے ہیں
جنکو محسوسات فی الخارج سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور اسی لحاظ سے ہر مذہب نے آخرت
دفنا و زوال پر زور دیا اور ترقی روحانی کو نجات ابدی کے حصول کے لیئے لازم سمجھا ہے
یوذاسف و بلوہر کے مصنف نے جو فطرت انسانی کا بہت بڑا مبصر تھا اس قسم کے اُمور کو
اپنا رہبر طریق بنایا ہے اور نہایت عمدگی سے بتایا ہے کہ دنیا دیرینہ آباد فنا ہے اور اگر کچھ کارآمد
ہے تو صرف اسی لحاظ سے ہے کہ اُسکو نجات اُخروی کے حصول کا ذریعہ بنا سکتے ہیں۔ اور
یہ کہ آلام و افکار دنیاوی کے پنجہ سے نکلکر حیات ابدی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ اسیوجہ سے
اس کتاب کا فقرہ فقرہ ہر شخص کے دل پر خواہ اُسکا کچھ ہی مذہب ہو نشتر کا کام کرتا ہے اور
مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس کے علاوہ اُس کی نظر اسقدر عمیق ہے کہ جو بات
لکھتا ہے وہ فطرت انسانی کے اسقدر مطابق ہوتی ہے اور ایسے انداز سے لکھتا ہے کہ اُسکا
اثر براہ راست دل پر پڑتا ہے۔ ایشیا میں خدا کے بعد بادشاہ کا درجہ سمجھا جاتا ہے اور اسیلیئے بیدار مغز
مصنف نے اپنے کلام کو پُر اثر بنانیکے لیئے جو حکایت بیان کی ہے وہ عموماً کسی نہ کسی بادشاہ سے
منسوب ہے اور بلوہر کے مونہ سے بادشاہوں کا ذکر اسوجہ سے اور بھی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک
شہزادہ کو تعلیم دے رہا ہے لیکن مصنف کا اصل کمال یہ ہے کہ وہ معمولی روزمرہ کی باتوں سے ایسا
نتیجہ نکال دیتا ہے جو صدہا برس کے تجربہ کا ثمرہ معلوم ہوتا ہے اور دل پر نشتر کا کام کر جاتا ہے۔
جس اُصول کو ہاتھ میں لیتا ہے اُس کے متعلق ایسی مثال دیتا ہے کہ دل میں اُتر جاتی ہے
چنانچہ دنیا اور اہل دنیا کے فریب کھانے کو مست ہاتھی اور ایک شخص کی مثال سے جو اُس کے
خوف سے کوئیں میں جا پڑا کیا اچھی طرح ذہن نشین کیا ہے۔ اسی طرح ترک دنیا کے نتائج کو
کیسی خوبی سے امیرزادہ کی فقیر کی بیٹی سے شادی کرنے کی مثال سے دل میں اُتار دیا ہے۔

(صفحہ ۱۹۱)

ایم۔ای۔او۔ کالج کرکٹ کلب

ہمارے کرکٹ کلب کی ترقی ہمارے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اب کے سال وہ اپنے ٹور میں سب جگہ سے کامیاب واپس آئے۔ اب ہمارے کلب کا بمبئی کے پارسیوں سے ایک میچ ہونا قرار پایا ہے۔ قریباً ۱۷ یا ۱۸ اکتوبر کو میچ ہمارے کالج کے میدان میں ہوگا۔ یہ پارسیوں کی ٹیم وہی ہے جس نے لارڈ ہاک کی انگریزی ٹیم کو پہلی دفعہ ہرا دیا تھا۔ اب دیکھتے ہیں ہمارے کلب کے ساتھ کیا فیصلہ ہوتا ہے۔

مولوی نظام الدین صاحب بی۔اے۔ ایل۔ایل۔بی۔ جج ہائی کورٹ حیدرآباد دکن نے بڑی فیاض دلی سے مبلغ صہ/ اپنی طرف سے اور مبلغ ما/ اپنے صاحبزادہ ناظر الدین حسن کی طرف سے جو ہمارے کالج کا طالب علم ہے کرکٹ کے پویلین فنڈ میں عنایت کیے ہیں ہم کلب کی طرف سے انکا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ضرورت ہے

تین چار اُمیدواروں کی جو کلارک بننا چاہتے ہوں۔ تنخواہ ابتدائی ۳۰ روپیہ ماہوار ہے۔ ترقی کی اُمید ما/ روپیہ ماہوار تک ہے۔ اور یہ بھی اُمید ہے کہ اگر وہ اچھی طرح اپنے فرائض کو ادا کریں گے تو آخر کار سا/ ماہوار تک بھی نوبت پہنچ جائیگی۔

ان آسامیوں کے لیئے صرف مدرستہ العلوم علیگڈہ کے وہ طالب علم درخواست کریں

جنھوں نے امتحان انٹرنس پاس کیا ہو۔ اور درخواستیں پرنسپل صاحب مدرسۃ العلوم علی گڈھ کے پاس آنی چاہئیں۔

مینیجر کا نوٹس

ہمکو اُمید ہے کہ ہمارے سبسکرائبران دو مہینوں ستمبر اور اکتوبر میں صرف اُردو حصہ میگزین پر ہی قناعت کریں گے کالج کی تعطیلوں کی وجہ سے پراسپکٹس میگزین میں صرف ۱۰ پرچے سال میں نکالنے کی تجویز ظاہر کی گئی تھی۔ مگر چونکہ ہمارے مخدوم مولوی شبلی صاحب نعمانی اُردو اڈیٹر اُردو مضامین مہیا کرنا پسند فرماتے ہیں لہذا یہ دو پرچہ صرف اُردو میں نکالے جاتے ہیں

ہمارے بہت سے ناظرین کے ذمہ میں چندہ بہت عرصہ سے باقی ہے اور چونکہ میگزین کالنے تھوڑے سے چندہ پر جب تک کہ وہ پورا نہ وصول ہو جائے خرچ چلنا مشکل ہے لہذا اب بزرگوں سے درخوست کیجاتی ہے کہ جسوقت اُن کے پاس پوسٹ کارڈ تقاضا پہنچے فوراً اپنا چندہ ارسال فرما دیں۔

اشتہار

قوم کے تاجر اور پیشہ ور اصحاب کو واضح ہو کہ یہ پرچہ اشتہارات کے لئے نہایت عمدہ ذریعہ ہے اُجرت ۲ ر فی سطر اور عما فی صفحہ معمولی ہے۔ درخواستیں معہ اُجرت کے اس پتہ سے آئیں۔ نیاز محمد خاں۔ مدرسۃ العلوم علی گڈھ۔ مینیجر کالج میگزین۔

(مطبع العلوم)

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین

نمبر ۸	یکم ماہ اگست سنہ ۱۸۹۶ ع	جلد ۳

فہرست مضامین

انگریزی

مطبع انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتاز الدین کے اہتمام سے چھپا

کالج میگزین

قریبا پانچ برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اُردو ملا ہوا - علیگڈہ کالج سے نکلنا شروع ہوا — اول اول وہ علیگڈہ انسٹیٹیوٹ کا ضمیمہ بنکر نکلتا رہا - لیکن سنہ ۱۸۹۴ ع میں اُس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی - اُسکے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اُس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے - اور اسوجہہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپی نہ تھی *

اس خیال سے اس کے منتظموں نے اس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جاے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ - مسلمانوں کے علوم و فنون - تاریخ اور لٹریچر کے متعلق — مفید اور پر زور مضامین لکھے جائیں - اس غرض سے اس کے ۲۴ صفحہ بالکل اُردو کے لیئے مخصوص کردیئے گئے - اور اس صیغہ کا اہتمام مولوی شبلی صاحب نعمانی نے اپنے ذمہ لیا اور وعدہ فرمایا ہی کہ اس کی ترقی میں وہ حتی الامکان کوشش فرمائینگے *

ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی - نواب محسن الملک - مولوی نذیر احمد - اور منشي ذکاءالله وغیرہ بزرگوں نے اس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہی - اور اہل قلم بھی اگر اسکی اعانت فرمائینگے تو ہم نہایت فخر کے ساتھہ قبول کرینگے *

ہمکو اُمید ہی کہ ہندوستان کی اسلامی جماعت خریداری سے اس کی اشاعت میں مدد دیگی - میگزین کے کل صفحات ۳۰ ہیں اور قیمت معہ محصول ڈاک — (ے) *

اس میں اشتہارات بھی ۲/ في سطر کے حساب سے درج ہوا کرینگے ایک صفحہ کے چھپوانے والوں سے صرف ایک ماہ میں لیئے جائینگے *

تھیو ڈور بیک اڈیٹر انگریزی
مولوی شبلی نعمانی اُردو ایڈیٹر
نیاز محمد خاں — منیجر

تجارت کا اثر عقل و اخلاق پر

جس طرح بڑے بڑے کامیاب تاجر نوکری کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اُسکو ایک ادنےٰ درجہ کی غلامی اور آزادی کی برباد کرنے والی سمجھتے ہیں اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے علم وفضل یا مناصب وخدمات کی وجہ سے امتیاز حاصل کیا ہے بیوپار اور دوکانداری کو قوائے ذہنی اور عقل واخلاق کے حق میں نہایت مضر بتاتے ہیں، مگر حق یہ ہے کہ تجارت میں ہمیشہ وہی لوگ کامیاب ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں جن کے اخلاق درست اور عقل سلیم ہوتی ہے۔ ایک لائق مصنف لکھتا ہے کہ "تجارت کے برابر کوئی چیز انسان کے اخلاق کی کسوٹی نہیں ہے۔ ایک عالم جو محض کتابوں کے مطالعہ اور فلسفیانہ استدلال واحتجاج میں آئے دن مصروف رہتا ہے وہ خود نہیں جانتا کہ میں کیا چیز ہوں؟ اگر وہ اپنی حقیقت سے آگاہ ہونا اور اپنی عقل اور اخلاق کی آزمایش کرنی چاہتا ہے تو اُسکو چاہیئے کہ بازار میں قدم رنجہ کرنے اُسکو بہت جلد معلوم ہو جائیگا کہ وہ دانشمند اور نیک آدمی ہے یا احمق اور شریر النفس؛ اُس کی کامیابی اور ناکامی خود اُسکو اپنی حقیقت سے خبردار کر دیگی"۔ پس جو قوم تجارت سے کچھ تعلق نہیں رکھتی اُس کے کسی فرد کی نسبت قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دانشمند یا نیک نہاد ہے یا احمق اور بدنہاد۔

اگرچہ تاجر ہمیشہ مذہب یا کانشنس کی ہدایت سے اپنے اخلاق کی اصلاح نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی کامیابی اسی میں سمجھتا ہے کہ اُس کی دیانت داری، خوش معاملگی، اور راستبازی پر لوگوں کو اعتماد ہو۔ لیکن جیسا کہ خصائل انسانی کا خاصہ ہے رفتہ رفتہ یہ خصلتیں جو اُس نے بضرورت اختیار کی تھیں اُسکی طبیعت ثانی بنجاتی ہیں۔

یہ کہنا کہ تجارت قوائے عقلیہ کے حق میں مضر ہے واقع کے بالکل برخلاف ہے جسقدر تاجر کو اپنی عقل وتدبیر سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے ایسی اور کسی پیشہ والے کو نہیں ہوتی نوکری پیشہ کو اپنی نوکری پر قائم رہنے یا ترقی حاصل کرنے کے لیئے صرف اپنے معمولی فرائض ادا کرنے کی ضرورت ہے اور کسان کی کامیابی فقط اُس کی محنت اور بخت واتفاق پر موقوف ہے۔ مگر تاجر کو باوجود اُن تمام فرائض کے جو ایک سچے تاجر کو ادا کرنے ضرور ہیں ہر وقت عقل سے مشورہ لینے اور ایک شطرنج باز کی طرح نت نئی چال چلنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ہروقت زمانہ کے تیور دیکھتا اور پبلک کے دل ٹٹولتا ہے۔ ایک وقت اُسکو قرض لیکر کام چلانا بہت مفید پڑتا ہے مگر دوسرے وقت قرضہ کی بدولت اُسکو نقصان عظیم اُٹھانا پڑتا ہے۔ اُسکو اپنے گاہکوں کی نسبت فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ کن کو نقد سودا دینا چاہیئے اور کن کو اُدھار پر۔ کبھی نہایت قلیل فائدہ پر بلکہ برابر سرابر مال فروخت کر ڈالنا اُس کے حق میں مفید ہوتا ہے۔ اور کبھی اُس کے فروخت کرنے میں جسقدر زیادہ دیر ہوتی جاتی ہے اُسی قدر اُس کی قیمت بڑھتی جاتی ہے۔ اکثر اوقات اُسکو فائدۂ کثیر کے لالچ میں راستبازی کے خلاف عمل درآمد کرنے کی ترغیب ہوتی ہے مگر اسی کے ساتھ اس بات کا خوف بھی دامنگیر ہوتا ہے کہ اگر یہ راز کھل گیا تو اعتبار نہ رہیگا غرضکہ اسی قسم کی بے شمار حالتیں جنمیں انسان متردد ہوتا ہے کہ کونسی جانب اختیار کیجائے تاجر کو قدم قدم پر پیش آتی ہیں اور اُسکو عقل وتدبیر سے کام لینے اور کامل

غور و فکر کرنے پر مجبور کرتی ہیں اور اس طرح تاجر کی عقل معاش روز بروز جلا پاتی جاتی ہے۔ مگر نوکری پیشہ یا کاشتکار کو ایسے مرحلے بہت کم پیش آتے ہیں۔ وہ معمولی قواعد کے شارع عام پر آنکھیں بند کئے چلے جاتے ہیں۔ نوکری پیشہ اگر اپنے فرائض دیانت اور محنت کے ساتھ انجام دیتا ہے تو اُسکو اس بات کا مطلق اندیشہ نہیں کہ میری وجہ معین میں کچھ کمی واقع ہوجائیگی۔ کاشتکار کی کامیابی زیادہ تر آسمانی مدد پر منحصر ہے جس میں انسانی عقل و تدبیر کو کچھ دخل نہیں اس لیئے پہلا عدم ضرورت کے سبب اور دوسرا عدم قدرت کے سبب عقل اور تدبیر سے بہت کم کام لیتا ہے۔ مگر تاجر خوب جانتا ہے کہ ذرا چال چوکا اور مصیبت میں گرفتار ہوا اس لیئے اُسکو پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جو قوم تجارت سے کچھ تعلق نہیں رکھتی اور نوکری کے سوا کسی اور ذریعہ معاش پیدا نہیں کرتی چند نسلوں کے بعد اُن میں تدبیر معاش کا مادہ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ جسطرح کسی عضو کے معطل و بیکار رکھنے سے اُس کی قوت زائل ہوجاتی ہے اور اُس میں سکت باقی نہیں رہتا اسی طرح قوائے ذہنیہ سے جب کچھ کام نہیں لیا جاتا تو وہ بالکل از کار رفتہ ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ اُس قوم میں مستثنےٰ امثالیں ایسے اشخاص کی پائی جائیں جو اعلیٰ درجہ کی عقل معاش رکھتے ہوں لیکن ایسے مستثنیات سے قاعدۂ کلیہ نہیں ٹوٹ سکتا۔

اس دعوی کے ثبوت میں ہمکو کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں؛ ہندوستان کے مسلمانوں کی مثال اس کے ثبوت کے لیئے کافی ہے۔ جہاں تک غور کیا جاتا ہے ہندوستان کی قوموں میں عقل معاش کے لحاظ سے جیسے مسلمان ہیٹے معلوم ہوتے ہیں ایسی کوئی قوم نہیں معلوم ہوتی؛ خصوصاً عرب، ایران اور توران کے لوگ جو مسلمان فتحمندوں کے ہمراہ ہندوستان میں آئے اور نسلاً بعد نسلٍ فوجی اور ملکی خدمات پر مامور ہوتے رہے اُنکی نسلوں میں تدبیر

معاش کا مادّہ بہت کم پایا جاتا ہے۔ کسی قوم کی عقل معاش کا اندازہ دو طرح سے ہو سکتا ہے اولاً موجودہ دولت کے قائم رکھنے یا اُسکو ترقی دینے سے دوسرے عندالضرورت ایسے وسائل بہم پہنچانے سے جنسے دولت و آسودگی حاصل ہو۔ سو ہم مسلمانوں پر دونوں طرح سے نظر ڈالتے ہیں جہاں تک کہ مذکورۂ بالا نسلوں کے مسلمانوں کا حال ہمکو معلوم ہے ہم ایسی مثالیں بہت کم پاتے ہیں کہ کسی ایسے خاندان میں جس کی نگرانی گورنمنٹ کے ہاتھ میں نہو دو چار پشت تک دولت و آسودگی یکساں حالت پر یا ترقی روزافزوں کے ساتھ باقی رہی ہو۔ اکثر یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ جو کچھ باپ نے عمر بھر میں جمع کیا تھا بیٹے نے باپ کے مرتے ہی اُسکو چند روز میں اُڑا دیا۔ ناعاقبت اندیشی اور اسراف جو حماقت اور بیدانشی کی نمایاں علامتیں ہیں وہ مسلمانوں کی قومی خصلتیں بن گئی ہیں۔ باپ کیسا ہی دولتمند اور آسودہ حال ہو زیادہ سے زیادہ اُس کی اولاد کی اولاد کی نسبت پیشین گوئی کیجا سکتی ہے کہ وہ محتاج ہوگی یا تنگ معاش جنکے پاس نقد روپیہ ہے مگر آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں وہ اُس روپیہ کو بیدریغ خرچ کرتے چلے جاتے ہیں کبھی بھول کر بھی اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ جب یہ روپیہ نبڑ جائیگا اُسوقت کیا حال ہوگا۔ جائداد والے دھڑا دھڑ جائدادیں فروخت کرتے ہیں اور مطلق انجام کی فکر نہیں کرتے۔ جن کے پاس نہ روپیہ ہے اور نہ جائداد مگر اُنکو کم و بیش سود پر قرض روپیہ ملجاتا ہے وہ اُسکو ایسی فراخ دلی سے خرچ کرتے ہیں جیسے کوئی اپنے سرمایہ کو خرچ کرتا ہے۔ سودی قرض لیکر بیاہ شادیوں میں خرچ کرنا تو ایسا عام ہے کہ اس سے شاید کوئی مسلمان بھی خالی نہوگا بجبکہ موجودہ روپیہ کو وہ اپنی حالت پر قائم و برقرار نہیں رکھ سکتے تو ظاہر ہے کہ اُسکو ترقی دینے کی اُنسے کیا اُمید ہو سکتی ہے۔

"رہی دوسری بات یعنی عندالضرورت جائز وسیلوں سے معاش پیدا کرنی اور اپنی ذاتی

کوشش سے اپنی حالت کو درست کرنا سو اس لحاظ سے بھی مسلمانوں کے قدیم خاندانوں کی حالت نہایت سقیم نظر آتی ہے۔ تجارت، زراعت یا دستکاری کے ذریعہ سے وہ معاش پیدا کرنی بالکل نہیں جانتے۔ چونکہ اُن کے آبا و اجداد نے ہندوستان میں آکر نوکری کی سوا کسی دوسرے ذریعہ سے معاش پیدا نہیں کی اس لیئے اول تو بجز نوکری کے کسی دوسرے ذریعۂ معاش کا اُنکو خیال ہی نہیں آتا؛ وہ جس طرح مسلمان کی اولاد کا مسلمان ہونا ضروری سمجھتے ہیں اسی طرح نوکری پیشہ کی اولاد کا نوکری پیشہ ہونا ضروری خیال کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی مجبور ہو کر بیوپار، دوکانداری یا کاشتکاری اختیار کرتا ہے تو جہاں تک ہمکو معلوم ہے مستثنےٰ صورتوں کے سوا ہمیشہ اُس میں ناکامی ہوتی ہے۔ رہی ملازمت جسکو وہ اپنا موروثی پیشہ سمجھتے ہیں اُس میں بھی اُنکی مقدار اسقدر قلیل ہے کہ گویا بالکل نہیں اوّل تو سرے سے عام مسلمانوں ہی کی تعداد سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں بمقابلہ ہندوستان کی دوسری قوموں کے نہایت کم ہے اور بہر خاصکر مسلمانوں کی مذکورۂ بالا نسلیں جو ہمقام پر زیر بحث ہیں اُنکا گورنمنٹ سروس میں اتنا بھی حصہ نہیں جتنا کہ آٹے میں نمک۔ اسکا سبب چاہو یہ قرار دو کہ اُنہوں نے اپنے تئیں گورنمنٹ کی خدمات کے لائق نہیں بنایا اور چاہو یہ سمجھو کہ چونکہ اُن کے آبا و اجداد کو کسی فارن گورنمنٹ میں نوکری کی خاص لیاقت بہم پہنچانے کی ضرورت نہ تھی اس لیئے ہر ڈیڑی جنیس کے قاعدہ کے موافق اولاد میں بھی اُس کی لیاقت پیدا نہیں ہوئی؛ دونوں صورتوں میں نتیجہ یہ نکلیگا کہ مذکورۂ بالا نسلوں کے مسلمان عقل معاش کے لحاظ سے اپنی تمام ہموطن قوموں سے نہایت پست حالت میں ہیں اور اسکا سبب جہاں تک غور کیا جاتا ہے اس سے بہتر خیال میں نہیں آتا کہ پشت ہا پشت سے اُنکا ذریعۂ معاش صرف اسلامی سلطنتوں کی ملازمت میں منحصر رہا اور تجارت سے جو کہ

عقل کی ترقی دینے والی اور جلا کرنے والی ہے کبھی اُنکو سروکار نہیں رہا۔

جس طرح تجارت سے قومی عقل معاش ترقی پاتی ہے اسیطرح بہت عمدہ اخلاق اور عمدہ خصلتیں صرف تجارت ہی کے ذریعہ سے تمام قوم میں شائع ہوتی ہیں۔ جُزرسی اور کفایت شعاری جس کے بغیر کسی خاندان بلکہ کسی قوم کا وقار دنیا میں قائم نہیں رہ سکتا صرف تجارت ہی کے بدولت تمام قوم میں سرایت کرتی ہے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ ہر ایک قوم میں خواہ وہ قوم تجارت پیشہ ہو اور خواہ نوکری پیشہ کچھ افراد جُزرسی اور کفایت شعاری کے ساتھ موصوف پائے جائیں لیکن ہمارے نزدیک کوئی قوم عام طور پر جُزرس اور کفایت شعار نہیں ہوسکتی جب تک کہ عام طور پر اُس میں تجارت شائع نہو۔

یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی وہ مسلمان قومیں جو ابتدا سے روزگار پیشہ چلی آتی تھیں اُن کی نسل میں رفتہ رفتہ جُزرسی اور کفایت شعاری کا مادّہ بالکل معدوم ہوگیا ہے۔ ایک شریف مسلمان جو ہمیشہ اپنے دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ سلوک کرتا رہتا تھا اُسکا افسوس کے ساتھ یہ کہنا ہمیشہ یاد رہیگا کہ "اگر میں اپنے کسی بے مقدور مسلمان کا دس روپیہ مہینہ ہمیشہ کے لیئے مقرر کردوں تو بھی مجھے اُمید نہیں کہ وہ اپنی حالت درست کرسکے؛ لیکن اگر میں اپنے کسی بمقدور ہندو دوست کو ایک دفعہ دو روپیہ دیدوں تو مجکو یقین ہے کہ وہ اُنہیں دو روپیوں سے رفتہ رفتہ اپنی حالت درست کرلیگا اور پھر کبھی مجھسے مدد کا خواستگار نہوگا۔"

تجارت کے اُصول جن کی پابندی کرنی تاجر کو لازم ہوتی ہے خود بخود اُسکو جُزرس اور کفایت شعار بنا دیتے ہیں۔ ایک مہاجن کی نقل مشہور ہے کہ "اُسکا بیٹا آوارہ اور بدچلن ہوگیا تھا۔ اُس نے باپ کی بہت سی دولت اُس کی زندگی ہی میں اُڑادی ہرچند باپ ملامت اور نصیحت کرتا تھا مگر اُس کے کان پر جوں نہ چلتی تھی۔ آخر جب مہاجن مرنے لگا تو اُس نے

بیٹے کو وصیت کی کہ جو کچھ مال و دولت میں چھوڑتا ہوں اس کے خرچ کرنے نہ کرنے کا تجکو اختیار ہے کیونکہ تیرے سوا میرا کوئی وارث نہیں۔ لیکن میں ایک نصیحت کرتا ہوں اسکو کبھی نہ بھولنا۔ ایک سے لیکر ہزار تک جو کچھ خرچ کرے اور جو کچھ خرچ کے بعد باقی رہا کرے اُسکو ہر روز بہی میں لکھ لیا کیجو اور ہمیشہ آج کا حساب کل اور کل کا حساب پرسوں دیکھتا رہیو۔ بیٹے نے ایسا ہی کیا اور چند ہی روز میں جب اُس نے دیکھا کہ سرمایہ روز بروز گھٹتا جاتا ہے دفعتہً اُس کی آنکھیں سی کُھل گئیں اور اپنے گھر کو سنبھال لیا۔"

جس طرح تجارت سے جُزرسی اور کفایت شعاری کی بنیاد تمام قوم میں پڑتی ہے اسی طرح تحمل، بُردباری، نرمی اور موافقت بغیر تجارت کے کسی قوم کی قومی خصلت نہیں بنتی۔ جس طرح سلطنت اور حکومت کا میلان ظلم اور تشدد اور غرور و نخوت کی جانب ہوتا ہے اسی طرح تجارت کا اقتضا یہ ہے کہ وہ تند مزاجوں کو دھیما، مغروروں کو خاکسار، سخت کلاموں کو شیریں زبان اور جباروں کو منکسر المزاج بناتی ہے۔ تاجر کی ضرورتیں ایسی ہیں کہ جب تک وہ تحمل و بردباری اور شیریں زبانی اختیار نہ کرے ہرگز اپنے پیشہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایک مصنف لکھتا ہے کہ "دنیا میں سب سے زیادہ خوش اخلاق اور شیریں زبان یہودی لوگ ہیں؛ نہ فرانسیسی، نہ اٹلی والے اور نہ جرمن۔ اور یہی وجہ ہے کہ دنیا میں کوئی قوم یہودیوں کے برابر دولتمند نہیں" اسی سبب سے جو قومیں تجارت پیشہ ہوتی ہیں ایک مدت کے بعد اُن کی نسلیں فطرۃً ان خصلتوں پر مجبول پیدا ہوتی ہیں۔ کیونکہ اولاد کے جسمانی اور نفسانی قوے اپنے آبا و اجداد کے جسمانی اور نفسانی قویٰ کے تابع ہوتے ہیں۔ جسطرح قوی اور تنومند ماں باپ کے اولاد تنومند ہوتی ہے اسی طرح متحمل و بُردبار ماں باپ کی اولاد مستثنےٰ صورتوں کے سوا ضرور ہے کہ متحمل و بُردبار پیدا ہو۔

راستبازی اور خوش معاملگی بھی تجارت کی کامیابی کے لیئے نہایت ضرور ہے؛ کیونکہ جو تاجر راستباز اور خوش معاملہ نہیں ہوتا اُس کی ساکھ شہر یا ملک میں کبھی نہیں بندھ سکتی۔ اگر وہ فریب یا بد معاملگی سے کبھی کامیاب بھی ہوجاتا ہے تو بہت جلد اُسکا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ اس لیئے تاجر کو مجبوراً راستباز اور خوش معاملہ بننا پڑتا ہے۔ ہم ہمیشہ بازاروں میں اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ جو دوکاندار گاہکوں کو دھوکا نہیں دیتے اور اپنا مال سب کے ہاتھ ایک ہی نرخ سے بیچتے ہیں وہ چند روز میں اپنے ہم پیشوں سے سبقت لیجاتے ہیں؛ یہاں تک کہ اُن کی کامیابی دیکھکر اوروں کو بھی وہی طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے اور اس طرح ممکن ہے کہ رفتہ رفتہ تمام بازار میں راستبازی پھیل جائے۔

اگرچہ اس بات کا انکار نہیں ہوسکتا کہ دنیا میں ابھی تک راستباز تاجروں کی تعداد بمقابلہ جو فروش گندم نماؤں کے بہت کم ہے لیکن اس سے تجارت کے پاک دامن پر کوئی دھبہ نہیں لگتا۔ جس طرح علم کا خاصہ ہے کہ وہ براہ راست نیکی کی راہ سُجھاتا ہے، لیکن باوجود اس کے بہت سے اہل علم اپنی بداعمالیوں سے علم کو بدنام کرتے ہیں؛ اسی طرح اگرچہ تجارت براہ راست آشتی اور راستبازی کی تعلیم دیتی ہے لیکن نالائق تاجر چند روزہ منفعت کے لیئے بے دیانتی اور فریب اختیار کرکے تجارت کی پائدار برکتوں سے محروم رہتے ہیں۔

ایک دانشمند امریکن مصنف اپنے ملک کے تاجروں کو اس طرح نصیحت کرتا ہے کہ "جسقدر تمہاری تجارت میں راستبازی اور خوش معاملگی زیادہ ہوگی اُسیقدر تمہارا کام جلد ترقی کریگا۔ تجارت کی ذات میں بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے مگر انسان نے اپنی بدی سے اُسکو بُرا بنا دیا ہے اور اپنی خیانت اور بے دیانتی سے اُس کے پاک دامن پر

داغ لگایا ہے۔ اگر تم تجارت میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو تمام مکروفریب چھوڑ دو اور سانپ کی چال نہ چلو جو کمینہ پن سے بجائے پاؤں سے چلنے کے پیٹ کے بل چلتا ہے۔ بلکہ ایسا کرو کہ تمہاری دکانیں، گودام، او منڈیاں عزت اور دیانت داری کے مندر ہوں اور اپنی منڈیوں کے دروازوں پر کندہ کرادو کہ جو کوئی اس احاطہ میں داخل ہوگا اُسکو امان دیجائیگی"

اصل یہ ہے کہ جب تک کسی ملک کی تجارت وہاں کے تعلیم یافتہ گروہ کے ہاتھ میں نہیں آتی بلکہ جاہلوں اور نالایقوں کے پنجہ میں پھنسی رہتی ہے تب تک تجارت کی کامیابی کا بھید عام نظروں سے مخفی رہتا ہے۔ اکثر نفع یا نقصان کو اُمورات تقدیری میں شمار کرتے ہیں جن میں انسان کی عقل وتدبیر کچھ کام نہیں دے سکتی (حالانکہ وہ تدبیر سے ایک دم غافل نہیں رہتے) بعضے چالاکی اور عیاری کو بیوپار کے لوازم میں سے جانتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت تاجر کی کامیابی کا مدار زیادہ تر اُس کی راستبازی اور خوش معاملگی پر ہوتا ہے جسپر پورا پورا یقین بغیر تعلیم وتربیت کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ ایک مصنف لکھتا ہے کہ "تجارت کی کامیابی کے لئے زیادہ ضرورت صرف علم کی ہے نہ کہ تجربہ کی۔ کیونکہ تجربہ علم حاصل کرنے کے متعدد ذریعوں میں سے ایک ذریعہ ہے۔ عاقل اپنی عقل اور علم سے سبق لیتے ہیں اور کم عقل تجربہ سے! مگر نہایت بے وقوف ضرورت سے اور چوپائے نیچر سے" اسی مصنف کا قول ہے کہ "وہ وقت قریب ہے جبکہ تجارت ہر قسم کے ذہنی اور عقلی پیشوں سے مقابلہ کریگی۔ زمانہ آیندہ کا تاجر ضرور دانشمند اور لایق شخص ہوگا جو مصنوعی اور قدرتی چیزوں کا زمیں پر تقسیم کرنے والا ہوگا۔ اب وہ اتفاقات روز بروز کم ہوتے جاتے ہیں اور قریب ہے کہ بالکل معدوم ہوجائیں جنسے ایک نالایق تاجر جو بار بار غلطیاں کرتا ہے مدت دراز تک دوالہ نکلنے سے محفوظ رہ سکے"

اصلی جرأت اور دلیری بھی جیسی تجارت کی بدولت انسان میں پیدا ہوتی ہے ویسی کسی اور

پیشہ کے ذریعہ سے نہیں ہوتی۔ شاید وہ لوگ جو تجارت اور دلیری میں منافات سمجھتے ہیں اس بات کو سنکر متعجب ہوں مگر انکو یاد رکھنا چاہیے کہ دلیری یا بزدلی کسی خاص فرقہ کیساتھ خصوصیت نہیں رکھتی۔ ممکن ہے کہ ایک سپاہی یا سپہ سالار نہایت بزدل ہو اور ایک بیوپاری بہت بڑا بہادر ہو۔ جس طرح بہادروں کو میدان جنگ میں دلیری اور شجاعت کے کام کرنے پڑتے ہیں۔ اسی طرح ہر شخص کو اپنی روزانہ زندگی میں اکثر موقعوں پر دلیری سے کام کرنا پڑتا ہے۔ کبھی راستی اور ایمانداری سے کام کرنے میں طرح طرح کے خطرے ہوتے ہیں، کبھی حرص یا طمع انسان کی نیت ڈانواں ڈول کر دیتی ہے، اکثر دوسروں کا سہارا چھوڑ کر اپنے دست و بازو پر بھروسا کرتے ہوئے جی ہچکچاتا ہے، اکثر اوقات ارادوں میں تزلزل واقع ہو جاتا ہے صریح ایک کام کو مفید جانتے ہیں مگر چونکہ کبھی اسکو نہیں کیا اس میں ہاتھ نہیں ڈالتے۔ بعض اوقات اپنے فرائض کاہلی سے یا کسی کے لحاظ سے یا کسی کے خوف سے پورے کرنے دشوار معلوم ہوتے ہیں، غرضکہ اسی قسم کے بے شمار مواقع ہیں جہاں دلیری کی ضرورت ہوتی ہے پس جو شخص ایسے موقعوں پر دلیری اور جرأت ظاہر کرتا ہے اور خوف یا مروت یا دل کی کمزوری پر غالب آتا ہے اس کی دلیری اور جرأت فی الحقیقۃ میدان جنگ کی دلیری اور شجاعت سے بدرجہا زیادہ تعریف کے لائق ہے۔ اور اس قسم کے مواقع جیسے کہ تاجر کو پیش آتے ہیں دنیا میں کسی شخص کو پیش نہیں آتے۔ وہ لاکھوں من غلہ ایسے اتفاقات کے بھروسہ پر جو اس کے اختیار سے باہر ہیں بے دھڑک خرید کر کوٹھے اور کھتیاں بھر لیتا ہے۔ وہ لاکھوں کی ہنڈی بدتا ہے اور نقد روپیہ بائع کی جھولی میں ڈالکر محض اُمید کے آسرے پر بیٹھ رہتا ہے وہ ایک ایسے شخص کے اعتبار پر جسکو کبھی اس نے آنکھ سے نہیں دیکھا اور جو اس سے سات سمندر پار بیٹھا ہے۔ مال سے بھرا ہوا جہازوں کا بیڑا سمندر میں چھوڑ کر تسلی اور اطمینان سے

پانوں پھیلا کے سو رہتا ہے۔ ایک مصنف لکھتا ہے کہ "ایک دور و دراز ملک کا سوداگر جو اپنے دوسرے ہم پیشہ بھائی پر صرف خط کتابت کے ذریعہ سے اعتماد کرتا ہے اور اپنی دولت کا بھرا ہوا جہازوں کا بیڑا سمندر کی موجوں کے حوالہ کرکے بےفکر ہو جاتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس اعلیٰ درجہ کی انسانی خوبی پر نازاں نہ ہو"، جو قومیں صرف اس بنا پر کہ اُن کے آباؤ اجداد بڑے تلوار کے دھنی، جنگجو، اور سپاہی تھے۔ اپنے تئیں بہادر اور شجاع خیال کرتی ہیں اُن کے لیئے اپنی بہادری کی آزمائش کا اس سے بہتر کوئی موقع نہیں کہ وہ تجارت کے میدان میں آئیں اُنکو بہت جلد معلوم ہو جائیگا کہ وہ فی الواقع دلیر اور جری ہیں یا بزدل اور ڈرپوک۔

الغرض تجارت کی کامیابی کے لیئے جسکا مدار تاجر کے مقبول و معتمد خاص و عام ہونے پر ہے نہایت ضرور ہے کہ تاجر علاوہ عاقل اور مدبر ہونے کے عمدہ اخلاق اور عمدہ خصلتوں سے آراستہ ہو اور اس لیئے تجارت کو انسان کا معلم اور اتالیق کہا جائے تو کچھ بیجا نہیں وہ صرف تاجر ہی کو نیکی نہیں سکھاتی بلکہ تمام ملک میں نیکی پھیلاتی ہے۔ وہ کسانوں کو ترقی زراعت کی ترغیب دلاتی ہے وہ کاریگروں سے نوع انسان کی تمام آسایش و آرام کی چیزیں طیار کراتی ہے وہ ایک ملک کی پیداوار دوسرے ملک میں اور ایک سرزمین کی برکت دوسری سرزمین میں پہنچا کر تمام دنیا کی حاجتیں رفع کرتی ہے۔ تجارت نے جو فائدے دنیا کی قوموں کو پہنچائے ہیں وہ شمار اور تعداد کی حد سے خارج ہیں۔ ایک مصنف تجارت کی نسبت لکھتا ہے کہ "لڑائی جو انسان کی خونریز دشمن اور ملکوں کی غارت کرنے والی دیوی ہے اور جواب بھی ویسی ہی مہیب اور ہولناک ہے جیسی یونان کے مشہور شاعر ہومر کے زمانہ میں تھی اگر کبھی اُس کی تیغ خون آشام ہمیشہ کے لیئے میان کیجائیگی تو تجارت ہی کی

بدولت کیجائیگی ۔ تجارت نے دنیا میں شائستگی کو پھیلایا ہے، اُس نے تمام روئے زمین کی انسان کی ضرورت اور آسایش کے سامان برابر تقسیم کیے ہیں، اُس نے علوم و فنون کی بیش قیمت اور مفید تحقیقاتوں اور ایجادوں کو رواج دیا ہے اور اُس نے موجدوں کی طبیعت میں نئے نئے ایجاد و اختراع کی تحریک پیدا کی ہے ۔ وہ علم اور دین کی اشاعت میں مدد دیتی ہے اور وہ اور ترقی ہمیشہ اور ہر جگہ لازم و ملزوم رہی ہیں ۔ انسان کے اندرونی قوے کی ترقی، علوم و فنون کی ترقی، جنرل انفورمیشن کی ترقی، اخلاق کی ترقی، ضوابط و قوانین کی ترقی، آزادی کی ترقی، غرضکہ ہر طرح کی ترقی ہی ترقی اُس سے پیدا ہوئی ہے۔ اُس نے ہمیشہ جس چیز کو جس درجہ پر پایا ہے اُس سے جُدا ہوتے وقت اُسکو بلند تر سیڑھی پر چھوڑا ہے ۔ وہ اوّل ایک ملک سے دوسرے ملک میں شائستگی کے لیئے بطور طلایہ کے جاکر رستہ طیار کرتی ہے اور پھر شائستگی کو اپنے ساتھ لیکر وہاں پہنچتی ہے ۔ اُس نے وحشیوں کو انسان بنایا ہے اور اُس نے عوام الناس اور اُمرا کو بادشاہی تک پہنچایا ہے ۔ اُسی نے موروں کو اپنے عہد میں دنیا کا عقلمند بنایا تھا اور اُسی نے انگریزوں کو اکیلا بلا شریک غیر تمام ہندوستان کا وارث ٹھیرایا ۔،،

(الطاف حسین حالی)

قوموں کی ترقی اور تنزل کے اسباب

انسان کی اصل کچھ ہی قرار دیجائے خواہ اُسکو آدم کی اولاد سمجھیں جسکو خدا نے مٹی سے پیدا کیا اور پھر نا فرمانی کی وجہ سے بہشت سے نکالا۔ یا ڈارون کے مسئلہ ارتقا کے موافق اُس کی اصل بندر یا بن مانس قرار دیں مگر جب اُس نے اوّل جامہ انسانی پہنا تو اسباب تمدن میں سے

اُس کے پاس کچھ نہ تھا اور جو کچھ تھا اُس میں کل ابناے جنس اُس کے شریک تھے۔ اُس کی حالت بہائم سے کچھ بہتر نہ تھی وہ مثل جانوروں کے بہتے ہوئے چشموں سے اپنی پیاس بجھا لیتا تھا اور خودرو درختوں کے پھل پھول یا جانوروں کے گوشت پر جو اپنی پامردی سے شکار کرتا تھا اُس کی گذران تھی۔ گرمی میں درختوں کے سایہ میں اور جاڑوں میں پہاڑوں کی کھو میں اُسکا مسکن تھا غرضکہ اُس میں اور ان بہائم میں جو اُس کے جوار میں تھے چنداں فرق نہ تھا بعض قومیں اسوقت تک اسی حالت میں ہیں مگر بعض نے کچھ مدت تک اس حالت میں رہنے کے بعد ترقی کے میدان میں قدم رکھا اور اپنے حواس خمسہ سے جن کی مدد سے وہ بیرونی دنیا کا علم حاصل کرتے تھے اور قوت متخیلہ کی بدولت جو ان معلومات سے نئے نتائج پیدا کرتی ہے کام لیکر اپنی حالت کی درستی شروع کی۔ انکو اپنا موجودہ طریقۂ زندگی جس میں ہر چیز بخت و اتفاق پر منحصر تھی اور کبھی ضرورت سے زیادہ اشیاء خوردنی بہم پہنچتی تھی اور کسی دن فاقہ محض ہوتا تھا پسند نہ آیا اس لئے اُنہوں نے جنگلی جانوروں میں سے بعض کو اپنے سے مانوس کیا اور انکو پالنا شروع کیا ان جانوروں کے گلہ لیئے ہوئے چراگاہوں کی تلاش میں گھومتے پھرے اور جس جگہ بہتا ہوا چشمہ اور سرسبز میدان ملا کچھ عرصہ تک معہ اپنی بھیڑ بکریوں کے وہاں قیام کیا اور پھر دوسری جگہ تلاش کی۔ یہ جانور چونکہ اُن کے قبضۂ اختیار میں تھے اس لیئے غذا کی طرف سے بہت کچھ اطمینان حاصل ہوا۔ اُن کے گوشت اور دودھ سے اپنی شکم پروری کرتے تھے اور اُنکی کھالوں سے اپنے جسم کو گرمی اور سردی کی تکلیف سے بچاتے تھے اور ان ہی کھالوں کے عارضی گھروں میں رہتے تھے یہ انسانی ترقی کی پہلی منزل تھی۔ اس ترقی کردہ گروہ میں سوا ایک جماعت نے اسی منزل میں قیام کیا مگر ایک گروہ آگے بڑھا اور اس گلہ بانی کی حالت پر اکتفا نہ کرکے اس سے بہتر اور زیادہ یقینی طریقۂ وجہ معاش کا اختیار کیا یعنے کاشتکاری شروع کی

اور اُس کے دیگر لوازمات اختیار کیئے۔ یہ ترقی کی دوسری منزل تھی جس میں ہندوستان کی اکثر قومیں اب تک ہیں اور اسی حالت کے اختیار کرنے پر وہ اپنے تئیں فخر سے آریا یعنے کاشتکار کہنے لگے اور دیگر قوموں کو جو گلہ بانی کرتی تھیں حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ پھر بعض قوموں نے تو اسی حالت پر قناعت کی اور بعض اُس سے آگے بڑھے کہ طرح طرح کی صنعت و حرفت اور علوم و فنون ان ہی قدرتی قوتوں کی بدولت جو ان کی فطرت میں ودیعت رکھی گئی تھی ایجاد کیئے اور دوسری منزل میں ٹھہرنے والوں سے میدان ترقی میں اسقدر آگے پہنچے کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ دونوں گروہ کبھی ایک ہی مقام سے چلے ستھے۔ ان حالات کے دیکھنے سے تعجب ہوتا ہے کہ ابتدا میں کل بنی نوع انسان کی یکساں حالت تھی پھر کیا اسباب پیش آئے کہ بعض تو ترقی کی نصف النہار پر پہنچے اور بعض پستی کی گڈھے میں اسوقت تک پڑے ہیں۔ یورپ کے محققین نے جو ہر واقعہ کا سبب تلاش کرتے ہیں اور دنیا کے کل حوادث کو علت و معلول کے سلسلہ میں مربوط کرتے ہیں اس اختلاف حالت پر بھی غور کیا ہے اور اُس کے وجوہ قرار دیئے ہیں اُن کے نزدیک قوموں کی ترقی و تنزل کے اسباب مختلف ہیں بعض انہیں سے طبعی ہیں اور بعض مصنوعی۔ گو مصنوعی اسباب کی بنا بھی طبعی اسباب پر ہے مگر چونکہ یہ اسباب پیدا ہو جانے کے بعد پھر مستقل طور سے اپنا عمل کرتے ہیں اور ظاہری صورت میں طبعی اسباب سے بالکل مختلف ہیں اس لیئے ہم دونوں قسموں کے اسباب پر جدا جدا بحث کریں گے۔

طبعی اسباب

طبعی اسباب جنکو قوموں کی ترقی و تنزل میں بہت بڑا دخل ہے چار ہیں اوّل آب و ہوا کی خوبی دوم زمین کی زرخیزی سوم غذا چہارم ہمارے گرد و پیش کے منظر کی عام ہئیت۔ ان

چاروں اسباب میں سے اوّل ہم تین پر بحث کریں گے اور اپنی بحث میں ان تینوں کے مجموعی اثر بیان کریں گے کیونکہ ہر موقعہ پر ان اسباب کا جداگانہ اثر نہیں ہوتا بلکہ اکثر اوقات ایک کے ساتھ دوسرا ضرور شریک پایا جاتا ہے مثلاً اگر آب و ہوا موافق ہو مگر زمین زرخیز نہو تو پیداوار اچھی نہیں ہوتی اور پیداوار پر انسان کی غذا کا دارومدار ہے۔ غرضکہ یہ تینوں اسباب فرداً فرداً اپنا اثر نہیں دکھاسکتے بلکہ ہمیشہ انکا پورا عمل اُسیوقت ہوتا ہے جبکہ تینوں ایک جگہ جمع ہوں اور انسان کی ابتدائی حالت میں ترقی کا دارومدار انہی اسباب پر ہے

بعض محققین کہتے ہیں کہ انسان کی ترقی اس کی مسلسل محنت اور باقاعدہ عادت پر منحصر ہے مگر در اصل جفاکشی اور عادات کی باقاعدگی ہی بہت کچھ آب و ہوا پر منحصر ہے۔ گرم ملکوں کے رہنے والے قدرتی طور سے کاہلی پر مائل ہوتے ہیں اور جن ملکوں میں موسم یکساں نہیں رہتا یعنی کبھی نہایت گرمی اور کبھی نہایت سردی اور بعض اوقات پانی کی افراط اور بعض اوقات قلت ہوتی ہے وہ اپنے کاروبار کو مسلسل ایک طور سے جاری نہیں رکھ سکتے اس لیئے اُن کی عادات میں باقاعدگی کا ہونا نہایت دشوار ہے۔ یہی سبب ہے کہ سویڈن اور ناروے جہاں اسی نسل کے لوگ آباد ہیں جس میں ہونیکا انگریزوں کو فخر ہے مگر سردی کے موسم میں بشدت سردی اور دن کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے بہت کم ترقی کر سکے۔ ان ہی وجوہات سے آئسلینڈ جو اُسی یورپ میں ہے جس کے دیگر ممالک کو ہم رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ گیا غرضکہ براہ راست یا بالواسطہ ملک کی ترقی میں آب و ہوا و دیگر قدرتی اسباب کو بہت دخل ہے بالخصوص ابتدائے زمانہ میں ترقی کی دوڑ میں ابتدا ان ہی اقوام نے کی ہے جن کے ساتھ طبعی اسباب نے مساعدت کی ہے مثلاً مصر یا ہندوستان اور ایشیا کے بعض دیگر ممالک جہاں کی

آب و ہوا زراعت کے واسطے بہت موزوں تھی اور تھوڑی سی محنت سے ضرورت سے زیادہ اشیا بہم پہنچ سکتی تھیں اور باقی وقت دماغی ترقی کے واسطے ملسکتا تھا۔ سب سے اول ترقی کے میدان میں آئے اور علم و ہنر میں ترقی کی مگر افسوس ہے کہ اس عارضی ترقی میں تنزل کے اسباب موجود تھے جو اُس کی تخریب کے باعث ہوئے یعنی ہر چند کہ ملک کی زرخیزی کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ اسباب معیشت بہم پہنچی اور دماغی کاموں کیلئے زیادہ فرصت ملی مگر دولت جمع ہوئے پر تقسیم دولت کے وقت پیش آئی ابتداے سوسائٹی میں صرف دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں اول وہ گروہ جو محنت کرتا ہے دوسرا وہ گروہ جو طریقہ محنت بتاتا ہی اور اول گروہ کو کام میں لگاتا ہے پہلا گروہ دوسرے گروہ سے تعداد میں زیادہ ہوتا ہے اور ان دونوں گروہوں میں دولت کی تقسیم قوانین قدرت کے موافق ہوتی ہے۔ پہلے گروہ کے معاوضہ محنت کو مزدوری اور دوسرے گروہ کی محنت کے معاوضہ کو منافع کہتے ہیں۔

چونکہ مزدوری محنت کی قیمت کا نام ہے اس لیئے مثل دیگر بازاری اشیا کے اسکی قیمت میں بھی تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ یعنی دولت کی ملک میں ایک خاص مقدار ہوتی ہے اور اسمیں سے ایک حصہ مزدوروں کا اور دوسرا حصہ طریقہ محنت تجویز کرنے والوں کا ہوتا ہے۔ اس لیئے اگر مزدوروں کی تعداد ضرورت سے زیادہ ہو تو حصہ مزدوری ہر ایک کے پاس کم پہنچیگا اور یہ گروہ تکلیف کی حالت میں ہوگا اور اگر اُن کی تعداد ضرورت سے کم ہے تو حصہ مزدوری جو ہر ایک کو ملیگا مقدار میں زیادہ اور اُن کی ضروریات کو مکتفی ہو کر اُنکو خوشحال بنائیگا اگرچہ اس میں شک نہیں کہ مزدوری کی شرح جو ہر ایک کو ملیگی بہت کچھ اُس حصہ دولت کی مقدار پر منحصر ہے جو مزدوروں میں تقسیم ہوگا مگر چونکہ ہم اسوقت صرف تقسیم دولت پر بحث کر رہے ہیں اس لیئے اس مسئلہ سے قطع نظر کر کے صرف مزدوروں کی تعداد سے بحث کریں گے۔ مزدوروں کی تعداد کا گھٹنا بڑھنا

خوراک کی نباتات پر منحصر ہے جن ملکوں میں کہ ضروری خوراک جو ملک کی آب و ہوا کے مناسب ہو بکثرت ملے وہاں مزدوروں کی نسل بہت جلد ترقی کرے گی اور اُن کی تعداد بڑھنے سے حصۂ مزدوری جو ان کو ملیگا بہت کم ہوگا یعنے شرح مزدوری بہت گر جائیگی اور مزدور لوگ تنگی سے بسر کرینگے۔

علاوہ زرخیزی زمین کے آب و ہوا کا بھی خوراک پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے گرم ملک کے باشندوں کو کم مقدار میں غذا درکار ہوتی ہے اُن کی غذا میں چنداں روغن کی ضرورت نہیں ہوتی وہ ایسی غذا کھاتے ہیں جس میں نشاستہ کی مقدار زیادہ ہو مثلاً اناج ترکاریاں پھل وغیرہ جو قیمت میں بہت ارزاں ہیں پس غذا کا صرف کم ہونا اور پیداوار کا زیادہ ہونا دونوں امر اس بات کے مد ہوتے ہیں کہ غذا ارزاں رہے مزدوروں کی تعداد بڑھے اور مزدوری کی شرح گھٹے۔ اس غیر مساوی تقسیم دولت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک گروہ نہایت مالدار اور دوسرا نہایت مفلس پیدا ہو جاتا ہے اور اس سبب سے اُنکی قوت اور اختیارات میں بہت فرق پڑ جاتا ہے ابتدائی مساوات جاتی رہتی ہے اور پھر اُس کے لازمی اثر پیدا ہوتے ہیں یعنے با اختیار گروہ اپنی قوت کا بیجا استعمال کرتا ہے اور کم مایہ فرقہ کو دلتا اور پیتا ہے اور جب یہ حالت عرصہ دراز تک قائم رہتی ہے تو پھر یہ تفریق قدرتی معلوم ہونے لگتی ہے اور کم مایہ گروہ میں سے خود داری کا مادہ بالکل ضائع ہو جاتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کچھ حقوق نہیں ہیں ہمکو خدا نے اسی حالت کیواسطے پیدا کیا تھا اور با اختیار گروہ سمجھتا ہے کہ ہمکو قدرتی حق حاصل ہے کہ دوسرے گروہ سے جو چاہیں برتاؤ کریں وہ صرف ہماری خدمت کیواسطے پیدا کیئے گئے ہیں۔ ہمارے ملک کے چار اس کی عمدہ مثال ہیں اور منو کی ساسترمیں جو ذاتوں کی تقسیم کی گئی ہے اور جو حقوق کہ ہر ایک ذات کے لوگوں کے مقرر کیئے گئے ہیں وہ بھی ان ہی اصولوں پر مبنی ہیں

غرضکہ جب سوسائٹی کی یہ حالت ہوجاتی ہے تو پھر ترقی کا راستہ بند ہوجاتا ہے۔

زمین کی زرخیزی کا اثر پیداوار پر ہوتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہے اور چونکہ اس صورت میں علت ومعلول دونوں قدرتی چیزیں ہیں اور قدرتی چیزیں خواہ کسی قدر کثیر کیوں نہوں گر پھربھی محدود ہوتی ہیں اس لیئے جو ترقی کہ ان اسباب پر منحصر ہوتی ہے اگرچہ اسکا ظہور دوسری قسم کی ترقی سے پہلے ہوتا ہے مگر اُسکو وسعت بہت کم ہوتی ہے برخلاف اس کے آب وہوا کا اثر قواے انسانی پر ہوتا ہے اور انسان کی قوتیں جیسا کہ اب تک تجربہ سے ثابت ہوا ہے ترقی کے واسطے کوئی حد نہیں رکھتیں اس لیئے جو ترقی کہ آب وہوا پر مبنی ہے گو دیر میں شروع ہوتی ہے مگر اُسکو زیادہ استقلال اور زیادہ وسعت ہوتی ہے۔ معتدل آب وہوا کے رہنے والے زیادہ دیر تک کام کر سکتے ہیں۔ ان میں زیادہ مستعدی ہوتی ہے انکو قدرتی مزاحمتیں کم پیش آتی ہیں۔ موسم تقریباً ہمیشہ یکساں رہنے کے سبب سے سال کے ہر حصہ میں انکا کام جاری رہتا ہے۔ اور انکی عادتوں میں باقاعدگی پیدا ہوجاتی ہے۔ چونکہ آب وہوا پیداوار کیواسطے بہت موزوں نہیں ہوتی اس لیئے تھوڑی محنت سے زیادہ مقدار میں ضروری اشیا پیدا نہیں ہوتی اور غذا حاصل کرنے کے واسطے زیادہ محنت کی ضرورت پڑتی ہے اس محنت میں اُن کے اجزائے بدن کا صرف زیادہ ہوتا ہے اس لیئے بدل ما تحلل کیواسطے زیادہ غذا کھانے کی ضرورت ہوتی ہے علاوہ ازیں سرد ہوا زیادہ بھاری ہوتی ہے اور تنفس کے ساتھ زیادہ مقدار میں اندر جاتی ہے اس لیئے اُس کے ساتھ کیمیاے ترکیب سے ملنے کیواسطے زیادہ کاربن کی ضرورت ہوتی ہے اور اس غذا کا زیادہ روغنی ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اُس کی حرارت بدن کو سردی سے محفوظ رکھے غرضکہ کل اسباب ایسے جمع ہوتے ہیں جن کے سبب سے سرد ملکوں میں غذا کا صرف زیادہ اور پیداوار کم ہوتی ہے اور اشیاء خوردنی کا نرخ گراں رہتا ہے جو مزدوروں کی

تعداد بڑہنے نہیں دیتا اور اس وجہ سے یہ گروہ مرفہ الحال رہتا ہے ان ملکوں کے رہنے والوں میں بہت اختلاف مراتب نہیں پیدا ہوتا۔ ان میں آزادی قائم رہتی ہے اور ہر گروہ کے لوگ ترقی میں کوشش کرتے ہیں۔

ملک کی عام شکل اور قدرتی چیزوں کا بھی ملک والوں پر بڑا اثر ہوتا ہے مثلاً جن ملکوں میں کہ آتش فشاں پہاڑ ہیں اور وقتاً فوقتاً زلزلے آتے رہتے ہیں جو اہل ملک کی بربادی کا باعث ہوتے ہیں یا جلد جلد وبائیں آتی ہیں یا سخت آندھیاں چلتی ہیں یا بسبب سمندر کے قرب کے اکثر طوفان آتے رہتے ہیں یا خوفناک جانور رہتے ہیں ایسے ملکوں کے رہنے والے ابتدا ہی سے ان چیزوں سے اسقدر متاثر ہوتے ہیں کہ تعجب اور حیرت کے سبب اُن کی عقل کام نہیں دیتی اور قوت متخیلہ کا فعل بڑہ جاتا ہے۔ اس قوت متخیلہ کے استعمال سے وہ ہر قدرتی واقعہ کے واسطے مافوق العادت سبب قرار دیتے ہیں اور عجائب پرستی ان میں آجاتی ہے۔ خوف کی حالت میں ادب کا مادہ بڑہ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ ان قدرتی اشیا کی پرستش کرنے لگتے ہیں۔ اپنی کمزوری اور بیرونی اشیا کی عظمت اُن کے دل میں اسقدر سما جاتی ہے کہ ان چیزوں کے اسباب تلاش کرنے میں عقل کا استعمال چھوڑ دیتے ہیں اور اُن کی ترقی ہمیشہ کیواسطے رُک جاتی ہے۔ اپنی کمزوری کا خیال اُن کے دل و دماغ پر چھا جاتا ہے کہ اُن میں غلامی کی عادت پڑجاتی ہے اور ہمیشہ مبتذل رہتے ہیں۔ اس حالت کا اثر اُن کے مذہبی خیالات پر بھی ہوتا ہے وہ اپنے دیوتاؤں کی نہایت مہیب شکلیں بناتے ہیں اور اُنسے بیحد قوت منسوب کرتے ہیں۔ یہ عجائب پرستی مذہب تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ ہر امر کی نسبت اُن کے خیالات میں اسی کی جھلک پائی جاتی ہے اور معمولی باتوں سے ان کی سیری نہیں ہوتی مثلاً زمانہ گذشتہ کے نسبت بھی ان کے اسی قسم کے خیال ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ پچھلے زمانہ کے لوگوں کی

عمریں بہت بڑی ہوتی تھیں ان کے قد بہت بڑے تھے اور اُن میں قوت بہت زیادہ ہوتی تھی

مذکورۂ بالا بیان کی تصدیق میں ہم ہندوستان اور یونان کو بطور مثال کے پیش کرتے ہیں۔ ہندوستان کی گرم آب و ہوا جس میں اکثر وبائیں آتی ہیں آندھیاں چلتی ہیں پہاڑوں کی بلند چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ چوڑے چوڑے ہولناک دریا ہیں جو نہایت جوش و خروش سے موجزن ہیں۔ تاریک و گنجان بن ہیں جن میں خوفناک درندے دوڑتے پھرتے ہیں اور ہر قدرتی چیز حیرت خیز اور دہشت انگیز ہے اسکا اثر یہ ہوا کہ ان چیزوں کی عظمت سے یہ لوگ اسقدر دب گئے اور اپنی بیکسی اور ناچیز ہونا ان کے دل میں اسقدر سما گیا کہ انہوں نے قوائے عقلی کو معطل کر کے قوت متخیلہ سے بہت کام لیا اور اُسی کو ترقی دی اور اپنی قوت متخیلہ سے ہر چیز میں محجوب پن قرار دیکر جوالامکھیوں دریاؤں اور جانوروں کی پرستش شروع کی۔ خوفناک چیزوں کی مقاومت اور اُن کے ضرر سے بچنے کی تدبیریں سوچنے کے بجائے اُن کی پرستش شروع کر دی۔ اپنے دیوتاؤں کی ایسی مہیب شکلیں بنائیں جن سے وہ قوتیں ظاہر ہوتی ہیں جو اُنسے منسوب کرتے ہیں مثلاً شو کی کمر میں سانپ کا پٹکا باندھا اُس کے ہاتھ میں انسان کی کھوپڑی دی۔ آدمی کی ہڈیوں کی مالا اُس کے گلے میں ڈالی شیر کی کھال بجائے کپڑوں کے اُسکو پہنائی غرضکہ اُس کی ایسی مہیب شکل بنائی گئی جس سے اُس کی خونخواری اور مردم آزاری ٹپکتی ہے۔ اسی طرح اُس کی بیوی کالی کی شکل بھی ایسی ہی بھیانک قرار دی۔ اس کے خلاف یونان میں چونکہ قدرتی اشیا مہیب نہیں۔ قرب وجوار کے جزیرے چھوٹے قریب کا سمندر بھی مختصر نہ زلزلہ نہ وبائیں نہ خونخوار درندے اس لیئے وہاں کے رہنے والوں کی طبیعتیں کشادہ رہیں اُنکو دلوں میں اپنی تحقیر کا خیال جاگزیں نہوا۔ اُنھوں نے اپنے دیوتاؤں کی شکلیں انسان سے ملتی ہوئی بنائیں انکو انسانی اوصاف سے متصف کیا۔ یونان کے دیوتا انسان کے ہر نیچ و

راعت میں شریک سمجھی جاتے تھے بخلاف اس کے ہندوستان کے دیوتا خونخوار خونریز انسان کے ہلاک کرنے والے اور اس وجہ سے قابل عزت و پرستش خیال کیے گئے ان کی پرستش دفع مضرت کی غرض سے کی جاتی ہے نہ جلب منفعت کے لیے غرضکہ قدرتی اشیا کا انسان کی طبیعت پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے اور ابتدا ہی سے وہ اسقدر دب جاتی ہے کہ تحقیق کا مادہ زائل ہو جاتا ہے اور عجوبہ پرستی آجاتی ہے۔ یونان میں قوت متخیلہ کو قوائے عقلی پر سبقت حاصل نہیں ہوئی وہاں یہ دونوں قوی تقریباً اپنی مقررہ حدود میں رہی اسیوجہ سے اول یونان میں تحقیق کا سلسلہ شروع ہوا اور ہندوستان گو شائستگی میں ابتدا کرنیوالا تھا مگر پھر اُسکا قدم آگے نہ بڑھ سکا اگرچہ ملک کی عام صورت کا ملک والوں کی طبیعتوں پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے مگر یہ اثر اُسی وقت تک رہتا ہے جب تک کہ تہذیب کی صبح کاذب رہتی ہے وعلمی روشنی کی کمی کی وجہ سے ان اشیا کے خط و خال دھندلے اور مہیب معلوم ہوتے رہیں۔ مگر جب علم کا آفتاب چمکتا ہے تو ان چیزوں کی اصل حقیقت معلوم ہو جاتی ہے اور اُنکا طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔ اب ہم طبعی اسباب کے اثروں کو مختصر طور سے بیان کر چکے ہیں۔ ذیل میں بیان کرینگے کہ مصنوعی اسباب کا قوموں کی ترقی اور تنزل پر کیا اثر ہوتا ہے۔

مصنوعی اسباب

مصنوعی اسباب میں سے زیادہ مشہور اسباب قوموں کا مذہب اُن کی گورنمنٹ اور اُنکا لٹریچر ہے۔ عیسائی اکثر بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی موجودہ خراب حالت کیواسطے ان کا مذہب ذمہ دار ہے اور یہ بیان بادی النظر میں صحیح بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ مختلف ملکوں کی مسلمان مختلف نسل مختلف رنگ اور کم و بیش مختلف آب و ہوا میں رہتے ہیں اور بجز مذہب کے اور کوئی چیز مشترک نہیں رکھتے اسی وجہ سے قیاس ہوتا ہے کہ اس مشترک چیز نے ان سب کی یکساں حالت

پیدا کر دی ہے مگر یہ سخت غلطی ہے دو چیزوں کے ساتھ ہونے سے ہم ان میں ہمیشہ علت و معلول کا رشتہ قائم نہیں کر سکتے۔ ہر قوم یا مذہب خود اُس قوم کی حالت کے تابع ہوتا ہے۔ مذہب خواہ کتنا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو اگر اُس قوم کی حالت درست نہیں ہے جسکو کہ وہ سکھایا گیا ہے تو وہ قوم ضرور مذہب میں لغویات اضافہ کر کر اسکو اپنی حالت کے موافق بنا لیگی۔ یہودیوں کو جب مذہب عیسوی کی تلقین ہوئی تو چونکہ انکو خالص توحید کے سمجھنے کی قابلیت نہ تھی اس لیے دفعتاً فوقتاً بت پرستی کی طرف رجحان کرتے رہے۔ کبھی گؤسالہ بناتے تھے کبھی سونے کے سانپ بنا کر پرستش کرتے تھے۔ اب بھی وہ ہی یہودی ہیں اور گو تابوت سکینہ کے معجزات اور کوہ سینا کی تجلی دیکھنے کے موقعہ انکو نہیں ملتے ہیں مگر پھر بھی بت پرستی کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ یہی حال مذہب عیسوی کا ہے۔ قرون متوسطہ میں بھی تلقین مسیحی وہی تھی جو اب ہے مگر اُسی زمانہ کے عیسائیوں نے اُسکو بہت کچھ خراب کر دیا تھا۔ گو بظاہر بت پرستی ترک کر چکے تھے مگر بجائے بتوں کے شہیدوں کی پرستش کرتے تھے حضرت مریم کی تصویریں پوجتے تھے اور بہت سی لغویات کے مرتکب ہوتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ اگر قوم کی حالت درست نہو اور اُس میں اپنے مذہب سے فائدہ اُٹھانیکا مادہ پیدا نہوا ہو تو وہ مذہب کو بھی اپنے ڈھنگ کا بنا لیتی ہے اور اگر مذہب کسی قوم کا اعلیٰ درجہ کا نہو مگر قوم کی حالت درست ہو جائے تو وہ ضرور اپنے مذہب میں بھی اپنی حالت کے موافق اصلاح کر لیتی ہے۔ اس کی مثال میں ہم فرانس اور سویڈن کو پیش کرتے ہیں گو فرانس کا ملکی مذہب رومن کیتھلک ہے جو مافوق العادت باتوں سے پُر اور تنگ خیالی کا مرکز سمجھا جاتا ہے مگر اہل فرانس نہایت آزاد خیال اور روشنضمیر لوگ ہیں اور سویڈن و سوئزرلینڈ کا ملکی مذہب پروٹسٹنٹ ہے جو اصلاح شدہ یا یوں کہو کہ خالص مذہب عیسوی ہے مگر سویڈن اور سوئزرلینڈ کے رہنے والے نہایت تنگ خیال اور عجائب پرست

لوگ ہیں اور ترقی کے میدان میں بہت پیچھے ہیں غرضکہ مذہب کسی قوم کا اُس قوم کی دماغی ترقی کا نمونہ ہوتا ہے جب کسی قوم کی حالت اصلاح پاکر اس درجہ کو پہنچ جاتی ہے کہ اُس مذہب کی تلقین کو سمجھنے کے قابل ہو تو مذہبی تلقین کی وہ لوگ دل سے قدر کرتے ہیں اور اُس کے پابند ہو کر اُس سے مستفید ہوتے ہیں۔

یہی حالت لٹریچر کی ہے اگر کسی قوم کا لٹریچر خراب ہے تو سمجھو کہ اول اُس قوم کے خیالات خراب ہوئے ہونگے کیونکہ لٹریچر قوم کے خیالات کا لفظی صورت میں مجموعہ ہے۔ یا یوں کہو کہ وہ اسلحہ خانہ ہے جس میں خیالات کے آلات جمع رہتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی قوم کے خیالات عمدہ ہوں اور اُسکا لٹریچر خراب ہو یا خیالات کی درستی ہو جاوے اور لٹریچر میں خرابیاں باقی رہیں۔ یہ ضرور ہے کہ خراب لٹریچر پیدا ہو جانے کے بعد جب تک کہ قوم اپنے خیالات کی عمدگی میں ترقی نہ کرے خراب لٹریچر نئی نسلوں کے لوگوں کو آوارگی میں مدد دیتا ہے۔ اُس کی مثال بالکل طحال کی سی ہے کہ اول بخار آتا ہے اور پھر طحال پیدا ہوتی ہے اور پھر طحال بخار کے آنے میں مدد دیتی ہے اسی طرح سے اول خیالات خراب ہوتے ہیں اور ان خیالات کے اظہار سے جو لٹریچر کہ پیدا ہوتا ہے وہ بھی خراب ہوتا ہے مگر جب معلومات بڑھ جاتی ہیں اور خیالات درست ہو جاتے ہیں تو پہلا لٹریچر گو چندروز باقی رہے مگر آخرکار وہ قوم اپنے قدیم لٹریچر سے متنفر ہو جاتی ہے اور جدید خیالات کے موافق جدید لٹریچر قائم ہو جاتا ہے۔ گورنمنٹ کی بھی یہی حالت ہے۔ ہر قوم کی گورنمنٹ اُس کی حالت کے موافق ہوتی ہے اگر کسی جاہل قوم میں ایک مہذب قوم کی سی گورنمنٹ قائم کر دیجاوے تو وہ گورنمنٹ کامیاب نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ یہ گورنمنٹ اپنا طرز عمل نہ بدلے اور اپنے تئیں گرا کر اہل ملک کی حالت کے موافق نہ بنائے یا اہل ملک کی حالت درست ہو کر گورنمنٹ کی ہم سطح

نہ ہو جائے اور اگر کسی مہذب قوم پر ایک بے اُصول گورنمنٹ حکمراں ہو تو وہ بھی عرصۂ دراز تک قائم نہیں رہ سکتی لوگ اُس سے انحراف کریں گے اور وقتاً فوقتاً بغاوتیں برپا ہونگی تاوقتیکہ وہ گورنمنٹ اپنے اصولوں کو بدلے اور اپنی سطح کو بلند کرکے اُس قوم کی ہم سطح نہو جائے جسپر کہ وہ حکمراں ہے ہمارے اس قول کی شاہد انگلستان کی کل تاریخ ہے۔ خاندان ٹیوڈر کے عہد میں بادشاہوں کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی۔ وہ تقریباً مطلق العنان ہو گئے تھے اور یہ مسئلہ مسلمہ ہو گیا تھا کہ بادشاہوں کو سلطنت کا حق منجانب اللہ ہوتا ہے اور اُس کے حکم سے سرتابی خدا کے حکم سے سرتابی ہے۔ مگر جب اسپر امن عہد میں تجارت کو ترقی ہوئی ملک میں دولت بڑھی اُس کے ساتھ علم کا چرچا ہوا اور لوگوں کو اپنی قوت اور حقوق معلوم ہوئے تو اسٹوئرٹ خاندان کے بادشاہوں نے چاہا کہ جابرانہ طور سے حکومت کریں اور اپنے الٰہی حقوق جتائیں مگر اُن کی کوشش رائگاں گئی اور بعض کو اس بیجا ہوس میں سر دینا پڑا اور بعض کو صرف تاج و تخت۔ اس عہد میں برابر ہنگامے جاری رہے تاوقتیکہ گورنمنٹ نے اپنا طرزِ عمل بدلکر اپنے تئیں ملک کے حسب حال نہ بنالیا۔ جو صلاحیں کہ گورنمنٹ کرتی ہے اور جو عمدہ قوانین کہ وہ بناتی ہے وہ دراصل اُس کے دماغ کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ وہ صرف ان خیالات کی منتظم شکل ہوتی ہے جن کی ضرورت اہل ملک کو پہلے سے محسوس ہو چکی ہو جس کی طرف لوگوں کے خیالات مائل ہو چکے ہیں جسکا چرچا لوگوں میں ہو چکا ہے۔ سب سے عمدہ گورنمنٹ وہ ہی ہے جو اہل ملک کی نبض شناس ہو اور اپنے اوپر لوگوں کی جان و مال کی حفاظت سے زیادہ کا ذمہ نہ لے۔ گورنمنٹ کا کام مثل اُس گھریلو کتے کے ہونا چاہیئے جو گھر کی حفاظت کرتا ہے گڈریئے کے کتے کا سا نہیں جو بھیڑوں کو کبھی یہاں اور کبھی وہاں لیئے پھرتا ہے مگر یہ اُسی وقت ہوتا ہے کہ حاکم و محکوم قوم تہذیب کے لحاظ سے ایک درجہ میں ہوں

ہماری گورنمنٹ کی یہ حالت نہیں ہے وہ مثل اُس ماں کے ہے جو اپنے بچوں کے لیئے بہت سے کام خود کرکر اُنکو طریقہ بتلاتی ہے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد ان کاموں کو اُن ہی بچوں کے ہاتھ میں دیدیتی ہے۔ جب رفتہ رفتہ ہماری حالت گورنمنٹ کی سطح تک بلند ہوجائیگی تو پھر گورنمنٹ اپنا اصلی کام اپنے ہاتھ میں رکھیگی۔

مذکورۂ بالا بیانات سے ثابت ہوگا کہ طبعی اسباب کے لحاظ سے مسلمان بہت فائدہ میں نہیں ہیں مگر اکثر طبعی اسباب ابتدائے حالت میں مد یا خارج ہوتے ہیں۔ اور جب علم ایک گونہ ترقی کرجاتا ہے تو پھر علمی ترقی پر قوم کی ترقی بہت کچھ منحصر ہوتی ہے اس لیئے مسلمانوں کے واسطے سب سے عمدہ تدبیر اپنی حالت کی درستی کی علم میں ترقی کرنا ہے جو اوہام باطلہ کو دور کریگا اُن کے فرائض اور حقوق بتائیگا اُن کے معایب دور کریگا اور اُن میں خوبیاں پیدا کردیگا۔ اسیوجہ سے ہمارے مصلح قوم سر سید احمد خاں بہادر نے تعلیم پر ہی زیادہ زور دیا ہے اور اُن کی کوشش بہت کچھ کامیاب ہوئی ہے۔

ولایت حسین

آئینۂ فراست

یہ چھوٹا سا رسالہ جناب میر محمد حسین صاحب مرحوم کی ابتدائی تصنیف ہے۔ میر صاحب موصوف کی لائف عالی ہمت اور اولوالعزم لوگوں کے لیئے ایک بہت ہی عمدہ مثال ہے۔ شکسپیر نے کسی مقام پر لکھا ہے کہ بعض انسان بڑائی کو اپنے ساتھ لیکر پیدا ہوتے ہیں اور بعضوں کو مجبوراً بڑائی کا لباس پہنایا جاتا ہے اور بعض بڑائی کو حاصل کرتے ہیں۔ میر صاحب مرحوم بھی اسی آخرالذکر گروہ میں سے ہیں۔ انہوں نے محض اپنی کوشش اور عزم سے انگلستان تک جاکر تعلیم حاصل کی اور گورنمنٹ نظام میں ڈائرکٹر زراعت اور تجارت کا عہدہ حاصل کیا۔

اس اس رسالہ میں مصنف نے اس بات کی بحث کی ہے کہ انسان میں دو قسم کی عقل ہے
ایک عقل صائب اور دوسری عقل معاش۔ عقل صائب انسان کو ہمیشہ قانع اور شاکر اور صابر
رکھتی ہے لیکن عقل معاش کام کی طرف متوجہ اور راغب کرتی ہے۔ ہمت اور استقلال اور
عزم اور تدبیر اور محنت یہ سب عقل معاش کے رفقا ہیں جن کی مدد سے وہ انسان کو خوش نصیبی
پیاری اور خوشرو شاہزادی کے در دولت تک پہنچا دیتی ہے۔ لیکن عقل معاش کی پیروی اور
فرمانبرداری میں ایک بڑی قباحت یہ ہے کہ انسان حرص کے پھندے میں پھنس جاتا ہے
چونکہ حرص خوشی کی ہم نشین اور قریب کی رشتہ دار ہے اس لئے جو شخص خوشی کے دربار میں
باریاب ہوتا ہے اُسے حرص اپنے دام تزویر میں پھنسا کر ہمیشہ کے لئے پریشان اور سرگردان
رکھتی ہے اور کبھی خوشی کا مونھ نہیں دیکھنے دیتی۔

مصنف مرحوم کی تمام تصنیفات کو شائع کرنے کی غرض سے چندہ ہوا ہے اور اُمید ہے
کہ یہ کام پبلک کے حق میں بہت مفید ہوگا۔ آئینۂ فرہت محمد رحمت اللہ رعد صاحب کے نامی پریس
کانپور سے بقیمت ۸/ آنہ مل سکتی ہے۔"

M. Nazir Ahmad, B. A., has been appointed Judicial Secretary in the Khairpur State, Sind.

M. Mahfuz Ali, B. A., has been appointed Registrar of the Court, Khairpur State, Sind.

M. Bunyad Ali, B. A., has been appointed Head Master of the Hathras School.

M. Nabi Bakhsh, B. A., has been appointed Headmaster of the Anjuman School, Gujranwala.

M. Abdul Haq, B. A., has been appointed a Translator in Hyderabad.

M. Ali Ahmad Khan, B. A., has been appointed Headmaster of the Anjuman School, Peshawar.

M. Naim Khan, B. A. has been appointed Headmaster of the Anjuman School, Nagpur.

Durlabh Sahai, B. A., has been appointed Headmaster of Chandausi.

SUBSCRIPTION

We have much pleasure in stating that M. Raza Ali, B. A., a graduate of the M. A.-O. College, employed in the Opium Department, has very generously given a subscription of Rs. 500 to the Strachey-Hall.

COLLEGE VACATION.

On account of the outbreak of cholera the dates of the vacation have been altered. The vacation commences on Aug. 1st and terminates on Oct. 10th.

THE CRICKET CLUB PAVILION.

Subscriptions and promises are still coming in, in a very satisfactory manner, and we can now say that the Pavilion is something more than a doubtful possibility. We hope to get the work in hand at the beginning of the October term.

The following subscriptions and promises have been received since May.

Amount previously acknowledged	Rs.	1,181	0	0
Mr. LaTouche	,,	100	0	0
,, Nabi Jan	,,	50	0	0
,, Wilayat Ullah	,,	25	0	0
,, Alexander	,,	32	0	0
,, Raza Ali	,,	25	0	0
,, Habib Ullah	,,	5	0	0
Total July 28	Rs.	1,418	0	0

ENTRANCE CLASS ENTERTAINMENT.

The penny readings of the Entrance Class Debating Club came off successfully on the 18th July. The recitations and the dialogue especially the latter, were very nicely done. The performance of the dialogues elicited much laughter and applause from the "audience" Akhtar Zaman especially distinguished himself by his spirited acting.

The Urdu poem of our little Said Husain was read nicely, we congratulate him upon it. All in all 8 languages were recited which is a perfect testimony to the hearers of the success that school students have attained in the way of public speaking.*

We were most gratified by the presence of the college staff and some European civilians, which inspired and encouraged the students very highly, we beg to thank them for their kindly interest in our Society. The following is the programme, the whole of which was most successfully gone through :—

PART I.

An English poem	Akhtar Zaman, Lazim Rahman, Mahomed Isa, and Abdul Hamid
Urdu.	Akhtar Zaman, Said Husain, Shah Zaman, Aminul Haq and Raza Husain (of his own)
Hindi	S. Abdul Majid.
Persian	Naimuddin Khan
Arabic	Mahomed Yakub.
Pasto	Mutiuddin Khan.
Sanskrit	Said Husain.
Marathi	S. Abdul Majid

PART II.

A dialogue in English between Rayaz uddin and Abdul Hamid.

An act by Akhtar Zaman and others.

An act by S. Abdul Majid and Akhtar Zaman.

PERSONAL NEWS.

We are glad to state that Mahomed Siddique Esq late Captain of the M. A. O. College Cricket Club, has taken his degree with Honours in the Moral Science Tripos of the University of Cambridge.

* We do not hold ourselves responsible for the opinions of our Correspondents.

XXII.

For with Dark Moghni at his side,
With Black Kabir's good, grubs' to aid,
This match he wishes to decide,
And to the ball his hand has laid.

XXIII.

The first man comes his form to show,
He finds it not mere children's play
He has to deal with a stronger foe ,
And thinks it hard to make a stay

XXIV.

He drives a ball from Moghni's end,
And in the next he hits for four,
And Darky when his third did send
The Middle stump was seen no more.

XXV.

With fear and dread another came ,
O Mark my friends his nervous plight
How throbs his heart, how shakes his frame,
Lo! in the last he takes his flight.

XVI.

The Captain then bowled nasty balls,
How hard they go Oh dear dear me!
Sometimes you see a wicket falls,
Sometimes the battsman rubs his knee .

XXVII.

At last a batsman made a stand
He hit (the finest hit he thought)
But cruel Zaman stretched one hand
And then we heard a voice " well caught."

XXVIII.

It seems to me of no avail
To tell about this any more,
With but this line I close my tale
That twenty one was their poor score.

Composed for and recited in
The Penny readings
of the
Siddon's Union Club.

25th July 1896.

MOHAMMAD ALI III YEAR

XIV.

Towards his bat down comes the ball,
He tries to swipe it off to leg ;
But ay ! look there his wickets fall
His score is but a big duck's egg.

XV.

The fielders now do cry "Man in"
For bulky *Shaukat* takes the bat,
In those big hands 'tis but a pin
As he's uncommon tall and fat.

XVI.

He has the 'Aikman' medal gold,
Which he received from L G's hand,
A silver one his scarf does hold
For at the top he twice did stand.

XVII.

He is the dread of bowlers all,
With bat he always held his own,
For six he's often sent the ball
And finest cricket ever shone.

XVIII.

Thank God ! he now has made a stay,
He hits the ball to left and right
And shows to all his dashing play ;
They cry "Lost ball" "Tis out of sight."

XIX.

The fielders are now quite dead beat;
"Have mercy God" their hearts now cry
And when they see this greatest feat
To Victory's hope they say Good bye,

XX.

A trick at last the bowler found,
He has him now there is no doubt;
A 'bailer' comes but spinning round
The bail falls down and he is out.

XXI.

We now declare our inning's closed,
And Moghni from the field retires
To send them in we have proposed,
'Tis great *Abdullah* who desires.

VI.

Ay! Look at them——the finest 'glides',
His bound'ry drives, the third man strokes,
Which call due praise from both the sides
And hurrahs loud from all the folks.

VII.

They telegraph five score and one,
To uncle's credit sixty stand;
The College Boys now cry "well done"
"We're sure you'll come out bat in hand."

VIII.

The bowler pitched a 'Yorker' then,
To hit the nasty ball he jumps
A 'Skier' now hope to see, all his men,
But Oh? my Lord where are the stumps?

IX.

Sarfraz then takes old uncle's place
A sort of nervousness he feels,
He shows a pale and haggard face
A chill into his limbs now steals.

X.

He's bent on making mighty scores,
He sees a medal in the air,
And tries to grasp it with his fours,
And show that he's the finest play'r.

XI

O'er Mosque he often sends the ball,
Their heads while all the bowlers shake,
He won his triumph at Nainital
He sent a fine ball in the Lake.

XII.

But see the av'rage list my men,
With but his ten he falls below,
The cause of all this you may ken
He has like tides his ebb and flow

XIII.

But now he comes, the fielders fly
Towards the big ground's furthest end,
The bowler seems his best to try
He likes his finest balls to send.

M. A.-O. COLLEGE CRICKET.

MY SPORTING READER.

This is my first try in writing English verse and nothing in my opinion could be better than writing something about the college cricket club. The members of the eleven, which played a part in this poem, should not be dissatisfied in any way, for they should bear in mind that Cricket is, a game of chance and they ought to hope for better luck the next time I write.

My sporting readers! I crave your pardon for any defects of which I think there will be a good number and as an excuse, I put forward my own incapacity and the fact that this was composed only in three hours.

Without any further apology, I present it to you as it is.

I

Who knows the gladness of my heart?
As to the Cricket lawn I fly
To witness ball and bat's great art
And how for catches fielders try.

II.

Lo! Azmat comes by Moghni's side,
To show a splendid dashing game
And keep the dear old College pride
The great repute, the well-won fame.

III.

Do you now see those lovely drives,
Which Azmat sends for threes and fours?
O! look at DARKY how he strives *Moghni.*
To hold his own in biggest scores.

IV.

"How's that"? "he's out" the umpire cries,
Poor Azmat has to leave the ground,
His leg before the wicket lies
But thirty six his score is found

V.

Lo friends! The *[illegible]* comes *Ziaullah Khan*
For several hours to make a stay,
He thinks the bowlers all his 'chums'
With ease the hardest ball does play

Ali, our old Cricket Captain, also took an important part was exceptionally well done, nothing could have been better. Both the "Chief Justice and his wife" acted their parts as well as could be. The grave but laughter-exciting appearance of Ziaullah Khan—the "Chacha" of the College, his Irish Latin phrases and his constant side-glances at the daughter of the Chief Justice elicited peals of laughter and loud cheers from the audience.

The humorous delineation of a "first Class Hindustani gentleman" by old Shaukat with old gestures and queer movements was highly applauded with loud and continued cheers from all present.

The poem in English on "the M. A.-O College Cricket" by Mahomed Ali Khan was extremely interesting This was his *first* attempt at composing poetry in English although he has composed many excellent poems in Urdu. The purity of style and the simplicity of expression, the maturity of thought and his mastery over the language cannot be praised too much * But our admiration and appreciation of the poem is still more enhanced if we duly take into consideration these two facts—that it is his first attempt and next that it is not his mother tongue in which he has written the poem. We shall publish the poem in full and we now congratulate our friend heartily for his success. We append the programme—the whole of which was successfully gone through.

PROGRAMME OF THE PENNY READING.

PART I.

1.	Hyder Hassan	......	An Urdu poem of his own composition
2.	Ihsanul Haqq	......	An English poem
3.	Mahomed Sultan	......	An Urdu poem of his own composition
4.	Khwaja Mahmood Hosain	....	H. E. the Bengali Babu
5.	Mobarak Ali Azad	....	An Urdu poem of his own.
6.	Mahomed Ali Khan and others..		Play (The four geese)

PART II.

1.	Mahomed Ali Khan	....	An English poem of his own composition
2.	Mahomed Ismail	....	An Urdu poem of his own composition
3.	Shaukat Ali Khan	....	A first class gentleman
4.	Maulvi Wahid-uddin Saheb	.....	An Urdu poem from Hali
5.	Akhtar Zaman	....	An Urdu poem
6.	Shaukat and others	....	Play (scenes from Sheridan's

K. M. H.

* We do not in all cases identify overselves with the views of our correspondents. Ed,

law". Our Dumbbell exercise is daily progressing. The effect which it has produced up to this time prophesises great achievements in the future. This half hour's morning exercise I consider by no means the least effective means in promoting the physical welfare of our students.

MAHOMED SARFRAZ KHAN,
Drill Captain.

THE RIDING SCHOOL.

We are glad to be able to say that our Riding School is now in a very satisfactory condition, and this is chiefly owing to the kind attention of Mr. Morison. There are now 27 members in it including Professor Tipping. Judging from the number of horses sent daily to the school for exercise, it appears that the gentlemen of the station take a keen interest in the institution.

Ahsanul-Haq is officiating Captain in the place of Abbas Ali Khan who is away. Ahsan and Akhtar have been taught tent-pegging by our able Ride-Master Jemadar Dost Mahomed Khan.

AHSAN-UL HAQ.

A PENNY READING OF THE SIDDONS UNION CLUB.

On Saturday the 25th of July a Penny Reading was held at 8-30 P. M. in the Siddons Union Club. Almost all the boarders and most of the resident teachers were present. But we could not, on account of the intense heat and for want of sufficient accommodation, invite the European gentlemen of the station. Mr. Beck, the President of the Club, and Mr. Tipping however were kind enough to accept our invitation.

Four or five Urdu poems, composed for the occasion, were recited and met with great success Foremost of them all was the poem by Mahomed Ismail, the popular and philosophical poet of the College, on "the physical exercises in our College," especially the cricket refuting by the way the common but ridiculous objections usually brought against our College games and exercises The poem from beginning to end was undoubtedly an excellent piece of poetry and was highly admired both for the purity of language and the soundness of arguments with which our poet repudiates the erroneous idea still prevalent among some of the old fashioned men, that manly games and physical exercises are detrimental to study and that they cannot go hand in hand. The other by our worthy friend Hyder Hassan was also received with great applause. The pithy joke by Mahomed Sultan was equally approved of and admired by the audience.

The first play in which Mahomed Ali, Ehsanul Haqq and Akhtar Zaman took the prominent parts was nicely done. The other play, however, in which Shaukat

The Instructor is now in regular attendance and it would be better if more advantage were taken of his presence.

There are many students in the school and College who do not play either football or cricket; and a course of gymnastics would undoubtedly be a great benefit to them and perhaps through them an advantage to the College. We trust the hint will be taken.

ASHRAF KHAN.

ATHLETICS.

Little has been done this month in Athletics on account of the weather. We had arranged to hold our monthly Athletic Sports in the middle of the month but the rains made it impossible.

We hope to make a fresh start next term, and intend to work hard to keep up our reputation.

ABDUL HAFIZ.

FOOTBALL.

Football has for various reasons been less flourishing, of late, than we should like to see it.

This may be put down to two main causes First the absence of Mr. Morison who has always been the life and soul of the Club. Second the accident to our Football Captain Shahab-uddin, which was so serious as to deprive us for a long while of his help and encouragement. Shahab-uddin we regret to say has left us and we are now looking out for a successor; but Mr Morison has happily returned, and already his influence may be seen at work, in the revived interest that is being taken in the game.

Football practice is going on now with great vigour, and judging from the very respectable number who are playing every day we ought to be able to find plenty of material for a team worthy to sustain the reputation of the College.

DUMBBELLS.

Mental exercises without physical development have very often proved harmful. It was on this principle that manly games were introduced in Colleges and Schools. Cricket and football have done something to the purpose and our College has achieved an established fame during the last few years, but a complement was required to make up the deficiency. It is due to the kind attention of Professor Morison whose interest in this part of education is as warm as his well-wishing efforts to kindle in us the idea of self-respect and sense of duty, that the deficiency is removed. He has lately established the Gymkhana Club on a firm footing and has made the exercises at Dumbbells obligatory. Discipline results in order and Order the poet rightly says is "Heaven's first

The time actually devoted to athletics in the Aligarh College is about 2½ hours, viz 6 to 7 A. M. compulsory physical exercise (Drill or Dumbbells) which is not obligatory in the B. A. Classes and about 1½ hour from 5-30 to 7 P. M. when cricket or football is being played in the fields. Attendance here is not compulsory and the idlest students in class never turn up there.

If any parent whose son works at home will take the trouble to compute the number of hours he is not actually working hard at his books he will find that it is much more than 2½ hours and I shall be very much surprised if he is as well employed as he would be in the College play-ground.

THEODORE MORISON.

9th July 1896.

THE DUTY.

At a meeting of the members of the Duty Society, held on July 17th, it was decided (1) That Rs 300 be granted towards scholarships for the year 1896-7.

(2) That Rs. 60 be sent to the Principal of the Roorki College in order that Rs 5 a month may be paid to Habib Ahmad, an old student of the M. A.-O. College, now reading in the upper subordinate class of the Engineering department. This scholarship is to be called the Masud Bismillah Scholarship, the money having been collected on the occasion of the Bismillah of Syed Ross Masud, the grandson of Sir Syed.

A hearty vote of thanks was passed to Porf. Ziauddin for his gift to the Duty of the net profits of the sale of his notes on solid mensuration. The profits are expected to reach, at least, Rs 30 The sums collected for the Duty during the past two months are as follows —

1.	Collected by Mahmud Beg for Mosque Fund	.. Rs	1-0-0
2.	Given by K. B. Wali Mohammed of Nabha State	.. Rs.	5-0-0
3.	From Munir Husain, B. A., from Sirsa	.. Rs.	1-0-0
4.	Given by Professor J. C. Chakravarti on the occasion of his son's investiture with the sacred thread	.. Rs.	25-0-0
5.	Given by Kalb i-Hassan Khan of Rampur	... Rs.	1-0-0
		Rs.	33-0-0

GYMNASTICS.

The unsatisfactory results in last year's College and School tournaments make us anxious about the future.

We have several promising gymnasts now in practice, some of whom, we are glad to say, are from the school.

This is satisfactory as far as it goes; but there is no reason why more interest should not be taken in this branch of athletics.

on the benches. If they stayed in school 16 hours a day in this frame of mind they would learn nothing. In a well-managed school the boys should be on the alert during all the hours they are in school, and it has been found necessary in well-managed English schools to provide breaks in the work as a young brain is *not* capable of a continuous strain of three hours duration. The practical result is that the best schools in England *do not work as long* as the students of the M.A.O. College, it would be impossible to introduce the English system in Aligarh now because the masters do not understand how to bring into play all the faculties of their students.

To say, however, that healthy recreation is injurious to boys is to show complete ignorance of human nature and of the methods in which the human brain works effectively.

Since cricket has been played in the M. A.-O College there have been eight cricket captains, *viz* Muhammad Rafiq Esq., Barrister-at-Law, B A, (Cantab) Judge of the Small Cause Court.

Sajjad Hosain Sahib, B. A., Trustee of the M. A.-O. College.

The late Ahmad Hosain Saheb, B. A., in his time one of the most distinguished students of the College

Muhammad Amin Sahib, Court Inspector of Police, one of the most rising officers of the Police.

Muhammad Sadiq, Esq, B A, Barrister-at-Law.

The late Jamadar Muhammad Abdullah Saheb who received rapid promotion in the Hongkong Regiment to which he was given a direct commission.

Shaukat Ali Saheb, B. A, recently appointed to a post in the Opium Department on a starting pay of Rs. 150

Muhammad Abdullah Saheb, B. A, the present Captain, now reading for his M. A.

There have been but three foot-ball captains. I do not know what has become of the first Kamal-uddin Saheb; Syed Zain-uddin Saheb, M. A., Deputy Collector, was the second and Shahab-uddin Saheb, B. A., now reading for his M. A., was the third.

I am prepared to say that a list of the M. A's of the Allahabad University will not show a collection of men who have done so uniformly well in life, and it will be noticed that the scholastic distinctions which our Cricket and Football Captains have achieved is far above that which an average of the students of any College could show. The explanation is that anything which calls out the latent energy of a growing boy to the extent that athletic games do is beneficial to his intellectual development.

The students of the school classes at present work as follows :—

Preparation in morning school 2 hours [7 to 9 A. M.]

School hours 5 hours [10—1 and 2—4] Preparation at night in their own rooms after the evening meal—1 to 2 hours. Thus it will be seen that every student of the M. A.-O. College School is compelled to work for 7 hours under the eye of a master and he is trusted to work at night in his own room for another hour or more. In the cold weather the school boys are re-assembled after dinner and work for an hour and a half at night school. Total 8½ hours

Does any body believe that if there were no play ground he would work at his books for another hour or more? The supposition is ridiculous. It is possible to force a boy to sit before his books for a longer time but it is *not* possible to make him use his brain for more than eight hours. Let any body who disbelieves this set to work to learn 100 new words in a strange language. He will learn and retain 40 or 50 without much difficulty; but if he attempts to learn 25 more he will find that he is beginning to forget the words he learnt at the beginning. Very few men indeed can learn the whole 100 at one sitting, the brain after mastering 70 words refuses to work however zealous the learner may be.

Any intelligent system of education recognises this, the aim of every school should be to make the students work *with all their might* while they are at their books *viz* for eight hours. After that it should provide them with healthy recreation that their brains may be thoroughly rested and return to work next day fresh and vigorous.

The benefit of athletic games is that they provide a healthy and bracing recreation giving the mind a complete rest and change and at the same time train the character in various ways. Of this training the most important attributes are pluck, decision, good temper and subordination of self These cannot be taught in any other way that I know of and the studious recluse is conspicuously wanting in them. This is the reason that they are valued by Englishmen.

A predeliction for athletic games does not in the least prevent a boy from working hard in school hours.

It would be as reasonable to say that food and sleep are injurious to his studies. The boy who really does harm in an institution is the one who neither works nor plays but is indolent and half-hearted in everything.

The failure of the M. A.-O. College school in the last Entrance Examination is due to perfectly obvious causes. It has been badly managed. The masters do not know how to teach and they do not work hard enough. In consequence the boys have not been compelled to work and instead of exerting their brains in school and devoting all their attention to the lesson they chatter together or doze

der for relaxation and improvement of the health without encroaching on the time available for study. Or we may appeal to the experience of other schools in India and show that equally bad results are to be found in schools which are guiltless of making any attempt at physical education, or to the experience of England where sports are practised much more than here; or to the example of Englishmen whose brain power has not been exhausted by the development of their muscles. None of those arguments will have any effect on those who hold that games should be avoided as vices by the student, and that our sole object should be to emasculate the manhood of the rising generation and rear up an effeminate race of weaklings as the future representatives of the nation. "Destroy what you have succeeded in, and you will succeed in what you have failed in. Do not attack the disease itself, but attack the healthy parts of the system. This is the advice we receive. It is as if a man were suffering from a weak digestion and the doctor cut off his arms as the remedy.

We shall of course adopt no such course. We shall set to work (as indeed we have begun) to thoroughly reorganise our school teaching. In the first place we shall make the boys work. We shall subject the work of the teachers to much closer supervision. We shall consider every branch of the course of studies and modify it to correspond more closely to the University curriculum. We have no doubt that in a year or two the M. A.-O. College school will be able to hold up its head as one of the best teaching establishments in the Provinces. But we shall not diminish in any way the physical education of our students, but shall on the contrary endeavour to make it more regular and complete. And we shall patiently wait for experience to justify our action and exhibit the truth of the old saying that the proper object of education is *mens sana in corpore sano.*

THEODORE BECK.

ATHLETIC GAMES IN THE M. A.-O. COLLEGE.

There is no greater delusion than that which prevails in the Musalman community that athletic games interfere with the proper scholastic work of students.

A growing boy is awake for about 16 hours out of the 24. He cannot work effectively for more than half this time viz. 8 hours. It is clear to any one that a man or boy cannot exert the muscles of his body for more than a certain number of hours every day, after a certain time his muscles are tired and he ceases to be capable of exerting them. The same is true of the human brain; it cannot be exerted for more than a certain number of hours, eight hours is generally allowed to be the longest time that it can be worked effectively.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 4.	AUGUST 1, 1896.	No. 8.

WORK AND GAMES.

The professional educationist labours under a disadvantage similar to that of the politician, a disadvantage to which the lawyer, doctor, engineer and other specialists are not liable, namely that most persons who have had no special training in the subject in which the teacher has acquired knowledge and experience think themselves perfectly competent to tell him how he should do his work. We have had an example of this in the criticisms with which we have been favoured on the bad result of the M. A.-O. Collegiate School in the Allahabad Entrance Examination. But the line of thought adopted by our critics is very surprising to the professional mind. They do not seek to discover defects in teaching and organization, but they ask if there is anything in which our school does well, for that will probably be the reason why our teaching is bad. Yes, we do well in sports, is the reply We train up our students to be strong and healthy. "Oh if that's the case" they answer with immediate and unshakable conviction, "there's no need to look any further. Never mind about the teaching, but abolish your sports, let the boys grow up weak and unhealthy, and your University percentages will leave nothing to be desired." We may appeal to statistics we may show that our day-scholars do no better than our boarders; that many boarders who failed had abstained from handling a cricket bat or propelling a football; that our B. A. results have stood for years above the University average; that the Captains of both cricket and football clubs have this year taken their degree. Or we may appeal to reason and show that as out of the 24 hours only about two-thirds of the time are taken up in sleep and work, an hour or two may be taken out of the remain-

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A.-O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs. 3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. p. for Rs. 3 or for Re. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 2 annas per line or Rs. 2 per page in Urdu.

THEODORE BECK,
English Editor.
MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,
Urdu Editor.
NIAZ MUHAMMAD KHAN,
Manager.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 4. | AUGUST 1, 1896. | No. 8.

CONTENTS.

Printed at the Institute Press, Aligarh.
For the Siddon's Union Club.

محمڈن اینگلو اوریئنٹل کالج

میگزین

جلد ۴	یکم ماہ جولائی سنہ ۱۸۹۶ ع	نمبر ۷

فہرست مضامین

انگریزی

اردو

مطبع انسٹیٹیوٹ [illegible] ممتاز الدین کے اہتمام سے چھپا

کالج میگزین

قریبا پانچ برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اردو ملا ہوا — علیگڈہ کالج سے نکلنا شروع ہوا — اول اول وہ علیگڈہ انسٹیٹیوٹ کا ضمیمہ بنکر نکلتا رہا — لیکن سنہ ۱۸۹۴ع میں اس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی — اسکے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے — اور اسوجہہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپی نہ تھی *

اس خیال سے اس کے منتظموں نے اس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جاے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ — مسلمانوں کے علوم و فنون — تاریخ اور لٹریچر کے متعلق — مفید اور پر زور مضامین لکھے جاویں — اس غرض سے اس کے ۲۴ صفحہ بالکل اردو کے لیئے مخصوص کردیئے گئے — اور اس صفحہ کا اہتمام مولوی شبلی صاحب نعمانی نے اپنے ذمہ لیا ہی اور وعدہ فرمایا ہی کہ اس کی ترقی میں وہ حتی الامکان کوشش فرماوینگے *

ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی — نواب محسن الملک — مولوی نذیر احمد — اور منشی ذکاءاللہ وغیرہ بزرگوں نے اس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہی — اور اہل قلم بھی اگر اسکی اعانت فرمائینگے تو ہم نہایت فخر کے ساتھہ قبول کرینگے *

ہمکو امید ہی کہ ہندوستان کی اسلامی جماعت خریداری سے اس کی اشاعت میں مدد دیگی — میگزین کے کل صفحات ۴۰ ہیں اور قیمت معہ محصول ڈاک — ([illegible]) *

اس میں اشتہارات بھی ۲/ فی سطر کے حساب سے درج ہوا کرینگے ایک صفحہ کے چھپوانے والوں سے عصا ایک ماہ میں لیئے جاوینگے *

تھیو ڈور بیک اڈیٹر انگریزی
مولوی شبلی نعمانی اردو ایڈیٹر
نیاز محمد خاں — منیجر

سرسینس

(جو قومیں عرب کہلاتی تھیں وہ بالآخر سرسینس کے نام سے موسوم ہوئیں)

اس لفظ نے بڑے محقق مورخوں کو بھی اب تک اپنا صاف چہرہ نہیں دکھایا ہے جتنا زمانہ ممتد ہوتا گیا ویسی ہی اس کے انکشاف پر تاریکی پھیلتی گئی۔ اس لفظ سے جتنے امور تعلق رکھتے ہیں ابھی تک وہ سب معرض بحث و غور میں ہیں تاریخی محنت نے کسی امر کے متعلق ابھی تک قطعی شہادت ادا نہیں کی ہے چند امور اس لفظ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ زمانہ وضع۔ واضع لفظ۔ لفظ کی ہیئت اصلی۔ اسکا مسمیٰ۔ تمام امور کے تردد اور اختلاف کا رُخ۔ لفظ کی ہیئت اصلی کی جانب ہے۔ مورخین کی ایک جماعت اسکو عربی النسل قرار دیتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اسکو عربی لفظ سرقہ سے مشتق کیا ہے جس سے عرب کی وحشت اور رہزنی کے طرف اشارہ پایا جاتا ہے سرسری النظر لوگوں نے اگرچہ اس خیال کا اتباع کر لیا ہو لیکن محققین نے دو وجہ سے اسکو تسلیم نہیں کیا۔ اولاً یہ کہ یہ نام مصنفین کو کہاں سے ملا یہ ظاہر ہے کہ اس نام کو خود عرب نے وضع نہ کیا ہوگا بلکہ کسی اور قوم کی زبان سے لا یا گیا ہوگا۔ عرب ایسے نام کو کب گوارا کرتے جس میں اُن کی ذلت پائی جاتی۔ دوسرے یہ کہ جو لوگ علانیہ قزاقی کے لئے مشہور ہوں اُنپر سارق کا اطلاق جائز نہیں ہو سکتا جس کے

معنی خفیہ چوری کے ہیں۔ فاسٹر نے اسکو صحرا سے ماخوذ کیا ہے۔ بعض مورخین نے اسکی اصل سرج نکالی ہے۔ بعض نے اسکا ماخذ لفظ شرک کو قرار دیا ہے۔ ان تمام احتمالات کی تردید ہو گئی ہے نگاہ تحقیق کے سامنے سے وہ سب ہٹ گئی ہیں ایسی بے چینی کی حالت میں ایک تسلی بخش احتمال مورخوں کے خیال میں آیا کہ اس کی اصل شرقیین ہے اسکی تائید ایسے طبعزاد قرائن سے ہوئی جنکو متلاشی طبائع نے عموماً قبول کر لیا ہے۔ ان مورخوں کا قول ہے کہ یہودی عرب کو شرقی خیال کرتے تھے اُن کی آبادیاں شرق میں عرب سے محدود تھیں توریت یقطان کی اولاد کو مشرق میں بیان کرتی ہے۔ یرمیاہ نبی نے اعراب بنی قیدار کو اہل الشرق کہا ہے۔ تاسوس لکھتا ہے کہ میں نے اپنی سفارت کو جو بنجاب بنی عثوفیہ۔ بنی حمیر اور سرسینس اور دیگر اقوام پرستش کنندہ کی تھی تعمیل کر دی۔ آمیں سرسینس کو شرقی اقوام کے زمرہ میں بیان کیا ہے اس لیے کہ وہ مشرق میں آباد تھے اس احتمال کو مجد فیروزآبادی اور صفی الدین وغیرہ کے بیان سے بھی مدد دی کہ مشرق کے اور چند مقامات بھی بدیں وجہ کہ وہ شرق کے اور حصوں میں واقع تھے بنام شرقہ اور شرقیہ موسوم تھے اور ان مقامات کے باشندے اہل الشرق کہلاتے تھے۔ نیز مغاربہ کے لفظ پر اُنہوں نے اعتماد کیا جب مغربی حصوں مراکش وغیرہ کے باشندے اپنے آپکو مغاربہ کہتے تھے تو عرب مشرق کے رہنے والے اپنے آپکو شرقیین اور مشارقہ کہتے ہوں گے ورنہ کیونکر وہ دونوں ممیز ہو سکینگے۔ یہی وجہ ہے کہ بوعلی سینا کی نامی کتاب کا نام سراسینک فلاسفی الفلسفۃ المشرقیہ ہے۔

اس قسم کی شاندار شہادتوں سے اس احتمال نے اپنی تمام مخالف احتمالات کے مقابلہ میں فتح حاصل کر لی اور یہی اخیر فیصلہ قرار پایا اور بتا دیا گیا کہ یہ لفظ اصل میں شرقیین تھا

یونانیوں نے اسکو بگاڑ کر سارا کینائی بنایا اور رومیوں نے اپنا [illegible] سنی اُس سے نکالا۔ لیکن اس فیصلہ نے بجائے اس کے کہ فیصلہ کرنے والے کی وسعت نظر ثابت کی ہوتی۔ تنگی اور روشنی ڈالنے کے بدلہ اور گہری تاریکی ثابت کی۔ ایک لغزش تو اسمیں یہ ہے کہ اس تقریر کا منشا ہے کہ عرب میں اس نام کی تولید ہوئی حالانکہ عرب اس نام سرسینیں سے محض ناواقف تھے۔ یہ لفظ صرف یونانیوں میں مستعمل تھا اور یونانی ہرگز ایسا نام تجویز نکرتے جس میں عربی مادہ داخل ہو اور جب یہ مان لیا جائے کہ مغاربہ کی تمیز کے لیئے یہ وضع کیا گیا تھا تو لازم آتا ہے کہ یہ لفظ مغاربہ کا ہمزاد یا اُس کے بعد پیدا ہو اور یہ بالکل خلاف ہے۔ یونانی مصنف سارکینائی کو پہلے ہی صدی عیسوی میں مشرق عرب کے بعض قبائل پر اطلاق کرتے تھے اگرچہ وہ اسپر متفق نہیں ہیں کہ کونسا خاص قبیلہ اس نام سے موسوم ہے اور لفظ مغاربہ سنہ ہجری کے عرصہ دراز کے بعد مراکش وغیرہ کے مسلمانوں نے اپنے لیئے قرار دیا تھا۔

اصلی واقعہ یہ ہے کہ جب پہلی صدی عیسوی یا اس سے پشتر یہ لفظ وضع کیا گیا ہے تو اولاد ربیعہ برادر نزار کے بعض نہایت دلیر خاندان بکر و تغلب و ایاد وغیرہ یونانیوں کی سرحد پر مشرقی جانب آباد ہو گئے تھے۔ یہ حصہ فرات کی جانب ایشیای کوچک کے شرق میں تھا ان حصوں پر اقوام عرب کا شاہانہ اقتدار تھا غرب میں یونانیوں پر اور شرق میں ایرانیوں پر وہ اپنے پرزور اسلحہ کی آزمایش کرتے رہا کرتے تھے۔ عربی حملہ آوروں کی گرد باد ہمیشہ یونانیوں کے دلوں کو مکدر رکھتی تھی اور بحن جدی نے اُن مشرقی بادیانوں کو ایشیای کوچک کے باشندوں کے لیئے مہیب بنا رکھا تھا اور اسی زمانہ میں فلسطین کے شرقی حصوں میں غسانی خاندان "یمن سے جلاوطن ہو کر نمودار ہوا تھا یہی فلسطین کے یہودیو

دینوی اور مذہبی شوکت کا عرصہ دراز سے مرکز بن رہا تھا۔ آہستہ آہستہ غسانیوں نے یہودی
آبادیوں پر قبضہ کرنا شروع کیا اور اپنی تگ و تاز کے لیئے دمشق تک میدان صاف کرلیا
یہودی" غسانیوں کے خوف کو اپنی مشرقی آرام گاہوں سے دور کر سکتے تھے۔ لیکن رومیوں
کے جرنیلوں نے اُن کی آبائی ریاست کو گُند کر دیا تھا اس طرح پر یہ دونوں موقعوں کا منظر
ہمکو بتا کرتا ہے کہ اُس زمانہ میں یونانیوں اور یہودیوں کے تعلقات ان دونوں خاندانوں
سے کیسے تیرہ و تار تھے جن میں سے یونانیوں کے حریف بنی ربیعہ خاص حضرت اسمعیل
کی نسل سے تھے اُنکی رگوں میں اسماعیلی روح تھی اور یہودیوں کے حریف گو حضرت اسمعیل
کی نسل سے نہ تھے لیکن اُنہیں کے ہموطن اور اُنہیں کے ہم اوضاع اور غیر قوموں کی نظر میں
یک رنگ تھے۔ ان دونوں خاندانوں کی تندی کو جب وہ سیف و سنان سے نہ روک
سکے تو ضرور انہوں نے اُسی وقت میں خاص ان خاندانوں کے لیئے ایسا لفظ گھڑا ہوگا
جو اُن کی اندرونی سوزش کو کسیقدر کم کر سکے اور مفتخر خاندان عرب کے لیئے ننگ و عار
کی ناگواری اُس میں مضمر ہو چنانچہ یونانیوں نے خود یا یہودی کی سرگوشی سے لفظ سارا کینائی
اُن کے لیئے قرار دیا جس کے معنے ہیں سارا کے غلام بنی اسمعیل چونکہ حضرت ہاجرہ کے بطن
سے تھے اور یہودیوں کی کچھ روایت کے موافق حضرت ہاجرہ سلطان مصر کی کنیز تھیں
اسواسطے یہ نام وضع کیا گیا یونانی آبادیاں اس لفظ کی پیدایش کے لیئے اسواسطے موزوں
تھیں کہ اسمعیل کی ذریت خاص اُن کی آبادیوں کے سامنے آباد تھی۔ اور یہ لفظ کینائی یونانی
ہے اور یہودیوں کی سرگوشی کی اسواسطے ضرورت تھی کہ یہی روایتوں اور دلی خیالات
شائع کرنے میں اور قوموں کے لیئے یہودی ہی رہنما تھے اور اُس میں سارا کے اعزاز اور
ہاجرہ کی مذلت کیطرف اشارہ تھا جس سے اس لفظ کا معنوی تعلق یہود سے معلوم ہوتا ہے

یہی وجہ ہے کہ اس لفظ کے ماخذ معلوم کرنے میں زیادہ تر گمراہی عہد وسطی کے بعد ہوئی جس کا نام ڈارک ایج یعنے عہد تاریک ہے جب سے اس عہد مذہب اور منور گولڈن ایج میں یہ لفظ پہنچا ہمیشہ اُسکا چہرہ دہندلا ہوتا گیا جب تک وہ عہد تاریک میں تھا اُسکا چہرہ سب مورخوں کے لیئے صاف تھا چنانچہ نہایت محقق اور قدیم مؤرخ ڈوکانگی نے اس لفظ کو سارا حضرت ابراہیم کی بیوی کے نام سے ماخوذ کیا ہے اور عہد وسطی کے تمام عیسائی مصنفین کا اسی رائے پر اتفاق ہے۔

اس امر کی تعیین میں کہ وہ مشرقی خاندان کونسے تھے جن کے لیئے یہ لفظ اول اول وضع کیا گیا بعض مورخوں نے کامیاب محنت کی ہے چنانچہ ٹلیمی اور ایم اے امینس نے مان لیا ہے کہ سارسینیس عرب پٹیریا اور میساپٹیمیا کے اُس حصہ پر آباد تھے جو رومی اور ایرانی سلطنت کی حد پر واقع تھا اور یہی موقع وہی جو اولا دبعیہ کے قیام کے لیئے ہم نے خیال کیا تھا کہ اولاً سارسینیس صرف اُنہیں چند خاندانوں کے لیئے وضع کیا گیا۔ پہلے ان ہی کے لیئے استعمال ہوتا تھا لیکن عہد وسطی کے مصنفین شام۔ فلسطین کے مسلمانوں اور عرب اور شمالی افریقہ کے عرب کے لیئے استعمال کرنے لگے جنہوں نے اندلس اور سسلی کو فتح کیا اور فرانس پر حملہ آور ہوئے اُس کے بعد یہ تمام اُن لوگوں پر مستعمل ہونے لگا جن کے خلاف صلیبی جہاد کا وعظ کیا گیا اور اس طرح قونیہ کے سلجوق ترکوں اور تمام منکرین فارس پر اُسکا اطلاق ہونے لگا۔ سین اول کا بجائے کاف کے آنا اور اخیر سین کا زیادہ ہوجانا سارا کینائی اور سارا سینس میں کسی قدر بیگانگی کا اشارہ کرتا ہے لیکن بطلیموس کا سین ٹالیمی کے بعد اور گیلن کے بعد جالینوس کا سین اور کاف اور سین کا تلفظ اس بیگانگی کو رفع کر دیگا۔

خدا ایشیا کی منورا ور رست باز روحیں ہمیشہ اپنے سایۂ رحمت میں آباد رکھے جنہوں نے
اِس سپیدہ عنوان کی روایت کو محفوظ رکھا۔ مسعودی اور ابن اثیر وغیرہ موخین اسلام
نقفور قیصر روم کے تذکرہ میں بیان کرتے ہیں کہ اس قیصر کے عہد کی جیسی اور تبدیلیاں مشہور
ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ خیالی تبدیلی بھی ہوئی کہ اُس نے رومیوں سے اس امر کو ناپسند
کیا کہ وہ اہل عرب کو سارا قینوسس کے نام سے موسوم کریں اور اس کے ضمن میں حضرت
ہاجرہ اور اُن کے فرزند حضرت اسمٰعیل کی توہین کی جاے اور اس نام سے تبایا جائے کہ
حضرت ہاجرہ حضرت سارا کی کنیز تھیں۔ اس جری اور حق گو شہنشاہ نے صاف کہدیا
کہ یہ خیال بالکل جھوٹ ہے کہ حضرت ہاجرہ حضرت سارا کی کنیز تھیں۔ کتاب التنبیہ والاشراف
کے صفحہ چھ سو اڑسٹھ نقفور قیصر روم کے تذکرہ میں ہے وانکر علی الروم تسمیتھم
العرب سارا قینوس تفسیر ذلك عبید سارة طعنا منھم علی ھاجرۃ ام اسمٰعیل
وانھا کانت امۃ لسارۃ وقال تسمیتھم عبید سارۃ کذب۔

ابن اثیر کامل کی جلد اول صفحہ ایک سو تینتیس میں تحریر کرتے ہیں وکانت الروم
تسمی العرب سارا قینوس یعنی عبید سارۃ بسبب ھاجر ام اسمٰعیل فنھاھم
عن ذلك۔

یہ نقفور قسطنطنیہ کا وہی رومی تاجدار ہے جسنے خلیفہ ہرون الرشید سے
عہد شکنی کی تھی اور اُس کے نامہ کا جواب خلافت کے حامی نے لفظوں سے نہیں دیا تھا
بلکہ اُس نے اپنی خشمناکی کا اظہار تین لاکھ جرار لشکر کے تند حملہ سے کیا تھا۔ برف سے
ڈھکی ہوئی کوہستانی چوٹیاں اور درّے اُس کے غصہ کی آگ کو نہ بجھا سکے بلکہ ہر قلہ
کی فتح پر اس کے اشتعال کا خاتمہ ہوا۔ اس سے اس شہادت کا پایہ معلوم ہو سکتا ہے

کہ وہ کس آزادی اور فراخ حوصلگی سے ادا کی گئی ہوگی ھذا ما عندی والحق المطرح عند فالق الاصباح۔ فقط

(خلیل احمد اسرائیلی)

روئداد نمبر ۲

اجلاس ممبران بورڈ آف مینجمنٹ مدرسۃ العلوم علیگڈھ

منعقدہ ۲۸ مئی سنہ ۱۸۹۶ء

ممبران موجودہ

سر سید احمد خاں بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل ایل ڈی ٹرسٹی و ممبر۔
حاجی محمد اسمعیل خاں صاحب ٹرسٹی و ممبر۔ محمد مزمل اللہ خاں صاحب ٹرسٹی و ممبر۔
مرزا عابد علی بیگ صاحب ٹرسٹی و ممبر۔ مسٹر تھیوڈور بیک پرنسپل و ممبر
مسٹر تھیوڈور ماریسن انگلش پروفیسر و ممبر۔ مسٹر لولین ٹپنگ پروفیسر و ممبر
بابو جادھب چندر چکرورتی پروفیسر و ممبر۔ میر ولایت حسین صاحب بی اے قائمقام ہیڈ ماسٹر و ممبر
شمس العلما مولوی محمد شبلی صاحب پروفیسر و ممبر

صدر انجمن

مرزا عابد علی بیگ صاحب

مسٹر تھیوڈور ماریسن نے پرپوز کیا کہ مرزا عابد علی بیگ صاحب اس اجلاس کے لئے صدر انجمن منتخب کئے جاویں۔

حاجی محمد اسمعیل خاں صاحب نے اس کی تائید کی اور بالاتفاق منظور ہوا۔

بعد اس کے مندرجہ ذیل رزولیوشن پیش کیے گئے۔

پہلا رزولیوشن

ہر ایک اجلاس میں ممبران موجودہ اجلاس بورڈ آف مینجمنٹ میں سے کسی ایک کو اس اجلاس کے لئے پریسیڈنٹ منتخب کیا کرینگے۔

پروپوز کیا مسٹر تھیوڈور ماریسن نے اور تائید کی حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے اور بالاتفاق منظور ہوا۔

دوسرا رزولیوشن

سکرٹری بورڈ آف مینجمنٹ کو مفصلہ ذیل فرائض ادا کرنے ہوں گے۔

(۱) سکرٹری اجلاسوں کے نوٹس معہ کاموں کی ایک فہرست کے جو اُس اجلاس میں ہوں گے جملہ ممبران بورڈ کے پاس کم سے کم تین دن پیشتر تاریخ اجلاس سے جاری کیا کریگا۔

(۲) ممبران بورڈ جنکو کوئی تحریک پیش کرنی ہو جہاں تک ممکن ہو اُس کی ایک اطلاع سکرٹری بورڈ کے پاس کم سے کم سات روز پیشتر اجلاس بورڈ سے بھیجدیا کریں گے

(۳) سکرٹری بورڈ کے اجلاسوں کے پروسیڈنگ رکھیگا اور اُنکو طبع کرائیگا۔ اور بورڈ کے ممبروں میں تقسیم کریگا۔

اس رزولیوشن کو پروپوز کیا مسٹر تھیوڈور ماریسن نے اور تائید کی حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے اور بالاتفاق منظور ہوا۔

تیسرا رزولیوشن

بورڈ کا اجلاس حسب معمول ایک مہینہ میں ایک دفعہ جب تک کہ کالج ڈپارٹمنٹ کھلی رہیگی

ہوتا رہیگا۔ ماہواری اجلاس کی تاریخ حسب معمول مہینہ کا تیسرا شنبہ ہوا کریگا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ سکرٹری کو درصورت ضرورت پرنسپل صاحب کی صلاح سے تاریخ کے بدلدینے کا اختیار ہوگا۔

اس رزولیوشن کو تھیوڈور مارین صاحب نے پرویوز کیا اور حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے تائید کی اور بالاتفاق منظور ہوا۔

چوتھا رزولیوشن

سکرٹری کو بصلاح صاحب پرنسپل اجلاس خاص کے منعقد کرنیکا اختیار ہوگا۔

اس رزولیوشن کو پرویوز کیا مسٹر تھیوڈور مارین نے اور تائید کی حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے اور بالاتفاق منظور ہوا۔

مطابق چھٹے رزولیوشن کے جو ۹ اپریل کے اجلاس بورڈ اف منیجمنٹ میں پاس ہوا تھا مسٹر تھیوڈور بیک پرنسپل اور ممبر بورڈ نے سب کمیٹی حسابات کی رپورٹ حسب مندرجۂ ذیل پیش کی

اس رپورٹ پر سید ولایت حسین بی اے ممبر سب کمیٹی حساب کے دستخط نہیں تھے مگر وہ اجلاس میں شریک تھے اور اُنھوں نے بھی اپنے دستخط اُس رپورٹ پر کردئیے۔

رپورٹ مسٹر تھیوڈور بیک پرنسپل متعلق حسابات

پروفیسر چکرورتی اور میر ولایت حسین اور میں نے بذات خود اس امر پر ماہ گذشتہ میں اکثر مشورہ کیا ہے۔ حساب رکھنے کا طریقہ میں نے خود تجویز کیا ہے۔ مگر اُن تدابیر میں جو اس طریقہ کے عمل میں لانے کے واسطے اختیار کی گئی ہیں دونوں مذکورۂ بالا ممبران کمیٹی کی بیش بہا مدد مجکو ملی ہے۔ نیز میں نے ان دونوں ممبروں کے سامنے اس طریقہ کو بیان کردیا ہے جو میں نے تجویز کیا ہے۔ اور اُنھوں نے اپنی رضامندی ظاہر کی۔ اب میں مختصر احوال

اس طریقہ کا بیان کرتا ہوں۔

یہ طریقہ دوہرے اندراج کا ہے اور اس میں ہر ایک معاملہ دو حسابوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک دفعہ بطور ڈیبٹ† کے اور ایک دفعہ بطور کریڈٹ کے اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کسی وقت تمام حسابات ڈیبٹ کا مجموعہ جمع کیا جاوے تو وہ مجموعہ برابر ہو جاویگا جملہ حسابات کریڈیٹ کے مجموعہ کے۔ یہ اُصول ہمکو اپنے حسابات کی صحت کا ایک بیش بہا معیار بتاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اُمور داد و ستد کی ایک کامل ترتیب سکھاتا ہے پس اس طرح ہمکو باقاعدہ طور پر مختلف صیغوں اور مختلف فنڈوں کی مالی حالت کے متعلق پوری اطلاع ہوتی رہتی ہے۔

جن کتابوں کی ضرورت ہو گی وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) جرنل (یعنی روزنامچہ) (۲) بنک بک۔ (۳) کیش بک (یعنی نقدی کی کتاب) (۴) پیٹی کیش بک (چھوٹے چھوٹے حسابات نقدی کی کتاب)۔ (۵) اسٹوڈنٹ لیجر (کھاتہ حساب طالبعلمان)۔ (۶) جنرل لیجر (کھاتہ عام)۔

اور مفصلہ ذیل کتابیں کتب مذکورۂ بالا کی مدد کے لیئے درکار ہوں گی۔

۱۔ ایک کتاب طالب علموں کی باقی اور فاضل کی میزانوں کے لیئے۔ ‡ ماہواری میزانیں فیس کالج کی کریڈٹ میزانیں۔ فیس خوراک کی کریڈٹ میزانیں۔ اسمیں درج ہوا کرینگی۔

۲۔ ایک کتاب کالج فیس کی ماہواری میزانوں کے لیئے۔

---

† ڈیبٹ اُس حصہ حساب کو کہتے ہیں جس میں وہ ارقام درج ہوں جو بورڈنگ ہوس کو لینی ہیں یا جو حساب کے ذمہ ہیں۔ کریڈٹ وہ حساب ہے جس میں وہ رقمیں بھی درج ہوں جو بورڈنگ ہوس کے ذمہ ہیں۔

‡ طلبا کی ماہوار باقیات اور فاضلات۔

۳۔ ایک کتاب فیس خوراک کی ماہواری منہائیوں کے لیئے۔

۴۔ ایک کتاب مہانوں کی فیس خوراک اور زائد خوراک کی فیس کے لیئے۔

۵۔ ایک کتاب واسطے اسکالرشپ طلبا کے۔

۶۔ ایک کتاب واسطے دوکان الفرض کے

۷۔ ایک کتاب لاکلاس کی فیس کے واسطے۔

۸۔ ایک کتاب واسطے جرمانہ نماز کے۔

۹۔ ایک کتاب واسطے رائڈنگ اسکول کے۔

اگر ضرورت ہوگی تو اور کتابیں بھی ایزاد کیجائیں گی۔

ان کتابوں کے اندراج کی صورت حسب ذیل ہوگی۔

۱۔ روزنامچہ۔ میں نے یہ کام اُس طریقہ پر شروع کیا تھا جو بہت سے تجارتی کارخانوں میں جاری ہے جہاں یہ طریقہ ہے کہ نقدی کی مدات کو درج روزنامچہ نہیں کرتے بلکہ براہ راست نقدی کی کتاب میں درج کرتے ہیں۔ اسی طرح امدادی کتابوں کی میزانیں بھی روزنامچہ میں درج نہیں کی گئیں اور یہ کتاب صرف اس طرح سے استعمال میں لائی گئی کہ گویا وہ ایک کتاب ہے جس میں صرف وہ حساب درج ہوتے ہیں جو ایک کھاتہ سے دوسرے کھاتہ میں منتقل کیئے جائیں

بہرحال اب میں نے اُن لوگوں کی صلاح سے جو حساب کتاب کی درستی کا کام کرتے ہیں یہ طے کرلیا ہے کہ یہ نہایت مناسب ہوگا کہ روزنامچہ سے جہانتک ممکن ہے کام لیا جاوے اور تمام مدات نقدی اُس میں درج کیجاویں اور تمام امدادی کتابوں کی میزانیں اُس میں درج کی جاویں۔ کام تو بڑھیگا مگر بہت قلیل اور غلطیوں کے خطرے بہت کم ہوجاویں گے کتاب کا بائیں طرف کا حصہ بطور ایک فاضل کتاب کے رہیگا جس میں معاملات داد و ستد

اور وہ احکام درج ہوں گے۔ جو حسابات سے متعلق ہیں۔ تمام معاملات داد وستد یا احکام
معہ اپنے کریڈیٹ اور ڈیبٹ کے مخصوص خانوں کے مقابل کے صفحہ پر درج ہوں گے۔
کہاتہ کے صفحہ کے نمبر بموجب اندراجات کریڈٹ و ڈیبٹ کے جبکہ روزنامچہ کی تحویل کہاتہ
میں ہوگی بہر دیئے جاویں گے۔ اور اس سے ہم اس بات پر نظر ڈال سکیں گے کہ تمام اندراجات
نہایت درستی سے کہاتہ میں تحویل کر لیئے گئے ہیں۔ اگر اکونٹنٹ اس بات کو نجان سکے
کہ وہ کن حسابات داد وستد کو ڈیبٹ میں اور کن کو کریڈٹ میں ڈالے تو وہ اس بات کو
دریافت کرسکیگا قبل اس کے کہ اُن حسابات کو روزنامچہ میں درج کرے۔ اور موافق
اُس طریقہ کے جو کہ میں نے پہلے جاری کیا تہا فوری اندراج کیش بک میں کیاجاتا تہا اور
اس سے اکثر غلطیاں کہاتہ کے حساب کا نام اندراج کرنے میں ہوجاتی تہیں جسمیں کہ اندراج
تحویل ہونا چاہیئے تہا۔ ہر ایک کلرک جو دفتر میں مقرر ہوگا اُس کے اوپر روزنامچہ کو پورے
طور پر کام میں لانے سے اسیات کا کہ ضروری دوہرا خواص ہر ایک معاملہ داد وستد کا
کیاہے زور پڑیگا۔ اور اس طرح سے اُسکو حساب رکھنے کے اصولوں کے سیکھنے میں آسانی
ہوجاویگی۔

نیز یہ کہ اگر روزنامچہ کے ساتھ ایک ماہواری نقشہ یافتنی اور دادنی رقوم کا لگا دیاجاے
تو میزان ڈیبٹ اور کریڈٹ کے اندراجات کی جو جرنل میں ہوگی مساوی ہوگی ماہواری ٹرایل
بیلنس شیٹ کے ڈیبٹ اور کریڈٹ کے مجموعوں کے۔ اور اس سے ہمکو گرفت کا موقع
ملیگا کہ کوئی اندراج دونوں ڈیبٹ کریڈٹ کے اطراف میں کہاتہ کے چھوڑ نہیں دیاگیا ہے
اور سب سے بڑہ کر یہ ہوگا۔ کہ ہمکو نہایت مفید وسیلہ ملجاویگا کہ ہم غلطی نکال لیں۔

نمونہ نقشہ روزنامچہ حسب ذیل ہوگا

تاریخ	معاملہ داد وستد	پائی	آنہ	روپیہ	صفحہ کھاتہ	نمبر چک	ڈیبٹ			کریڈٹ		
							پائی	آنہ	روپیہ	پائی	آنہ	روپیہ

۲ - بنک بک میں وہ رقوم جو بنک کو بھیجی جاویں گی بطرف ڈیبٹ مندرج ہوں گی اور جو رقوم بنک سے واپس لی جاویں گی وہ طرف کریڈٹ میں درج ہوں گی اُس میں ایک خانہ ایسا بھی ہوگا کہ کھاتہ کے صفحہ کا نمبر اُس میں لکھا جائے۔

۳ - کیش بک میری ابتدائی تدبیر کے موافق جس میں کہ روزنامچہ کا استعمال محدود تھا اُس میں ایسے خانے بنے ہوئے تھے کہ حساب کھاتہ کے صفحہ کا نام اور دیگر جزئیات معاملات داد وستد کی دی ہوئی تھی۔ مگر جبکہ روزنامچہ کا پورے طور پر استعمال کیا گیا ہے تو کیش بک میں اور کالموں کی ضرورت نہیں رہیگی۔ سوائے اس کے کہ اُس میں کالم ہوں گے تاریخوں کے اور رقوم ڈیبٹ اور کریڈٹ کے اندراج کے۔

۴ - پٹی کیش بک یعنی چھوٹے چھوٹے حساب کی کتاب میں ایک کالم ہی اُن اشخاص کے دستخط کے لیئے جو روپیہ لینگے۔ پٹی کیش بک کی ڈیبٹ کا خانہ اس غرض سے ہے کہ جو رقوم کیش بک سے منتقل ہوتی ہیں وہ اس میں درج کیجائیں اور جو خانہ کریڈٹ میں

کیش بک کی جمع ہوتی ہیں میزان ہائے کیش بک اور بٹی کیش بک کے ہر روز تطابق ہو کر اصل موجودات سے جو ہاتھ میں ہو۔

۵۔ طالب علموں کے کھاتوں میں کریڈٹ کے خانے کالج فیس اور خوراک کے لیے بنائے گئے ہیں۔ حساب کے ایک آسان طریقہ عمل سے مجموعہ اُن رقوم کا جو کالج کی فیس کا واجب الادا ہے معلوم ہو سکتا ہے اور اُسکا امتحان ہو سکتا ہے۔ بعد میں اس کی تقسیم در تقسیم ہو سکتی ہے فیس تعلیم کرایہ اور کرکٹ اور مڈیکل فیس میں۔ طالب علموں کے کھاتہ میں کالج فیس اور خوراک کے کالموں کے داخل کرنے سے محنت کا بچاؤ ہوگا۔ اور اغلاط کے خطرے جاتے رہیں گے۔

تاکہ ماہواری میزانیں ٹرائل بلینس شیٹ کی تطابق کھادیں۔ اُن میزانوں سے جو کہ طالب علموں کے بلوں میں درج ہیں تمام مقررہ چارج اور رسیدات فرض کر لیئے جاویں گے کہ وہ واجب الادا ہونگے آخری دن مہینہ پر قبل اُس مہینے کے جس کے لیئے وہ چارج کیئے گئے ہیں۔ اس سے بڑی ابتری اور محنت کا بچاؤ ہوگا جبکہ ماہواری ٹرائل بلینس شیٹ بنانے ہوں گے۔

۶۔ کھاتہ عام میں حسابات فیس کالج۔ خوراک اور حسابات اعزیزی سکرٹری کالج ٹرسٹیز اور مڈیکل فنڈ۔ کرکٹ۔ جرمانہ ہائے نماز۔ کتب خانہ۔ لا کلاس۔ رائڈنگ اسکول اور ناقابل الوصول قرضہ جات اور ڈیوٹی شاپ اور فرنیچر متفرقات اور کنٹنجنٹ کے حسابات طالب علمان کورٹ وارڈس اور حسابات دیگر طالب علمان درج ہوں گے اور ایک عام متفرقات حساب اور دیگر حسابات جن کی ضرورت معلوم ہو اُس میں مندرج ہوں گے۔ دیگر جزئیات دربارہ شکل وہیئت مختلف کتابوں کے خود کتابوں کے معائنہ سے جو

زیر بحث ہیں معلوم ہو سکتا ہے۔ خود تجربہ تجویز کرا دیا گیا کہ اُن میں تبدیلی یا اُن کی وضع میں کیونکر عمدگی پیدا ہوگی۔

مجھے ضرورت نہیں ہے (میں خیال کرتا ہوں) کہ میں کتب امدادی کی شکل و ہیئت کی جزئیات کے بیان کرنے میں قدم رکھوں۔ بعض کتابیں اُن میں ایسی ہوں گی جنمیں ڈیبٹ اور کریڈٹ کے خانے ہوں گے۔ بعض ایسی ہوں گی جن میں صرف کریڈٹ کے خانے ہونگے جیسے کہ نمبر ۲ و ۳ میں۔ بعض کتابیں عملی طور سے صرف کریڈٹ کے اندراج پر محدود ہونگی مثلاً ڈیوٹی شاپ کی کتاب اُن کی رقوم مجموعی تحویل ہوں گی بذریعہ روزنامچہ کے عام کھاتہ میں سب سے ضروری ماہواری فارم جو کہ بھرے جاوینگے وہ ماہواری ٹرایل بلنس شیٹ ہی ہے اُس سے آزمایش صحت حسابات ہوگی اور وہ پوری اطلاع دیگی دربارہ حالت مختلف فنڈوں کے۔ اور اُس کی شکل حسب ذیل ہوگی۔

نام حساب	میزانیں		مجموعات باقی و فاضل	
	ڈیبٹ	کریڈٹ	ڈیبٹ	کریڈٹ
بنک				
کیش				
پیٹی کیش				
کھاتہ ہائے طالب علمان				
آنریری سکرٹری کالج ٹرسٹیز				
خوراک				
میڈیکل فنڈ				
کرکٹ				
کتب خانہ				
رائیڈنگ اسکول				
ڈیوٹی شاپ				
فرنیچر				
قرضہ جات ناقابل وصول				
متفرقات اور تمام دیگر حسابات کھاتہ عام کے۔				
میزان				

اس نقشہ سے ایک ماہواری بیلنس شیٹ طیار ہوسکتی ہے اس طرح سے کہ ڈیبٹ کی میزانیں بطور یافتنی کے جمع کیجاویں اور کریڈٹ کی میزانیں بطور رقوم وادنی کے جمع کیجاویں اور اسی طرح سے ایک سالانہ بیلنس شیٹ بھی تیار ہوسکتی ہے۔

ایک سالانہ نقشہ آمدنی اور اخراجات کا بھی بنانا چاہیئے۔ اور یہ نہایت آسانی سے بن سکتا ہے کہاتہ عام کے حسابات سے۔ جو رقوم کہ اس نقشہ کے بنانے کے وقت تک وصول نہوئی ہوں وہ مختلف فنڈوں میں نسبتاً تقسیم کردی جاویں۔ اور سال آیندہ میں یہ باقیات جملہ رسیدات پر پہلا چارج ہوگا۔

دوم

میں نے ایک کچا خاکہ بورڈنگ ہوس کے حساب کا کھینچا ہے جسکو منظوری سب کمیٹی بورڈ میں پیش کرتا ہوں۔ نہایت عمدہ ذمہ داری اُس کی صحت اور عمدگی کی یہ ہے کہ اُسکو جدت کا دعوی نہیں ہے اور صرف وہی طریقہ ہے جو بعض تجارتی دوکانوں اور ہر ایک کارخانہ میں جاری ہے۔ اور ہر ایک رسالہ فن حساب داری میں سکھایا جاتا ہے۔ صرف ایسی ترمیمیں اس میں قائم کی جائیں جو خاص ہماری ضرورت کے لیئے ضروری معلوم ہوئیں۔ کوئی آڈیٹر (پڑتال کرنے والا) جسکا کام حساب داری ہے ایسے طریقہ کے جاری کیئے جانے پر اصرار کریگا۔ قبل اس کے کہ وہ ہمارے بورڈنگ کے حساب کو آڈیٹ کرے یا جانچے۔ اب میں مختصر حالات اُن عملی تدبیروں کے جو کہ ہم نے اپنے اس طریقہ کے جاری کرنے میں اختیار کی ہیں بیان کرتا ہوں۔ یہ امور دو ازمنہ سے متعلق ہیں اول قبل تقرر سب کمیٹی اور دوم یہ تدبیریں جو کہ اختیار کی گئی ہیں یا پیش کی گئی ہیں بعد اس کے تقرر کے۔

گذشتہ تعطیل کلاں میں میں نے ایک نمونہ اپنے حسابات کا طیار کیا تھا اور حسابی طور سے

چار طالب علموں کے حساب کو لے لیا تہا۔ اور مختلف نقد۔ بنک اور عام کہاتہ کے حسابات کو نکالا اور ٹرائیل بلینس شیٹ تیار کی اور جب میں علی گڈہ واپس آیا تو اس کا اُردو میں ترجمہ کرایا اور وہ ترجمہ بورڈنگ ہوس کے اکونٹنٹ کو میں نے دیا۔ اور پہر میں نے بہت سا وقت اسکو اور سپرنٹنڈنٹ خوراک کو اس کے سمجہانے میں صرف کیا۔ جبکہ اُنکو کچھ خیال اُسکے عام اصولوں پر پیدا ہو گیا تو میں نے حکم دیا کہ تمام کتابیں اسی طرح سے طیار ہوں مارچ ۱۸۹۵ء سے دسمبر ۱۸۹۵ء تک اور ایک ٹرائل بلینس شیٹ دس مہینے کا بنایا جاوے۔ اسبات کے کہنے کی حاجت نہیں ہے کہ تحریری بے شمار غلطیاں اور فروگذاشت اُس میں پائی گئیں۔ اور صرف ایک اندازاً بلینس شیٹ تیار ہو سکی اس عرصہ میں میں نے عمدہ عمدہ کتابیں حساب کی جس کی اچہی اچہی جلدیں بندہی ہوئی ہیں اور اُن کے صفحوں پر نمبر پڑے ہوئے ہیں اور اُن میں انڈکس بہی ہیں۔ اور اُنپر موافق ضروری فارم کے رول کہنچے ہوئے ہیں مسٹر ٹریل کلکتہ سے منگوائیں پرانی کتابوں میں سے صفحے نکلے ہوئے تہے۔ ان کتابوں سے مارچ تک میں کام نہیں شروع کر سکا۔ جو کہ پہلا مہینہ سال ہالی کا تہا۔ اس کے بعد ایک علیحدہ ٹرائل بلینس شیٹ بابت ماہ جنوری و فروری طیار کیا مگر جیسا کہ وہ پہلے ہو چکا تہا اسیطرح اس میں بہی کوئی اچہا نتیجہ نہیں نکلا۔ لیکن اتنا ہوا کہ جو محرر اس کام میں تہے وہ بہت کچھ سیکہ گئے یکم مارچ کو نئی کتابیں جاری ہوئیں۔ مارچ کے مہینہ کے حسابات کی نہایت ہوشیاری سے تحقیقات کی گئی اور پہر بہی بیسیوں غلطیاں خاصکر طالب علموں کی میزانوں میں جو کہ پہلی کتابوں سے منتقل ہوئی تہیں پکڑی گئیں کچھ تو یہ سبب ہوا کہ جو علم کہ محرروں نے حسابات کے رکہنے کا حاصل کیا تہا وہ ناممکل تہا۔ تجربہ نے مجکو ایک بات ثابت کر دی ہے جسکا خیال مجکو پہلے نہیں ہوا تہا۔ یعنی یہ کہ محنت حساب کے تیار کرنے کی تہوڑی ہوتی ہے بمقابلہ

اُس محنت کے جو اس طریقہ کے عمل میں لانے کے طریقہ کو سکھانے میں خرچ ہوتی ہے اور یہ امر بیوقوفی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اسوجہ سے ہے کہ ایک مبتدی کو ضروری مشکلات پیش آتی ہیں جبکہ وہ اُن دقیق مسائل پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو پے در پے پیش آتے ہیں ٹھیک اُس کی مثال اسی طرح سے ہے کہ ایک طالب علم جو کسی مضمون میں بالکل نیا ہے اُسکو سخت مشکلات الجبرا یا علم مثلث کی مساواتوں کے حل کرنے میں پیش آتی ہیں۔

سوم

اب میں سب کمیٹی کے حسابات کی تجویزوں کا ذکر کرتا ہوں۔ ان تجویزوں میں سے بعض تجویزیں عمل میں آنے کے قابل بوجہ مستعفی ہونے اکونٹنٹ بورڈنگ ہوس کے ہو گئی ہیں۔

ہماری تجاویز یہ ہیں۔

(۱) یہ کہ ایک شخص جس طرح اکسفورڈ اور کیمبرج میں کالج برسر کہلایا جاتا ہے حسابات اور صیغۂ خوراک میں افسر اعلیٰ کیا جائے۔ اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ان دونوں ڈپارٹمنٹوں کو اس تبدیلی سے یکساں فائدہ پہنچیگا۔ بڑی خرابی کھانے کے انتظامات میں اس وجہ سے واقع ہوئی ہے کہ سپرنٹنڈنٹ طعام کا عہدہ عارضی طور پر معمور ہوتا رہا ہے۔ ایک مستقل آدمی اس انتظام میں انصرام خوراک اپنے ذمہ لیگا اور جو تجربہ وہ حاصل کریگا وہ ضائع نہیں جائیگا۔ دوسرے یہ کہ حسابات میں بہتری ہوگی۔ کیونکہ کھانے کا کام ایسا ہے کہ اُس میں ایک آدمی کا پورا وقت نہیں صرف ہوئیگا۔ اور جو وقت بچیگا وہ حسابات کے کام میں دیدیا جائیگا۔ ہم یہ تجویز کرتے ہیں کہ سید کلن جن کو بالفعل ۵۰ ماہواری ملتا ہے اس عہدہ پر منتقل کر دئیے جائیں۔ اس اقرار سے کہ اگر انکا کام طمانیت بخش ہوگا تو اُنکی تنخواہ

یکم اپریل ۱۸۹۶ء سے ما روپیہ ماہواری ہوجاویں۔

(۲) یہ کہ یکم جنوری سے عبدالعلی اسسٹنٹ اکونٹنٹ کی تنخواہ بشرطیکہ اُنکا کام طمانیت بخش ہو عہ سے سہ ماہواری ہوجاوے۔

(۳) یہ کہ یکم جنوری سے ایک اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ طعام جسکو حسابات کا بھی کام کرنا ہوگا عہ ماہواری پر مقرر کیا جاوے۔ میں اُسکو بطور اپرنٹس کے بلا تنخواہ کے یکم جولائی سے مقرر کرنے کی کوشش کرونگا۔ ان تنخواہوں سے کالج کے اخراجات میں کچھ زیادتی نہیں ہونے کی۔ اس لیئے کہ اب جو عہ ماہواری اکونٹنٹ کو ملتا ہے اُس کی تقسیم حسب ذیل ہوجائیگی

برسر	اضافہ	عہ
اسسٹنٹ اکونٹنٹ	ایضاً	عہ ر
سیکنڈ اسسٹنٹ	ایضاً	عہ
	میزان	عہ

(۴) یہ کہ بابو رام کمار سرکار کی خدمات جو کہ بالفعل ہیڈ اکونٹنٹ محکمہ نہر صاحب ایگزیکٹو انجینیر کے دفتر میں بمشاہرہ ما عہ ماہواری مقرر ہیں اور جو کہ ۱۵ جون سے سو روپیہ ماہواری پنشن پر ریٹایر ہوجاوینگے۔ چھ ماہ کے لیئے یکم جولائی سے ۳۱ دسمبر ۱۸۹۶ء تک کے لیئے جاویں بمشاہرہ مبلغ ما عہ ماہواری۔ اس غرض سے کہ دفتر کو ترتیب دیں اور کور طور سے طریقہ حساب رکھنے کا برسر کو اور اُس کے اسسٹنٹوں کو سکھادیں۔ مسٹر آرتھر ایولس نے اُن کی مجھ سے نہایت سفارش کی ہے اور میں اس رپورٹ کے ساتھ بطور ضمیمہ کے اُن کی متعدد اسناد میں سے بطور خلاصہ کے ملفوف کرتا ہوں۔

اس سے اخراجات میں سعہ ماہواری کا اضافہ چھ ماہ کے لیئے ہوجائیگا یعنی مبلغ

اما مہ کا۔ پھر یہ کہ جنوری سے مارچ ۱۹۰۸ء تک ہکوسہ کی بچت ہو گی اور اس سبب سے
مجموعی زائد خرچ جو ہو گا ۱۰ اما مہ ہوں گے۔ اس رقم میں سے نصف خرچ خوراک میں
ڈالا جاوے اور نصف کالج کے سپنسز فنڈ میں۔ میں پہلے سے جانتا ہوں کہ جو زمانہ زیر بحث
ہے اُس میں اس رقم سے زیادہ وصول ہو جائیگا جبکہ ٹھیک طور سے فیسیں وصول ہونگی
اور یہ فیسیں وغیرہ اب تک باوجود اس کے کہ میں نے بے انتہا کوشش کی بے شرم
سُستی کے ساتھ وصول ہوئیں۔ اور جس سے کالج کا سخت سالانہ نقصان ہوا۔

میں یہ بھی کہتا ہوں کہ مجھ سے تین دفعہ بابو رام کمار سرکار ملے اور میں نے اس بات سے
اطمینان کر لیا ہے کہ انکو مختلف فارم حساب سے معہ حساب ہائے تجارتی کے وسیع علم ہے

(۵) بورڈنگ ہوس کے فنانشل سال کے اختتام پر جو حسابات کہ طیار ہوں گے اور
اونکا امتحان وقتاً فوقتاً بذریعہ ماہواری ٹرائل بلینس شیٹ کے ہوتا رہیگا وہ ایک نہایت
لائق آڈیٹر کو تحقیقات مکمل کے واسطے دیدیئے جاویں گے اور وہ جیسا مناسب سمجھیگا انکی
اصلاح کی نسبت رپورٹ کرتا رہیگا۔

میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ جو تحقیقاتیں اس وقت تک میں نے کی ہیں کوئی اغلاط
کیش اکونٹ میں نہیں نکلیں جس سے کہ بددیانتی ثابت ہو۔ مگر صرف بہت سی غلط نکلی ہیں
تحویل کرنے میں مدات کے طالب علموں کے حساب میں اور خاصکر زیادہ غلطیاں عام کھانہ
کے حسابات میں نکلی ہیں۔ دیگر یہ کہ جب سے ماسٹر سید کلن (عرف سید عبدالباقی) نے
کام لے لیا ہے ماہواری بل بہت جلد طیار ہو گئے اور مجکو پوری اُمید ہے کہ اُن کا تقرر
کامیابی ثابت کریگا۔

اور میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ یہ رپورٹ سب کمیٹی کے کام کو ابھی بند نہیں کرتی اس لیے

کہ وہ سب کمیٹی وقتاً فوقتاً اپنا اجلاس کرتی رہیگی اور اگر ضرورت ہو بورڈ آف مینجمنٹ کو رپورٹ مزید بھیجتی رہیگی جب تک بورڈنگ ہوس کے حسابات آخری طور پر مستحکم معاملاتی اُصول پر قائم نہو لیں:-

(دستخط تھیوڈور بیک)

سکرٹری حسابات سب کمیٹی بورڈ آف مینجمنٹ علی گڈھ   ۲۵ مئی ۱۸۹۶ء

(دستخط) جی سی چکرورتی

(دستخط) ولایت حسین

۲۸ مئی ۱۸۹۶ء

ضمیمہ

انتخابات از اسناد بابو رام کمار سرکار

انتخاب از سارٹیفکٹ مسٹر الگزنڈر

۱۴ نومبر ۱۸۷۷ء

بابو رام کمار سرکار صرف ابھی اس ڈویزن میں شامل ہوئے ہیں لیکن وہ میری ماتحتی میں جھانسی ڈویزن میں سال گذشتہ میں رہ چکے ہیں اور یہ میں نے خود ہی تجویز کیا تھا کہ وہ میرے ساتھ روہیلکھنڈ ڈویزن میں آئے ہیں۔

حسابات کے رکھنے کے علم میں اور اُن کے قواعد و ضوابط میں میں اُنکو نہایت لائق خیال کرتا ہوں وہ نہایت صحیح ہیں اور محنتی ہیں اور یہی کافی شہادت اس بات کی کہ اُن کی لیاقت نہایت اچھی ہے اسبات کی ہے کہ میں اُنکو روہیلکھنڈ ڈویزن میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔

سارٹیفکٹ مسٹر رایٹ

مورخہ ۱۲۔ اکتوبر ۱۸۸۰ء عیسوی

بنام

ایگزامنر پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ

اُن کی ماتحتی میں ڈہائی برس نوکری کی۔

اُن کے علم حساب دانی کی نسبت میری نہایت عمدہ رائے ہے۔ قواعد و قوانین اُس علم کے وہ کامل طور سے جانتے ہیں اور اُن کی عام قابلیت اچھی ہے اور وہ نہایت لائق اکونٹنٹ ہیں۔ میں کوئی اور شخص اُن کی کلاس کا اُن سے زیادہ لائق نہیں پاتا۔ کہ اُس کو پورے طور سے دفتر کا تجربہ ہو اور اُسکو ٹھیک اور عمدہ حالت میں رکھ سکے۔ وہ اپنا کام نہایت عمدگی سے جانتے ہیں اور نہایت محنتی ہیں اور ہمیشہ اس بات پر مستعد ہیں کہ جو سخت کام ہو اُس میں وہ دلچسپی لیویں۔ اور جو کام وہ کرتے ہیں اُس میں اُنکو فخر ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ جب کوئی موقع ہوگا تو اُنکو ترقی ملیگی جس کے وہ نہایت مستحق ہیں۔

چیٹھی

ازطرف ایگزامنر پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ

۱۷۔ جنوری ۱۸۸۱ء

بابو رام کمار سرکار سپیشل ڈیوٹی پر بھیجے گئے تھے کہ جملہ ڈسٹرکٹ انجنیروں کے دفاتر کو رو بکینڈ میں دیکھیں اور ہیڈ کلرکوں کو نئے حسابات کے فارموں کو سمجھادیں۔

رپورٹ پیش کرنے کے بعد مسٹر بیک نے موجودہ کتابیں جنپر حسابات بورڈنگ ہوس سے لکھے جاتے تھے اور جو نہایت خراب اور ابتر اور غیر محفوظ حالت میں تھیں بورڈ کو ملاحظہ کرائیں

اور جو جدید کتابیں چھاپہ کی ہوئیں اُنہوں نے مجلد اور مستحکم جلد کی اور جن کے ہر ورق پر نمبر پڑے ہوئے ہیں دکھلائیں اور کہا کہ اسی قسم کی کُل کتابیں بورڈنگ کے حسابات کی۔ اور طالب علموں سے ہر قسم کی فیس وصول ہونے کی مرتب ہونے چاہئیں۔ اس کے بعد تحریک کی کہ جو رپورٹ اُنہوں نے پیش کی ہے وہ منظور کیجاوے۔

سر سید احمد خاں بہادر نے کہا کہ جس طریقہ پر بورڈنگ ہوس کی فیسوں کی کتابوں کا مرتب ہونا اس رپورٹ میں لکھا ہے اور جس طریقہ پر حساب مرتب کرنا چاہا گیا ہے اُس سے میں اتفاق کرتا ہوں مگر دو امر ہیں جنکا بیان کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔

اول یہ کہ مجکو بجٹ مرتب کرنے میں مندرجہ ذیل حسابات کی علیحدہ علیحدہ تعداد معلوم ہونی ضرور ہوتی ہے۔

(الف) پختہ بورڈنگ ہوسوں میں سے اُن بورڈنگ ہوسوں کے کرایہ کی تعداد جو اس شرط پر بنائے گئے ہیں کہ اُن کے کرایہ کی آمدنی میں سے اسکالرشپیں اُن لوگوں کے نام سے دیجاوینگی جنہوں نے کہ اُن بورڈنگ ہوسوں کو بنایا ہے اور وہ حسب تفصیل ذیل ہیں

پختہ کمرہ نمبر ۱	معمرہ چودہری شیو سنگھ
ایضاً نمبر ۲ و ۳	معمرہ قاضی سید رضا حسین مرحوم۔
ایضاً نمبر ۴ و ۵ و ۶	معمرہ مولوی سید فضل الرحمن۔
ایضاً نمبر ۸ و ۹ و ۱۰	معمرہ آنریبل حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب
ایضاً نمبر ۲۹	معمرہ نواب مہدی علی و سید احمد۔
ایضاً نمبر ۳۰	معمرہ ڈاکٹر ہنٹر۔

(ب) تعداد کرایہ ڈبنچر بورڈنگ ہوس جو باجرائے ڈبنچر تعمیر ہوئے ہیں۔

(ج) تعداد کرایہ ظہور حسین وارڈ جو کچھ حصہ اُس کا بذریعہ ڈپازٹ سید زین الدین وڈپوٹی باقرار ادائے منافع تعمیر ہوا ہے اور مابقے باجرائے ڈبنچر تعمیر ہوگا۔

(د) کل آمدنی کرایہ بورڈنگ ہوس کی علاوہ آمدنی کرایہ بورڈنگ ہوس کے مذکورہ بالا

(ہ) کل آمدنی متعلق ٹیوشنل فیس کالج کی علیحدہ اور اسکول کی علیحدہ۔

(و) کل آمدنی مڈیکل فیس کی۔

پرنسپل صاحب نے کہا کہ جس طرح پر حسابات کے بنانے اور رکھنے کی تجویز ہوئی ہے اُس سے تعداد مذکورہ جو سکرٹری کو بجٹ میں لکھنے کی ضرورت ہے اور جس کی تفصیل بیان کی گئی ہے ہم بخوبی بتا سکینگے۔

دوم یہ کہ اگر اس انتظام کے لیئے کسیقدر روپیہ کی کالج اسپنسز فنڈ سے ضرورت ہو تو پرنسپل صاحب کو ایک علیحدہ چٹھی میں معہ اُسکی وجہ کے مجکو اطلاع دینی چاہیئے تاکہ میں اُس رقم کو بغرض منظوری ٹرسٹیان بجٹ میں مندرج کرسکوں۔ اس امر پر تمام ممبران موجودہ نے اتفاق کیا اور مندرجۂ ذیل رزولیوشن پاس ہوا۔

پانچواں رزولیوشن

ریپورٹ سب کمیٹی درباب درستی حساب بورڈنگ ہوس جو مسٹر تھیوڈور بیک نے پیش کی ہے معہ اُس ریمارک کے جو سر سید احمد نے کیئے ہیں منظور کی جاتی ہے اور مسٹر پرنسپل بیک سے درخواست کی جاتی ہے کہ اس کی تعمیل میں جسقدر روپیہ کی ضرورت کالج فنڈ سے لینے کی تصور فرماویں۔ اُس کی نسبت ایک چٹھی سکرٹری ٹرسٹیان کو لکھیں تاکہ وہ رقم بجٹ میں واسطے منظوری ٹرسٹیان درج کیجاوے۔

چھٹا رزولیوشن

پرنسپل صاحب ذمہ دار اس بات کے ہوں کہ بورڈ کی ہدایات دربارہ حسابات کے عمل میں لائی جاویں
اس رزولیوشن کو پروپوز کیا آنریبل حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے اور تائید کی محمد مزمل اللہ خاں صاحب نے اور خود پرنسپل صاحب نے بھی اُسکو تسلیم کیا اور بالاتفاق پاس ہوا۔

مسٹر تھیوڈور بیک پرنسپل نے ایک تحریک نسبت ایفی لیٹڈ اسکولز کے پیش کی جو ذیل میں مندرج ہے۔

تحریک مسٹر بیک دربارہ ایفی لیٹڈ اسکولز

وہ مدارس جو محمڈن اینگلو اورینٹل کالج سے افلیٹ ہوئے ہیں اُن کی نسبت میں مفصلہ ذیل تجاویز پیش کرتا ہوں۔

۱- یہ کہ افلیٹڈ اسکول دو کلاسوں پر تقسیم کیے جاویں۔

(الف) افلیٹڈ برانچ اسکول

(ب) خود مختار افلیٹڈ اسکول

۲- اگر مالی حالت انتظامات ضروری کی اجازت دے سکے تو افلیٹڈ برانچ اسکولوں کو کالج باقاعدہ طور سے معائنہ کرتا رہے۔ اور اس غرض کے لئے سرمایہ بہم پہنچنے کا سوال بالفعل ملتوی کیا جاوے۔

۳- بشرط منظوری مینجنگ کمیٹی کالج کو تقرر اور موقوفی ماسٹران افلیٹڈ برانچ اسکول کا اختیار ہوگا۔

۴- کالج نامزد کریگا مینجنگ کمیٹی کے کسی ایک عہدہ دار کو جو معمولاً کالج اسٹاف کا ممبر ہوگا اس غرض سے کہ جو مقاصد کالج کے ہوں وہ اُن اسکولوں پر ظاہر کرے اور اُسکو اختیار ہوگا کہ اُن اسکولوں کے انتظام کے لیئے معتدبہ اختیارات عمل میں لاوے۔

۵۔ ایک خاص مہر کا جو کہ مشابہ تو ہو مگر ہو بہو محمدن اینگلو اورینٹیل کالج کی سی نہو افلیئٹڈ
برانچ اسکول استعمال کریں گے۔

۶۔ مدارس خود مختار مفصلہ ذیل شرائط سے افلیئٹ ہو سکینگے۔

(الف) ہیڈ ماسٹر کے مقرر کرنے میں کالج سے صلاح لینی ہوگی۔

(ب) کالج کی طرف سے ایک ریپرزینٹیٹو اُس اسکول کی مینیجنگ کمیٹی کے اجلاس میں
شریک ہوگا۔

(ج) کالج پیش کریگا عمدہ عمدہ شرائط دربارہ اسکالرشپوں اور وظیفوں کے غریب مسلمان
طالب علموں کے لیئے جو اُن خود مختار افلیئٹڈ اسکولوں میں سے انٹرنس پاس کرینگے۔

۷۔ سالانہ رپوٹیں تمام افلیئٹڈ اسکولوں کی کالج میں بھیجی جایا کرینگی اور کالج اُن کے
عوض میں اُن اسکولوں کو اپنی سالانہ رپورٹ بھیجا کریگا اور نیز کالج میگزین مفت دیگا۔

مذکورۂ بالا قواعد کی نسبت یہ دعوی نہیں ہے کہ وہ بالکل پورے اور مکمل ہیں مگر وہ اس طرح سے کام میں آوینگے کہ گویا وہ ایک بنیاد ہیں رفتہ رفتہ ترقی دینے اُس طریقہ کے اس طرح سے کہ تجربہ سے مناسب معلوم ہوں۔ افلیئٹڈ برانچ اسکول فطرتی طور سے محدود کر دیئے جاوینگے اُن مقامات تک جنکا فاصلہ قابل گذر ہے ایسے متعدد مدارس میں جو اس کالج سے افلیئٹ ہو چکے ہیں مجکو معلوم نہیں ہے کہ کوئی خود مختار اسکول جو کہ یہاں سے دور دراز راہ پر ہوں وہ اس کالج سے افلیئٹ ہونے کی پرواکریں لیکن اگر وہ چاہیں تو یہ ضرور ہے کہ کچھ شرائط ہمارے اور اُن کے درمیان میں قرار پا جاویں۔ اس لیئے کہ جب تک کالج کو اس بات کا اطمینان نہو کہ عام طرز تعلیم اُن مدارس کی کیا ہے تو وہ نہ اپنا نام اُن مدارس کو دے سکتا ہے نہ اپنی شہرت کو خطرہ میں ڈال سکتا ہے صرف تعلیم کے ہی نتائج پر جس کی طرز پر کسی طرح سے کالج

کوئی اپنا اثر نہیں ڈال سکتا۔ ہمارا اصلی اُصول یہ ہے کہ جسمانی دماغی اور اخلاقی تعلیم ساتھ کے ساتھ ہوتی رہے اور جب تک کہ طرز تعلیم جو کہ افلیٹڈ اسکولوں کا ہے وہ مرکزی درسگاہ کی طرز تعلیم کے مشابہ نہو اُسوقت تک اصلی معنے تعلیم کے فوت ہوئے جاتے ہیں۔ معمول یہ ہے کہ ایک نہایت لائق آدمی جو کہ گریجوایٹ ہو اور کئی سال تک خود محمڈن کالج میں تعلیم پائی ہو وہ محمڈن کالج کی سی طرز تعلیم کا طریقہ اُن مدارس میں قائم کر سکیگا۔ گو کہ بعض مستثنےٰ حالتیں ایسی ہوں کہ جن میں ان شرائط سے قطع نظر کیجائے۔

(دستخط) تھیوڈور بیک

اس تحریک پر باہم ممبروں کے اسبات پر بحث ہوئی کہ یعنی لیٹڈ اسکولوں کا معاملہ بورڈ آف مینجمنٹ کے کاموں کے ماتحت تصور ہو سکتا ہے یا نہیں۔

پرنسپل صاحب نے بلحاظ فقرہ اوّل ضمن ۵ قاعدہ ۹۳ ترمیم شدہ کے جبکہ وہ ضمن بشمول ضمن و قاعدہ ۸۶ قواعد و قوانین ٹرسٹیان کے پڑہی جاوے تو یعنی لیٹڈ اسکولوں کے معاملہ کو بورڈ آف مینجمنٹ کے ماتحت تصور کیا مگر باتفاق جملہ ممبران موجودہ کی مندرجۂ ذیل رزولیوشن پیش ہونا قرار پایا۔

ساتواں رزولیوشن

یہ کہ بجٹ کے اجلاس آیندہ میں ٹرسٹیون سے درخوست کی جاوے کہ وہ بورڈ آف مینجمنٹ کو یعنی لیٹڈ اسکولوں کی نسبت کارروائی کرنیکا مجاز کریں اور اُسکو یہ اختیارات دیا کہ درصورت ایسی سفارشوں کے جن میں کہ خرچ پڑتا ہو ٹرسٹیوں کو رپورٹ کریں۔

اس رزولیوشن کو پرو پوز کیا مسٹر تھیوڈور ماریسن نے اور تائید کی سرسید احمد خاں بہادر نے اور بالاتفاق منظور ہوا۔

آٹھواں رزولیوشن

یہ کہ ایک سب کمیٹی بغرض غور کرنے متعلق صفائی بورڈنگ ہوس مقرر کیجاوے اور اُسکے ممبران حسب ذیل ہوں۔

مسٹر تھیوڈور ماریسن۔ مسٹر تھیوڈور بیک۔ میر ولایت حسین بی اے۔ محمد مزمل اللہ خاں صاحب۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب۔ اور مسٹر ماریسن اُس کمیٹی کے سکرٹری ہونگے۔

مسٹر تھیوڈور بیک نے اس رزولیوشن کو پروپوز کیا اور آنریبل حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے اس کی تائید کی اور بالاتفاق منظور ہوا۔

نواں رزولیوشن

بلحاظ اُس مطالبہ کے جو کہ بابت نگرانی مقیم طالب علمان اسکول سے کیا جاتا ہے اس بورڈ کی یہ رائے ہے کہ صرف وہ طریقہ جس سے کہ ایسی نگرانی موثر ہو سکتی ہے یہ ہے کہ جملہ مقیمی طالب علمان اسکول الگ وارڈ میں جو کہ ایک مقیمی ماسٹر کے ماتحت ہوں رکھے جاویں

مسٹر تھیوڈور ماریسن نے اس رزولیوشن کو پیش کیا اور کہا کہ سید ولایت حسین بیان کر سکتے ہیں کہ وسیع بورڈنگ ہوسوں میں طالب علموں کی نگرانی کی کیسی دقتیں پیش آتی ہیں۔ اسکول کلاسوں کے طالب علموں کے لیئے ایسے بورڈنگ ہوس ہونے چاہئیں جیسا کہ ظہور حسین وارڈ کم عمر طالب علموں کے لیئے بنایا گیا ہے۔

سید احمد خاں نے کہا کہ بلاشبہ بورڈنگ ہوس موجودہ بلحاظ ہندوستان کی آب و ہوا کے ایک وسیع چوک میں بنائے گئے ہیں لیکن جب آیندہ بورڈنگ ہوس بنائے جاویں تو اُسوقت اسپر لحاظ کیا جاویگا۔

اس بیان پر جو سید احمد خاں نے کیا جملہ ممبران موجودہ نے اتفاق کیا۔

دسواں رزولیوشن

نقل اس روئداد کی سکرٹری ٹرسٹیان کالج کی خدمت میں بغرض اطلاع ٹرسٹیان کالج بھیجے۔

پیش کیا سر سید احمد خاں بہادر نے اور محمد مزمل اللہ خاں صاحب نے تائید کی اور بالاتفاق منظور ہوا۔

اس کے بعد صدر انجمن کا شکریہ ادا کیا گیا اور اجلاس برخاست ہوا۔

سید احمد سکرٹری

ایشیاٹک سوسائٹی اوف بنگال کی سالانہ ایڈریس پر ایک نظر

اس سوسائٹی کا مدعا یہ ہے کہ مشرقی علوم و فنون اور لٹریچر کو ترقی دے۔ اس رپورٹ کے پڑھنے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سوسائٹی سال ہائے گذشتہ میں اپنے کام کو بہت اچھی طرح سے انجام دیتی رہی ہے۔ سنہ ۱۸۹۵ء کے شروع میں ۲۹۵ ممبر تھے۔ جنمیں سے ایک تہائی کے قریب باشندگان ہند تھے اور باقی یورپین صاحبان۔

فہرست مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۸۶ء سے سنہ ۱۸۹۵ء تک ڈوسو پچپن مضمون یورپین لوگوں نے پڑھے اور صرف ۴۲ مضمون ہندوستانی ممبروں نے پیش کیے۔ مذکورہ بالا اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہموطن ایسے مفید کام سے کچھ بہت دلچسپی نہیں رکھتے

سال گذشتہ میں جو جو مفید کام ہوئے ہیں انمیں سے چند کا ذکر کرنا ہم یہاں پر مناسب سمجھتے ہیں۔ سنسکرت لٹریچر کو ترقی دینے میں ہندو صاحبوں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا ۔مہابھارت کا انگریزی ترجمہ قریباً ختم ہوگیا ہے۔ علم طب۔ فصاحت و بلاغت۔ صرف و نحو وغیرہ

علوم میں بہت سی کتابیں زبان سنسکرت میں لکھی گئی ہیں۔ پرانون کی اشاعت میں لوگوں نے بہت کوشش کی ہے۔ سچ ہے لوگ اپنی مذہبی زبان کے وسیع کرنے اور اُس کی ترقی دینے میں حتی الوسع کوشش کیا کرتے ہیں لیکن یہ مسلمانوں پر صادق آئے تو جانیں + کہ ہے یہ بھی اک رسم دنیا مقرر۔ زبان عربی میں اس سال کوئی عمدہ کتاب نہیں لکھی گئی اور نہ کوئی اور اعلی درجے کی ترقی ہی ہوئی ہے۔ اس مضمون پر ہم آیندہ کسی پرچے میں مفصل لکھیں گے۔ لیکن اس موقعہ پر ہم اتنا کہدینا کافی سمجھتے ہیں کہ موجودہ یونی ورسٹی سسٹم میں اس قابل قدر زبان کی تعلیم کی طرف پوری توجہ نہیں کی گئی۔

ورنیکولر لٹریچر میں بارہ ہزار سات سو کتابیں شائع ہوئیں جن میں سے صرف دو ہزار پانسو ایسی ہیں جنکو مفید کہا جا سکتا ہے۔ کوئی کتاب پالیٹکس (امور مملکت) علم ریاضی۔ اور نیچرل سائنس پر نہیں لکھی گئی۔ مہاراجہ صاحب گائیکواڑ کی نگرانی میں کتب تاریخ کا ایک نیا سلسلہ مرہٹی زبان میں چھپ رہا ہے۔ اس سلسلہ میں تاریخ فرانس۔ تاریخ جرمنی اور سوریس ان اپین بھی شامل ہیں۔ علم تاریخ کی جو کتابیں اس سال زبان انگریزی میں لکھی گئی ہیں ان میں سے حالات فتح پورسیکری مصنفہ مسٹر سمتھ اور ویلی اوف کشمیر مصنفہ مسٹر لارنس نہایت دلچسپ ہیں۔

علم حیوانات کے متعلق یہ نئی بات دریافت ہوئی ہر کہ تیتریاں بھی اپنے وطن کو چھوڑ کر اور جگہ چلی جاتی ہیں۔ اس کا مشاہدہ پہلے پہل مسٹر مین نے کیا تھا اور بعد ازاں مسٹر ہارٹنگ نے اسی مضمون پر ایک آرٹکل لکھا اور اپنے آرٹیکل میں اور بھی اسی قسم کی مثالیں پیش کیں اور اس دعوی کے ثبوت میں اُنھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ اگر باد مخالف بھی چل رہی ہو تو بھی تیتریاں اپنا رُخ نہیں بدلتیں۔

دوسرا واقعہ جسکو ہم قابل بیان سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ڈاکٹر ڈبائس صاحب کو جزیرہ جاوا میں

ایک کھوپڑی اور دو ایک اور ہڈیاں ملیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ ایک ہی جانور کی ہڈیاں ہیں۔ اور اُنھوں نے قواعد علم طب سے اِس جانور کی شکل بنائی جس پر اُنھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ ایک ایسے جانور کی شکل ہے جسے انگریزی زبان میں مس انگ لنک کہتے ہیں یعنی نہ پورا انسان نہ پورا بندر۔ لیکن ڈاکٹر موصوف کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ ہڈیاں ایک ہی جانور کی ہیں۔ اسواسطے جو نتیجہ اُنھوں نے نکالا ہے اُس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

علم ہئیت میں کوئی نئی بات دریافت نہیں ہوئی لیکن علم طبیعی اور کیمیا کے متعلق کئی عمدہ عمدہ مضمون پڑھے گئے۔ ان میں سے مؤخر الذکر علم میں بہت سی نئی چیزیں معلوم ہوئی ہیں لیکن چونکہ وہ اس سوسائٹی کی تحقیقات کا نتیجہ نہیں ہیں اس لیئے ہم اُن کو یہاں نہیں درج کریں گے۔

ایڈرس کو پڑھ کر ہمیں افسوس کے ساتھ یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ مسلمان ابھی تک ایسے کاموں میں کچھ بہت سرگرمی ظاہر نہیں کرتے۔ لیکن اب وقت کا حکم ناطق یہ ہے کہ جو قومیں قابل ثابت ہوں وہی عزت حاصل کریں اور دنیا کی اور قومیں بھی اُنہیں وقعت کی نگاہ سے دیکھیں اور جو نا قابل ثابت ہوں اُنکا دنیا میں رہنا مشکل۔ اسواسطے ضروری ہے کہ ہماری قوم میں سے ہر ایک کا یہ پہلا اُصول ہو کہ ؎ کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی   کس بےکمال ہیچ نیرزد عزیز من اور ایشیاٹک سوسائٹی اوف بنگال جیسی عمدہ سوسائٹی میں شامل ہو کر فائدہ اُٹھائیں اور ہمیں بڑی خوشی ہو اگر آئندہ سال کی رپورٹ میں چند مسلمانوں کے نام بھی دکھائی دیں۔

حافظ عبدالعلی

اطلاع

بخدمت مربیان بورڈراں مدرستہ العلوم علیگڈہ۔

بورڈرون کے مربیون کو اطلاع دیجاتی ہے کہ جو منی آرڈر اخراجات بورڈرون کا بھیجین وہ پرنسپل مدرستہ العلوم یا ہیڈ ماسٹر مدرستہ العلوم یا سیکرٹری مدرستہ العلوم کے نام بھیجنا چاہیے۔ منی آرڈر مین کسی شخص کا نام لکہنا ضرور نہین ہے یا پرنسپل مدرستہ العلوم یا سیکرٹری مدرستہ العلوم یا ہیڈ ماسٹر مدرستہ العلوم لکہنا کافی ہوگا۔

دستخط

سید احمد خان
سیکرٹری مدرستہ العلوم
علی گڈہ۔

and thus while furthering the progress of his people to remove all danger of a repetition of the horrible catastrophe of the Mutiny, but would result in the collapse of discipline, the abandonment of physical education, the enfeeblement of the various intellectual and patriotic societies, and the dissolution of the existing ties of affection between teacher and pupil, in short it would destroy all the peculiar features of the College to which it owes its reputation and its popularity. Every authority on Indian education knows that half the evil complained of arise from the inadequacy of the influence of teacher on pupil People who wish this influence to be altogether abolished should found, if they can, a College of their own, and show the practical results of their system, rather than make the futile attempt to reverse the principles of an institution created by a man of infinitely greater foresight and enlightenment, backed up by the best intellect and patriotism in his community It is worth noting that the employment of the Professors as mere hired teaching machines would result unfavorably on the teaching itself, as the withdrawal of all interest from their work and of the consciousness that it may be productive of permanent good would so much lesson the attractiveness of the posts that the motives supplied by the salaries alone would be sufficient to retain the services of an inferior class of men only. I am aware of course that to certain minds arguments based on the existence of motives other than those of a purely monetary character will be unintelligible. That such motives exist, however, and are in operation in the M. A.-O. College, it is only necessary to turn to facts to realise

4 Visit of the Lieutenant-Governor

41 We were honoured this year with a visit from Sir Anthony MacDonnell, the Lieutenant-Governor of these Provinces. After speaking in very kind and favourable terms of the progress made by the College, His Honour, at the close of a remarkable speech, ended up with the following inspiring words —"It is not too much to hope that this College will grow into the "Mahomedan University of the future, that this place will become the "Cordova of the East and that in these cloisters Mahomedan genius will discover, " and, under the protection of the British crown, work out that social, religious "and political regeneration, of which neither Mecca nor Stamboul offer a prospect." I hope that the wealthy Mohamedans of India, most of whom are incredibly indifferent to the welfare of their community, will lay these words to heart; and endeavour to realise the magnificent prospect which is thus put before them.

THEODORE BECK.

NAINI TAL.
June 11th, 1896.

Central Provinces, who himself started the subscription with Rs. 100. Our old cricket Captain, Shaukat Ali, has likewise promised Rs. 25 and Rs 100 in the name of his wife. Many other old students have subscribed Rs. 25. The English Gentlemen of the station have likewise made liberal contributions The interest that is being shown by our old students in the welfare of the institution is a very hopeful sign for its future. I cannot close this paragraph without alluding to the excellent work done by Syed Tofail Ahmad in preparing the College Directory.

2 AFFILIATED SCHOOLS.

39 The six schools affiliated to the College have been working fairly well during the past year, but as yet no satisfactory arrangements have been made for their regular inspection. A small sum of one or two hundred rupees per year would meet the present requirements. It is not yet decided where this money should come from, and the whole question will come before the Trustees of the College shortly. I will only say that I think it no less beneficial to the interests of the College than to the cause of Mahomedan education that this system of affiliated schools should if possible be put on a firm basis.

3 SLANDEROUS ATTACK ON THE COLLEGE.

40. No record of the events of the year would be complete without some reference, however slight to a slanderous attack on the administration of the College made by a notorious enemy of the institution I have elsewhere replied to it at length and demonstrated its falsity It has been necessary to examine critically every department of the institution and compare it with the state of things previous to the preparation of the present code of Rules 7 or 8 years ago. The result has been to show that great progress has been made in every direction A marked feature of the attack in question was the contrast between the severity of the general accusations of gross mismanagement, and the absence of facts to substantiate them. The only specific charge, namely, that the Principal tested and pronounced on the quality of the ghee, etc supplied to the boarders, was a groundless fabrication

The writer of the attack, after vague sweeping and unsubstantiated accusations of mismanagement, proceeded to develop his ideas as to how the institution should be conducted. The policy he advocated, namely, the exclusion of the Professors of the College, and especially the English Professors (against whom he appears to entertain a prejudice based on their race and religion) from all matters connected with the Boarding-House, that is to say, from all influence on the education, character and lives of the students outside the class room, a policy based on distrust and suspicion, would not only be a reversal of the plan adopted and maintained by the Founder of the College, one of whose chief objects has been to create brotherly feelings between the Musalman and the Englishman

year. The society has never been in so vigorous and flourishing a state. Professor Arnold is the life and soul of this Literary Club.

11. THE COLLEGE MAGAZINE.

35. The number of subscribers to the College Magazine has increased from about 200 to about 400 in the past year, thanks largely to the efforts of Maulvi Shibli. The paper is still in debt, though the income and expenditure of the last year were approximately equal. I have not been able to obtain an accurate account of the present assets and liabilities. The utility of this paper, as a means of keeping us in touch with the old students and with the general supporters of our movement, is so great that I consider its maintenance a matter of absolute necessity.

12. THE DUTY.

36. Space prevents my giving a detailed account of this institution this year. The sums collected, irrespective of the shop, have been —

	Rs	A.	P.
Collected for scholarship Fund	335	5	0
Mosque ,,	304	11	0
Interest on investments	145	11	6
Profits on Tea shops ..	199	11	0
Collected for Free Boarding House	909	7	3
TOTAL Rs.	1194	13	9

The sums collected since the commencement of the society have been —

November 1890 to March 31. 91	457	15	0
April, 19, 1891 ... 92	593	12	0
April, 1892 ... 93	513	8	9
April, 1893 ... 94,	1,416	12	3
April, 1894 .. 95,	1,682	0	11
April, 1895 .. 96,	1,194	13	9

A most important extension of the society by means of branch societies has been instituted by Sahibzada Aftab Ahmad Khan, Barrister-at-law, and other Servants of the Duty.

13. THE BROTHERHOOD.

37. This society has so far not made much progress towards realising the aims with which it started. The Annual Dinner was a success.

IV. GENERAL.

I. OLD STUDENTS.

38. The proposal to erect a Cricket Pavilion in honour of Mr. Wallace, formerly a Professor in the College and President of the Cricket Club, originated with an old student, M. Siraj Ahmed, Extra Assistant Commissioner in the

7.—The Siddon's Union Club.

31 The following figures give statistical information as to the working of this club in the past four years :—

YEAR.	Debates: Total Number	Debates: No. of Voters.	Select Committee Meetings.	Private Business Meetings	Penny Readings including Anniversary.	Total No of members in March.
July '92 to July 8, '93..	23	26	12	1	4	68
8th July '93 to July 26, '94	20	18	8	5	5	86
26th July, '94 to 17th May, '95.	20	16.6	10	3	3	88
July '95 to 17th May '96.	19	26	12	3	2	123

The Club takes in 9 English papers and periodicals and 10 Urdu newspapers, Rs. 50 worth of books have been added to the Library. Besides which the Club has been presented with 80 books by various friends. The expenditure exceeded the income and was met out of capital. This is due to the large amount of arrears. The Club has passed a motion asking me to realise its subscriptions through the monthly College bills. I have deferred taking this step till the Boarding-House accounts have been reorganised, so as not to introduce a new complication into the accounts until it can be easily and effectively dealt with.

8. The Lajnat-ul-Adab.

32. This society which holds debates in Arabic has flourished during the past year.

9. The Entrance Class Debating Club.

33. This Club now admits school students of the first four classes to membership. It held 20 debates during the past year as against 8 in the previous year. It also held two Penny Readings, and takes in the Pioneer and one Urdu paper.

10. The Akhwanus Safa.

34. The number of the members of this society was 77 as compared with 66 in the previous year. Eleven essays were read and discussed as against 4 last

2. FOOTBALL.

26. The Football eleven played 11 matches against teams of British soldiers, winning 3, losing 5, and drawing 3. The eleven was not so strong as in the previous year, a fact to be attributed doubtless to the absence of Mr. Morison on leave. The Football eleven stood first in the University Tournament at Allahabad.

3.—ATHLETIC SPORTS AND GYMNASTICS.

27. In the University inter-college tournament held at Allahabad in January, we met with conspicuous success. Out of 9 first prizes and 9 second prizes, students of the M. A.-O. College obtained 7 first prizes and 7 second, that is to say 14 prizes out of a total of 18.

In the school tournament held in Aligarh although our superiority was scarcely so marked, the M. A.-O. College was placed first, when the results were summarized.

Gymnastics had been neglected both in the College and school, but we are glad to say that this year a little more interest is being taken in this branch of athletics. We hope that the renewal of regular practice may produce results more in accordance with the reputation of the College.

The monthly Athletic Gymkhana has been revived and should prove helpful in discovering and training new athletes.

4. DRILL AND PHYSICAL EXERCISE.

28. This department has been further organised during the year, but as its organisation is still incomplete I postpone a detailed account of it till next year.

5. THE RIDING SCHOOL.

29. This important institution has flourished during the past year. The number of students receiving instruction has varied from 25 to 30. Some of them have turned out accomplished riders. The accounts of the school show a loss of Rs. 131 annas 12 during the first year of its existence, July 94—May 95 but during the next ten months, *viz* June 95—March 96, the excess of expenditure over income was only Rs. 4. The excess of liabilities over assets now stands at Rs. 135 annas 12. The liabilities include the expenses of February and the assets the fees up to February.

6.—THE FENCING CLUB.

30. This Club has collapsed for want of members.

dishonesty in book-keeping. I have attempted during the last six months to introduce the system of double entry and to prepare a monthly Trial Balance sheet. Proper books have been prepared and are now in use. But the inseparable difficulty has hitherto been that the clerks who had to do the work were untrained and unable to carry out accurately the principles of book-keeping. The remedy I believe to exist in employing for six months a trained accountant to put the office in order and train up our officers. An officer of 31 years experience in Government accounts has now been engaged by the Board of Management for six months to put our accounts in order and teach our bursar and his assistants the art of book keeping. I anticipate the happiest result from this step.

B. Students, Societies, Clubs etc.

1. Cricket.

25. The cricket eleven played 25 matches in the year June 1895—May 1896. In 24 they were victorious, and one was a draw. Eleven matches were against first class teams. The following were the most important matches played against good English elevens :—

Meerut Station Club			M. A.-O. College.
1st Innings	100		159
2nd Innings	108	3 wkts	53
Agra Station Club			M. A.-O College.
1st Innings	71		80
2nd Innings	93		232
Allahabad Station Club			M. A.-O. College.
1st Innings	115		211
Lucknow Club			M. A.-O. College.
1st Innings	80		128
2nd Innings	65	2 wkts	20
Naini Tal Club			M. A.-O. College.
1st Innings	96		113

The above does not include two matches won against the Naini Tal Club in June 1896. The cricket eleven also stood first in the University Tournament, and the School eleven first in the School Tournament. The past year has been the most brilliant in the history of the Club. The accounts of the club are in a most satisfactory condition. The Captain, Mahomed Abdullah, B. A., is to be heartily congratulated on the success of his efforts. The cricket club has undertaken to build a pavilion, the estimated cost of which is Rs. 1,500, of which sum Rs. 1,200 have already been promised in subscriptions.

was the case and a saving was effected which came in very usefully this year. The students received this year about one rupee per head per month more on food than they paid for. No alteration was made this year in the quantity and quality of the food supplied. We have recently had one of those normal outburst of complaints against the food that occur from time to time and are made by students writing anonymously to Urdu newspapers. Considering that they got more than they paid for, the occasion was somewhat ill-chosen. The complaints elicited some sympathy in that class of persons who think that things must be very badly managed if the miracle is not performed of feeding at a cheap cost 300 young men and boys who mess together, so that all shall be perfectly satisfied with the taste of their food. The best test of the healthiness of the food we give is to be found in comparing the physique of the students who have lived for several years in our boarding-house with those who come from outside. It will be found as a general rule that those who have lived with us for some years are much more powerful and robust than the others. Under these circumstances, although we shall do our best to improve the food, I cannot feel that there is any serious cause for complaint on this head.

The chief drawback in the food administration has been that the officer in charge of this department has not been very permanent To remove this evil the food and accounts department has been placed under an officer, Syed Abdul Baqi, to be called the bursar, who has served the college for nine years, and the salary of the post will be such as I hope will secure continuity of administration.

6. ACCOUNTS.

24 The most important matter now to be dealt with in the College is the thorough and businesslike organization of its finance. The Boarding-House accounts are one branch only of the College accounts and the only branch with which I have personally any concern, and have therefore to deal with in this Report, but they are the most elaborate and involve the heaviest work. Moreover as the normal receipts from students, including the money received for and spent on food are about half a lakh per annum, and as the actual profits to the College from students' fees have more than doubled themselves in recent years, it is obvious that the regular collection of this revenue and an adequate system of checks are matters of the first importance to the College. Hitherto no balance sheets of the boarding-house have been prepared, the annual statements of receipts and expenditure have been untrustworthy, and no system existed of checking inaccuracies or

is kept of the school students, because at most of the *jamaats* it is impossible for them to escape attendance.

(ii) Koran Reading.

19. The younger school students have been learning to read the Koran as usual.

20. The voluntary attendance of Musalman students of the college classes at the reading and translations of the Koran for half an hour before the opening of the College every day has been very poor. The work is done by the College Dean. When it was under Maulvi Shibli a large number of students voluntarily attended this class.

3. Health.

21. The average daily medical attendance has been 18.6 as against 17 last year, most of these being slight cases of indisposition. The serious cases reported by the doctor are

3 of dysentery
7 of malarial fever
6 of pneumonia.
2 of diarrhoea.
2 of diseases of the urinary system
1 ditto connective tissue
3 local injuries
2 other complaints.

Total 27 as against 31 last year. All these cases were perfectly cured. The cases of pneumonia, a disease very prevalent last cold weather, gave us great anxiety. A tremendous epidemic of small pox has been raging in the city of Aligarh, but great precautions have been taken in vaccinating all the students and cutting off intercourse with the city, with the result that no case has so far occurred in the Boarding-House.

4. Cleanliness.

22. The boarder's rooms have become neater and cleaner through the inspections of the Provost. There is a need for more bath-rooms, etc, and a sub-committee of the Board of Management has been appointed to report on the matter. A great deal of work for which it is very difficult to find money, has to be put into this department, before the English standard of cleanliness as regards personal habits, dress, and rooms can be established.

5. Food.

23. The expenditure on food has this year been in excess of the income on account of the excessive dearness of provisions. Last year the opposite

has been created by the Trustees, is the greatest constructive advance made in the constitution of the College, since the passing of the present rules in 1889. The absurdity of the apprehensions entertained by one or two persons that it might form a battle-ground between the members of the Staff, English, Mahomedan and Hindu on the one side, and the Trustees on the other, has been clearly shown by the first two meetings, in which the Board gave evidence of a capacity and vigour that gave the best possible assurance for the future wise conduct of the institution. When men are actuated, as all the members of the Board are, by a genuine desire for the welfare of the College, and when each man expresses his views with perfect freedom, a free discussion is not only advantageous to the measures discussed but it removes misapprehensions and is a source of harmony and unity.

1 DISCIPLINE.

17. Two important steps have been taken during the past year for the improvement of discipline the first the collection of the junior boys in the Zahur Hosain Ward, where they are under the constant supervision of a resident master, and the second the further development of the monitorial system that was started in the previous year House monitors, who take the night attendance and report on serious breaches of discipline and morals, have been appointed They are rewarded with a silver badge for the conscientious discharge of their duties. The establishment of the system has taken up a great deal more work than I anticipated, and the organisation is still but half complete The results already obtained justify us in the belief that we shall have in the monitors an invaluable engine of discipline and means of training our students. I wish to institute a College Register in which a page will be given to every student, and his conduct, the school or college offices he holds from time to time with comments as to how he discharged his duties, details as to his intellectual work, the measurement of his chest, waist, and muscles, &c. &c. shall be regularly written down from time to time.

2. Religious Observances—(1) Prayers.

18. The number of attendances at Mosque put in by college class boarders during the past year was 43,351, giving an average of three attendances per student per day. The number last year was 53,333, from which it would appear that there has been some falling off of energy in the working of this department. As however in the months May 1893—January 1894, before the introduction of the present system, the number of attendances was 4,210 only the attendance at prayers during the last year is eminently satisfactory. No register

THE LIBRARY.

13. **Fifteen new books only have been added to the Library in the past year.**

THEOLOGY.

14. **No alterations have been made in this course.**

GENERAL LECTURES.

15. During the past year Mr. Arnold gave some lectures, the result of a great deal of work and research, on the early Mahomedan conquests. Such lectures have nothing in common with the ordinary so-called lectures of an Indian College, which consist of explaining a text book. The cause of learning and research would doubtless be advanced in India if the Professors had more leisure, as they have in Europe, to prepare such lectures as Mr. Arnold's. Professor Karamat Hosain likewise gave some lectures on the Philosophy of Herbert Spencer. And I have given two lectures of a course on a more humble subject the principles of book-keeping. I hope to continue these, for far removed as the subject is from the higher ranks of learning, I have been convinced from recent study of its great utility for all persons, who may have to deal with practical affairs. And the central theory, a masterly achievement of the human intellect which has for 600 years assisted the industrial development of Europe, offers as good a discipline of the mind as any branch of mathematics.

III. THE BOARDING HOUSE.

A. Administrative Department.

16. Before dealing with the separate departments I wish to say a few words about the Board of Management that has been made by the Trustees during the past year.

For the progress of the institution and the avoidance of friction, it has long been desirable that there should be a regular and duly constituted means of meeting of those active and energetic members of the Trustees, who live within a reasonable distance from Aligarh, and the members of the staff on whom mainly and necessarily the task rests of carrying on the object of the institution. The old Managing Committee, from inherent defects in its constitution, was found by experience to supply but very imperfectly the need. Nevertheless such Meetings as were held proved sufficiently the advantage of a free exchange of views between the various Trustees and members of the staff who were on it. The continuous executive business of the College could not moreover be carried on by the Trustees, most of whom live at a considerable distance from Aligarh, without the assistance of an executive council, any more, indeed far less, than the executive business of the University of Allahabad could be carried on by the senate without the assistance of the syndicate. The Board of Management that

would be improving their minds by a much higher kind of study. Further the College Diploma might be restricted to students, who in general character also were above the average, and might thus serve as a test for qualities, which the University is powerless to measure. If a College with a good reputation gave its diplomas judiciously, the intrinsic merit of the distinction would in time come to carry a market value that might even exceed that of the university degree.

10. There is a special reason which might induce the M. A. O. College to take this course. Every one knows that education is extremely backward among Mahomedans Unfortunately in spite of the determined efforts that have been made to improve it the number of Mahomedans who passed the Entrance Examination last year was actually less than it had been in any year since the University of Allahabad was founded, while the percentage of Musalman graduates was, if those who passed from the M. A. O College and also belonged to other provinces be deducted, only about 8 per cent of the total. We have therefore the strongest motives for attempting by every possible means within our power to set right a state of things so disastrous for this great historic community and fraught also with danger for the State.

CHANGES IN STAFF.

11. The teaching power of the College has been substantially increased by the arrival of Mr Tipping. The appointment of Professor Zia Uddin, as Assistant Professor of Mathematics, has also added to our strength. Mr Horst, the Head Master, has taken long leave with the intention of not returning He has given thirteen years of conscientious and steady work to the institution and will be much missed. There is an impalpable but all-important influence exerted on students by the character of their teachers. In Mr. Horst, our school-boys had always before them a type of that good breeding and manly courtesy which we are accustomed to associate with the term, an English gentleman A new executive post has been created during the year, that of Provost. The duties of the post are discharged by Mr. Morison. The Provost inspects the daily register, and fines students who are absent without leave, has charge of physical education, and inspects the rooms of the boarders, and discharges various other duties. The increased size of our College and Boarding House rendered the creation of some such post necessary, if we were to exercise adequate supervision. And the great utility of the creation of this office has been proved already.

THE LAW CLASS.

12. The system of lectures has been reorganised during the past year, and the cause of complaint arising from the uncertainty in the times of their delivery has been removed.

Government service, the demand though numerically small is large compared with the number of men fitted in every respect to fill the posts. In the lower ranks the number of offices is enormous, likewise in the railways, in the native states and in private concerns. In England more graduates take up the teaching profession than any other. In India, although the posts are not ill-paid, yet it is impossible to obtain our best graduates for the various Government and private schools. Only a small percentage of masters have taken their degrees. It is universally admitted that the subordinate Judicial service throughout India has been morally purified by the educated class of natives. Is there not reason to hope that men of superior education belonging to those races, which possess military instincts and executive ability, might sensibly reduce the corruption and oppression that disgrace our police administration? At present more than half the work of the country is done either by men who are half-educated or by imported Bengalis. I have always supposed that one of the objects of our University was to train up natives of the province to supply its intellectual needs. In the beginning our University gave a great stimulus to higher education, and there was reason to hope that the notorious backwardness of these provinces would soon become a thing of the past. This is fast becoming altered.

While the Government on the one hand is raising the fees, a policy which tells hardly on a number of good old families that have been reduced to narrow circumstances and that contain splendid material for education; the University is excluding three-fourths of the sons of the wealthier classes from any chance of getting their degrees, and if these two opposite policies be persisted in the natural and inevitable result will be that the province will have to import a large part of its skilled labour from Bengal. I cannot believe that either the Government or the University are consciously aiming at such a result, as, not to speak of other drawbacks, its injustice to the natives of this province is evident. Should the University remain obstinate in this policy there is one that would be worth consideration.

9. Some of the leading colleges might give Diplomas as substitutes for the university degrees. There are several students for example in the M. A.-O. College of good families, who have failed two or three times for the Intermediate, and who are, some of them above the average in general intelligence. Such students as we thought fit might be promoted to the third year class to read the B. A. course of study. If at the end of two years, they stood in the class examinations above others, who were successful in the B. A. examination, they might receive a Diploma. If they were worse, they might be required to read for one or two years more as the case might be, and in this case instead of wasting their time in reading again and again the elementary text-books prescribed for the Intermediate examination, they

has been blindly moving in the direction of passing smaller percentages every year. This year taking the percentages roughly as 30 per cent, 40 per cent and 50 per cent for the Entrance, Intermediate and B. A. respectively, the number of students, who pass the B. A after four years work is 3 × .4 × 5=06=*i. e.* six out of a hundred Entrance candidates. This system can be justified only on the theory that the object of the University is to select only a minute proportion of students with picked intellects of a special and that not always the best kind, for its degree; it being indifferent to the fact that the greater number of the sons of good families must be excluded from its honours and from the careers to which the degrees have been made essential, a state of things entirely opposed to that of the English universities of Oxford and Cambridge, in which most men after residing for three or four years obtain their degrees as a matter of course. The principle is not un-workable, provided that one condition be postulated. I do not think it suited to the social condition of India or adapted to the encouragement of scholarship and research, for as applied to the higher examinations, it gives a tremendous impetus to cramming.

The necessary condition alluded to is, that a large erea of selection should be provided by wide-spread cheap education. This however the Government, acting on a wholly opposite principle, is entirely opposed to The fees have now been raised so as to restrict higher education to the comparatively will-to-do. The two principles clash and there is considerable probability that between them they will act as a very effective check on the education of the country. The Government will prevent the poor from reading and the University will prevent the rich from obtaining their degrees. At present about 150 graduates are produced out of a population of 44 millions. If the work that these men have to perform be considered, nothing can be more absurd than to suppose that the supply is in excess of the demand. To begin with, a few have or will come into property and a certain number die soon. Again only a small percentage of our graduates are fitted for the higher kind of intellectual and executive work, just as in England our great lawyers and doctors are the few men out of thousands, who have been brought to the front by the struggles for existence, so in India the progress of civilization depends on the operation of the same principle. I do not believe that more than one man out of ten of our graduates has the capacity of becoming a first class lawyer. Yet, as the Lieutenant Governor has remarked, the profession is in urgent need of being recruited from men of high intellectual and moral attainments. The force of competition has so far sent very few men of any ability or education into the various branches of the medical profession, yet what could be a greater blessing to the country than to have highly trained and skilful hospital assistants. In the higher ranks of the

acquainted with the details of the work. Our boys must be made to learn, our masters have been taught to teach. The capacity of the individual member of the school staff requires careful investigation, so that each man may be given the kind of work he is best fitted to perform. The text books of the lower classes want the most careful attention. The daily scheme of studies needs readjustment to the altered system of working in the University. I merely suggest a few of the questions that must be dealt with. At the same time we need not be troubled by serious apprehensions for the future, for I cannot believe that if enough attention be devoted, as it certainly now will be, to the organisation of the school—a task much less difficult than several of the others with which we have had to deal—there is any room for doubt as to our ultimate success.

7 In the Intermediate examination we stood about 7 per cent below the University average, and in the B. A. well above, while in the M. A., the first time we have sent up a regular class, we passed three out of four candidates. There were temporary difficulties which account to some extent for the lower average of the Intermediate students, while on the other hand, considering the exceptional severity of one of the Philosophy papers in the B. A., the success of the B. A. students is very creditable, especially to our Professors of Philosophy and Mathematics. The M. A. result is gratifying, and the M. A. class may now be regarded as firmly established.

8 Turning now to the broader questions presented by the University examination, I think it is becoming every year more obvious that the principle of passing students by leaving everything to the arbitrary power of individual examiners is radically wrong. This year two examiners for the B. A. set such papers, and marked in such a way, that if every examiner had behaved like them, only 4 or 5 per cent of the B. A. candidates, would have passed at all, that is to say, the University would turn out about 10 or 12 graduates per annum to supply all the intellectual needs of a province, with a population greater than that of Great Britain and Ireland. Moreover, if this system were pursued, the University itself would cease to exist in a very few years. Could anything demonstrate more clearly the necessity of keeping the ultimate power in the hands of a body of men acting on a fixed and well-thought out policy not controlled by an ungovernable zeal for the honour of a particular subject of study, but taking a broad view of the welfare of the university and of the country at large?

It would be far more rational to secure continuity of standard by maintaining within fixed limits the proportion of students who passed, than to seek to attain it by a system in which in the same subject in two consecutive years one examiner passes 90 per cent of the students and the next barely 10 per cent. The University

is reduced by probably 8 or 10 per cent by the large number of failures that invariably occur among private candidates. Consequently our school, which unlike the College department has a better paid staff than most of the rival institutions, has been as a rule passing a smaller percentage of students. However poor as a test of scholarly learning, the system of percentages is not without merit when applied to school teaching. We ought to stand persistently above the average of the other schools, instead of generally below it. I can offer no satisfactory explanation o why we stood so far below this year. The examination was it is true exceptionally difficult and some other schools with large Entrance classes like ours fared little or no better. The absence of the Head Master on leave for some of the earlier months of the year has probably contributed something, but it cannot be looked on as the cause, for the failures were not confined to English and a good machine will not fall to pieces in three months. The size of the class and the severity of the examination (for 16 of these same boys appeared for the Punjab University examination, and 9 passed) are perhaps responsible for the abnormally bad result. But in fact it would be a misdirection of effort to seek an explanation based on temporary or accidental circumstances Passing to the root of the matter, it is clear that the whole of our school department wants thorough overhauling from top to bottom During the last ten years, the teaching of the College department has been re-organised, the discipline of the boarding-house, which in 1887 was so bad as to bring the place to the verge of ruin, has been put on a firm basis, physical education has been developed, students' literary and patriotic societies have been created, and the finance and business aspect of the institution is in course of reform. But the system of education in the school has on the whole proceeded uniformly on the same old mechanical lines. This did very well for a time while it was adapted to the University course of studies, and other matters of greater urgency required attention But the University has been making changes in its method. Only one-fifth of the marks are now allotted to the text book, for instance, and last year 20 marks were given to unseen passages. Moreover any machine tends in time to get rusty or out of date. The reorganisation of the school is now a matter of the utmost urgency, and to effect it we must devote to the work our best resources. With Mr Morison's consent I propose that he should for the next nine months give the better part of his time to dealing with the complete re-organization and with the administration of the school. He is of course far too valuable to undertake this work permanently, but it would always be an enormous advantage for the school that one of the higher officers of the staff should be intimately

move in the direction of the English Universities of Oxford and Cambridge. The essential principle, that method is more important than matter, in other words that intellectual discipline rather than the acquisition of a miscellaneous mass of general information is the true aim of education, has been too much lost sight of. It is proposed also to add a course in Anglo-Saxon and Early English as an optional subject, and as the M A.-O. College possesses on its staff a professor who took his degree at Cambridge in this subject, the College will naturally teach it. If, as I trust it will be, the new scheme of studies is passed, the College will endeavour to give scholarly instruction in English, History, Mathematics and Arabic. Other Colleges will doubtless take other lines For example it seems to me, that the Benares College, with its unequalled resources might become the great home of Sanskrit learning in India.

UNIVERSITY EXAMINATIONS.

5 The results of the University Examinations this year have been as follows —

	No of Candidates from College.	Passed.				Percentage of successful students in College.	Percentage of successful students in University.
		1st Division	2nd Division.	3rd Division.	Total.		
M. A.	4	......	......	3	3	75	55 5
L. L B	6	......	3	......	3	50	30
B A. (A. Course)	29	.....	13	3	16	55	48
B. A. (B. Course)	4	......	.....	3	3	75	50 5
Intermediate (A Course.)	80	......	8	18	26	32 5	39 4
do. (B. Course)	2	......	......	......	0	0	44 9
Entrance (Allahabad) ..	62	......	......	......	5	8	39 9
(School candidates) ..							
Entrance (Punjab)	16	....	.....	.....	9	58	....

6. The chief feature of the year has been the disastrous and disgraceful failure of our school students in the Entrance examination of the Allahabad University. The results of the school have not been satisfactory in recent years, and last year's were also bad, for although 32 per cent of our students passed, as compared with 31 in the University at large, the latter percentage

monitorial system which we have introduced, in which regular unpaid work is expected of the monitors, may to some extent instil this sense of honour about work into our students. Considering the needs of the country, we should at present I think devote our attention to the active, rather than the contemplative side of human-nature, and work more at developing strength of character, a sense of public duty, and patriotism, than at cultivating the imagination, the emotions or the faculty of pure speculation. And thus recognising that only by concentration of purpose can we hope to achieve success, we must reluctantly abandon the cultivation, in the majority of our students, of the poetic, or philosophic temperament, and devote our attention to turning out men who in appearance are neatly dressed and clean, of robust constitution and well trained muscles, energetic, honest, truthful, public-spirited, courteous and modest in manner, loyal to the British Government and friendly to individual Englishmen, self-reliant and independent, endowed with common sense with well-trained intellects, and in some cases scholarly tastes It is easy of course to sketch out in outline the ideal student, but a very different thing to realise it. If we turn out a few students who prevent us from feeling painfully the contrast between fact and aspiration, they serve to measure the extent of our failure in others, and show that the problem is but half solved. Such success as we have attained I attribute largely to the personal influence of our Professors of English and Philosophy, to the former of whom in particular our physical training is mainly due. As the material on which we work is constantly changing, permanent progress would be difficult, were it not for the cumulative force of tradition. To assist this, the desirability of getting boys young and keeping them with us for 8 or 10 years, is obvious. And we have ample proof of the advantage derived by students from such prolonged residence in the College.

4 As regards our courses of study, we look forward with great hope to the changes that are contemplated by the University in the B. A. Course. Hitherto the compulsory study of Metaphysics, a subject distasteful if not unintelligible to most people, has kept up an element of drudgery in the students reading, that is prejudicial to the teaching of the subject, as well as to the encouragement of a taste for learning. The Faculty of Arts has approved of the introduction of an advanced Course of History that will enable the student to gain some real knowledge of this important subject. The principle of the specialisation of Colleges has been generally received with favour and an important step in this direction has already been taken with reference to the science degrees. A new era is this opening before the University, which is beginning gradually to

II. THE COLLEGE EDUCATION.

GENERAL REMARKS.

3. A College or School may be compared to a factory which works up raw material into the finished products of civilization. Its task, the production of men, is however the most difficult of all, and perfection is unattainable. The enormous influence of a great institution might be shown by comparing two men born in the same surroundings, the one educated as a youth, say at an English public school and University, and the other left uneducated at home. A youth's education however depends on two factors, one the school or college other the effect of the *Milieu* afforded by the country and society in which he lives. In India the latter is so inferior that it is much more difficult for the Indian School or College to produce results equal to those of the corresponding institutions in England. More attention must here be given to many sides of education which in England may be largely left by the teacher to the care of other agencies So little however has this fact been acted on, that the ordinary Indian school attempts for less, so far as training and character are concerned, than any decent English school, and the money value of a teacher is commonly measured by his success in cramming students through examinations. There are of course many limitations to the capacity possessed by a school or college for moulding and fashioning the raw human material which comes to its hands, and among these one of the most important is that its energies must be mainly devoted to producing one type only of many possible forms of human excellence. For only by making this type predominant among its students can it exert the influence necessary to stamp its characteristics on fresh comers. It therefore becomes necessary to form a clear idea of the ideal type which the College sets before itself, and in choosing this to lay emphasis on such features as are most needed by the conditions of the country or are indicated by the capacities or defects of the community from which it draws its students. The staff of the M.A.-O. College has constantly borne these considerations in mind, and by working on such lines in the future as in the past, I think we may hope to achieve continuous progress in the education given at the College. In no quality, it seems to me, are the people of India as a whole so deficient as compared with the people of England as in that of practical energy. How are we to supplant the natural indolence of the East by the restless activity of the Englishman? I think experience shows that active physical games have a useful influence in this direction.

Again our students should learn to do work entrusted to them from a sense of duty without the stimulus of the observant eye of a superior, I hope that the

NUMBER OF STUDENTS IN THE LAW CLASS 97.

2. The following figures show the numbers during the past four years .—

	College.	School.	Total.
1893	121	241	362
1894	154	293	447
1895	205	360	565
1896	202	304	506

The numbers in the Law Class for the last four years have been —

1893	1894	1895	1896
69	61	90	97

The numbers in the Boarding-House since 1888 have been as follows —

	Number of Boarders.	increase in year.
1888	114	—1
1889	151	+35
1890	163	12
1891	194	31
1892	215	21
1893	230	15
1894	270	40
1895	329	59
1896	333	4

It will be noted that the total number of Students in the School and College was 59 less in the last year than in the preceding year. This falling off occurred chiefly in the school day-scholars, the number of which fell by 51. From 1893 to 1895 the number of day-scholars in the school increased from 116 to 195. I cannot explain these violent fluctuations. Possibly the fact that the fees for day-scholars were raised last year is the cause of the fall in numbers. It will be seen that the number of boarders remained almost stationary. As however the rooms were all filled it was impossible for it to increase. And the income from fees of boarders shows an increase of about Rs. 3,000 in the year, so that the financial progress of this department was great though the numbers were stationary. The most important figures so far as the purpose for which the College was founded is concerned, namely the higher education of Mahomedans, are the numbers of Mahomedan boarders in the College Department. These rose from 161 in 1895 to 173 in 1896.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 5.	JULY 1, 1896.	No. 7.

THE PRINCIPAL'S ANNUAL REPORT.

FOR 1895-96.

I. NUMBER OF STUDENTS.

1. The number of students on the rolls of the M. A.-O. College, Aligarh, on March 31st 1896, was as follows, —

COLLEGE DEPARTMENT.

(a) Boarders.		(b) Day-scholars.	
(i) Musalmans 173 (ii) Hindus 0.		(i) Musalmans 2 (ii) Hindus	27
Total Boarders	173	Total Day-scholars	29
Total Musalmans	175	Total Hindus	27

Total number in College Department 202.

SCHOOL DEPARTMENT.

(a) Boarders.		(b) Day-scholars.	
(i) Musalmans 156 (ii) Hindus 4.		(i) Musalmans 91. (ii) Hindus	53
Total Boarders	160	Total Day-scholars	144
Total Musalmans	247	Total Hindus	57

Total number in School Department 304.

TOTAL OF BOTH DEPARTMENTS.

Boarders	333	Day-scholars	173
Musalmans	422	Hindus	84

Total number 506.

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other Subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A. O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs. 3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. p. for Rs. 3 or for Re. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 2 annas per line or Rs. 2 per page in Urdu.

THEODORE BECK,
English Editor.

MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,
Urdu Editor.

NIAZ MUHAMMAD KHAN,
Manager.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 4.	JULY 1, 1896.	No. 7.

CONTENTS.

Printed at the Institute Press, Aligarh.

For the Siddon's Union Club.

محمدن اینگلو اورینٹل کالج
میگزین

نمبر ۶	یکم ماہ جون سنہ ۱۸۹۶ ع	جلد ۴

فہرست مضامین

انگریزی

اُردو

علیگڈہ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتازالدین کے اہتمام سے چھپا

کالج میگزین

تقریبا پانچ برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اُردو ملا ہوا - علیگڈہ کالج سے نکلنا شروع ہوا — اول اول وہ علیگڈہ انسٹیٹیوٹ کا ضمیمہ ہوکر نکلتا رہا - لیکن سنہ ۱۸۹۴ ع میں اُس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی - اُسکے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اُس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے - اور اسوجہہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپی نہ تھی *

اس خیال سے اس کے منتظموں نے اس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جاے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ - مسلمانوں کے علوم و فنون - تاریخ اور لٹریچر کے متعلق — مفید اور پر زور مضامین لکھے جاوُیں - اس غرض سے اس کے ۲۴ صفحہ بالکل اُردو کے لیئے مخصوص کردیئے گئے - اور اس صیغہ کا اہتمام مولوی شبلی صاحب نعمانی نے اپنے ذمہ لیا ہی اور وعدہ فرمایا ہی کہ اس کی ترقی میں وہ حتی الامکان کوشش فرمائینگے *

ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی - نواب محسن الملک - مولوی نذیر احمد - اور منشی ذکاءاللہ وغیرہ بزرگوں نے اس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہی - اور اہل قلم بھی اگر اسکی اعانت فرماوینگے تو ہم نہایت فخر کے ساتھہ قبول کرینگے *

ہمکو اُمید ہی کہ ہندوستان کی اسلامی جماعت خریداری سے اس کی اشاعت میں مدد دیگی - میگزین کے کل صفحات ۴۰ ہیں اور قیمت معہ محصول ڈاک — (ے) *

اس میں اشتہارات بھی ۲ر فی سطر کے حساب سے درج ہوا کرینگے ایک صفحہ کے چھپوانے والوں سے صا ایک ماہ میں لیئے جاوینگے *

تھیوڈر بیک ایڈیٹر انگریزی
مولوی شبلی نعمانی اُردو ایڈیٹر
نیاز محمد خاں — مانیجر

ڈیوٹی بک ڈپو

یعنے

انجمن الفرض مدرسة العلوم

شایقین علم وتاجران کتب کو اطلاع دیجاتی ہی کہ دوکان الفرض مدرسة العلوم علی گڈہ مین ڈاکٹر سر سید احمد خان بہادر و مسٹر محمود بیرسٹرایٹ لا و نواب محسن الملک مولوی مہدیعلی خان و مولانا الطاف حسین حالی و شمس العلما مولانا شبلی نعمانی و مولانا نذیر احمد و حاجی اسمعیل خان رئیس دتاولی وبعض دیگر مصنفین کی تصانیف موجود ہین جنکی فہرست دوکان الفرض سے طلب ہونے پر ملسکتی ہی اور کتابین نقد قیمت وصول ہونے پر یا بذریعہ قیمت طلب پارسل ارسال ہوسکتی ہین۔

حال مین ہمارے کالج کے پرانے طالب علم مولوی حفیظ احمد صاحب نے ایک کتاب موسوم بہ **محمڈن کالج ڈائرکٹری** (جسمین اس کالج کی مختصر تاریخ و موجودہ کیفیت انتظام عمارات اور پرانے طلبا کے حال وسکونت و موجودہ عہدون وقیام کے حالات درج ہین) طیار کی ہے اور اوسکو انجمن الفرض نے طبع کرایا ہے۔ پرانے طلبا اور نیز عام مسلمانونکے لئے جو اپنی قومی کالج سے دلی تعلق رکھتے ہین ایک نہایت دلچسپ کتاب ہی اور قیمت صرف ۸ر ہے۔

ہمارے کالج کے سیکنڈ ماسٹر سے پروفیسر چکرورتی کی اَرتھمیٹک کا اردو ترجمہ موسوم بہ **علم الحساب** حصہ اول و دوم طبع کرایا ہے جو ورنیکلر مڈل اسکولونکے واسطے نہایت مفید کتاب ہی۔

قیمت حصہ اول ۴ر و حصہ دوم عہ ر ہی۔ ہر دو حصہ دوکان الفرض سے طلب ہونے پر ملسکتی ہین۔

المشتہر

ولایت حسین

مینیجر دوکان الفرض مدرسة العلوم علیگڈہ

اخبار عام لاہور کا اشتہار

اردو زبان کا سب سے پرانا عمدہ اور سستا اخبار

تازہ خبرون اور دلچسپ مضامین کے لئے خاص شہرت رکھتا ہے (۴۵ سال سے شایع ہوتا ہے)

ہفتہ وار اخبار عام۔ ہر دو شنبہ شایع ہوتا ہی سالانہ قیمت ۶ر مع محصول بلا محصول عہ ر

روزانہ اخبار عام - ہر روز شایع ہوتا ہے۔ سالانہ قیمت بلا محصول چھ روپیہ مع محصول بارہ روپیہ

ہفتہ کے کل پرچونکا مجموعہ - ہفتہ وار ایک بڑی کتاب ۸۰ صفحہ کی صورت مین شایع ہوتا ہی۔ **قیمت سالانہ** عہ ر مع محصولڈاک درخواستین مہتمم اخبار عام لاہور کے نام آنی چاہئیں

(مطبوعہ محمڈن پریس علی گڈہ)

مایوس العلاج مریضوں کو

اطلاع

ہزار ہا مریض ایسے اچھے ہو چکے ہیں جو سخت امراض میں مبتلا تھے۔ ہمارا دعوے ہے کہ جسقدر مریض مندرجہ ذیل بیماریوں کے ہم اچھے کرتے ہیں۔ اتنا دوسرا کوئی نہیں کرتا۔ مفصلہ ذیل بیماریوں کا ہم ٹھیکہ کرنیکو طیار ہیں۔

ئی مافات | یہ مردوں کیلئے خارجا مالش کا تیل ہے۔ تولہ چار روپیہ

[illegible] | قوی عضو کا اعادہ کرتا ہے۔ مثانہ۔ دل دماغ۔ جگر کو طاقت بخشتا ہے۔ وہ خون کا مددگار۔ نوجوانوں کا ایک دوست

[illegible] | سوداوی مادہ ... میں خطا کاری کو بہ دسترس کرجاتے تو ان کو یہ بلا تکلیف سمیت سے بدن صاف ہوسکتا ہے۔ روز ہفتہ للعہ

[illegible] | بالوں کو سیاہ رکھتا ہے۔ سفید ہونیسے روکتا ہے۔ ضعف دماغ۔ ضعف بصارت۔ سر کا گھومنا۔ درد سر نزلہ زکام کو دور کرتا ہے۔ کانوں سے مختلف آوازوں کو روکتا ہے۔ جو لوگ ترشی کھانیسے سر بھاری اور ... میں مبتلا ہوجاتے ہیں وہ آزمائیں۔ لیموں بادر با ... ہو رکھتا ہے فی شیشی تین روپیہ

منجن | ہلتے ہوئے دانتوں کو مضبوط و قائم کرتا ہے۔ بدبوئے ... کو دور کرکے موتی کیطرح چمکدار بناتا ہے۔ مسوڑوں کی جڑوں سے لیسدار رطوبت خارج کرکے نیا گوشت پیدا کرتا ہے۔ خون جانا اور کیڑا دانتوں کو نہیں لگنے دیتا ۴ تولہ عہ

[illegible] | موسلائی سنگ یشب۔ مدام استعمال سے ضعف بصر۔ موتیابند نہیں ہوتا۔ پانی۔ خارش۔ پھولا۔ دھند۔ کیڑوں کا اڑنا۔ بالائی پلک کا دانہ دار ہونا۔ روشنی کا برداشت نہ ہونا ان سب بیماریوں کو دور کرکے نور نظر کی حفاظت کرتا ہے۔ ایک تولہ ...... عہ

روغن اعجاز | کاربنکل اور خنازیر ناصور دیکند روبہدون کے زخموں کا سریع الاثر علاج ہے۔ تو یہ ہے برسوں کے کہنہ زخم دنوں میں بھر دیتا ہے۔ درد کیڑے کے لگاتے ہی دور ہوجاتے ہیں شروع دنبل ہوتے ہی لگایا جائے تو پیپ نہیں پیدا ہونے دیتا ...... ۱ تولہ عہ

خون کی خرابی جو اپنی سبب نکاری یا اضلاط میں خرابی لاحق ہے

[illegible] | ہو۔ اسکے پینے سے خون صاف ہوکر جسم اپنی اصلی حالت پر آتا ہے۔ درد مفاصل پھوڑے پھنسیاں۔ چہرہ کی سیاہی دور کرکے سرخ بناتا ہے ...... فی شیشی تین روپیہ

[illegible] | یرقان۔ پیٹ کا گولہ۔ تلوں کا درد۔ ترش ڈکار اور ورم جگر۔ تبخیر معدہ۔ دل کا دھڑکنا۔ چشم کا بھاری رہنا پیٹ کا بوجہ وغیرہ میں تفاوت کرتی ہیں ...... ۲ درجن عہ

[illegible] | مصفی خون درجہ اعلیٰ ہے۔ عورتوں کے ایام کی خرابی خون میں صلاحیت پیدا کرنیوالی بہتر معاون ہے ۲ درجن عہ

[illegible] | بار بار پیشاب آنیسے کاربنکل (سرطان) یا خراب قسم کے مہلک زخم پیدا ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کے پیشاب میں شکر ہوتی ہے انہی کو کاربنکل نکلتی ہے۔ قوت گھٹ کے جسم لاغر و سست اور سوکھکر ہڈیاں رہجاتی ہیں۔ بصارت کم ہوتی ہے دھوپ میں باہر نکلی برداشت نہیں رہتی فی تولہ عہ

کہن زود | اسکے لگانیسے بال داڑھی وغیرہ کے اچھے نکلتے ہیں۔ فی شیشی عہ

دوا خارش | رانوں کی جھرسے کی سیاہی و خارش۔ جسم کے دانے تین دن میں دور ہوسکتے ہیں ...... ۱ تولہ عہ

نورا علیٰ نور | اسکے لگانیسے چند منٹ میں بال اڑجاتے ہیں ۴ تولہ عہ

[illegible] الساعة | دانت کا درد فی الفور دور ہوجاتا ہے۔ تولہ عہ

حب قائم مقام افیون | زندہ در گور کرنیوالی عادت بلا تکلیف بسہج چھوٹ جاتی ہے تولہ

[illegible] | آجکل کی تعلیم یافتہ حضرات کا فوٹو۔ اور اس زمانہ کے لوگوں کے دلی بیدوں کا خاکہ دیکھنا چاہتے ہو۔ تو اس کثیر الوقوع امراض کی بابت و اسباب کو ملاحظہ کرو۔ ۱۵۰ صفحہ کی کتاب ہے

المشتہر

حکیم غلام نبی صاحب زبدۃ الحکما دفتر رسالہ حافظ صحت و زبدۃ الاخبار لاہور موچی دروازہ

مطبوعہ محمدن پریس علی گڈھ

تذکرہ سر ولیم جونز

(بانی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال)

ناموروں کی اولاد کو خاندانی مستحصلہ شہرت قائم رکھنے کے لیئے بہت تھوڑی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ مگر جو غریب گھروں میں پیدا ہوکر ابدی عزت حاصل کرتے ہیں اگر بغور اُنکی حالت پڑہی اور سُنی جائے تو معلوم ہوگا کہ جفاکشی اور استقلال اور تقسیم اوقات سب میں بڑے اور اصلی سبب ہیں۔ جنہوں نے اُنہیں زینت الکمال کو پہنچایا۔ سر ولیم جونز منجملہ اُن مشاہیر کے ہے جو محض اپنی دماغی قوتوں۔ سخت محنت اور مستقل مزاجی کے باعث اپنا لازوال نام دنیا میں چھوڑ گئے ہیں۔ ایسے بزرگوں کی لائف ایک زبردست محرک کا کام دیتی ہے۔ اور زبان حال سے اپنی کامیابی کا اصلی سبب دلوں میں جاگزین کردیتی ہے۔ اسیوجہ سے آج ہم نے ایسے فاضل کی سوانح عمری لکھنے کا ارادہ کیا ہے اسکا نام تحقیق کی تاریخ کے صفحوں سے جبتک یہاں والوں میں قدردانی کا مادہ ہے نہیں مٹ سکتا جس کی جفاکشی اور عزم جزم اور ہر کام باقاعدہ کرنے کی کوشش نے صاف بتلا دیا ہے کہ انسان اُس سے بہت زیادہ کام کرسکتا ہے جتنا وہ سوچتا ہے

سر ولیم جونز کا خانداں

سر ولیم جونز کا باپ لندن میں ریاضی کا مدرس تہا اور اپنی کامل دستگاہ کے

سبب اُس زمانہ کے مشہور ریاضی دانوں میں معزز شمار کیا جاتا تھا۔ اُس کی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُصول ریاضی کو خوب سمجھتا تھا۔ سر آئزک نیوٹن گذشتہ صدی عیسوی میں ایک بڑا ریاضی داں گذرا ہے۔ اُس نے صرف ایک سیب کو زمین پر گرتے ہوے دیکھکر سوچتے سوچتے آخر کو یہ نتیجہ نکالا۔ کہ خالق کائنات نے تمام چیزوں کو ایک دوسری کو اپنی طرف کھینچنے کی قوت عطا کی ہے۔ اسی سبب سے ہر چیز جو اوپر پھینکی جاتی ہے زمین پر گر جاتی ہے۔ کیونکہ زمین نزدیک اور بڑی ہونے کی وجہ سے اُسکو اپنے مرکز کی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اس نامور فلاسفر نے اپنی ایک تصنیف کو مسٹر جونز کی مدد سے مرتب کر کے مطبع کے لائق کیا تھا۔ مگر جونز کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ اپنے ہونہار بچہ کو صرف تین برس کا چھوڑ مرا۔ سر ولیم جونز کی ماں ایک بڑی ہوشیار تعلیم یافتہ زبردست دماغ والی عورت تھی۔ ایسی قابلیت سے اُس نے اپنا فرض ادا کیا کہ اپنا نام آیندہ نسلوں کے لیئے یادگار چھوڑا۔ اور تعلیم نسوان کی مشہور دلیل کا کافی ثبوت بہم پہنچا دیا۔ اسکو اپنے خاوند اور بچہ سے دلی اُنس تھا۔ ایک نقل مشہور ہے کہ جب اسکا لائق شوہر بیمار ہوا اور ایسے آثار ظاہر ہونے لگے کہ اب اسکا رشتہ حیات جلد منقطع ہوا چاہتا ہے جس کی اطلاع مریض کو نہ تھی۔ تو ایک ناعاقبت اندیش دوست نے اُسکو خط لکھا کہ مجکو تمہاری مہلک بیماری اور خطرناک حالت پر سخت افسوس ہے سر ولیم جونز کے باپ نے یہ خط اپنی بی بی کو دیکر کہا کہ اسکو پڑھ کر سُنا دو وہ خط کو دیکھتے ہی تاڑ گئی کہ بیمار پر اسکا کسقدر بُرا اثر پیدا ہوگا۔ اُس نے خط ہاتھ میں لیکر ایک فرضی مضمون اس طرح پڑھ دیا کہ اُسکو مطلق خبر نہوئی اور جا بجا مریض کے خوش کرنیکو دلچسپ باتیں بیان کر گئی مگر اصل خط کا ایک لفظ بھی اُس نے نہ سُنایا۔ بادی النظر میں تو

یہ بات زیادہ دشوار نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن جنکو ایسا اتفاق ہوا ہے کہ نظر تو کتاب یا
خط کے حروف کے ساتھ ساتھ چلے کر مضمون اُس عبارت سے بالکل جدا ہو اور پھر
اس بے تکلفانہ طور پر پڑہا جائے کہ سامع کو اصل معلوم ہو کسقدر دشوار ہے۔ اس نقل
سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسی عقیل اور دور اندیش تہی کہ اُسنے معا خط کا مضمون بدلدیا
اور نیز یہ کہ گو اُس کے دل میں یقین کلی تہا کہ اُسکا پیارا خاوند نہ بچیگا مگر نہ تو زبان سے
کوئی لفظ نکلا نہ لہجہ میں تغیر ہوا اور نہ چہرہ سے کوئی علامت ایسی پیدا ہوئی جس سے
اُسکا دلی رنج ظاہر ہوتا۔
دروغ مصلحت آمیز بہ کا اُصول پورے طور سے اُس کے ذہن نشین تہا۔

سر ولیم جونز کی ولادت اور تعلیم

سر ولیم جونز ۱۷۴۶ء میں پیدا ہوا۔ بچپن میں تو اُسکو اُس کی ماں ہی نے پڑہایا
کیونکہ اُسکا باپ صرف تین ہی برس کا چھوڑ مرا تہا۔ اور صرف بچہ کی تعلیم کی خاطر اُس نے
لیڈی میکلیس فیلڈ کے باصرار بلانے پر بہی وہاں جانا نہ چاہا تہا حالانکہ یہ لیڈی اُسکو
بڑی شفقت سے بلاتی اور اُس کے پورے خرچ کی کفیل ہوتی تہی۔ علاوہ بچہ کی
تعلیم میں حرج واقع ہونے کے اُسکو یہ بہی خیال تہا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر اُمرا کے مصاحب
بننے کے سوا جیسا کہ اُس زمانہ میں دستور تہا۔ اور کچھ نکر سکیگا۔ اس قابل نفرین
طریقہ کو ڈاکٹر جانسن صاحب فاضل اجل نے اول دفعہ توڑا۔ ورنہ اُسوقت تک علما اور
مصنفین جن کے سبب پرورش پاتے تہے۔ مدت العمر مجبوراً اُنہیں اُمرا کے مداح و
ثناخواں رہتے تہے۔ جیسا اکثر لوگ اپنی اولاد بالخصوص ذہین کو بچپن ہی میں زیادہ

پڑھا کرنا موری حاصل کرنی چاہتے ہیں۔ اسی طرح سر ولیم جونز کی والدہ کی بھی خواہش تھی
مگر اس طریقہ سے عموماً یہ بُرا اثر پیدا ہوتا ہے۔ کہ بچپن میں جبکہ نمو کا زمانہ ہوتا ہے زیادہ
کام لینے سے دماغ کمزور ہوجاتا ہے اور زیادہ عمر میں پہنچکر نہایت افسوسناک حالتیں
پیدا ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی یونیورسٹی کی سند جلد حاصل کرنے کی خواہش نے تھوڑی ہی
عمر میں اس ملک میں طلبا کو مجنون بنا دیا ہے مگر خدا کی مخلوق سب ایک طرح کی نہیں
ہوتی۔ ہمارے ہونہار مصنف پر باوجود سخت محنت کے کچھ بھی برا اثر پیدا نہیں ہوا۔
تین برس کی عمر میں حرف شناسی شروع ہوگئی۔ چوتھی سال میں وہ معمولی انگریزی
کتاب کی عبارت بے تکلف پڑھ سکتا تھا شیکسپیر کی بعض مشہور اسپیچیں اسکو
ازبر یاد تھیں اور گے شاعر کی نظم کے قصے وہ زبانی سُنا سکتا تھا۔ اس چھوٹی عمر میں
ہی اُس کی ماں ترغیب دلانے کو جب کبھی اُسکا اکلوتا بیٹا پوچھتا تو کہدیا کرتی تھی کہ (جب
پڑھوگے تو جان لوگے) اسی قسم کا مقولہ بزرگ سر سید کی والدہ مرحومہ کا تھا جو شوق
بڑھانے میں مقناطیسی اثر رکھتا تھا۔ سر ولیم جونز نے ہمیشہ کہا ہے کہ میں نے جو کچھ
پڑھا ہے وہ اپنی ماں کے اس مقولہ کی بدولت ہے۔ لیکن بعض لوگ خیال کرتے ہیں
کہ اُس کی ترقی اُن دو صدموں کے باعث ہوئی جو اُسکو یکے بعد دیگرے اُٹھانے
پڑے۔ ایک کے سبب تو اُس کی زندگی ہی معرض خطر میں آگئی تھی۔ اور دوسرے کے
سبب اُس کی نظر ہی قریب قریب جاچکی تھی۔ ان بیماریوں کے سبب جو وقفہ اُسکو
ملگیا اُس نے اُس کی تندرستی اور دماغ کو آیندہ محنت شاقہ کے لئے باقی رہنے دیا
ورنہ لگاتار محنت اُسکو بہت جلد نکما و بیکار کردیتی۔ چھٹے برس اُس نے لاطینی زبان
شروع کی مگر پسند نہ ہونے کے سبب اپنی ماں کی صلاح سے اسکو برائے چندے

چھوڑدیا۔ ساتویں سال کے آخر میں وہ ہیرو اسکول میں داخل ہوا۔ جونز کی بیماری کے سبب سال بھر میں اُس کے ہم سبق بہت بڑھ گئے تھے اُس کے بیرحم اُستاد نے انہیں کے ساتھ اُسکو بھی کردیا اور کہا کہ برابر کام کرکے لاؤ ورنہ ہم نہیں پڑھائیں گے۔ اور اگر کام کرکے نہیں لاؤگے تو سخت سزا دونگا۔ اب بڑی دشواری پیش آئی کہ سال بھر کی کمی کیونکر جلد پوری ہوسکتی ہے۔ لیکن خوش قسمتی سے اُس کی لیئق ماں اُس کی طبیعت کا رجحان نظم کی طرف دیکھکر ایام بیماری ہی میں جبکہ وہ بستر سے بھی نہ اُٹھ سکتا تھا۔ پوپ وغیرہ کی ابتدائی تصنیفات دیکر کہتی تھی کہ اس ڈھنگ پر خود لکھو۔ اس کے سوا جب اس نے دیکھا کہ کوئی سکھانے والا نہیں ہے تو میں خود پڑھوں گا۔ اُس نے وہ سب ضروری کتابیں جو درکار تھیں جمع کیں۔ اور رات دن کمرہ میں بیٹھکر محنت شروع کی۔ اور لڑکے کھیلتے ہوتے تھے اور یہ مکان کے اندر کتابوں میں مشغول۔ غرضکہ چند مہینے کے عرصہ میں اُس نے گذشتہ سال کی تلافی کرلی۔ اب تو اُس کی کوشش اور مستقل مزاجی کے صلہ میں انعام پر انعام ملنے لگا۔ اور اب اُسی اُستاد نے جس نے اُسے محنت شاقہ پر مجبور کیا تھا کہا کہ یہ لڑکا ایسا ہونہار ہے کہ اگر اسکو سالسبری کے میدان میں ننگا اور تنہا بھی چھوڑ دیا جائے تو وہ ضرور دولت اور شہرت کی شاہراہ پالیگا۔ کمی پورا کرتے ہی وہ برابر ترقی کرتا گیا۔ اسی زمانہ کی ایک نقل مشہور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف اُسکا حافظہ زبردست تھا۔ بلکہ جس کام کو وہ کرتا تھا اُسے ادھورا کبھی نہیں چھوڑتا تھا۔

وہو ہذا

ایک دفعہ اُس کے ساتھیوں نے صلاح کی کہ ایک ناٹک کا تماشہ کریں جونز نے ٹیمپسٹ کی صلاح دی۔ لیکن اتفاق سے شیکسپیر کے ناٹکوں کی کوئی جلد نکلی۔

اب ارادہ ہوا کہ اسے چھوڑ دیں۔ مگر جونز نے صرف اپنی یاد سے سارا کا سارا ناٹک لکھڈالا اور سب نے ملکر تماشا کیا۔ علامہ ابو الفضل کو ایک مرتبہ فارسی کی ایک کتاب ملگئی۔ مگر اتفاق سے آدھے ورق سراسر اوپر سے نیچے تک کیڑوں کی خوراک ہو چکے تھے اس سبب صرف نصف صفحہ پڑھا جاتا تھا۔ باقی بالکل نہیں۔ چونکہ اس کے مذاق کی تھی اسنے کوشش کر کے اپنے خیالات اور عبارت کا پیوند اس طرح لگایا کہ اپنا کام توچلتا کر ہی لیا اور جب ایک عرصہ بعد اُسکا ایک اور نسخہ ملا اور مقابلہ کیا تو بقول مسٹر ملد کہین یوں ہی فرق طرز تحریر میں پایا گیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جن دماغوں میں قدرت نے قابلیت اور استعداد ودیعت رکھی ہے وہ مغرب ہی کی جاگیر نہیں ہے۔ وہاں وہ ایسا ہردلعزیز ہو گیا تھا کہ استاد اور طلبا سب اُس سے محبت کرتے تھے۔ اسی کے بارہ میں اُس کے ایک اُستاد نے کہا کہ اُسکا دماغ تو قابل تحسین ہے ہی مگر دل اُس سے بھی زیادہ تعریف کا مستحق ہے۔ ۱۷۶۴ء میں جبکہ اُس کی عمر سترہ برس کی تھی وہ اکسفورڈ یونیورسٹی کو بھیجا گیا۔ انگلستان میں دو پرانی مشہور یونیورسٹیاں ہیں ایک اکسفورڈ دوسری کیمبرج۔ اول میں علم ادب (لٹریچر) السنۂ قدیمہ اٹلی اور اطالیہ کی پڑھائی بہت اچھی ہوتی ہے اور دوسری میں علوم ریاضی کی۔ اوّل الذکر کو اُس طبیعت کا رجحان زباندانی کی طرف دیکھکر دوسری پر ترجیح دیگئی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اگر یہ ذہین لڑکا کیمبرج بھیجا جاتا تو وہاں بھی ایسا ہی نامور ہوتا جیسا یہاں ہوا۔ ہیرو سکول میں اُسکو لاطینی اور یونانی زبانوں کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ اور یہاں چند ہی مہینے رہنے سے ۳۱۔ اکتوبر ۱۷۶۴ء کو وہ اسکالرشپ یا وظیفہ کیلئے بالاتفاق منتخب ہوا۔ اس وظیفہ کا ذکر اُس نے ہمیشہ بڑے فخر کے ساتھ کیا ہے وہ پڑھنے میں

اسقدر مستغرق رہتا تھا کہ بیکار رہنے کا کسی کو گمان بھی نہوتا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ معمولی مدرسہ کی حاضری کے لیے مجبور بھی نہیں کیا گیا۔ یہیں پر اسکو ایک طالب علم کو دیکھکر مشرقی زبانوں کا جسکا آیندہ کو وہ ایک جید عالم ہوا شوق پیدا ہوا۔ بلند ہمتی جسپر کامیابی منحصر ہے اُسی وقت سے اُس میں ظاہر ہونے لگی تھی۔ لندن میں اتفاق سے اُسکو حلب کا ایک باشندہ ملگیا تھا اسکو وہ راضی کرکے اکسفورڈ لیگیا اور اُس نے سوچا کہ چند طالب علم ملکر اسکا خرچ پورا کر دیا کریں گے مگر کوئی شریک نہوا۔ اور گو سوائے وظیفہ کے اور کوئی اُس کی آمدنی نہ تھی مگر پھر بھی اُس کے کل اخراجات کا ذمہ وار ہو گیا کالج کی پڑھائی کے علاوہ وہ اپنا وقت عربی فارسی کی تحصیل میں صرف کرنے لگا اور گو اسکو مدد کم ملتی تھی لیکن بہت جلد ترقی کرتا چلا جاتا تھا گویا اس بات کا بڑا ثبوت اُس کی زندگی سے ملتا ہے کہ "شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے در کار نیست"۔ تعطیلوں میں وہ لندن جایا کرتا تھا اور وہاں گھوڑے کی سواری اور پھری گدکا پھینکنا سیکھتا تھا اور صرف معمولی روزمرہ کی ورزش کے سبب وہ اسقدر دماغی محنت کرسکتا تھا۔ جسمانی ورزش کا بڑا مداح تھا۔ گھر پر بکروہ اٹلی۔ پرتگال اور اسپین کے مشہور مصنفوں کی تصنیفات پڑھا کرتا تھا۔ اُس کی طبیعی ذکاوت محنت اور ترتیب اُس کی کامیابی کا بڑا ذریعہ تھیں۔ جس عقلمندی اور عمدگی سے سر ولیم جونز اس چھوٹی عمر میں اپنا وقت صرف کیا کرتا تھا اُس کی نظیر ہمکو بہت کم نظر آتی ہے۔ جو کچھ روزافزوں ترقی اور کامیابی اسکو حاصل ہونے لگی وہ کچھ تو اُس کی طبعی ذکاوت کا نتیجہ تھا اور کچھ اُس کی سخت محنت پر منحصر تھا اور بہت کچھ اُس ترتیب پر جسکا وہ ہمیشہ بہت خیال رکھتا تھا۔ اسکو اکسفورڈ میں دو ہی سال گزرے ہوں گے کہ لارڈ ایل تھارپ کی تعلیم کے لیے اُس سے پیام کیا گیا۔ او

کچھ پس وپیش کے بعد سر ولیم نے اس بات کو منظور کر لیا کیونکہ وہاں رہنا ہر طرح
مناسب تہا اور خود سر ولیم نے بہی اُسکو ضروری خیال کیا تہا۔ کیونکہ اس حالت میں
اُسکو یورپ کے اور ملکوں کی سیر کرنی اور وہاں کے مشاہیر سے ملنے کتب خانے
دیکھنے اور معلومات بڑہانے کا بہت اچہا موقع ملیگا۔ ایک دفعہ اُس نے اکسفورڈ
یونیورسٹی کے فیلو ہونے کی کوشش کی۔ نہ اس سبب سے کہ وہ محض مالدار ہوجائے
بلکہ اُسکو علمائے وقت سے جنکا اکسفورڈ مرکز تہا ملاقات کا موقع ملے اور وہاں کے
بڑے کتب خانہ سے اپنے علم کی بڑہتی ہوئی پیاس کو تسکین دیتا رہے۔ اور اگر روپیہ کا
لالچ ہوتا تو وہ عہدہ ترجمان کو جو چند ہی روز بعد اسکو گورنمنٹ نے دینا چاہا تہا قبول
کر لیتا مگر اُس عہدہ کو اپنی تعلیم کا حارج سمجھکر اُس نے قبول نکیا۔ ابہی تک اُس کی
عمر اکیس برس کی نہیں ہوئی تہی کہ سنہ ۱۷۶۶ء میں اُس نے ایشیائی شاعری پر ایک
محققانہ تصنیف شروع کی اور موسم گرما کے ختم ہونے سے پیشتر اُسکو پورا کر لیا۔ اسی اثنا
میں اُس نے ایک عربی رسالہ کا جو مصر اور دریائے نیل کے بارہ میں تہا ترجمہ کیا۔
اور چینی زبان کے حرف نقل کیئے۔ وہ اپنی ماں کا مقولہ یاد کر کے برابر ترقی کیئے جاتا تہا
مگر سمجہتا تہا کہ میں بہت کم جانتا ہوں۔ اس زمانہ میں لغت اور قواعد کی کتابیں ایسی
کثرت سے نہیں ملتی تہیں جیسی کہ آج کل اور وہ خود خرید بہی نہیں سکتا تہا۔ لہذا وہ کسی
دوست یا کتب فروش سے عاریتاً لے لیتا اور اگر ضرورت ہوتی تو اُسکو پورا نقل کر لیتا
سنہ ۱۷۶۷ء میں اُس کی تحصیل علم کے شوق کی ایک نقل مشہور ہے۔ لارڈ اسپنسر جنکا لڑکا
اسکا شاگرد تہا اتفاق سے بیمار ہوگئے اور اُن کے معالجوں نے رائے دی کہ جرمنی
جاؤ۔ اُن کے ہمراہ جونز کو بہی جانا پڑا اگر وہ جرمنی زبان بالکل نہیں جانتا تہا صرف

ایام طالب علمی میں ایک دوست نے چند لفظوں کا تلفظ ٹھیک تبلا دیا تہا۔ جہاں لارڈ
مذکور جا کر ٹہرے وہاں کوئی اُستاد میسر نہ تہا اور دوسرے بلانیکا خرچ گوارا بہی کر لیتا
مگر خود ایک شخص مسمی جانسن سے ابہی اور چند باتیں سیکہی تہیں مگر باوجود اسکے
وہ کمر ہمت چست کر کے قواعد اور لغت کی مدد سے خود پڑہنے لگا اور تین ہی ہفتہ میں
وہ اسقدر جرمنی سیکہ گیا کہ بعض کتابوں کا ترجمہ کرنے لگا۔ مشرقی خیال والے اسکو
مبالغہ یا نئی اپچ خیال کریں گے۔ مگر بات یہ ہے کہ بعض چیزوں کے سیکہنے کا خلقی
رجحان ہوتا ہے اور دو تین زبانیں باقاعدہ پڑہنے سے ڈہب ہوجاتا ہے۔ متوفی
کے ایم نیرجی بنگالی عالم کئی زبانیں یورپین جانتا تہا اور چھ مہینے میں نئی زبان میں خط و
کتابت کر سکتا تہا۔ وہ مسٹر فاریسکو کی تصنیف دربارۂ قوانین انگلستان کے محض
شوقیہ پڑہ گیا جس سے یونانی سلطنت کے اُصول کا خیال جو زبان مذکور کی پُرانی
کتابیں پڑہنے سے پیدا ہوگیا تہا بہت گھٹ لیا۔ یہاں کتب بیں اور ہوشیار طالبعلموں
کے سامنے یہ بات صاف طور پر ظاہر کرنی از حد ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اہل یورپ
جن کے یہاں روزانہ صدہا نئی کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں یہ نہیں کرتے کہ جو کتاب
اُنکو ملجائے پڑہ جائیں بلکہ ہر علم و فن کی قابلیت پیدا کرتے ہیں اور اپنے مذاق کے
موافق صرف منتخب اور اعلی درجہ کی کتابیں پڑہتے ہیں اور محض ایسی ترتیب پر عمل
کرنے سے وہ بمقابلہ ہمارے بہت جلد ترقی کر جاتے ہیں اور درحقیقت کامیابی کی
شاہراہ بہی ترتیب و استقلال ہی ہے۔ اب ایک موقع پیش آیا جس نے ہمارے
نوجوان عالم کا نام (اورنٹلیسٹ) یعنی مشرقی زبانداںوں کی فہرست میں داخل کر دیا
اسوقت شاہ ڈینمارک کرسچین ہفتم انگلستان کی سیر کو آے اور اپنے ساتھ ایک فارسی

کتاب نادرشاہ کے حالات کی بہی ہمراہ لائے اور اُس کے ترجمہ کا ازحد شوق ظاہر کیا اس زمانہ میں مشرقی زبانوں کے جاننے والے بہت کم تہے اور لغت کی کتابیں بہی بہم نہیں پہنچتی تہیں اسی بنا پر بہت سے لوگوں نے اس سے انکار کر دیا تہا مگر (سکرٹیری آف اسٹیٹ) یعنی وزیر ہند نے سر ولیم جونز سے اسکا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرنے کو کہا مگر اُسکو خارج تعلیم سمجہکر سر ولیم جونز نے اُس سے انکار کیا اور میجر دو کا نام (جنہوں نے تاریخ فرشتہ کا ترجمہ انگریزی میں باتصویر چہاپا ہے) بتلا دیا کہ اونسے کرایئے مگر جب اُنہوں نے بہی انکار کر دیا تو سچی ناموری کے خیال سے کہ مبادا وہ کسی فرنچ کے سپرد ہو اور انگلستان کی سُبکی ٹہرائی جاوے خود قبول کر لیا۔ اور ایک سال کے عرصہ میں اُسکو ختم کر دیا اور اُس کے ساتھ ایشیا کی مختصر تاریخ اور ایران کا کسیقدر مفصل بیان بہی لگا دیا۔ شاہ موصوف اس سے بہت خوش ہوئے اور رائل سوسائٹی کوپن ہیگن ڈینمارک کا فیلو مقرر کیا (یہ علمی جلسہ یورپ میں نہایت ممتاز شمار ہوتا تہا) اور بادشاہ انگلستان سے تقریب کرا دی۔ اس قسم کی سوسائٹیاں یورپ میں علمائے نامور کے جلسے ہوتے ہیں۔ جنکا ممبر یا فیلو ہونا ایک بڑے فخر کا باعث ہوتا ہے اور نام کے ساتھ علمیت کا لازمی خیال سننے والوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اسوقت میں جبکہ وہ پورا تئیس ۲۳ برس کا بہی نہ تہا سر ولیم جونز کی لیاقت کا سکّہ اطراف وجوانب میں جم گیا اور وہ اُس زمانہ کے فاضلوں میں ممتاز شمار ہونے لگا۔ لارڈ ٹینمہتہ لکہتے ہیں کہ مسٹر جونز نے اب اپنی طرز زندگی کے بدلنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس امیر خاندان کے تعلق سے جس میں وہ اسوقت تعلیم دیا کرتا تہا کچہ ہی فائدہ ہوتا اور اُن کی دوستی یا شکریہ کا کچہ ہی اُسکو معاوضہ ملتا مگر وہ حالت اُس کی حسب منشا نہ تہی اور نہ اُس کے وسعت خیال

اُسکو یہاں رہنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ اُس آزادی خیال کے علاوہ جو بچپن ہی میں پائی جاتے تھے اُس کے دل میں نئی ناموری حاصل کرنے اور اپنی قوت بازو سے اپنی معاش پیدا کرنے کی ایک عمدہ خواہش پیدا ہوگئی تھی۔ اور ان سب کے سوا اپنے ملک کو فائدہ پہنچانے کا خیال اس کے دل میں جا گزیں ہوگیا تھا۔ بحالت معلمی اُس کی اُمیدیں محدود اور اُس کی کوششیں زیادہ وسیع نہ تھیں مگر اُس نے پیشہ قانونی میں سب خواہشوں کے پورا ہونے کا نہایت اچھا موقع پایا اور اپنی بڑی واقفیت کتب بینی کے شوق اور ان تھک ہمت سے اُسکو نمایاں کامیابی کی اُمید بھی ہوئی اُس کے دوستوں کی صلاح اور اصرار نے اُس کے خیال کی تائید کی اور اُس نے لارڈ اسپنسر کے خاندان سے ملازمت چھوڑ کر آیندہ قانون پڑھنے اور وکالت کرنیکا مصمم ارادہ کرلیا۔ اس ارادہ کو اُس نے فوراً پورا کیا اور ۹۔ ستمبر ۱۷۷۰ء کو مڈل ٹمپل میں داخل ہوگیا۔ اس زمانہ میں بھی گو اُس نے شعر گوئی کو بالائے طاق رکھکر ایک دوست کو لکھا تھا کہ جو شخص قانون دانی میں نام پیدا کرنا چاہتا ہے اُسکو سوائے اُس کے اور کوئی شغل نہونا چاہیے۔ مگر یہ خیال آیندہ آٹھ برس میں بہت کچھ بدلگیا۔ کیونکہ اُس نے ایشیائی شاعری پر ایک بڑی تصنیف ۱۷۶۶ء میں شروع کی اور آٹھ برس کی لگاتار محنت کے بعد زبان لیٹن میں اسکو لکھا۔ اِس تصنیف سے اُسکا اصل منشا یہ تھا کہ اہل یورپ کو مشرقی شاعری کی چاشنی سے بھی محروم نہ رکھا جائے کیونکہ کہاں یورپ کی روکھی پھیکی پوئٹری اور کہاں ایشیا کی چٹ پٹی اور پھڑکا دینے والی شعر گوئی جسکا ایک دفعہ چسکا پڑجائے تو مدت العمر شائق زبان ہی چاٹا کرے اور مزہ لے لیکر حافظ و دیگر اساتذہ کو پڑھا کرے۔ جونر نے جو پودہ اس طرح بویا تھا وہ خوب بارآور ہوا۔ اور اُس کے بعد مشرقی زبان کی تحصیل کا

روز افزوں شوق ہوتا گیا حتے کہ اب ہر موقر زبان کے سکہانیوالے اکسفورڈ یونیورسٹی
میں موجود ہیں۔ اس کتاب نے جو مبصروں کی نظر میں بہی نادر تصنیف تہی تمام یورپ
میں اُس کی علمیت و تجربہ کا ڈنکا بجا دیا کیونکہ وہ اپنے ڈہنگ کی اول کتاب تہی جسکی
شستہ اور رفتہ زبان اظہار علمیت کے لحاظ سے سونے میں سُہاگے کا کام کرتی تہی۔
رائل سوسائٹی کے فیلو ہونے پر ۱۷۷۲ء میں اُس کی لیاقت کی اُس کے وطن میں
داد ملچکی تہی مگر اس کتاب نے اُس کی قابلیت کا سکّہ دور و دراز ملکوں کی علمی انجمنوں
میں بٹہا دیا اس زمانہ میں این کوٹل ایک فرانسیسی فاضل نے پارسیوں کی کتاب ژندوستا
کا ترجمہ شائع کیا اور اپنی لیاقت کے زعم میں علماے اکسفورڈ پر نازیبا اعتراض کئے
جونز نے اپنی یونیورسٹی کی حمایت میں قلم اُٹہایا اور ایک گمنام رسالہ میں اُسکا ایسا
دنداں شکن جواب دیا اور اُس کی غلط بیانیوں کا اس طرح خاکہ اوڑایا کہ اکثر ماہران فن
اُس کی ٹکسالی زبان دیکہکر اُسکو کسی زبردست فرنچ عالم کی تصنیف جاننے لگے۔ اس سے
بخوبی ظاہر ہے کہ اُسکو غیر زبانوں پر کیسا عبور تہا اور کسقدر اُسکو زباندانی سے قدرتی
لگاؤ تہا۔ چند روز بعد اُس نے فارسی صرف و نحو لکہی جو نویں دفعہ بعد ضروری ترمیمات
کے سیموئیل لی نے ۱۸۲۸ء میں بمقام لندن چہاپی ۱۷۷۸ء میں اُس کی شفیق ماں نے
انتقال کیا۔ اُسکا صدمہ اُس کے دل پر بہت ہوا۔ کیونکہ بچپن سے اسوقت تک برابر
وہ اُس کی مشیر اور اُس کی تعلیم کی حامی رہی تہی خود تکلیف اُٹہاتی مگر اُس کے اخراجات
تعلیم میں کمی نکرتی اور یہ بہی اُس کی خدمت اور محبت سے غافل نرہتا۔ اپنی کل آمدنی
اُسکی ہاتھ میں رکہتا اور جب فرصت ملتی تو اُس کے پاس اکسفورڈ جاتا۔ اُس کی موت نے
دنیوی ناموریوں کو لازوال ثابت کردیا۔ اور نیز یہ کہ بقیہ زندگی کس عمدہ طور پر صرف

کرنی چاہیئے گو اسوقت تک وہ بہت کچھ حاصل کرچکا تھا مگر اُس کے دل کی بڑی خواہش یہی تھی کہ کسی طرح کمال حاصل ہو۔ اسوقت میں اُس نے اپنی یادداشت لکھی ہے جسکا اعادہ خالی از لطف نہوگا۔ **وہو ہذا** - میں نے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ اب کوئی نئے اُصول نہ سیکھوں گا جب تک ان بارہ زبانوں میں کمال حاصل نہ کرلوں تاکہ تاریخ قنون فصاحت و بلاغت شاعری مصوری موسیقی علم قانون اور ریاضی وغیرہ کا کما حقہ علم نہو جائے۔ ہر قسم کا علم اس تقسیم کے کسی نہ کسی حصہ میں شامل ہے وہ بارہ زبانیں یہ ہیں۔ یونانی۔ لاطینی۔ اٹالین۔ فرنچ۔ اسپینش۔ پرتگالی۔ ایرانی۔ عربی۔ فارسی ترکی جرمن و انگریزی۔

ایک دفعہ سر ولیم نے ایک سالہ کسی پولیٹکل سوسائٹی کی طرف سے لکھا اور اُس کو گمنام چھپوایا۔ جیسا پچھلے دنوں میں مسٹر ہیوم بانی نیشنل کانگریس نے فرید الدین اور رام بخش کا مکالمہ لکھا تھا اور جسکا انجام کار انکو اقرار کرنا پڑا۔ سر ولیم جونز کا بھی رسالہ خلاف قانون سمجھا گیا اور اُسکا سالا ماخوذ ہوا مگر عدالت میں سر ولیم نے بیباکانہ اُسکے مصنف ہونیکا اقرار کیا اور لارڈ ارسکن حاکم مجوز نے اُس کی قانونی لیاقت اور بے انتہا معلومات کا خیال کرکے ایک بڑی اسپیچ دی اور اُسکو اُس مقدمہ سے بری کردیا۔ قانونی ضمانت پر ایک رسالہ لکھنے کے علاوہ اُس نے ۱۷۸۱ء میں اسییس کی قانون وراثت کی اسپیچوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور عربی کے فرائض کی نظم رسالہ سراجیہ کا بھی انہی زمانہ میں ترجمہ کرڈالا۔

سر ولیم جونز اور ہندوستان

سنہ ۱۷۸۰ء کے موسم سرما میں اُسنے سبعہ معلقہ عربی کی مشہور کتاب کا ترجمہ ختم کیا۔

جیسی اُمید تھی ویسی ہی سر ولیم کا بیرسٹری میں نام بھی ہوا۔ مگر اُس کی دلی خواہش
تھی کہ کسی طرح پارلیمنٹ کا ممبر ہو جاؤں اس لئے اُس نے ہندوستان میں عہدہ ججی
کی کوشش کی اس سے اُس نے تین فائدے سوچے تھے۔ ایک تو مشرقی زبانوں کی
تحصیل کا بہت اچھا موقع ہات آئیگا۔ دوسرے کافی روپیہ اور عزت حاصل ہو جاویگی۔
اور پھر پارلیمنٹ میں داخل ہونا دشوار نہوگا۔ تیسرے مستقل آمدنی ہو جانے پر وہ مس شپلی
سے شادی کر سکیگا۔ مگر یہ مقصد باوجود شاہ ڈنیارک کی سفارش کے جلد حاصل نہوا۔
چنانچہ عرصہ بعد ۱۷۸۳ء میں وہ جسٹس سپریم کونسل کلکتہ کا ممبر مقرر ہو کر ہندوستان
روانہ ہوگیا۔ اس سے پہلے اُسکو سر کا خطاب ملچکا تھا اور برسوں کی تمنا بھی پوری
ہوچکی تھی یعنی شادی بھی ہوگئی تھی وہ معہ اپنی لیڈی کے ستمبر ۱۷۸۳ء میں کلکتہ پہنچا مگر
یہاں پہنچنے سے پہلے ہی اُس کی ناموری علم وفضل و قابلیت کے سبب لوگ اُس کے
مشتاق ہو گئے تھے چنانچہ پہنچنے کے چند روز ہی بعد اُس نے ثابت کردیا کہ جسقدر
اُس کی شہرت تھی اُس سے وہ بدرجہا زیادہ بیدارمغز اور لائق تھا۔ کلکتہ میں وہ کچہری
سے تین چار میل کے فاصلہ پر رہتا تھا مگر قبل طلوع آفتاب وہاں جاتا اور کچہری کا وقت
شروع ہونے تک بڑی دلی توجہ سے پنڈتوں سے سنسکرت پڑھا کرتا وہ اپنے اُستاد
پنڈت لوچن کو پانسو روپیہ ماہوار دیتا تھا تب وہ اُسکو پڑھاتا تھا ورنہ کوئی شخص یورپین کو
سنسکرت زبان سکھانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اور اُنکو کیا پنڈت لوگ تو اوروں کو بھی پڑھانا
نہیں چاہتے۔ فیضی نے جیسا مشہور ہے بھیس بدلکر بنارس میں رہکر سنسکرت پڑھی تھی
جس طرح فیضی اول مسلمان تھا جسنے زبان سنسکرت کو اعلی درجہ تک سیکھا۔ اسیطرح
سر ولیم جونز پہلا انگریز تھا جس نے قوانین سنسکرت کا دروازہ تمام یورپ پر کھولدیا۔

کچہری کے بعد بھی وہ سنسکرت کی قانونی کتابیں پڑہتا۔ اور شام کو اپنی بی بی کے ساتھ یورپ کی کسی زبان کی کتاب پڑہ کر اپنا دل بہلاتا یا شطرنج کھیلتا۔ ہر تیسرے مہینے اسکا ترتیب میں کسیقدر فرق پڑجاتا تہا۔ یعنے شام کو محلہ لال بازار میں شرابیوں کی گرفتاری کے لیئے وارنٹ جاری کرنے پڑتے تہے۔ اول سال وہ بنارس کی سیر کو گیا اور دوسری سال چاٹ گام کو۔ بعدہ ضلع کشن گڈہ میں سدیا کے قریب ایک مکان میں رہتا اور حسب مراد اپنی ترقی میں سارا وقت صرف کرتا۔ اُس کی بیوی کی متواتر علالت اُسکو سخت پریشان کیا کرتی تہی اور آخرکار اُس کی ایسی حالت ہوگئی کہ اُسکو مجبوراً ہندوستان چھوڑنا پڑا۔ مگر سر ولیم اُس کے ساتھ نہ جا سکا کیونکہ وہ اُس زمانہ میں ہندو لا پر ایک کتاب لکھ رہا تہا جس کے لیئے پنڈتوں کی موجودگی لازم تہی البتہ اُسکا ارادہ تہا کہ چندروز بعد انگلستان جائے مگر یہاں حالت ہی دگرگوں ہوگئی۔ یعنے ۲۰۔ اپریل ۱۷۹۴ء کو وہ سرجان شور گورنر جنرل کے پاس گیا اور کہا کہ مجکو اپنے علاج کے لیئے لندن جانا ضروری ہے مگر اُس کی بیماری اُس سے کہیں زیادہ خطرناک تہی جتنا اُس نے خیال کیا تہا۔ ۲۷۔ اپریل کو سرجان شور کو بلایا مگر وہ صرف ایسے وقت پہنچے کہ اُنہوں نے اپنے سامنے اُسکو دنیائے فانی سے رخصت ہوتے دیکہا۔ وہ لکھتے ہیں کہ وہ بستر پر اس طرح لیٹا ہوا تہا جیسے کچھ سوچ رہا ہو اور دل کی کمزور حرکت سے صرف اتنا معلوم ہوتا تہا کہ اُس میں کسیقدر جان باقی ہے مگر وہ بھی چند سکنڈ بعد جاتی رہی اور وہ بلا کسی تکلیف کے مرگیا۔

اُسکا مذہب

اس بڑے مصنف کے بارہ میں صرف ایک بات ہمکو اور کہنی باقی رہگئی ہے۔

یعنی یہ کہ اُسکا مذہب کیا تھا۔ لوگوں نے اس بارہ میں بہت تلاش کی ہے۔ مگر یا تو یہ نتیجہ نکلا کہ وہ عیسائی نہ تھا یا یہ کہ وہ اُصولاً تو مذہب عیسوی کو تسلیم کرتا تھا مگر فروعات میں بہت کم یا بالکل نہیں۔ ہم خود بھی جہاں تک اُس کی تصنیفات سے اُسکا حال جان سکے وہ صرف اتنا ہے کہ اُس کی تصنیفات اور اسپیچوں میں ہر علم و فن کا ذکر ہے مگر اُسکے مذہب کے لیئے ہمکو پھر بار بار اُنہیں کو پڑھنا چاہیئے جسکا نتیجہ پھر وہ ہی نکلیگا کہ اُسکو ہم خوب جانتے ہیں مگر اُس کے مذہب کو کچھ بھی نہیں۔

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا قائم ہونا

جیسا اوپر دیکھ چکے ہیں ہندوستان آنے سے سر ولیم کا ایک بڑا مطلب یہ بھی تھا کہ مشرقی زبانوں میں جبکا اُسکو ایام طالب علمی میں شوق پیدا ہو گیا تھا کما حقہ استعداد حاصل کرے۔ چنانچہ ہندوستان آتے ہوئے جہاز میں اُس نے یہ بات سوچی کہ ایک علمی انجمن قائم کیجائے تو ہر طرح کی تحقیقات بخوبی اور باسانی ہو سکیگی یہ آرزو اُسکی بہت جلد بر آئی یعنے ۱۷۸۳ء میں اُس نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال انگلستان کی بڑی سوسائٹی کے نمونہ پر قائم کی تاکہ ہر قسم کی تحقیقات تمام ممالک ایشیا و مصر کی جو بہت کچھ ایشیا سے تعلق رکھتا ہے متعلقہ زبان۔ تاریخ۔ جغرافیہ وغیرہ کی جائے۔ غلط قصوں اور روایتوں کو صحیح کیا جائے اور سچی اور عمدہ باتوں کو عوام میں پھیلایا جائے۔ اسکا اول پریسیڈنٹ وہ ہی مقرر ہوا اور جس جوش اور دلی توجہ کے ساتھ اُسنے کوشش کی ویسی کسی اُس کے مابعد کے پریسیڈنٹ نے نہیں کی۔ اُس نے گیارہ برس تک علی التواتر ہر سالانہ جلسہ میں ایک محققانہ مضمون مختلف ملکوں کے جداگانہ

حالات پر پیش کیا۔ ان مضامین سے اُس کی تلاش اور وسعت معلومات کا لازوال اثر اب بھی باوجود زیادہ تحقیقات ہونے کے ناظرین کے دلونپر باقی رہجاتا ہے اور اُن سے بخوبی پایا جاتا ہے کہ آدمی اپنا تھوڑا سا فرصت کا وقت بھی باقاعدہ صرف کرنے سے بہت کچھ مفید کام کر سکتا ہے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ ایک ہی کام سے آدمی اُکتا جاتا ہے سودی (Southey) ملک الشعرائے انگلستان کہا کرتا تھا کہ اگر مجکو کئی کام نکرنے ہوں تو مجھسے پوری توجہ کے ساتھ کوئی کام نہو۔ ابتدا میں صرف یورپین علم دوست شریک ہوئے اور صرف ۱۸۲۹ء میں پروفیسر ولسن کی تحریک پر کچھ ہندوستانی بھی ممبر بنائے گئے مگر ۱۸۸۳ء میں جب اس کی ایک صدی گذری اور سالگرہ کی گئی تو تین سو تیس ممبر تھے اور ہندوستانیوں نے اتنی ترقی کر لی تھی کہ منجملہ تین اشخاص کے جو صدسالہ رپورٹ لکھنے کے لیے منتخب ہوئے تھے دو ہندوستانی تھے صدہا کتبے تلاش ہوکر آئے بکثرت پتھر کی مورتیں جمع ہوئیں۔ وہاں کے عجائب خانہ میں ہر قسم کے جانور۔ پرند۔ آسمانی پتھر۔ نایاب تصویریں سنگین مورتیں اور سکے۔ تمغے۔ قیمتی دس ہزار روپیے کے موجود ہیں۔

ٹیپو سلطان۔ شاہ اودھ ودہلی و مہاراجہ کشمیر۔ نیپال اور بنارس کے مشہور اور قدیم کتب خانے کھنگالے گئے اور وہاں سے یا توچیدہ کتابیں آئیں یا اُن کتابوں کا مختصر حال اور اُنپر عالمانہ ریو لکھے گئے اور بذریعہ ماہوار رسالہ کے شائع ہوئے ۱۸۸۳ء میں کل قلمی اور مطبوعہ کتابیں اونتیس ہزار چار سو پچیس ۲۹۴۲۵ تھیں جن میں سے عربی گیارہ سو اکسٹھ ۱۱۶۱۔ فارسی پندرہ سو چھ ۱۵۰۶۔ اُردو تین سو۔ سنسکرت تین ہزار تین سو اٹھتر ۳۳۷۸ مطبوعہ اور دو ہزار پانچسو سات ۲۵۰۷ قلمی۔ چینی زبان کی تین سو پچاس ۳۵۰۔ تبتی زبان کی

دو سو چھپن - برما اور سیام کی ایک سو چھپیں

بعض کتابیں بڑی نایاب ہیں چنانچہ گلستاں کی پہلی نقل - بادشاہ نامہ خوشنا شاہجہاں کا دستخطی وغیرہ وغیرہ

اس سوسائٹی نے اب تک تین سو چون کتابیں بڑی صحت اور احتیاط کے ساتھ چھاپی ہیں - ذیل کی عربی و فارسی کتابیں اسی کے مطبع نے پبلک تک پہنچائیں -

فتاوے عالمگیری - اصطلاحات الصوفیہ - جوامع العلم الریاضی - خزینۃ العلم - شرایع الاسلام - انیس المشرحین - عنایۃ شرح ہدایہ - اتقان - فتوح الشام ازدی و واقدی - فہرست طوسی - ہمیہ - اصباح - نخبۃ الفکر

تاریخ نادری - خردنامہ سکندری - تاریخ فیروزشاہی ضیاے برنی - تاریخ فیروزشاہی شمس سراج عفیف - تاریخ بیہقی - آئین اکبری - اکبرنامہ - توزک جہانگیری - شاہجہاں نامہ - بادشاہ نامہ - عالمگیرنامہ - مآثر عالمگیری - مآثرالامرا - منتخب التواریخ بدایونی - منتخب اللباب خافی خاں - اقبال نامہ جہانگیری - طبقات ناصری - ویس ورامین - ہفت آسماں - فرہنگ رشیدی - ظفرنامہ - ریاض السلاطین -

خاتمہ

اب اگر کوئی پوچھے کہ سر ولیم جونز کون تھا تو اسکا مختصر جواب یہ ہوگا کہ وہ گذشتہ صدی عیسوی کا عالم تھا انگریزی جس کی گھٹی میں پڑی تھی - گریک اور لیٹن اس نے کالج میں سیکھی - فرنچ میں وہ ملکہ حاصل کیا کہ پیرن کے رسالہ کے جواب اور نادر شاہ کی لائف کے فرانسیسی ترجمے نے اسکو فرانس کا مستعد طالب علم مشہور کیا - جو پرتگال اور اسپین کے چیدہ مصنفین کا کلام تفریحاً شام کو پڑھا کرتا تھا - جو جرمن کی کتابوں کا

بے تکلف انگریزی میں ترجمہ کرسکتا تھا۔جس نے عربی کی مستند کتابوں سبعہ معلقہ اور سراجی کو نہ صرف پڑھا اور سمجھا بلکہ تنہا خوری کو بُرا جانکر انگریزی زبان کا لباس پہنایا ۔فارسی میں مرزا مہدی خاں کے نادر نامہ کا محسود ترجمہ یورپ کی نذر کیا اور خواجہ حافظ کی بعض غزلوں کو انگریزی میں نظم کیا جس نے سنسکرت کا دروازہ یورپین محققوں پر کھولدیا اور منوسمرتی۔ہت اُپدیش۔گیتا گوبند اور شکنتلا وغیرہ کے ترجموں سے اپنی سنسکرت کی گہری وقفیت عوام پر ظاہر کی حالانکہ اُسکو اپنے عہدۂ ججی کے کاموں اور قانونی موشگافیوں سے بہت فرصت ہی نہیں ملتی تھی لیکن چونکہ وہ سخت پابند اوقات تھا لہذا وہ اسقدر کام کرگیا اور ہم لوگوں سے زبان حال سے کہہ گیا کہ آپ بھی ایسا ہی کریں اور ایسا ہی حسب دلخواہ نتیجہ دیکھیں۔ فقط

الف لیلہ

الف لیلہ دنیا کی نہایت ہی مقبول تصنیفات میں سے ہے۔ یورپ کے بڑے بڑے نامی علما کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اس کتاب کو بار بار دلچسپی سے پڑھا کرتے تھے بہت کم کتابیں ایسی ہیں جو اپنی دلچسپی کو ہر ملک ہر قوم اور ہر زمانے کے لیئے قائم رکھ سکیں اور خاصکر اس طرز کی کتابیں جیسی کہ الف لیلہ خاص ایک زمانہ تک اپنی دلچسپی سے لوگوں کے دلوں کو تسخیر کرکے پھر ایسی گمنام ہوجاتی ہیں کہ گویا نہ کبھی تھیں اور نہ ہیں۔ گو یہ کتاب ایشیا میں تصنیف ہوئی۔ اسکا ہمیشہ تک سرسبز اور قائم رہنے والا پودا ایشیائی علم کے باغ میں لگایا گیا اور صرف مشرقی خیالات کی نہر سے اُسکو پانی سینچ کر اُس کی پرورش کی گئی۔ لیکن اہل یورپ نے اُس کی ہم سے

کہیں بڑھ کر قدر کی ہے۔ تعجب ہے کہ ایک کتاب جس کے ہوائی محلوں کا نقشہ ایشیائی ہاتوں سے کھنچے اور جس کی فرضی عمارات کی تعمیر اورینٹل توہمات کے مصالحہ سے ہو اُسکو یورپین دل و دماغ سے اسقدر مناسبت ہو کہ چھوٹے بڑے سب اُسکے مدح خواں ہوں۔ یہ کتاب یورپ کی کل زبانوں میں ترجمہ ہو گئی ہے اور اُس عظم کے اس سرے سے اُس سرے تک کوئی معمولی سے معمولی لیاقت کا آدمی بہی ایسا نہ ہوگا جس نے اس کتاب کو ایک آدہ دفعہ نہ پڑہا ہو۔ کسی محقق کا قول ہے کہ یورپ بھر میں محل سے لیکر جھونپڑی تک کوئی ایسا مکان نہ ہوگا جس میں الف لیلا اور بائبل موجود نہ ہوں۔ یورپ کی زباندانی اور لٹریچر پر اسکا اتنا بڑا اثر پڑا ہے کہ بغیر اُس کی واقفیت کے اُنکا مطالعہ کرنا دشوار ہے۔ کیونکہ اُس کے مشہور قصوں اور داستانوں کے مشہور واقعات کو استعارات اور کہاوتوں کے پیرایہ میں زبان اور لٹریچر میں داخل کر دیا گیا ہے۔

یورپ کی قدردانی اور مناسبت اور دلچسپی کو دیکھ کر ایک مصنف اس بات کے ظاہر کرنے پر بہی مجبور ہوا ہے کہ یہ کتاب کسی یورپین کی تصنیف کی ہوئی ہے۔ اُسکے نزدیک ایشیائی دماغ اسقدر مضبوط اور بارآور نہیں ہوتے جنکا پہل الف لیلہ جیسی تصنیف ہو۔

یہ کتاب ہر مذاق کے آدمی کے لیئے دلچسپی رکھتی ہے۔ علما اور مورخین اور محققین کو جن کی غرض انسان کی اصل اور اندرونی لائف سے ہے۔ اس کتاب میں ایسی باتیں ملیں گی جن سے اُس زمانہ کے مسلمانوں کی سوشیل لائف سے کیسقدر واقفیت ہو۔ اکثر اس میں اہل اسلام کی تمدنی حالت کے نقشے ملیں گے جو موجودہ سوسائٹی کی

رنگینیوں اور پیچیدگیوں سے بالکل پاک ہیں۔ ان کی سادگی ہی زیادہ تر ان کی دلچسپی ہے۔ اہل عرب کے بہادروں کی جوانمردی + اُنکا اشتیاق۔ مہمات اور کارہائے نمایاں کے لیئے۔ اُن کی مستعدی جنگ اور خطرے میں اُن کی ہوشیاری۔ اُنکی محبت اور نفرت۔ اُن کی دوستی اور دشمنی۔ اُنکا عفو اور بدلا ان سب باتوں کو نہایت ہی عجیب و غریب فرضی قصص کے پیرائے میں ظاہر کیا ہے + جب ایک جوان آدمی اس کے جادو بھرے بیانات کو بار بار پڑھتا ہے اور اپنے آپ کو خیال ہی خیال میں عالیشان اور آراستہ پیراستہ مکانات میں پاتا ہے جہاں حُسن حکومت کر رہا ہے اور گانا بجانا اور ناچ رنگ دل کو سیماب کی طرح تڑپا رہے ہیں۔ جہاں راحت بخش اور پرفضا باغات واقع ہیں۔ جہاں کے چشمے آئینہ سے زیادہ شفاف اور برف سے بڑھ کر ٹھنڈے ہیں تو وہ حیرت اور بیخودی کے عالم میں اپنے آپ کو ایک طلسم کی دنیا میں پاتا ہے + لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس کتاب کا موضوع صرف ہماری خیالی زندگی کو غذا پہنچانا ہی ہے۔ بلکہ اس سے ہم سوسائٹی کی تربیت کے لیئے عموماً اور مشرقی سوسائٹی کے لیئے خصوصاً پند و نصائح اور امثال کا ایک خزانہ بیش بہا اخذ کر سکتے ہیں + ان کہانیوں سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اہل اسلام کی تمدنی زندگی اس کتاب کی تصنیف کے وقت ایسی سادہ اور دلفریب نہیں رہی تھی جیسی اوائل اسلام میں۔ تہذیب اور اخلاقی حالت بھی اُس پایہ کی نہ تھی جیسی ابتدا میں۔ اور اگر نہایت ہی باریک اور گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو اُن لوگوں کی حالت جنکا بیان اس کتاب میں ہوا ہے کسی بلند سطح کے ڈھلوان کنارے پر اس طرح پر جھکی ہوئی دکھائی دیتی ہے کہ گویا اب گری اب گری۔

انسانوں کے مفید اور ممکن العمل کام اکثر توہمات فاسدہ اور خارجی مدد سے زنگ آلود کیئے گئے ہیں۔ اس کتاب میں بڑا وصف یہ ہے کہ خواہ اس میں کوئی داستان کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو پڑھنے والے کی طبیعت ہرگز نہیں اکتاتی۔ اس کی ہر ایک داستان کو ایک درخت خیال کرنا چاہیئے جو بہت سی شاخیں رکھتا ہے اور تمام شاخیں پُرمیوہ ہیں۔ لیکن ایک درخت کی کل شاخوں پر ایک ہی قسم کے پھل نہیں جن کے کھانے سے طبیعت کو جلد سیری ہو جائے بلکہ ہر ایک شاخ مختلف ذائقہ اور رنگ و بو کے دل کو لبھانے والے میووں سے بھری ہوئی ہے۔

اب اسقدر تمہید کے بعد اس عجیب و غریب کتاب کے جسقدر تاریخی حالات ہمکو معلوم ہیں وہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

تعجب ہے کہ مورخین اہل اسلام نے کبھی اس اہم بات کی طرف پوری توجہ سے کوشش نہیں کی کہ الف لیلہ کے تاریخی حالات ٹھیک ٹھیک قلمبند کرتے۔ اسبات کا معلوم ہونا نہایت ہی ضروری تھا کہ اس کتاب کا مصنف کون ہے۔ کب تصنیف ہوئی اور کہاں تصنیف ہوئی۔ عرب کے دو مشہور مورخین مسعودی اور ابن الندیم نے اسکا ذکر کیا ہے مگر صرف اتنا کہ یہ کتاب فارسی میں موجود تھی اور اسکا نام ہزار داستان تھا۔ اس سے زیادہ کسی عرب مؤرخ نے اس کی نسبت تحقیق نہیں کی۔ عربوں نے جب اس کتاب کو اپنی زبان میں ترجمہ کیا تو اسکا نام الف لیلہ رکھا۔ عربوں میں سے اوّل ابن عبدوس جہشیاری نے اس کتاب کی ترتیب کی طرف توجہ کی اور تین سو راتیں مرتب کیں۔ گو یورپ کے محققین نے بہت کچھ چھان بین کی ہے تاہم ابتک یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی کہ اس کتاب کا مصنف کون تھا اور یہ درصل کہاں

تصنیف ہوئی۔ اس کے ابتدائی تاریخی حالات اب تک محض تاریکی میں ہیں بعضوں
کے نزدیک اس کتاب کے افسانے تین قسم کے ہیں۔ اول وہ افسانے جو نہایت ہی
دلچسپ اور دلفریب اور جن میں خیال کی رسائی اور تیزی کوٹ کوٹ کر بھری ہو اُسکی
ابتدا ہند سے بتاتے ہیں۔ کیونکہ یہ ملک قصہ کہانی اور افسانہ کی کان ہے۔ دوم وہ
فرضی عشق و جوانی کی افسانے جن کے پڑھنے سے دل متاثر ہوتا ہے۔ اُنکی اصل
ایران سے خیال کرتے ہیں اور تیسری وہ داستانیں جنمیں زندگی کے مکمل نقشوں کی
ایک ایک لکیر کسی اُستاد کے ہاتوں کا کام معلوم ہوتا ہے عرب کی علمی کان کے گوہر
خیال کی جاتی ہیں۔ لیکن ان تمام افسانوں میں ایک خصوصیت پائی جاتی ہے اور
وہ یہ ہے کہ خواہ انکی ابتدا کسی ملک سے ہی کیوں نہ خیال کیجائے مگر ان کے عام
واقعات اسلامی سوسائٹی کے حالات کے مناسب اور مطابق ہیں۔ اور ہر ایک
بات عرب مسلمانوں کے رسم و رواج اور چال ڈھال کے عین مناسب حال ہے
اس کتاب کے دو مختلف نسخے ہیں۔ ایک میں پوری ہزار راتیں ہیں اور دوسرے میں
ایک ہزار ایک۔ بعضوں کے نزدیک ہزار رات والی کتاب پہلے تصنیف ہوئی تھی
بہ نسبت ایک ہزار ایک والی کے۔ ان دونوں میں اختلاف اتنا ہے۔ کہ ہزار رات
والی کتاب تو ترجمہ معلوم ہوتا ہے ہزار افسانے کا۔ گو اُس میں کچھ تغیرات ہی پائے
جاتے ہیں لیکن ایک ہزار ایک رات والی کتاب عرب مصنف نے خود تصنیف
کی ہے اُسکا طرز بالکل وہی ہے جو ہزار افسانے کا ہے اُس میں افسانے بھی اکثر
ہزار افسانہ کے ہی ہیں۔ لیکن اُس کی زبان اور خیالات اور شکلیں عربی زبان کا
نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ ڈی سیسی اور وان ہامر دو بڑے مشرقی علوم کے عالموں کی

یہی راے ہے جو اوپر بیان ہوئی + ہزار افسانے کی نسبت محمد ابن اسحق کی یہ رائے ہے کہ اول ہی اول جنہوں نے اس کتاب کے افسانوں کو بنایا وہ قدیم اہل فارس تھے - اُس کے بعد اشکانی خاندان کے عہد میں اُنپر کچھ اضافہ ہوا - پھر ساسانیوں کے عہد حکومت میں اس کے افسانے بہت ہی بڑھ گئے اور لوگ اُنکو وقعت کی نظر سے دیکھنے لگے - عربوں نے جب اسکو اپنی زبان میں ترجمہ کیا تو علما اور فضلا نے اُسکے فضول حصّوں کو نکال کر اُس کے بے ربط افسانوں میں اسقدر گٹھاؤ پیدا کیا کہ وہ عربی لٹریچر کی ایک مستند کتاب خیال کی گئی - اُسی مؤرخ نے ہزار افسانے کی تصنیف کا جو باعث بیان کیا ہے وہ بہت ہی دلچسپ ہے - ایران کے ایک بادشاہ کو ایک عجیب خبط تھا کہ وہ جس عورت سے شادی کرتا تھا اُسکو صرف ایک رات اپنے پاس رکھکر صبح کو قتل کرا دیتا تھا - آخر اُس نے ایک بادشاہ کی لڑکی سے شادی کی جسکا نام شہرزاد تھا اور جو بہت ہی عقیلہ تھی - اُس نے شروع رات ہی سے بادشاہ کو داستانیں سُنانی شروع کیں - لیکن ہر داستان میں یہ خصوصیت رکھی کہ اُس کی دلچسپی اور تکمیل کو منحصر رکھا کسی اور داستان پر - ہر صبح کو بادشاہ دوسری کہانی کے سننے کے اشتیاق میں شہرزاد کو بچا لیتا تھا - یہاں تک کہ ہزار داستانیں پوری ہوگئیں - اور اسی اثنا میں بادشاہ کو خدا نے شہرزاد کے بطن سے ایک فرزند عطا کیا - بادشاہ کو اپنی دانشمند اور خوش طالع بی بی پر رحم آیا اور اس نے انجام کار اُسکا قتل معاف کر دیا + اس روایت کی تصدیق کے لیئے ہمیں خود کتاب میں ایک بڑی شہادت ملتی ہے یعنی الف لیلہ کی تمام داستانوں میں اس قسم کا جوڑ اور تعلق ہے کہ درحقیقت اُن کی دلچسپی ایک دوسری پر منحصر ہے -

لیکن مختلف نسخوں کے مقابلہ کرنے سے اور نیز چند اندرونی شہادتوں سے یہ بات بالکل پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے کہ یہ کتاب نہ تو کسی ایک ملک میں تصنیف ہوئی اور نہ ایک وقت میں وقتاً فوقتاً لوگ اس کی داستانیں گھڑتے چلے آئے اور آخر الامر کسی لائق مؤلف نے ان سبکو بہم جمع کر کے ان میں ترتیب پیدا کر دے۔ یہ بات بھی مشتبہ ہے کہ یہ سب داستانیں کسی ایک زبان میں بنائی گئی تھیں۔ بلکہ اس بات کا زیادہ احتمال ہے کہ ایک داستان دو مختلف وقتوں میں بلحاظ زبان اور بیان کے ایک نہ رہی ہو یعنی ایک وقت میں کسی نے ایک داستان بنائی ہو اور اُس سے کہیں زیادہ تر لائق اور ادیب نے اُسی داستان کو اپنی اعلیٰ اور رنگین زبان کے سانچے میں ڈھالا ہو۔ جب تک یورپین محققین نے اس کتاب کو تغیرات اور گھٹنے بڑھنے سے نہیں روکا اُس سے پیشتر کے لیئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں کہ ہم اُس کی کل داستانوں کو شروع سے یکساں اور بے تغیر خیال کریں۔

بڑے بڑے محققین کی یہ رائے ہے کہ اس کتاب کا وہ نسخہ جو اَب ہمارے پاس ہے پندرہویں صدی میں لکھا گیا ہے اور اگر لکھا نہیں گیا تو کم از کم اُس کی تجدید ضرور ہوئی۔ کیونکہ اُس میں بالکل اُسی زمانہ کی سوسائٹی کے حالات کا بیان ہے یہ نتیجہ چند اندرونی شہادتوں پر مبنی ہے۔ اور اکثر کہانیوں میں بہت ہی قریب زمانے کی سوشیل لائف کے آداب اور رسم و رواج کا بیان ہوا ہے۔ وہ زبان جس میں یہ ہم تک پہنچی ہے کچھ بہت پرانے زمانہ کی نہیں معلوم ہوتی۔ مکانات اور تکلفات بھی جنکی طرف اشارے پائے جاتے ہیں اسی زمانہ کے معلوم ہوتے ہیں + اس خیال سے کہ یہ کتاب پندرہویں صدی میں لکھی گئی یا اس زمانہ میں اس کی تجدید ہوئی۔ ایک

ضروری نتیجہ مترتب ہوتا ہے یعنی یہ کہ اس صدی سے پہلے یہ کتاب کبھی لٹریچر کے اعلیٰ سانچے میں نہیں ڈھالی گئی تھی۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ اگر اس سے پیشتر کسی قابل آدمی نے باقاعدہ طور پر اسکو لکھا ہوتا تو اس میں اسقدر تغیرات آتے۔ اور نہ ہم دیکھتے ہیں اور ہمیں اس کے لیئے کافی تاریخی ثبوت ملا ہے کہ گذشتہ چار صدیوں سے اسمیں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ اگر فرض کرلیں کہ باوجود باقاعدہ لکھے جانے کے بھی پندرہویں صدی تک یہ کتاب معرض تغیرات رہی تو یہ عربی لٹریچر کی ایک ایسی مثال ہو جسکے لیئے ہمیں اور کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ ہزار افسانہ فارسی زبان میں موجود تھا۔ ہزار افسانہ کا عربی میں ترجمہ ہوا لیکن تمام داستانوں کے مجموعے کا دائمی اور یکساں ہونا مشکوک ہے اور پندرہویں صدی سے پیشتر کیلیئے ہمارے پاس اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ یہ تمام داستانیں کبھی ایک جگہ جمع کی گئی ہوں۔ لین صاحب کی یہ رائے ہے کہ یہ کتاب مصر میں لکھی گئی تھی کیونکہ قاہرہ اور دیگر مصر کے شہروں کو جس درستی اور عمدگی سے بیان کیا ہے اُس طرح نہ کسی فارس کے اور نہ عرب کے شہر کا بیان ہوا ہے۔ ہرون الرشید اور اُس کے دربار کی نسبت جو اکثر اشارے ہیں اور بعض داستانوں میں ہرون الرشید کو ہیرو بنایا گیا ہے اس سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ یہ کتاب بغداد میں تصنیف ہوئی تھی۔ ہرون الرشید سے مشہور بادشاہ کو ہیرو بنانا یا اُس کے دربار کو ڈرامے کے کسی عجیب و غریب سین کا سٹیج بنانا اس بات کا کافی ثبوت نہیں کہ ان تمام باتوں کا جائے وقوع وہی ملک یا شہر ہو جہاں رہتا تھا۔ ڈاکٹر لائٹنر اسی غلطی میں پڑے ہیں اور اُنہوں نے اپنے کسی آرٹکل میں لکھ دیا ہے کہ ہرون الرشید نے اس کتاب کو خود تصنیف کرایا تھا۔

بعضوں کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ کتاب اول سیریا زبان میں لکھی گئی تھی اور پھر عربی میں اُسکا ترجمہ ہوا۔ لیکن یہ خیال بالکل ڈاکٹر لائٹز کے خیال کا ہمرتبہ ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ایک ہزار ایک رات والی کتاب جسکو عربی میں الف لیلہ و لیلہ کہتے ہیں مسلمانوں کی تصنیف ہے۔ مسلمانوں نے قصص اور کہانیاں غیر ملکوں سے بھی لی ہیں لیکن اکثر داستانیں ان کی اپنی ایجاد ہیں ہزار افسانہ کے بہت ہی کم قصے اسمیں شامل ہیں گویہ بالکل اُسی کے نمونہ پر طیار ہوئی ہے۔ سندہ باد کی داستان میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جو نامی شاعر ہومر کی کتابوں میں سے لیئے گئے ہیں۔ لوگوں کا اسپر یہ خیال تھا کہ چونکہ خود عرب یونانی زبان نہیں جانتے تھے لہذا فارسی زبان کے ذریعہ سے اُنکو واقفیت حاصل ہوئی ہوگی لیکن معتبر روایات سے ثابت ہے کہ ایک بڑا گروہ عرب علما کا یونانی زبان میں پوری مہارت رکھتا تھا اور نیز یہ بھی کہ بعض ان میں سے ہومر کی کتابوں سے خوب واقف تھے۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ نے اپنی مشہور کتاب سوانح اطبا میں یوسف سے ایک روایت بیان کی ہے جو نہایت ہی دلچسپ ہے۔

یوسف لکھتا ہے کہ ایک دن میں کسی بیمار دوست کی تیمارداری کو گیا اور وہاں میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے چہرہ کو ڈھانکے ہوئے تھا اور کمرے میں ادہر اُدہر ٹہل ٹہل کر یونانی زبان میں کچھ اشعار حفظ پڑہ رہا تھا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ آدمی حنین تھا جس نے یونانی سے بہت سی طب اور فلاسفی کی کتابیں عربی میں ترجمہ کی تھیں اور جو اشعار وہ پڑہ رہا تھا وہ ہومر کی مشہور نظم میں سے تھے۔

تمام اندرونی شہادتیں اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ یہ کتاب کسی اسلامی شہر میں

تصنیف ہوئی اور اغلب ہے کہ قاہرہ میں اور پندرہویں صدی میں۔
عبداللہ

اشاعت "ترجمان"

عنقریب ہم ایک ماہواری رسالہ نکالنا چاہتے ہیں جسکا نام ہوگا "ترجمان" اس رسالہ کے اجراء سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ عالی رتبہ مصنفین و مؤلفین جو کہیں کسی قوم میں گذری یا موجود ہیں اُن کی عمدہ تصنیفات و تالیفات کو جو مذہب اخلاق فلسفہ اور تاریخ میں دوسری زبانوں میں ہوں اُن کو اُردو میں ترجمہ کر کے شائع کیا جائے جس کی سخت ضرورت ہے اور جو نہایت مفید اور دلچسپ ہوگا۔ اُمید ہے کہ اس طرح پر نہایت آسانی سے اُردو زبان میں جلد جلد ایک نہایت عمدہ علمی خزانہ جمع ہوتا جائیگا جس سے اللہ نے چاہا تو بہت بڑے بڑے کام نکلینگے۔

ہمنے اکثر نوجوانوں کو دیکھا ہے جنکو خدا نے طبیعتیں نہایت قابل دی ہیں۔ علمی مذاق (خصوصاً فلسفہ اور حکمت کا) بہت اچھا رکھتے ہیں۔ مگر بوجہ اپنے مشاغل اور اپنی حالت کے اسکا موقع نہیں رکھتے کہ دوسری زبانوں کو سیکھیں اور اُن سے مدد لیکر اپنی طبیعت کو مہذب کر کے اپنی بڑائی کو ظاہر کریں اور دنیا کو فائدہ پہنچائیں۔ ایسے لوگوں کو اُن کی مادری زبان میں علوم و فنون کے لانے سے مدد دینے کی سخت ضرورت ہی تاکہ اُنکی صلاحتیں وصول ہوسکیں۔ ہمکو اُمید ہے کہ ایسے لوگ ترجمان کی بہت قدر کرینگے انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کو جو عربی زبان نہیں جانتے ایسا موقع دینے کی بہت ضرورت ہے کہ وہ اپنی قوم کے علمی اور عملی کارناموں کو دیکھیں اکثر ایسے حضرات اپنے

قدیم خزانوں کو دیکھنا اور فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں مگر عربی زبان سے ناواقف ہونیسے مجبور رہجاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو **ترجمان** بہت مدد دیگا۔

اکثر علما ہیں جو جدید فلسفہ اور حکمت کی دھوم دھام سنتے ہیں اور اُس کے جاننے کے خواہشمند ہوتے ہیں مگر بوجہ انگریزی زبان نہ جاننے کے مجبور رہجاتے ہیں یہ ضرور ہے کہ ان مقدس حضرات کو ترجموں سے مدد پہنچائی جائے۔ انگریزی زبان ان بزرگوں کے سامنے ایک گہرا پردہ ہے اور ساری دنیا اس پردہ کے پیچھے ہی جا پڑی ہے جس سے ہمارے یہ سرتاج علما اپنے قدیمی دائرہ کی باتوں کے سوا اور تمام معلومات سے الگ ہیں۔ مگر یہ حالت ہماری بڑی بدنصیبی ہے اسکا نتیجہ ہم سزا کی حد سے زیادہ بھگت چکے ہیں۔ اب اس حالت کے رخصت کرنے کی فکر میں دیر نہیں کرنی چاہیئے جسکے لیئے ضرور ہے کہ اُردو کے ہاتوں انگریزی پردہ اُٹھایا جائے۔ **ترجمان** اس خدمت کے لیئے نکلتا ہے۔

چونکہ ہمکو انگریزی اور عربی کے سوا اور زبانوں کے سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیئے خوف ہی کہ اُن زبانوں کے علمی خزانے بالکلیہ ہماری قوم کے دسترس سے دور پڑے رہیں گے **ترجمان** اُنکو اُردو میں لائیگا۔

فی الحال ہمکو صرف عربی اور انگریزی سے ترجمہ کرنے والے ملسکتے ہیں لیکن اگر **ترجمان** کو کافی مدد پہنچے گی تو ہم اور زبانوں سے بھی ترجمہ کرانیکا بندوبست کرینگے اس طرح پر کہ مدرسہ احمدیہ کے لائق لائق طالب العلموں کو منتخب کرینگے۔ اور انمیں کسیکو فرنچ کسیکو جرمنی کسیکو اٹلین کسی کو لاطین کسیکو سنسکرت اور کسی کو کسی زبان کی اور کسی کو کسی زبان کی تعلیم دلانیکا انتظام کرینگے جس سے اور اور بہت سے فائدے

حاصل ہوں گے اور اُن سے ترجمہ کرائینگے۔

سردست اس رسالہ کا پچاس سے چھیاسٹھ صفحہ تک نکلنا تجویز ہوا ہے۔

سالانہ قیمت مع محصول ڈاک چھ روپیہ قرار پائی ہے۔

ہمکو اُمید ہے کہ اس رسالہ کی اشاعت کو ہر شخص دل سے پسند کریگا اور جو لوگ مسلمانوں میں عام طور پر علوم و فنون کی اشاعت کے خواہاں ہیں وہ **ترجمان** کے جاری کرنے میں ہماری مدد کرینگے۔

ترجمان کے جاری کرنے میں ہمکو دو قسم کی مدد کی حاجت ہے۔ اول خریداروں کی فراہمی کی جس کی نسبت اُمید ہے کہ عام اشاعت علوم و فنون کے خواہاں خود بھی خرید فرمائیں گے اور جہاں تک اُن کے امکان میں ہوگا اور خریداروں کو فراہم کرنے سے **ترجمان** کو مدد دینگے۔ دوسری حاجت کتابوں کے انتخاب کی ہے۔ تمام صاحبوں سے اُمید ہے کہ انتخاب کتب قابل ترجمہ میں اپنی رائے سے ہمکو مطلع فرمائینگے۔ چونکہ رسالہ نیا جاری ہوگا اس لیئے انتخاب کتب میں قبولیت عام کی رعایت ضروری ہے جس کے لیئے کتابوں کے مفید ہونے کے ساتھ عام دلچسپی کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے اور اپنی مجوزہ کتابوں میں ترجمہ کی ترتیب کے لیئے نمبر دینا چاہیئے۔

جسقدر جلد کافی خریدار بہم پہنچ جائینگے اور ایک سال کی پیشگی قیمت یا پہلے نمبر کے ویلوپے ایبل پارسل سے روانہ ہونے کی اجازت ہمارے پاس بھیجدینگے ہم **ترجمان** کو جاری کر دینگے۔ خریداری کی درخواستیں جلد ہمارے پاس پہنچنا چاہئیں۔

ہمارے بعض مہربان اس رسالہ کی سالانہ قیمت سے بہت زیادہ چندہ دینے کو آمادہ ہیں تاکہ یہ کام عمدہ طور پر چلے۔ ہم اپنے اُن مہربانوں کا دل سے شکر کرتے ہیں۔ اور ایسے

فیاض حضرات کو یہ رائے دیتے ہیں کہ قیمت سے زیادہ چندہ دینے کے عوض اگر وہ کئی پرچے خرید کر کے اپنے اُن دوستوں میں جو اس رسالہ کو خرید نہ سکیں تقسیم کر دیا کریں تو مقصود اجرائے **ترجمان** میں زیادہ کامیابی ہوگی۔ اور ہمارے بعض مہربان دوستوں نے ایسا ہی کرنا چاہا ہے۔

ابو محمد ابراہیم
مہتمم مدرسہ احمدیہ
آرہ۔ ضلع شاہ آباد

a better School of education than the Class room. Our sports teach us that obedience—and ungrudging obedience is compatible with no loss of dignity or self-respect and that a position of Command is a position of grave responsibility and not merely an opportunity for "lording it" over others and for personal aggrandisement."

Following is the list of the Subscriptions for the Wallace Memorial Pavilion received up to the date.

T. Beck, Esquire	...	Rs.	100
T. C. Pigott	...	"	100
Siraj Ahmed Sahab	...	"	100
Nazir-uddin Sahab	...	"	100
Shaukat Ali Begum Sahibah	...	"	100
T. W Arnold, Esquire	...	"	50
L. Tipping, Esquire	...	"	50
Professor Amjad Ali	...	"	50
Hd. Innes, Esquire	...	"	50
Nizam-uddin Hassan Sahab	...	"	50
W. C. Horst, Esquire	...	"	30
Sultan Ali Sahab	...	"	25
Wilayet Hosain Sahab	...	"	25
Qasim Beg Sahab	...	"	25
Mohammed Amin Sahab	...	"	25
Abdul Hakim Sahab	...	"	25
Syed Mohammed Ali, Esquire, C. S.	...	"	25
Ahmed Muazzam Sahab	...	"	25
Sujjad Hosein Sahib	...	"	25
Mustafa Khan Sahab	...	"	25
L. Porter, Esquire	...	"	25
Mahmud Hassan Sahab	...	"	25
Shaukat Ali Sahab, B. A.	...	"	25
Ala-uddin Sahab	...	"	25
Syed Zainuddin Sahab	...	"	25
C. E. Crawford, Esquire	...	"	25
A. H. Sparling, Esquire	...	"	16
Abdul Ghaffar Sahab	...	"	10
Ikram Ali Sahab	...	"	5
Dated 27th May, 1896.		Rs.	1,181-0-0

ALTERATIONS AND ADDITIONS IN THE COLLEGE DIRECTORY.

(1) Khwajah Abdul Ali, B. A., L. L. B.
Munsif, *Bisauli*, District Shahjehanpore.

(2) Muhammad Khan, B. A. L. L. B.
Pleader, *Rawalpindi*.

(3) Ghulam Bari, B. A., L. L. B.
Pleader, *Ruhtak*.

(4) Syed Habibullah, Esq., Barrister-at-law,
Collector and Magistrate, *Fattehgarh*.

(5) Syed Zainuddin, M. A.
Deputy Collector, *Fattehgarh*.

(6) Syed Muhammad Hashim, Deputy Collector,
Muttra.

(7) Muhammad Wajih, Tehsildar,
Naghasin, District Kheri.

(8) Muhammad Amin, Inspector Police,
Bareilly.

(9) Ahsan Azim Postal Department.
Mussoorie.

PERSONAL NEWS.

We are very glad to hear that two students of this College *i. e.* Syed Ali Ausat and Mr. Qamar-ul Huda have been called to Bar, and Mr. Mazharul Haq, B. A., has been appointed Naib-Tehsildar at Ghaziabad.

Muhammad Ali Buland Akhtar has been promoted to Rs. 75 grade of Naib-Tehsildars and not to Rs. 60 as published in our previous.

A COLLECTOR'S OPINION OF THE M. A.-O. COLLEGE.

We have permission to print the following extract from a letter written by a Collector in these Provinces to a former Captain of the M. A.- College Cricket Club.

" You have just that sort of training at Aligarh which best fits men for the public service. The B. A. after your name shows that you have profited by the instruction you have received. But this in my opinion is the least part of the education, the great Public Schools of England give Aligrah is modelled so far as circumstances allow on Eton and Harrow and the rest. For dealing with men the Cricket Field supplies

CLASSIFICATION OF SUCCESSFUL MAHOMEDANS.

The following figures show to what extent the various Colleges in the Provinces are contributing to the education of Mahomedans.

Number of successful Mah. candidates in M.A.		*B. A.*	*Intermediate*	*Total.*
M.A.-O. College	3	17	22	42
Canning College	.	3	8	11
Muir College	...	1	6	7
Benares College	.	2	...	2
Bareilly College	..	...	2	2
Agra College	...	..	1	1
St John's College Agra	.		1	1
Cawnpore College...		..	1	1

In addition to these one teacher, an old student of the M. A.-O College, has passed the B. A., 3 Mahomedans have passed the Intermediate from Jabalpur, 2 from Ajmere, and 1 from Gwalior.

The following figures show the percentage of Mahomedan candidates.

	Total No who passed.	*No. of Mdns.*	*Percentage.*
M. A.	22	3	14
B. A.	146	24	16
Intermediate	308	47	1[illegible]

From these figures it appears that the percentage of Mahomedans is diminishing compared with previous years. Consequently that the Mahomedans of these provinces are going backward rather than forward compared with other races. This is the more obvious when it is observed that of the 17 successful Mahomedan candidates from the M. A.-O. College 14 were not natives of these provinces. Hence the percentage of genuine natives of these Provinces who passed the B. A. falls to about 8 per cent. Similarly in the Intermediate half the successful candidates from the M. A.-O. College were not natives of these Provinces.

Intermediate Examination.

Second Division.

Ahmad Bakhsh.
Lakshmi Narain (Kayesth)
Mahomed Asghar Ali Khan.
Mahomed Mahfuz Ullah.
Fazl-i-Karim.
Sultan Mahmud Khan.
Abdullah.
Mahomed Ali.

Third Division.

Syed Masud Ali.
Safdar Ali.
Fida Ali Khan.
Siddiq Ahmad Khan.
Abdul Majid Khan.
Ashraf Khan.
Syed Mahomed Athar.
Shabbiruz Zaman.
Mahomed Baqir.
Hyder Hasan.
Abdur Rahman Dhaliwal.
Krishna Gopal Varma.
Jalal Uddin Ahmad.
Mahmud Shah Khan.
Murli Dhar.
Jugal Kishore.
Sami Ullah Faruki.
Ali Mahomed Khan.

SUCCESSFUL UNIVERSITY CANDIDATES FROM M. A.-O. COLLEGE.

M. A. English.

Third Division.

Syed Ahmad Ali.

Qamar Ali.

Zain Uddin.

B. A. A Course.

Second Division.

Fazl Elahi.

Ilahi Bakhsh.

Jani Maya Shankar.

Khwaja Mahmud Hosain.

Mahomed Abdus Sattar.

Mahomed Salamul Haq.

Mumtaz Hosain.

Mahomed Ghaus Khan.

Mahomed Naim Khan.

Mahomed Hidayet Hosain.

Obeid Ullah.

Syed Nazir Uddin.

Shahab Uddin (Captain, Football Club).

Third Division.

Abdullah (Captain, Cricket Club).

Jaswant Rae Varma.

Kasim Khan.

(We beg those persons who think that excellence in manly games is prejudicial to the learning of students to note that the Captains of the Cricket and Football Clubs have both passed their B. A. Examination).

B. A. B. Course.

Third Division

Bunyad Ali.

Raza Ullah.

Gholam Rasul.

will ultimately rest. It is not necessary to waste time in proving so obvious a truth. As regards University results measured by the noxious method of percentages of passes, the College has for the last six or seven years stood well above University average. This year it has fallen to that average. We have never boasted much of high percentages when we had them, knowing how fallacious a guide they are to the scholarly attainments of the teaching staff. But at the same time we very much prefer to be beyond the possibility of criticism on the score of success in examinations, and although this year we have on the whole nothing to be ashamed of, it is most desirable to organise to as high a degree as possible the teaching of the Intermediate classes, in which we have never been conspicuously successful. It is possible, though the inference is by no means certain, that the long series of good results that we have had in the B. A. has been assisted by the influence which the boarding-house life exerts in sharpening the wits and improving the intelligence of the students. For it is a reasonable supposition that intelligence plays a more conspicuous part in the higher than in the lower examinations.

But it would not be wise to accept too hastily this flattering conclusion, inasmuch as it might be subsequently disproved. For it might be plausibly argued that as the proportion of students whose fathers are wealthy compared to those who need some assistance in the shape of scholarships and wazifas is steadily increasing in the College classes, and more particularly in the Intermediate classes, the motives exciting to industry are on the whole not so strong as they were. If this be true it is necessary for the College to supply the additional strength of motive needed. The course of study prescribed for the Intermediate contains a good deal of necessary drudgery, and the age of the students is such that they cannot be trusted to work steadily of their own accord without the stimulus of external pressure. While the B. A. student corresponds in age to the students of English Universities, many of the Intermediate students, though not all, are of the same age as the students of higher classes of English public schools and should be treated as such. This is one of the chief difficulties to be encountered in organising the Intermediate course of study on a scholarly basis.

THEODORE BECK.

The older students reading in the M. A. are a valuable element in the College life, and the various College societies may hope to gain from their presence. The fact that one of the candidates for the M. A. fell ill, and other students who appeared for the various examinations were incapacitated by ill health raises the question whether the time now fixed for the University examinations at the commencement of the hot weather is the best possible. An idea has been started that the month of January would be better for the students and everybody concerned. If the examinations were held in January it would clearly be necessary for all the Colleges to reopen their new classes before the customary long vacation. If the Colleges were opened on the first of March, the arrangement would suit the M. A.-O. College very well, as it would enable us to put in a term of three months before the closing of the College for the June vacation. It would necessitate the holding of the annual University meetings at a somewhat earlier date than at present, because the text-books for the new academic year would have to be fixed before March 1st. Further it would necessitate an alteration of the time of the cricket and athletic tournament. Probably it would be most convenient to hold this immediately after the close of the University examinations. The scheme is obviously well worthy of careful attention.

In both courses of the B. A. examination the College did well, its percentage of passes being about 10 per cent above the University average ; but in the Intermediate it did correspondingly badly, being about as much below the University average. As the whole number of students passed by the University in the Intermediate was comparatively small the failure of so many students to pass the Intermediate is a serious matter so far as their education is concerned. The M. A.-O. College does not profess to be a cramming institution ; but if the severe standard set by the University for the Intermediate be maintained it will have to cram for that examination in the interests of the students, though not in the interests of the College reputation. That reputation depends on the type of man we turn out. It is necessary of course that we should get our students through their examinations, but that is only a part of the education we attempt to give them, on which the reputation of our students and the institution that trains them,

the results. A certain power of discretion is vested in this Committee, by which to some extent the irregularities above referred to can be checked. It is most desirable that this Committee should be encouraged to freely exercise its discretion and thus to act as a kind of fly-wheel to regulate the pace of the University, and to prevent the irregular pulsation of the piston, resulting from the misguided zeal of individual examiners. from damaging and dislocating the machinery. No method of moderating or of fixing percentages of pass marks can be so perfect as to obviate the necessity of falling back in the last resort on human judgment and discretion, This should be frankly recognised by our Indian Universities. In examinations for which a large number of candidates present themselves there is but little variation from year to year in the average ability and knowledge of the students. The percentage therefore who pass should be a fairly fixed proportion of the candidates. Opinions would differ to some extent as to what that proportion should be, but the variation among the opinions of the Principals and Professors of the Colleges, that is of the men who know the classes and are in a position to form an opinion from experience, would be very much less than the variation which is now produced by our present irrational system of passing students. If the question were carefully discussed it would be possible to make a compromise among the different opinions and establish a principle for the guidance of the University. Such a state of things would be infinitely preferable to the present uncertainty. The matter has however never been thrashed out in any University meetings. Yet next to the courses of study it is the most important subject that should engage its attention.

We pass on to the results of the M. A.-O. College. For the M. A. the College sent up five candidates of whom one fell ill and was unable to appear. Of the remaining four, three passed the examination. This is the first time that the College has had a regular M. A. English Class. A few students have from time to time passed the M. A. Examination of the Calcutta University in Persian and Arabic. The institution of a regular English M.A. Class will now I trust be permanent. And the numbers that attend it will probably grow on account of the new regulation of the University that only students who have passed the B. A. can attend lectures for the L. L. B ;

of the total number of candidates. Suppose this practice to be carried on for some years, it is obvious that the University would soon cease to exist, all the affiliated Colleges attaching themselves to other Universities or giving their own degrees. Now no examiner has a right to exact a standard in his own favourite subject which if adopted by the other examiners in their subjects would involve the suicide of the University,

In the Intermediate examination although it is not possible to point to any particular paper of excessive severity, yet the result of the examination as a whole has been that only about 40 per cent of the students have passed. As a similar low percentage passed last year it is clear that among the 60 per cent who failed this year there are a number of students who failed last year, or even in previous years as well. The education of these students has received an irretrievable check. Now the question to be asked is, were all these students unfit to read in the Third and Fourth Year Classes for their degree? As regards the students who have failed once or twice or even three times from the M. A.-O. College I can most positively affirm that many of them were fitted in every respect to join the B. A. Classes and proceed with their higher education. Hence it follows that the University has unconsciously adopted too severe a standard for the Intermediate examination, and is thus discouraging instead of encouraging the spread of higher education.

If it be asked what the motive or intention of the University is in allowing examiners to set papers of unreasonable difficulty or in passing so low a percentage of students, the answer is that it is guided by no such motive or intention. But the mechanical method adopted of deciding what students shall pass an examination takes the power of decision away from the University and vests it in a number of separate examiners, some of whom may be untried new men. The system is obviously faulty in principle. The ultimate control of its examinations should be retained in the Syndicate and not allowed to slip out of its power, so that no one examiner may inflict serious damage on the prestige of the University and on the cause of higher education. The only moderating influence, and it is an important one, which the Syndicate continues to exert, is by means of the Committee it appoints to publish

on Physics, it is desirable that greater facilities should be given for specialization on chemistry.

Thus while on the one hand the Government and the University have been pushing the study of science, an obstacle has now been put in its way by the High Court. The best solution of the difficulty is to leave the subject to itself to stand on its own merits. If there is a real demand for scientific knowledge it requires no extraneous support from the Government, nor need it rely on the assistance it might derive from being a gate to the legal profession. The position of the University is then dignified and secure. It contents itself with giving a degree to all students who have proved themselves to possess a competent scientific knowledge, and is indifferent to whether this knowledge may have a practical utility for them or not.

THE UNIVERSITY EXAMINATIONS.

The Allahabad University examinations this year have been unusually severe. With reference to the B. A. this exceptional severity is the result of two papers, one on Philosophy in the A. Course and one on Mathematics in the B. Course, both of which were extremely difficult. It is unreasonable to expect that our students should all of them attain to so thorough a mastery of the principles and ideas of speculative metaphysics and psychology, as was assumed by the paper on Philosophy to which reference has been made. Had Philosophy been an optional subject, which only such students studied as had a special taste and aptitude for it, there might have been some justification for exacting so high a standard of attainments. But as it is a compulsory subject which every student has to study and pass an examination in, no matter how strong his aversion to the discussion of metaphysical subleties about pure being, necessity, the origin of our belief in an external world, and such like subtleties which delight the souls of metaphysicians ; and as moreover every student has simultaneously to study two other subjects, it is clear that a paper such as would be a severe test to a Professor of Philosophy is altogether out of place and unjust. If all the examiners acted on this principle the number of students who passed the B. A. examination would be reduced to say 5 per cent

of this subject implied by the B. A. is desirable for gentlemen practising the legal profession. The University on the contrary is of opinion that the amount of English acquired by the Intermediate students together with the further knowledge acquired by reading books on science written in English, and attending lectures delivered in English, is sufficient to enable them to understand law, while the loss thus sustained by a smaller knowledge of English is made up for by the additional discipline given the intellect by the B. Sc. course. Possibly too the High Court is of opinion that the higher tone of public morality exhibited by English graduates is due to their study of English literature, while the University may think that the moral atmosphere of the Colleges and personal contact with their Professors combined with the indirect acquisition of English notions on this branch of ethics is the chief cause of this improvement. However this may be the High Court has of course a perfect right to lay down any condition it thinks necessary for the qualification of legal practitioners.

For some years much stress has been laid by the Government on the teaching of science. This subject has been introduced into the schools for the School Final examination. Men of science however saw that any real progress in the direction of scientific education can only be produced by further specialization for the degrees. The amount of science demanded by the old B. Course was but a miserable smattering. Consequently the B. Sc. was instituted, in which a student could read Mathematics, Physics and Chemistry only. We do not think the B. Sc. courses are particularly well-planned. The mathematical course is so heavy as to be equal to any two course of the B. A. Consequently this handicaps the B. Sc. man to begin with. This course is planned so as to enable the student to specialize in Physics. It is quite unnecessary that the students of chemistry should know so much mathematics. If the chemisty man turn to the B. Course of the B.A. he will find himself still worse off, because he will have to take up Physics in order to understand his subject well and he will find the Physics lectures imply a knowledge of Mathematics, which he cannot read. As the Muir College has now got a specialist in chemistry as well as

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 4.	JUNE 1, 1896.	No. 6.

THE ALLAHABAD LAW AND SCIENCE DEGREES.

The High Court has scored off the University. At the Annual Meeting of the Senate a motion was proposed by the Chief Justice that all candidates for the L. L. B. Examination must have attended a course of lectures on law for two years after passing the B. A. degree. An amendment was proposed to add the words B. Sc. degree, and this was passed by the Senate. A resolution has now been passed by the High Court that after January 1st 1899 only L. L. Bs. of the University who have passed the B. A. Examination will be allowed to practice as vakils. Consquently the L. L. Bs. who have passed the B Sc. only will find their law degree to be only an empty honour. A heavy blow is thus dealt at the Science degrees of the University. But for the anomalous fact that students by reading four subjects, namely English, Mathematics, Physics and Chemistry, instead of three, can obtain both the B. A. and B. Sc. degrees, the number of candidates for the B. Sc. would be extremely small. It is very doubtful whether it is reasonable for the University to give two degrees for an amount of study only one third greater than is required to obtain one. Even as matters stand the popularity of the B. Sc. will be greatly diminished by the decision of the High Court. The reason for the decision is of course that English Literature is not included in the B.Sc. course. The High Court holds that the additional knowledge

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A. O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs 3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. p. for Rs. 3 or for Re 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 2 annas per line or Rs. 2 per page in Urdu.

THEODORE BECK,
English Editor.

MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,
Urdu Editor.

NIAZ MUHAMMAD KHAN,
Manager.

کالج میگزین

قریباً پانچ برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اُردو ملا ہوا ـ علیگڈہ کالج سے نکلنا شروع ہوا — اول اول وہ علیگڈہ اسٹوڈینٹ کا ضمیمہ بنکر نکلتا رہا ـ لیکن سنہ ۱۸۹۴ ع میں اُس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی ـ اُسکے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اُس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے ـ اور اسوجہہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپی نہ تھی *

اس خیال سے اس کے منتظموں نے اس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جائے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ ـ مسلمانوں کے علوم و فنون ـ تاریخ اور لٹریچر کے متعلق — مفید اور پر زور مضامین لکھے جائیں ـ اس غرض سے اس کے ۲۴ صفحہ بالکل اُردو کے لیئے مخصوص کردیئے گئے ـ اور اس صفحہ کا اہتمام مولوی شبلی صاحب نعمانی نے اپنے ذمہ لیا ہی اور وعدہ فرمایا ہی کہ اس کی ترقی میں وہ حتی الامکان کوشش فرمائینگے *

ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی ـ نواب محسن الملک ـ مولوی نذیر احمد ـ اور منشی ذکاء اللہ وغیرہ بزرگوں نے اس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہی ـ اور اہل قلم بھی اگر اسکی اعانت فرمائینگے تو ہم نہایت فخر کے ساتھہ قبول کرینگے *

ہمکو اُمید ہی کہ ہندوستان کی اسلامی جماعت خریداری سے اس کی اشاعت میں مدد دیگی ـ میگزین کے کل صفحات ۴۰ ہیں اور قیمت عه معہ محصول ڈاک — (ہے) *

اس میں اشتہارات بھی ۲ر فی سطر کے حساب سے درج ہوا کرینگے ایک صفحہ کے چھپوانے والوں سے عصا ایک ماہ میں لیئے جائینگے *

تھیوڈور بیک اڈیٹر انگریزی
مولوی شبلی نعمانی اُردو ایڈیٹر
نیاز محمد خاں — منیجر

بقیہ

حقوق الذمیین

مذہبی اور قانونی حقوق کے بعد جنکا ہم اوپر ذکر کر چکے یہ امر زیادہ قابل لحاظ ہے کہ ذمیوں کو رتبہ اور اعزاز کے لحاظ سے اسلامی گورنمنٹ اور اسلامی پبلک میں کیا درجہ حاصل تھا، فاتح اور مفتوح کی تمیز ایک ایسا فطری اثر ہے جو کسی طرح کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتا پچھلی دنیا میں تو یہ امتیاز اس حد تک پہنچا تھا کہ فاتح قوموں نے ہمیشہ مفتوحین کو جانوروں سے کچھ ہی زیادہ سمجھا، ہندو اریں ہندوستان میں آئے تو یہاں کے اصلی باشندوں کو اس طرح خاک میں ملا دیا کہ اُنکو شودر کے لقب سے خود عار نہیں، رومن نے تمام مفتوحہ قوموں کو گویا غلام بنا رکھا تھا دنیا اسی حالت میں تھی کہ اسلام کا قدم آیا، اسکے گرد وپیش ہر طرف اسی قسم کی مثالیں موجود تھیں لیکن اُسنے کیا کیا؟ یہ کیا کہ دنیا کے اس عام رواج یافتہ قاعدہ کو دفعۃً مٹا دیا اور قول وفعل دونوں سے بتا دیا کہ حقوق عامہ میں جسقدر آدمی آسمان کے نیچے ہیں سب برابر ہیں، اسلام ہی نے یہ بات سکھائی تھی کہ جب ایک یہودی نے حضرت علی پر خود ان کی خلافت کے زمانہ میں ایک زرہ کا دعوی کیا تو جناب ممدوح کو اس کی جوابدہی کے لیئے عدالت میں حاضر ہونا پڑا، اور وہ بغیر کسی عذر کے معمولی فریق مقدمہ کے حیثیت سے عدالت میں حاضر ہوئے۔ یہ اسلام ہی کی تعلیم تھی کہ جب ایک عیسائی نے

ہشام بن عبدالملک پر جو بڑی عظمت و اقتدار کا خلیفہ گذرا ہے ایک جابذا د کا دعوی کیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دربار میں مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمر نے ہشام کو عدالت میں طلب کیا' اور کہا کہ مدعی کے برابر کھڑے ہو کر جوابدہی کرو' ہشام نے وکیل مقرر کرنا چاہا' حضرت عمر نے کہا نہیں تم خود سامنے کھڑے ہو کر جواب دو' ہشام نے عیسائی کے ساتھ سخت کلامی شروع کی حضرت عمر نے نہایت سختی سے ڈانٹا اور کہا کہ دوبارہ یہ حرکت سرزد ہوئی تو بغیر سزا دیئے نہ چھوڑونگا' چونکہ روداد سے عیسائی کا حق ثابت تھا اس کو ڈگری دلائی اور حکم دیا کہ ہشام کی دستاویز جو اسنے پیش کی تھی چاک کر دی جائے[۵۱] تاریخ اسلام میں اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں لیکن ہم نے صرف ان بزرگوں کے نمونے پیش کیے ہیں جو خود اسلام کے نمونے تھے۔

اسلامی حکومتوں میں مسلمان اور ذمی عموماً برابری کی حیثیت سے رہتے تھے۔ سرکاری مناصب میں' مجالس عامہ میں' عام معاشرت میں' فاتح و مفتوح کی کچھ تمیز نہ تھی' لیکن قبل اس کے کہ ہم اس دعوی کو تفصیلی طور سے ثابت کریں' ہمکو ان شبہات کا جواب دینا چاہیئے' جو اس موقع پر خواہ مخواہ پیدا ہوں گے عیسائی مصنفین نے ہمیشہ نہایت زور کے ساتھ اسلام پر یہ الزام لگایا ہے کہ اسنے دوسرے قوموں کو نہایت ذلت کی نگاہ سے دیکھا اور ذلت کی محسوس علامتیں قائم کیں' اسلام نے یا اسلام کے جانشینوں نے یہ قاعدے بنائے کہ ذمی ایک خاص قسم کا لباس اختیار کریں جو ان کی محکومی اور ذلت کی علامت ہو' گھوڑے پر نہ سوار ہوں' رستہ میں تا و ّباً مسلمانوں سے بچکر نکلیں' بڑے بڑے عہدے نہ پائیں' ان کے ساتھ مساویانہ برتاؤ نہ کیا جائے۔

---

[۵۱] عیون والحدایق صفحہ ۶۰۔

ہم بے شبہہ تسلیم کرتے ہیں کہ فقہ کی پچھلی تصنیفات میں ذمیوں کی نسبت یہ احکام موجود ہیں لیکن ہمارا یہ دعوی ہے کہ یہ احکام خدا کے، رسول کے، صحابہ کے، ایمہ مجتہدین کے احکام نہیں ہیں، اسی کے ساتھ ہمارا یہ بھی دعوی ہے کہ یہ احکام کسی زمانہ میں رواج نہیں پائے کسی کسی ظالم بادشاہ نے جوش تعصب میں اس قسم کی کارروائی کی تو وہ اُسی عہد تک پوری رہی، مورخین نے عام طور پر لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے ذمیوں کا لباس بدلا وہ المتوکل باللہ عباسی تھا" اس سے یہ امر تو علانیہ ثابت ہے کہ متوکل باللہ سے پہلے یہ لباس نہ تھا، متوکل نے ذمیوں پر اور بھی طرح طرح کی سختیاں کیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ وہی متوکل ہے جسنے حضرت امام حسین علیہ السلام کے مزار مبارک کو کھدوا کر خاک کے برابر کر دیا۔ اور منادی کرا دی کہ کوئی شخص زیارت کو نہ آنے پائے جس شخص نے خود جگر گوشہ رسول کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہو اُسکے کسی فعل پر کیا استدلال ہو سکتا ہے

یہ سچ ہے کہ حضرت عمر فاروق نے بھی ذمیوں کے لیئے ایک خاص لباس کی تعین کی تھی لیکن یہ وہی لباس تھا جو مدت سے انکا قومی لباس چلا آتا تھا اور اسوجہ سے یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ اس سے تحقیر اور ذلت مقصود تھی۔ اس بحث کو ہم نے مختصر اً سیرۃ النعمان میں لکھا ہے اور انشاء اللہ الفاروق میں ہم اس بحث کا قطعی فیصلہ کر دیں گے۔ یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمر کا یہ حکم آیا کوئی مذہبی اور انتظامی حیثیت رکھتا تھا یا صرف انکا مذاق طبیعت تھا جس کے معنی صرف یہ تھے کہ تمام قومیں اپنی قومی خصوصیتوں پر قائم رہیں اس امر کے فیصلہ کے لیئے یہ دیکھنا چاہیئے کہ لباس کے بارہ میں حضرت عمر کے احکام کس حد تک عمل میں آسکے۔

حضرت عمر نے جہاں غیر قوموں کو عرب کے لباس کے اختیار کرنے سے روکا تھا، اہل عرب

کو بھی عجم کی وضع سے پرہیز کرنے کی تاکید کی تھی۔ چنانچہ عتبہ بن فرقد کو جو فرمان لکھا تھا۔ اُسمیں یہ الفاظ تھے علیکم بلباس ابیکم اسمعیل وایاکم والتنعم وزی العجم والقوا الخفاف والقوا السراویل یعنی تمکو اپنے باپ سمعیل کا لباس پہننا چاہیئے۔ خبردار عیش طلبی اور اہل عجم کی وضع نہ اختیار کرنا۔ موزہ اور پاجامہ پہننا چھوڑ دو

لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمر بیت المقدس کے معاہدہ کے لیئے شام تشریف لے گئے تو تمام افسران فوجی رومیوں کے لباس میں تھے اسپر ناراضی بھی ظاہر فرمائی لیکن جب ان لوگوں نے اسکا سبب بتایا تو چپ ہو گئے اس سے بڑہ کر یہ کہ جب مصر فتح ہوا تو اہل فوج کی خوراک و لباس کا انتظام اس طرح کیا گیا کہ عیسائی ہر سال غلہ اور کپڑوں کی ایک تعداد مقررہ جزیہ کے ساتھ ادا کرتے رہیں ان کپڑوں میں عمامہ اور جبہ کے ساتھ موزے اور پاجامے بھی شامل تھے[1] حالانکہ موزہ اور پاجامے کے استعمال کو حضرت عمرؓ اپنے سابق فرمانوں میں منع کر چکے تھے حضرت عمر کی ان دو مختلف کارروائیوں کی تاویل اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اول اول ان کی وہ رائے تھی لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ طبائع کے میلان عام کو وہ روک نہیں سکتے تو انہوں نے اس خیال کو جانے دیا غیر قوموں کو حضرت عمر نے جو روک ٹوک کی تھی وہ بھی نہ چل سکی عیسائیوں اور یہودیوں نے مسلمانوں کی بہت سی لباسی خصوصیتیں اختیار کر لیں یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز نے جو حضرت عمرؓ کے قدم بہ قدم چلنا چاہتے تھے اپنے ایک عامل کو لکھا کہ وقد ذکر لی ان کثیراً ممن قبلک من النصاریٰ قد راجعوا لبس العمایم وترکوا المناطق[2] یعنی مجکو معلوم ہوا ہے کہ اکثر عیسائی عمامہ باندھنے لگے ہیں اور پیٹیاں لگانی چھوڑ دی ہیں"

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۵۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۷۳۔

ایک خاص قابل لحاظ یہ بات ہے کہ مسلمان جہاں جہاں گئے اور جہاں جہاں ان کی حکومتیں قائم ہوئیں، انہوں نے خود مفتوح قوموں کا لباس اختیار کرلیا اور یہ ظاہر ہے کہ اگر انکا لباس ذلت اور تحقیر کی علامت ہوتا تو مسلمان ذلت اور تحقیر کو کیوں گوارا کرتے"

عباسیوں کی سلطنت کا آغاز درحقیقت منصور کے عہد سے سمجھا جاتا ہے اس نے دربار کے لیئے جو ٹوپی اختیار کی وہی مجوسیوں کی ٹوپی تھی جو خاص ان کی قومی علامت تھی معتصم باللہ جس کے زمانہ میں دولت عباسیہ پورے شباب پر پہنچ گئی تھی اسنے بالکل شاہان عجم کی وضع اختیار کرلی تھی مورخ مسعودی نے لکھا ہے وغلب علیہ التشبہ بملوک الاعاجم فی الالۃ ولبس القلانس والشاشیات فلبسھا الناس اقتداء بفعلہ وائتماما بہ فسمیت المعتصمیات[1] یعنی وہ ٹوپی اوڑھنے، پگڑی باندھنے اور ساز و سامان رکھنے میں رئیسان عجم کی تقلید کا بہت شایق تھا چنانچہ اسکو دیکھکر سب نے یہ وضع اختیار کرلی اور اس وضع کا نام معتصمی پڑگیا۔

سندہ وغیرہ میں جب عربوں کی حکومت قائم ہوئی اور اس کے مختلف حصوں میں خاص عرب کی نسل کے سلاطین فرمانروا ہوئے تو تمام مسلمانوں نے ہندوؤں کی وضع اختیار کرلی چنانچہ ابن حوقل بغدادی جسنے چوتھی صدی کے آغاز میں ان ممالک کا سفر کیا تھا کھنبات کی نسبت اپنی جغرافیہ میں لکھتا ہے، وزی المسلمین والکفار بھا واحد فی اللباس وارسال الشعر، یعنی "یہاں مسلمانوں اور کافروں کی ایک وضع ہے دونوں ایک سا لباس پہنتے ہیں اور بال بڑے بڑے رکھتے ہیں"۔

وہی مورخ سندہ اور منصورہ کی نسبت لکھتا ہے "وزیھم زی اھل العراق الا

---

[1] مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ۔

ان زی ملوکھم نقال رب زی ملوك الهند - یعنی یہاں کے مسلمانوں کا لباس عراق کا سا ہے لیکن یہاں کے بادشاہوں کی وضع ہندو راجاؤں کے قریب قریب ہے"۔

مخالفوں کی طرف سے بلکہ خود متعصب مسلمانوں کی طرف سے بڑا استدلال پیش کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ نے خود یہ حکم دیا تھا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کو سلام نہ کرو چنانچہ عبداللہ بن عمر نے ایک دفعہ نادانستگی سے ایک عیسائی کو سلام کیا تو پھر اُس سے جا کر کہہ آئے کہ تو میرا سلام پھیر دے یہ اور اس قسم کی روائتیں بہت زیادہ شہرت پکڑ گئی ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس از سے بالکل پردہ اُٹھا دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مدینہ منورہ اور اُس کے اطراف میں جو یہود رہتے تھے اُن میں اسقدر تعصب تھا کہ بات بات میں اسکا اثر پایا جاتا تھا وہ مسلمانوں کو سلام کرتے تھے تو السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہتے تھے جس کے معنی یہ ہیں کہ تمکو موت آئے" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ جب یہود اس طرح سے سلام کریں تو تم صرف یہ کہدو کہ علیکم یعنی تم پر[۱] یہی روایت ہے جو مختلف پیرایوں میں ادا کی گئی ہے اور جسکا حاصل صرف یہ ہے کہ جس طرح لوگ تم سے پیش آئیں تم بھی اُنسے اُسی طرح پیش آؤ" بے شبہ عبداللہ بن عمر نے سلام کہکر واپس لیا تھا لیکن اولاً تو اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ عیسائی" ذمی یعنی اسلام کی رعیت تھا اور ہماری بحث یہاں صرف ذمیوں کے ساتھ مخصوص ہے"۔ دوسرے اصلی بات یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر کی یہ ذاتی رائے تھی اور دوسرے صحابہ جو علم وفضل تحقیق واجتہاد میں اُنسے بہت بڑھ کر تھے اُن کی رائے اسکے بالکل خلاف تھی" حضرت عبداللہ بن عباس جنکو بحر العلم کا خطاب ملا تھا وہ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص

---

[۱] ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۱۵۹

یہودی ہو یا عیسائی، یا آتش پرست، سب کے سلام کا جواب اُسی طرح دینا چاہیے کیونکہ خدا نے خود فرمایا ہے کہ اذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا او ردوہا یعنی جب تمکو کوئی شخص سلام کرے تو تم اُس سے زیادہ عمدہ طور پر اُسکا جواب دو یا عمدہ طور سے نہیں تو برابر طور سے سہی عبداللہ بن عباس کا یہ قول امام بخاری نے ادب المفرد میں نقل کیا ہے، ابو موسی اشعری جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے انہوں نے ایک عیسائی راہب کو خط لکھا تو سرنامہ پر سلام لکھا، اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا انہوں نے جواب دیا کہ اسنے مجکو خط میں سلام لکھا تھا تو میں نے بھی لکھا، امام بخاری نے ادب المفرد میں عبداللہ بن عباس کا قول لکھا ہے کہ لو قال لی فرعون بارک اللہ فیک قلت وفیک یعنی اگر فرعون بھی مجکو یہ الفاظ کہے کہ خدا تجکو برکت دے تو میں اُسکے جواب میں کہونگا کہ خدا تجکو برکت دے۔

حاصل یہ کہ اسلام کا یہ اُصول تھا اور اسی پر ہمیشہ عمل درآمد رہا کہ جو قوم جس طرح اسلام کے ساتھ پیش آتی تھی اسلام بھی اُس کے ساتھ اسی طرح پیش آتا تھا۔ جو عیسائی یا یہودی وغیرہ دوستانہ اور مہذبانہ برتاؤ کرتے تھے اُن کے ساتھ بھی طریقہ سے برتاؤ کیا جاتا تھا، البتہ اسلام میں عیسائیوں کی طرح یہ فیاضی نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی کے ایک گال پر طمانچہ مارے تو وہ دوسرا گال پھیر دے کہ لو یہ بھی حاضر ہے۔

ذمیوں کو معاشرت کے تمام اُمور میں جو مُساویانہ درجہ حاصل تھا اسکا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ اسلامی تذکروں میں جہاں کسی صاحب علم عیسائی یا یہودی کا ذکر آتا ہے تو اُسکا نام اُسی معززانہ و مدح آمیز طریقہ سے لیا جاتا ہے جس طرح ایک مسلمان اہل کمال کا لیا جا سکتا تھا، یہاں تک کہ اگر مذہب کی تصریح نہو تو کسی طرح امتیاز نہیں ہو سکتا کہ کسی مسلمان کا تذکرہ ہے یا کسی غیر مذہب کے آدمی کا، بختیشوع۔ جبریل۔ سلمویہ۔ حنین بن اسحاق

یوحنا بن ماسویہ۔ ابو اسحاق صابی کا تذکرہ اسلامی تاریخوں میں جس عظمت سے کیا گیا ہے ان کتابوں کے پڑھنے سے اسکا اندازہ ہوسکتا ہے، میں اس موقع پر نمونہ کے لیے صرف ابن التلمیذ کی نسبت جو بغداد کا ایک معزز عیسائی تھا مورخان اسلام کے چند فقرے نقل کرتا ہوں، عماد کاتب (جو سلطان صلاح الدین کا میر منشی تھا اسکو سلطان الحکما کے لقب سے مخاطب کرکے یہ الفاظ لکھے ہیں ورأیتہ وھو شیخ بھی المنظر حسن الرّواء لطیف الروح بعید الھم۔ عالی الھمۃ۔ مُصیب الفکر حازم الرای ،، وکنتُ اعجب فی امرہ کیف حرم الاسلام مع کمال فھمہ وغزارۃ علمہ۔

کیا کوئی قوم کسی دوسری قوم کا ذکر اس سے زیادہ مدح اور تعریف کے ساتھ کرسکتی ہے آج کل کے مقدس علما کے آگے اگر دنیاوی حیثیت میں ہی کسی انگریز کا ذکر مدح کے ساتھ کیا جاے تو وہ اسکو اسلامی شان کے خلاف سمجھیں گے، مگر اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ انکو تاریخ پر نظر نہیں اور انکو معلوم نہیں کہ وہ جن بزرگوں کے نام لیوا ہیں انکا طریق عمل کیا تھا

خلفاے عباسیہ کے دربار میں غیر مذہب والوں کو جو اعزاز اور رتبہ حاصل تھا اس سے کون انکار کرسکتا ہے، عباسیوں کے دربار کا یہ خاص آئین تھا کہ کسی شخص کا نام دربار میں لقب یا کنیت کے ساتھ نہیں لیا جاتا تھا، اس قاعدہ سے کوئی ایسا ہی بڑی عزت اور مرتبہ کا آدمی مستثنیٰ ہوسکتا تھا، یہاں تک کہ اکثر بڑے بڑے علما کو یہ عزت نصیب نہیں ہوتی تھی، باوجود اس کے مامون الرشید۔ جبریل بن بختیشوع کا نام دربار میں کنیت کے ساتھ لیتا تھا، ہرون الرشید نے عام حکم دیدیا تھا کہ جس شخص کو مجھ سے کچھ کہنا ہو یا کوئی غرض پیش کرنی ہو تو جبریل بن بختیشوع کے ذریعہ سے کرے، چنانچہ بڑے بڑے افسران فوجی ہرون الرشید سے جو کچھ عرض معروض کرتے تھے جبریل کے ذریعہ سے کرتے تھے، متوکل باللہ سے

باوجود اس کے کہ ذمیوں کی نسبت سخت احکام جاری کیے تھے تاہم اس کے دربار میں ذمی اہل کمال کو یہ عزت حاصل تھی کہ بختیشوع دربار میں خود متوکل کا سا لباس پہنکر آتا تھا اور اکثر صحبتوں میں متوکل کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھتا تھا یہاں تک کہ ایک دفعہ بختیشوع متوکل کی خدمت میں حاضر ہوا تو اتفاق سے وہ اُسوقت دیوان خاص کی چوکھٹ پر بیٹھا ہوا تھا، بختیشوع بھی وہیں چوکھٹ پر اس کے برابر بیٹھ گیا۔ سلمویہ بن بنان کو جو عیسائی مذہب تھا معتصم باللہ کے دربار میں یہ عزت حاصل تھی کہ معتصم کے جسقدر فرمان صادر ہوتے تھے سلمویہ کے دستخط سے ہوتے تھے علامہ بن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبا میں سلمویہ کی نسبت معتصم کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ اکبر عندی من قاضی القضاۃ۔ سلمویہ جب بیمار ہوا تو معتصم خود عیادت کو گیا اور افسوس کے ساتھ رویا۔ سلمویہ نے جب وفات کی تو اس رنج میں تمام دن کھانا نہیں کھایا۔ اور حکم دیا کہ اسکا جنازہ ایوانِ شاہی میں لاکر رکھا جائے اور عیسائی مذہب کے موافق شمع اور بخور جلا کر اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے۔

خلیفہ المعتضد باللہ کے دربار میں جہاں تمام وزرا و امرا دست بستہ کھڑے رہتے تھے صرف وزیر اعظم اور ثابت بن قرّہ کو بیٹھنے کی اجازت تھی حالانکہ ثابت بن قرّہ مذہباً صابی تھا اور ذمی تھا۔ ایک دن معتضد۔ ثابت بن قرہ کے ہات میں ہات دیکر ٹہل رہا تھا، دفعۃً معتضد نے اپنا ہات کھینچ لیا۔ ثابت۔ خوف سے کانپ اُٹھا۔ معتضد نے کہا ڈر و نہیں! میرا ہات تمہارے ہات کے اوپر تھا۔ لیکن چونکہ تم علم و فضل میں مجھ سے بڑھ کر ہو اس لیئے تمہارا ہات اوپر ہونا چاہیئے"

سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس نہایت پابند شریعت اور متقی و پرہیزگار تھا

اس کے دربار میں کثرت سے عیسائی تھے اور وہ ان کی نہایت عزت و توقیر کرتا تھا' انہی میں سے بن المطران ایک عیسائی تھا صلاح الدین کی عادت تھی کہ وہ لڑائی کے معرکوں میں ایک سُرخ خیمہ نصب کراتا تھا اور جب لڑائی سے فارغ ہو کر بیٹھتا تھا تو اسی خیمہ میں بیٹھتا تھا چونکہ یہ امتیاز کی علامت تھی اس لیے حکم تھا کہ اور کوئی شخص اس رنگ کا خیمہ نہ رکھتے۔ بن المطران چونکہ شان و شوکت اور تمام باتوں میں خود سلطان صلاح الدین کی ہمسری کرنا چاہتا تھا اسنے اپنا خیمہ بھی سُرخ رنگ کا طیار کرایا' اور اسی میں بیٹھا کرتا تھا' صلاح الدین سے نے دیکھا تو کہا کہ مجکو اس سے کوئی اعزاز مقصود نہ تھا' صرف ضرورت کی وجہ سے ایسا کیا گیا تھا تاکہ لوگ میرے خیمہ کو آسانی پہچان لیں یہ کہکر اُسکا خیمہ اُکھڑوا دیا۔ بن المطران اسپر سخت برہم ہوا اور دو دن تک دربار میں نہ آیا۔ آخر صلاح الدین سے نے بڑی استمالت سے اسکو راضی کیا' اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں کوئی کہاں تک گنوائے۔

یورپ والو! اگر اسلامی حکومتوں میں ذمیوں کی اسی طرح ذلت اور تحقیر کی جاتی تھی تو کاش تم اپنی مفتوحہ قوموں کے ساتھ اسی ذلت اور تحقیر کا برتاؤ کرتے۔

اعزاز اور توقیر کی نسبت شاید کہا جائے کہ یہ پالٹکس کی بنا پر تھا۔ اسلئے ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اسلام اور جانشینان اسلام ذمیوں کی نسبت دلی ہمدردی اور غمخواری کے کیا خیالات رکھتے تھے۔ ذمیوں کی نسبت اگرچہ ہر قسم کے معاملات حضرت عمرؓ کے عہد میں منضبط ہوئے اور زمانہ مابعد میں بہ لحاظ اغلب انہی کا طرز عمل سچے مسلمانوں کا طرز عمل رہا' لیکن ابتدا خود جناب رسول اللہ کی زمان مبارک میں ہو چکی تھی اور اسوجہ سے ہمکو اسباب میں خصوصاً خود شریعت کا طرز عمل معلوم ہو سکتا ہے۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج

میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد اللہ بن ارقم کو جزیہ کے وصول کرنے پر مقرر کیا تو اُن کو بلا کر فرمایا الا من ظلم معاهدا او کلفه فوق طاقته او انتقصه او اخذ منه شیئا بغیر طیب نفسه فانا حجیجه یوم القیامة۔ یعنی جان لو! کہ جو شخص کسی معاہد (یعنی ذمی) پر ظلم کریگا یا اُس سے اُسکی طاقت سے زیادہ کام لیگا یا اُسکو ذلیل کریگا یا اُس سے کوئی چیز اُسکی مرضی کے بغیر لیگا تو میں قیامت کے دن اُسکا دشمن ہونگا"

آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت کا یہ اثر تھا کہ صحابہ جہاں کہیں ذمیوں پر کسی قسم کی سختی ہوتی دیکھتے تھے فوراً مواخذہ کرتے تھے سعید بن زید نے ایک دفعہ دیکھا کہ ذمیوں کو مالگذاری وصول کرنے کے لیئے دھوپ میں کھڑا کیا گیا ہی اُسی وقت وہاں کے حاکم سے جاکر کہا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے کہ جو شخص لوگونکو عذاب دیتا ہے خدا اُسکو عذاب دیگا' سعید بن زید کو بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا اور انہوں نے اُسی وقت حاکم وقت یعنی عیاض بن غنم کے پاس جاکر ملامت کی اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی قول سند میں پیش کیا

ایک دفعہ حضرت عمر نے ایک بوڑھے شخص کو ایک دروازہ پر بھیک مانگتے دیکھا' اس سے پوچھا کہ تیرا کیا مذہب ہی؟ اُسنی کہا یہودی' فرمایا بھیک کیوں مانگتا ہے' بولا کہ تنگی اور مفلسی کی وجہ سے اور جزیہ کے ادا کرنے کے لیئے" حضرت عمر اسکو اپنے ساتھ اپنے مکان پر لواگئے' اور کچھ نقد اپنے پاس سے دیکر بیت المال کے افسر کے پاس کہلا بھیجا کہ انظر هذا وضرباءه فو الله ما انصفنا ان اکلنا شبیبته ثم نخذله عند الهرم

سلہ کتاب مذکور صفحہ ۷۰   ۵۲ کتاب الخراج صفحہ ۷۱

انما الصدقات للفقراء والمساکین والفقراء هو المسلمون وهذا من المساکین من اهل الکتاب. یعنی اس بوڑہے اور اس کے اور ساتہیوں پر خیال کرو خدا کی قسم یہ انصاف کی بات نہیں کہ اس کی جوانی کی کمائی ہم نے کہائی اور اب یہ بوڑہا ہوگیا ہی تو اسکو ہم نکالدیں صدقہ کی نسبت جو خدا نے کہا ہی کہ فقیروں اور مسکینوں کو دینا چاہیئے۔ تو فقیروں سے مسلمان اور مسکینوں سے اہل [illegible] مراد ہیں"

حضرت عمر کی اُس ہمدردی [illegible] ذمیوں کے ساتھ تہا اس سے بڑہ کر کیا ثبوت ہوگا کہ باوجود اس کے [illegible] وہ ایک ذمی کے [illegible] سے مارے گئے تہے تاہم ذمیوں کا انکو یہ خیال تہا کہ وفات کے وقت تین نہایت ضروری وصیتیں جو کیں اُن میں ایک یہ تہی کہ ذمیوں کے ساتھ جو اقرار ہیں وہ پورے کیے جائیں انکی طاقت سے زیادہ کام اُن سے نہ لیا جائے اور اُن کے دشمنوں کے مقابلہ میں اُن کی طرف سے لڑائی کی جائے[1]

عراق میں حضرت عمر نے جو خراج مقرر کیا تہا اگرچہ نہایت خفیف تہا تاہم انکو ہمیشہ خیال رہا کہ تشخیص مالگذاری میں ذمیوں پر سختی تو نہیں کی گئی۔ چنانچہ جن لوگوں نے زمین کی پیمایش کر کے جمع تشخیص کی تہی انکو اکثر بلا کر اس کی نسبت پوچہا کرتے تہے خراج جب آتا تہا تو دس شخص بصرہ سے اور [illegible] سے طلب کیے جاتے تہے حضرت عمر انکے اظہار لیتے تہے اور جب وہ چار دفعہ شرعی قسم کہا کر کہتے تہے کہ مالگذاری کے وصول کرنے میں ذمیوں پر سختی نہیں کی گئی ہے تب انکو تسلی ہوتی تہی۔ مسلمانوں کو ذمیوں کے ساتھ جو ہمدردی تہی اُس کے لیئے اس قسم کی سیکڑوں جزوی مثالیں ملتی ہیں لیکن اُن سب کا استقصا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیئے ہم ایک ایسے واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں جس سے جماعت

---

[1] حضرت عمر کے اِس قول کو امام بخاری نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

اسلامی کی عام راے کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

جزیرہ سایپرس جب ۲۹ھ میں فتح ہوا تو شرط یہ ٹھہری کہ وہاں کے لوگ مسلمانوں اور رومیوں کے باہمی معرکوں میں کسی کا ساتھ نہ دینگے لیکن ۳۲ھ ہجری میں انہوں نے مسلمانوں کے برخلاف رومیوں کو مدد دی' امیر معاویہ نے اُنپر چڑہائی کی اور شہر کو فتح کر کے پہلی شرط پر پہ صلح کرلی۔ لیکن وہ اپنی شرارت سے پھر باز نہ آئے۔ اسپر ولید بن یزید نے ایک گروہ کو جلاوطنی کی سزا دی' اگرچہ وہ اس سزا کے فی الحقیقت مستحق تھے لیکن چونکہ انکی سازش کا ثبوت قطعی نہ تھا تمام مسلمان اور علما اور فقہا ولید کی اس حرکت پر سخت برہم ہوئے کہ ذمیوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا جائز نہیں چنانچہ ولید کے بعد جب اسکا بیٹا تخت خلافت پر بیٹھا تو اسنے اُن سب کو واپس بلا لیا' اور تمام مسلمانوں نے ولید کی اس کارروائی کی تحسین کی' دولت عباسیہ کے زمانہ میں وہاں کی رعایا نے پھر بغاوت کا ارادہ کیا' اسوقت عبدالملک بن صالح گورنر تھا' اور بڑے بڑے نامور ائمہ او فقہا مثلاً لیث بن سعد۔ **امام مالک**۔ **سفیان بن عیینہ** موسیٰ بن اعین۔ اسمٰعیل بن عیاش۔ یحیےٰ بن حمزہ۔ ابو اسحٰق فزاری۔ مخلد بن حسین وغیرہ موجود تھے عبدالملک نے ان سب کے پاس استفتا بھیجا اور پوچھا کہ قاعدۂ شریعت کی روسے ان سے کیا سلوک کرنا چاہیے۔ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں ان ائمہ کے فتوی الگ الگ ان کے الفاظ میں نقل کیے ہیں۔ اکثروں نے تو یہی رائے دی کہ ان سے درگذر کرنا چاہیے کیونکہ فقط ارادۂ بغاوت سے وہ **ذمیت** کے حقوق سے محروم نہیں ہوگئے لیکن جن بعض بزرگوں نے سختی کی انہوں نے بھی صرف یہ اجازت دی کہ انکو سال بھر کی مہلت دیجائے اگر اس مدت میں وہ پورے مطیع ہوجائیں تو بہتر ورنہ انکو کہدیا جائے

کہ رومیوں کے ملک میں چلے جائیں۔ یحییٰ بن حمزہ اور ابو اسحق فزاری و مخلد بن الحسین نے یہ فتویٰ دیا کہ ان لوگوں کے پاس جسقدر مال و اسباب اور زمین وغیرہ ہے ایک ایک چیز کی وہ گنی قیمت بیت المال سے ادا کی جائے اور ان کو کہدیا جائے کہ وہ اور کہیں جا کر آباد ہو جائیں۔ اسمعیل بن عیاش نے لکھا کہ وہ بیچارے رومیوں کے مظلوم ہیں اس لیئے ہمکو ان کی مدد کرنی چاہیئے۔" ان بزرگوں کے فتوؤں اور رائیوں سے بآسانی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ذمیوں کے ساتھ اسلام کا کیا برتاؤ تھا۔

سب سے اخیر بحث ملکی حقوق کی ہے یعنی یہ کہ ذمیوں کو انتظام سلطنت میں کہانتک دخل تھا لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ شروع سے اس بحث میں ہمارے مخاطب عیسائی ہیں جنکا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام غیر مذہب والوں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کا حکم دیتا ہے اس لیئے ہم ملکی حقوق کی بحث میں یورپ کی نظام سلطنت سے موازنہ کرینگے کیونکہ عیسائیوں کے نزدیک عدل اور انصاف تہذیب و شائستگی کا معیار یورپ و یورپ کا اصول حکومت ہے۔

سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ملکی حقوق کی نسبت یورپ کی مہذب سے مہذب حکومتوں نے فاتح و مفتوح میں جو حد فاصل قائم کی ہے وہ اسلامی حکومتوں نے کبھی نہیں کی۔ اسلام نے یا اسلامی حکومتوں نے کبھی یہ قاعدہ نہیں بنایا کہ جو شخص ولایت نہ ہو اسکو فلاں قسم کے حقوق نہیں ملسکتے یا فلاں فلاں عہدے فاتح قوم کے افراد کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اسلام کے آغاز میں ملکی اور فوجی عہدے مختلف نہ تھے جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا تھا وہی سپہ سالار بھی ہوتا تھا یہاں تک کہ جو لوگ منصب قضا پر مامور ہوتے تھے وہی ضرورت

کے وقت فوج کے جنرل مقرر ہو کر بھیجدیئے جاتے تھے' تہذیب و شائستگی کی تاریخ داں اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ سلطنت جب اول اول قائم ہوتی ہے تو اُسکے مختلف صیغے مدت تک باہم مخلوط رہتے ہیں۔ جسقدر تمدن زیادہ ترقی کرتا جاتا ہے اُسی قدر تقسیم عمل کا اُصول زیادہ عمل میں آتا جاتا ہے اور ہر ہر صیغہ جدا جدا صورت پکڑتا جاتا ہے' اسی کلیہ کے موافق اسلام کے ابتدائی زمانہ میں بھی اس قسم کا اختلاط والتباس تھا اور اسکا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ مفتوح قومیں' ملکی انتظامات میں کم شامل ہو سکیں' کیونکہ اسوقت تک جسقدر ملکی عُہدے تھے اُنمیں فوجی مہمات بھی شامل تھیں اور اسوجہ سے غیر قومیں خود اُن پرخطر خدمات کو گوارا نہیں کرتی تھیں۔

اس موقع پر یہ امر قابل استفسار ہے کہ اگر غیر قوموں نے خود فوجی خدمتوں کو قبول کرنا چاہا تو اسلام نے انکی خواہش کا کہاں تک لحاظ کیا' اور جواب یہ ہے کہ اسلام نے بے تکلف انکی درخواست منظور کی' حضرت عمرؓ کے وقت بارہا یہ موقعے پیش آئے کہ عیسائیوں اور آتش پرستوں نے باوجود اپنے مذہب پر قائم رہنے کے فوجی خدمتوں میں شامل ہونے کی درخواست کی اور حضرت عمرؓ نے نہایت خوشی سے انکی درخواست کو منظور کر کے انکو تمام وہ حقوق دیدیئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے' لیکن ناظرین کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ ہم اس موقع پر اُن واقعات کی تفصیل بھی بیان کرینگے ورنہ **الفاروق** کے لیئے کیا رہ جائیگا۔؟

بہرحال اسلام کے ابتدائی زمانہ میں وہ خدمتیں اور عہدے جنمیں فوجی حیثیت بھی شامل تھی ذمیوں کو کم ملے لیکن جس صیغہ میں اس حیثیت کا لگاؤ نہ تھا وہ ذمیوں کیلئے کھلا رہا بلکہ حق یہ ہے کہ خاص انہی کے قبضہ اختیار میں رہا' خراج اور مالگذاری کے محکمے

اور دفتر پر عموماً عیسائی اور آتش پرست قابض تھے یہاں تک کہ اس دفتر کی زبان بھی لاطینی اور فارسی و قبطی رہی۔ شام میں ۸۱ھ ہجری تک دفتر خراج لاطینی زبان میں تھا اور اس وقت انتنیاش نام ایک عیسائی اس محکمہ کا افسر تھا۔ عراق کا دفتر حجاج بن یوسف کے زمانہ میں فارسی سے عربی زبان میں منتقل ہوا، اور یہی اسوجہ سے کہ دفتر خراج کے میر منشی نے جو آتش پرست تھا اور جسکا نام فرخ زاد تھا مغرورانہ یہ دعویٰ کیا تھا کہ عربی زبان اس قابل نہیں کہ حساب کی تمام جزئیات کو ادا کر سکے۔

رفتہ رفتہ جب تمدن نے زیادہ ترقی کی اور ملکی اور فوجی صیغہ میں فی الجملہ امتیاز ہوا تو ذمیوں کو ملکی صیغہ میں بار ہونے لگا، سب سے پہلے اس کی ابتدا امیر معاویہ کے عہد میں ہوئی یعنی ابن آثال ایک عیسائی حمص کا فنانشل کمشنر اور وہاں کا حاکم مقرر ہوا۔[۱] رفتہ رفتہ، کوئی بڑے سے بڑا منصب اور عہدہ ایسا نہیں رہا جو غیر مذہب والوں کی دسترس سے باہر رہا ہو، مذہبی صیغہ کو چھوڑ کر دربار میں سب سے بڑے عہدے دو تھے وزارت اور کتابت، کتابت آج کل کی اصطلاح میں چیف سکرٹری کے عہدہ کی برابر تھی یعنی ہر قسم کے فرامین سلطنت، اور سلطنتہائے غیر سے مراسلت، کا کام اسی سے متعلق ہوتا تھا، اور اسی وجہ سے وہ وزیر اعظم کے برابر یا اس سے دوسرے درجہ پر خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ابن خلدون نے مقدمۂ تاریخ میں جہاں اس عہدہ کا ذکر کیا لکھا ہے کہ ان صاحب ھذہ

الخطة لابدان يتخير من ارفع طبقات الناس

غرض یہ دونوں منصب جو اعلیٰ ترین مناصب تھے ذمیوں کو عطا کیے گئے، عبدالملک بن مروان جو سلطنت بنوامیہ کا دوسرا تاجدار تھا اسکا کاتب ابن سرجون ایک عیسائی تھا

---

[۱] تاریخ یعقوبی ذکر حکومت معاویہ۔

ابن سرجون ایک عیسائی تھا'
دولت عباسیہ کے عہد میں ابو اسحٰق صابی جو اس منصب پر ممتاز تھا بڑے رتبہ کا شخص گذرا ہے اور ابن خلکان وغیرہ نے اس کے فضل و کمال کی بڑی تعریف کی ہے سلطنت دیلم کا سرتاج عضدالدولہ جو شاہنشاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا اسکا وزیر اعظم ایک عیسائی تھا جسکا نام نصر بن ہرون تھا۔.... یہ تمام خلفا و سلاطین دنیاوی جاہ و جلال کے ساتھ مذہبی شان بھی رکھتے تھے' یورپ کو اس قسم کی بے تعصبی اور فیاضی تک پہنچنے کے لئے ابھی کئی سو برس درکار ہیں۔

ایک امر البتہ قابل لحاظ ہے کہ اسلامی حکومتوں میں سول اور ملیٹری ڈپارٹمنٹ کسی زمانہ میں صاف صاف الگ نہیں ہوئے' اسواسطے جس حد تک ملکی صیغہ میں فوجی حیثیت کا لگاؤ رہتا تھا' ذمی اس سے کم متمتع ہو سکتے تھے' لیکن اس کے سوا اور ہر قسم کے مناصب اور عہدے تمام ذمیوں کے لئے کھلے تھے اور ہر زمانہ میں سیکڑوں' اور ہزاروں عیسائی یہودی' ہندو' آتش پرست' سرکاری خدمتوں پر مامور رہے۔ ہندوستان میں ایک خاص تغیر ہوا یعنی یہ کہ ہندؤں نے کثرت سے فوجی خدمتیں قبول کیں اور فوج میں بہت بڑا حصہ انکا تھا' اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ ہندؤں نے ہر قسم کے بڑے بڑے ملکی عہدے حاصل کئے' ناواقف ہندو خیال کرتے ہیں کہ یہ فیاضی صرف اکبر کے ساتھ مخصوص تھی اور یہ اسکی مادری حیثیت کا اثر تھا' لیکن یہ انکی تاریخی جہالت کا نتیجہ ہے' جہانگیر' شاہجہاں یہاں تک کہ عالمگیر جسکو نہایت متعصب خیال کیا جاتا ہے سب نے ہندؤں کو بڑے بڑے عہدے دیئے' شاہجہاں کے دربار میں سب سے بڑا منصب نہ ہزاری تھا یعنی وہ ارکان سلطنت جنکو نو ہزار سواروں کے رکھنے کی اجازت تھی' اس سے اتر کر ہفت ہزاری

اور اس عہدہ پر مہابت خان خانخاناں ممتاز تھا اُس کے نیچے پنج ہزاری چار ہزاری وغیرہ تھے، چنانچہ اس درجہ کے مناصب پر مسلمانوں اور ہندوؤں کی تعداد قریب قریب برابر تھی ہم نہایت اختصار کے ساتھ بیان اس قسم کے ہندو عہدہ داروں کی فہرست لکھتے ہیں جسکو ہم نے شاہجہاں کی سرکاری تاریخ شاہجہاں نامہ سے انتخاب کیا ہے۔

رانا جگت سنگھ	پنج ہزاری	راجہ بیٹھل داس	چار ہزاری
گج سنگھ	ایضاً	بھارت بندیلہ	ایضاً
جے سنگھ	"	راؤ سور	"
راؤ رتن ہاڈ	"	جگدیو رائے	"
جھجار سنگھ	"	ہمیر رائے	"
مالوجی دکنی	"		
اوداجی رام	"		
بہادر جی	"		

ان کے علاوہ ۱۱ ہندو افسر دو ہزاری۔ ۱۲ ڈیڑھ ہزاری۔ ۱۶۔ ایک ہزاری۔ ۸ نہ صدی ۱۱ ہشت صدی۔ ۸ ہفت صدی تھے، اور اسکے نیچے کے عہدہ دار تو بیشمار تھے،

ان تمام واقعات کے ثابت ہونے کے بعد دُنیا خود اسکا فیصلہ کر سکتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں نے غیر قوموں کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔

ندوۃ العلما کا تیسرا سالانہ جلسہ

ندوۃ العلما کا یہ تیسرا سالانہ جلسہ تھا جو نہایت شوکت وشان، اور جاہ وجلال کے ساتھ بریلی میں انجام پایا۔ اول اس کی مہمانی کی صدا کلکتہ سے بلند ہوئی پھر امرتسر نے اپنی تمنا کا اظہار کیا، لیکن بنگال اور پنجاب دونوں کا جذب محبت چنداں قوی نہ تھا۔ اور

اسوجہ سے وہ اس مہمانِ عزیز کے شرفِ قدوم سے محروم رہ گئے۔

اس سال ندوہ کی کامیابی کی پہلی مبارک فال یہ تھی کہ جلسہ سے کچھ پہلے اس کی مخالفت کا چرچا شروع ہوا اور دو مولوی صاحبوں نے یہ کہکر کہ یہ جلسہ لامذہبوں وہابیوں نیچریوں کا جلسہ ہے۔ پبلک میں سخت ہل چل ڈالنی چاہی اول انہوں نے خود ندوہ کو مخاطب کیا لیکن جب ندوہ نے انکی طرف کچھ توجہ نہ کی تو انہوں نے نہایت سرگرمی سے مخالفت پر کمر باندہی۔ تہمت آمیز رسالے لکھے اشتہارات دیئے جابجا لوگوں کے بہکانے کے لئے نقیب دوڑائے" بدمعاشوں کو فساد پر آمادہ کیا غرض تدبیر کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ لیکن ندوہ کے کارپردازوں کا یہ حال تہا کہ

چیں برجبیں ز جنبش ہر خس نہ می زنند ۔۔۔ دریا دلاں چو آب گہر آرمیدہ اند

بہرحال جلسہ ہوا اور اس شان وشوکت سے ہوا کہ مخالف بہی حیرت زدہ رہ گئے ہندوستان کے ہر گوشہ سے لوگ آئے اور حاضرین کی تعداد کسی جلسہ میں تین چار ہزار سے کم نہیں ہوئی۔

صدر انجمنی کے لئے جناب مولوی لطف اللہ صاحب مفتی عدالت العالیہ حیدرآباد دکن کی خدمت میں درخوست بہیجی گئی تہی اور چونکہ اتفاق سے ان دنوں عدالت کے اور جج باہر چلے گئے تہے وزارت کے اعلی عہدہ داروں نے اجازت دینے سے انکار کیا لیکن جب خود وزارت پناہ نواب مدارالمہام بہادر تک یہ قصہ پہنچا تو انہوں نے انکار پر ناخوشی ظاہر کی اور مولوی صاحب موصوف کو پانسو روپیے زاد راہ عنایت کیئے کہ جلسہ کی شرکت کے لئے تشریف لیجائیں لطف یہ کہ مخالفوں نے تحریر کے ذریعہ سے ہر جگہ یہ مشہور کیا تہا کہ مولوی لطف اللہ صاحب ندوہ کے سخت مخالف ہیں

چنانچہ اُن کی طرف سے اس مضمون کا ایک فتویٰ بھی شائع کر دیا تھا۔

۱۱۔ اپریل کو پہلا اجلاس منعقد ہوا، سکرٹری کی طرف سے اُنکے نائب نے سال گذشتہ کی رپورٹ پڑھی، رپورٹ اگرچہ بہت قابلیت سے نہیں لکھی گئی تھی لیکن ہر قسم کے ضروری واقعات کی پوری تفصیل تھی، رپورٹ میں ظاہر کیا گیا تھا کہ ندوہ کے دو مقصد ہیں (۱) اصلاح طریقہ تعلیم۔ (۲) رفع نزاع علما۔ ان دونوں مقصدوں کے متعلق سال حال میں پوری کوشش کی گئی۔ اصلاح نصاب کے لیئے ایک خاص جلسہ کان پور میں منعقد ہوا جس میں دور دور سے علما شریک ہوئے۔ رفع نزاع کے متعلق مولوی ابراہیم صاحب اور مولوی امانت اللہ صاحب کی کارروائی کا حوالہ دیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ندوہ میں غالب حصہ اُن علما کا ہے جو ابھی تک ندوہ کی مقاصد سے آشنا تک نہیں ہیں، جن بزرگوں نے ندوہ کو قائم کیا ہے اور جو درحقیقت اس کل کے اصلی پُرزے ہیں، انکی تعداد بہت کم ہے اسوجہ سے اصلاح نصاب یا رفع نزاع کوئی کارروائی اچھی طرح عمل میں نہیں آسکتی۔

ندوہ کے کارکنوں نے اس نکتہ کو بخوبی سمجھ لیا ہے اور اسوجہ سے انہوں نے اُس اصلی تدبیر کو اختیار کرنا چاہا ہے جو ہر قسم کی اصلاحوں کی بنیاد ہے۔ چنانچہ ہم اسکا ذکر دوسرے دن کی کارروائی کے بیان میں کرینگے۔

رپورٹ پڑھی جانے کے بعد، پروگرام کے موافق چند علمانے ندوہ کے مقاصد پر گفتگو کی، اگرچہ یہ نہایت اہم امر تھا کیونکہ تین برس گذر جانے پر بھی اب تک بہت سے لوگوں نے ندوہ کے مقاصد نہیں سمجھے اور اسی غلط فہمی کا اثر تھا کہ بعض ندویوں نے اس سال علانیہ مخالفت کی، لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ علما بجائے اسکے

کہ ندوہ کے مقاصد کی تشریح کرتے وعظ کہنا شروع کر دیتے تھے اور چونکہ عوام کیطرف سے تاثر اور حسن قبول کا اظہار ہوتا تھا وعظ کے سئے برابر بڑھتے جاتے تھے یہانتک کہ بعضوں نے اپنی تمام تقریریں ندوہ کا نام تک نہیں لیا حقیقت میں اسبات کا نہایت افسوس ہے کہ آج کل علما میں جو کچھ حسن تقریر اور سحر بیانی پائی جاتی ہے وہ ایک خاص دائرہ تک محدود ہے۔ اُس سے نکلکر وہ بالکل بے سُرے ہوجاتے ہیں اور کسی طرح تقریر پر انکو قابو نہیں رہتا۔

دوسرے دن دارالعلوم کا مسوّدہ پیش ہوا اور یہی وہ تدبیر ہے جسکا ابھی ہم نے اوپر ذکر کیا ہے دارالعلوم کا یہ مسوّدہ کئے مہینے پہلے شائع کر دیا گیا تھا لیکن باضابطہ طور پر پیش نہیں ہوا تھا' دارالعلوم کی تجویز کا حاصل یہ ہے کہ ایک بہت بڑا عربی کا مدرسہ قائم کیا جائے۔ جس کے اُصول یہ ہوں۔

طالب علموں کو ایک خاص قسم کی تربیت کے ساتھ تعلیم دی جائے چنانچہ اس غرض کے لیئے تجویز کیا گیا ہے کہ ایک نہایت وسیع بورڈنگ ہوس بنایا جائے' ہر ہر طالب العلم کے لیئے الگ الگ کمرہ ہو' تمام طالب العلم ایک ساتھ کھانا کھائیں' ایک سا لباس پہنیں ایک ساتھ تفریح اور سیر میں مشغول ہوں' کوئی طالب العلم جاگیر اور خیرات کے طور پر کسی کے ہاں کھانا نہ کھائے'

ہر ہر علم اور فن کی تعلیم کے لیئے الگ الگ مدرس ہوں اور ہر فن کا وہی شخص مدرس ہو جو تمام ہندوستان میں اس فن کے لحاظ سے مسلم الثبوت اُستاد ہو

مدرسہ کے احاطہ میں ایک بہت بڑا کتب خانہ ہو' اور چند طلبا فراغ تحصیل کے بعد ایک مدت معین تک اس کتبخانہ کے ذریعہ سے کسی خاص فن میں کمال پیدا کریں' اور

اس غرض کے لیئے اُس مدت تک اُنکا معقول روزینہ مقرر کیا جائے
ادب اور بلاغت کے مُدّرسین شام و مصر و عرب سے بُلوا کر مقرر کیئے جائیں۔
مدرسہ کے احاطہ میں ایک مکان ہو جسمیں تمام عربی اور فارسی زبان کے اخبارات
منگوا کر رکھے جائیں اور طالب العلموں کو تاکید کی جائے کہ اُس سے فائدہ اُٹھائیں۔
طالب العلموں کو اسپیکری اور مقرری کی تعلیم دیجائے تاکہ ہر قسم کے مضامین پر
لکچر دیسکیں

اس قسم کی اور بہت سی باتیں اس مُسَوّدہ میں مذکور ہیں اور ان کی تکمیل کے لیئے
۱۰ لاکھ کے سرمایہ کی ضرورت بیان کی گئی ہے۔ جلسۂ عام میں پیش ہونے کے قبل یہ مُسَوّدہ
عُلما کے ایک خاص اجلاس میں پیش کیا گیا تھا اسوقت بعضوں نے اس بنا پر مخالفت
کی کہ اس سے مدارس موجودہ کو ضرر پہنچیگا۔ بعضوں نے کہا کہ ۱۰ لاکھ سرمایہ کا جمع ہونا
ایک ناممکن امر ہے لیکن ان تمام شبہات کا جواب دیا گیا اور بجز دو تین شخصوں کے
جنمیں ایک مولوی ابراہیم صاحب بھی تھے سب لی اتفاق کیا۔ جلسۂ عام میں جب
یہ مسودہ پیش ہوا تو سب نے موافقت کی اور باتفاق عام یہ تجویز منظور ہوئی۔

تیسرے اجلاس میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ اشاعتِ اسلام کے لیئے تنخواہ دار واعظ
مقرر کیئے جائیں چونکہ یہ ایک خوش آیند تجویز تھی اس لیئے بڑے جوش کے ساتھ
منظور کی گئی۔

ان اصلی کارروائیوں کے سوا شُعرا نے قومی نظمیں پڑھیں جنمیں سے مولوی فضل رب
صاحب عرشی شاعر دربار حضور نظام دکن کا ترکیب بند بہت مقبول ہوا مولوی سلیمان
صاحب کی واعظانہ تقریر نے لوگوں پر جادو کا سا اثر کیا اس کے بعد مختلف شہروں سے

روہ کے متعلق جو سپاسنامے آئے تھے وہ پیش ہوئے انہیں بڑے جوش کیساتھ
روہ کے مقاصد کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا گیا تہا۔ سب سے اخیر میں نذرانے پیش
ہوئے اور اگرچہ باعلان کہدیا گیا تہا کہ ندوہ کے اجلاس میں کسی قسم کا چندہ کہولنا مقصود
ہیں تاہم لوگ نہایت الحاح کے ساتھ نذر کے قبول کرنے پر اصرار کرتے تھے چنانچہ
مین جلسہ میں ہ پن سات سے کی رقم جمع ہوگئی۔ بعض ریاستوں کی طرف سے بہی نذرانے
ئے تھے۔ چنانچہ ریاست جوناگڈہ نے خاص ایک وکیل کی معرفت اپنا نذرانہ بہیجا تہا
ندوہ کے اس اجلاس سے یہ رائے قطعی طور پر قائم کی جاسکتی ہے کہ ندوہ درحقیقت
ایک مضبوط انسٹیٹیوشن کے درجہ تک پہنچگیا ہے البتہ اسکے قائم رکھنے اور اسکو مفید
طریقہ پر استعمال کرنے کے لیئے تہوڑی سی اور زیادہ لیاقت درکار ہے۔ لیکن علما کے
خیالات میں روز بروز جو وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے اس سے بہرحال توقع ہے کہ
ندوہ کی رفتار ترقی برابر تیز ہوتی جائیگی۔ یہ بات علانیہ محسوس ہوتی تہی کہ ندوہ کے
پہلے اجلاس میں علما کی جو حالت تہی اُس میں بہت بڑا فرق پیدا ہوگیا ہے۔ تعصب کے
بجائے فیاض طبعی پیدا ہوگئی ہے۔ تنگ ظرفی' فراخ حوصلگی سے بدلگئی ہے اور جن
اختلافات کی بنا پر تکفیر اور تفسیق کے فتوی دیئے جاتے تھے' اب معمولی اختلاف
رائے کی حد تک آگئے ہیں۔ یہانتک تو ہوچکا ہے' آیندہ بہت کچھ اُمیدیں ہیں خدا
اُنکو برلائے۔

بجز اُمید کہ ایمانِ عشق کیشان است   کسے نداد تسلی دلِ زلیخا را

جناب اڈیٹر صاحب

غالباً میرے برادران برادرہڈ و خادمان الفرض میرے حالات سننکے ایسے ہی مشتاق ہوں گے جیسا کہ میں اُن میں سے ہر ایک کے حالات سننیکا مشتاق ہوں۔ اس لیے امید ہے کہ آپ براہ مہربانی میرے حالات حسب ذیل کو اپنے میگزین کے قیمتی کالموں میں جگہ دیں گے

میں کالج اور اس کے سوسائٹز برادرہڈ (مجلس اخوان) اور انجمن الفرض سے معافی چاہتا ہوں کہ میں کالج چھوڑنے کے بعد یعنی اپریل ۱۹۲۳ء سے آج تک برابر مفقود الخبر رہا اور اس عرصہ میں اُنکی کسی قسم کی خدمت نہ کر سکا جس سے کم از کم یہ ظاہر ہوتا کہ میں اُنکو بھولا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے بھی تھوڑی دور زمین کی گردش کا ساتھ دینا پڑا۔ اس کے علاوہ پراگندہ روزی پراگندہ دل کا مضمون بھی شامل حال تھا۔ اب تھوڑے دنوں سے سرسہ ضلع حصار میں ایک آڑھتی ہاتھ لگ گئی ہے جس کے سہارے بیٹھ گیا ہوں۔ یہاں کے اسلامی بھائیوں خصوصاً سید دیوان محمد صاحب سب جسٹرار و آنریری مجسٹریٹ و بابو محمد عثمان صاحب ہیڈ کلرک دفتر ڈسٹرکٹ لوکل بورڈ مع سپرنٹنڈنٹ اور جناب رکن الدین خاں صاحب رئیس سرسہ سے جب سے ملنے کا اتفاق ہوا تو اُن کے عظیم خلق اور اسلامی اخوت نے اپنا پیارا کالج یاد دلایا اور انجمن الفرض اور برادرہڈ کی تصویریں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگیں۔ میں چاہتا تھا کہ ان کو اگر زیادہ نہ ہو تو کم از کم اپنے دوستوں کے سامنے پیش کروں لیکن کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ مسلمانوں کے یکجا جمع ہونیکا ذریعہ انجمن اسلامیہ جو یہاں قائم ہوئی تھی اس کی بساط عرصہ سے پیشتر ہی لپیٹ چکی تھی جسکا باعث یقیناً جیسا کہ ہمارے ہر قومی کام میں عموماً دیکھا جاتا ہے باہمی نفاق ہوا ہوگا اور نیز استقلال کی ضرورت۔ نفاق ہمارے قومی کاموں

بواسطے ایک ایسا ناگذیر مرض ہوگیا ہے کہ جس سے علیگڈھ کالج جیسا تندرست اور اعتدال پر چلنے الا نوجوان جس کے نبض ہر وقت ایک حکیم حاذق کے ہاتھ میں ہے نہیں بچ سکا گو کہ حکیم کے استقلال و کمال فن نے اسکو سنبھالے رکھا اور مرض کا غلبہ مزاج میں ظاہر ہونے دیا۔ خدا کا شکر ہے لہ آخر اس مرض کا علاج ہوگیا اور فریقین میں باہمی مصالحت ہوگئی

جناب سید دیوان محمد صاحب و بابو محمد عثمان صاحب نے اسلامی رسم کے مطابق نو وارد ملازم مسلمانوں کی تواضع کے لیئے بالخصوص و دیگر باہمی اختلاط و ملاقات کے لیئے بالعموم ضیافت کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا آخر مجھے بھی اسی کی طرف رجوع کرنا پڑا اور ۱۳ مارچ کے شام کو ضیافت کے بہانہ سے اپنے چند شناسا اسلامی بھائیوں جن میں شیخ عزیز الرحمن صاحب جو اسی روز مستقل نائب تحصیلدار ہو کر سرسہ میں تشریف لائے تھے اور بابو محمد عثمان صاحب جنمیں باوجود انگریزی خواں ہونے کے پرانے طرز مولویت کا جزو زیادہ ہے اور اس لیئے جیسا کہ اُن کی گفتگو سے اکثر ظاہر ہوا علی گڈھ کالج کو چنداں وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے اور اس کی ضرورت اور خوبیوں کو جیسا کہ چاہیئے تسلیم نہیں کرتے تھے شامل تھے۔ بُلا کر بہ مضمون ذیل مخاطب کیا گیا۔

حضرات

میں نہایت خوش ہوں اور خدا کا احسان ہے کہ مجھے اپنے خیالات آپکے سامنے ظاہر کرنے کے لیئے ایک ایسا خوش کن موقعہ ملا ہے جو میرے اور قومی خیالات کے تمام مسلمانوں کے لیئے یکساں فرحت افزا ہے۔ وہ موقع میرے سنئے دوست جناب منشی عزیز الرحمن صاحب کا ایک معزز عہدہ پر ترقی ہو کر یہاں تشریف لانا ہے۔ میں اپنے اور اپنے تمام احباب کی طرف سے انکو تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں اور اُمید ہے کہ میرے مبارکباد انعام سے خالی نہیں

جائیگی

آج کی دعوت جسکو دعوت کی ایک ادنی نقل کہنا چاہیئے اس امر کی تمہید ہے کہ میں اپنے ذاتی فرض کو جو علیگڈھ کالج کا طالب علم ہونے کی وجہ سے میرے ذمہ ہے ادا کرنے کی کوشش کی بسم اللہ کروں یہ فرض کالج کی امداد ہے اور میں اسکو عرصہ کی گردش کی وجہ سے جو عموماً ہر ایک طالب علم کو کالج یا اسکول چھوڑنے کے بعد لامحالہ پیش آتی ہے بھول گیا تھا۔ لیکن جس چیز نے مجھے اس کی یاد دہانی کرائی وہ مخدومی جناب بابو محمد عثمان صاحب کے وسیع فیاضی وسخاوت ہے جس سے امیر وغریب فی الواقع معذور وبہانہ جو آفت رسیدہ گداپیشہ سب برابر مستفیض ہوتے ہیں۔ ان کی ذات بابرکات کو یہ امر گوارا نہیں کہ کوئی شخص انکے دروازہ سے خالی پھرے میرا یہ کہنا معاذ اللہ منہا کسی قسم کی حرف گیری نہیں بلکہ ایک امر واقع کا بیان ہے کہ جناب بابو صاحب کیوجہ سے سرسہ میں سائلوں کی تعداد کم از کم دس فیصدی بڑھ گئی ہے۔ اگر آنجناب اس سے انکار کریں تو میں خود اسوقت اس امر کا ایک جزوی ثبوت موجود ہوں۔ نیز میرا یہ مطلب نہیں کہ عاجز ومسکینوں کو نان ونفقہ نہ دیا جائے میری غرض صرف یہ عرض کرنا ہے کہ کوئی ایسی تجویز ہونی چاہیئے جس سے مسلمانوں میں سوال کی رسم کم ہوجائے اور اپنی مدد آپ کرنیوالے لوگ پیدا ہوں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ کسی مذہب و فرقہ میں اسقدر گداپیشہ لوگ نہیں جسقدر کہ اسلام میں جس کی وجہ غالباً یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہٹے کٹے تندرست وتوانا نوجوان سائلوں کو کافی نفرت ہے یہ صاحب آجکل کے عام گریجویٹوں سے زیادہ انگریزی داں۔ دینیات کے عالم مجتہدین کے سرگروہ اور مسخرات کے استاد ہیں اور نیز جس فن کے اشخاص کی ہمیں ضرورت ہے اُس میں کمال رکھتے ہیں یعنی بھیک مانگنیکا جو گُر انکو یاد ہے وہ اور کسی کو کم ہوگا جس کی شاہد یہاں کی عالیشان جامع مسجد ہے جسکی تعمیر میں سولہ سترہ ہزار روپیہ خرچ ہوچکا ہے

کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اور بجائے اس کے کہ انکو اپنے شعار ناہنجار پر شرم دلائی جائے ان کو ایسے صاحب (جن میں سے ایک ہمارے بابو صاحب ہیں) اکثر ملجاتے ہیں جو اُن کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں اور اگر زیادہ نہو تو کم از کم ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کا انتظام ضرور کر دیتے ہیں۔ ایسے مسلمانوں کے بھروسہ پر یہ لوگ گھروں سے آوارہ ہوتے ہیں اور کوئی حج کے بہانہ سے کوئی فرض کے ادا کرنے کی فکر میں شہر بشہر مارے مارے پھرتے ہیں۔ اس بڑے گروہ کو اگر اپنے آپ پر بھروسہ کرنا سکھلایا جائے تو کیسی نمایاں اصلاح قوم میں ہو سکتی ہے اور آپکی تدبیر صرف یہ ہو سکتی ہے کہ ایسے سائلوں کو آگے پہنچانے کے بجائے خالی ہاتھ گھروں کو واپس لوٹایا جائے اور انکا حصہ جمع کر کے ماہوار یا سہ ماہی کسی ایسے قومی انسٹیٹیوشن میں بھیجا جائے جس میں غریب مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم و تربیت دیکر اس قابل بنایا جاتا ہے کہ اپنا پیٹ آپ پالیں اور اگر ہو سکے تو دوسروں کی امداد کریں۔

اس امر کا فیصلہ کرنا کہ کونسے انسٹیٹیوشن میں سب سے زیادہ مفید مطلب طور پر روپیہ خرچ ہوتا ہے اور اس لیئے زیادہ مستحق ہے آپ کی رائے پر منحصر ہے۔ اگر مجھسے پوچھئے تو علی گڑھ کالج ہے اور حالات سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ بلحاظ انتظام۔ طریقہ تعلیم و شان و شوکت علیگڈھ کالج اسلامی کالج اور مدرسے تو کیا ہندوستان بھر کے دیگر تمام کالجوں اور مدرسوں پر اگر فائق نہیں تو کسی امر میں کم نہیں۔ شان و شوکت کا لفظ کالج کے ساتھ سُنکر آپ کو تعجب ہوا ہوگا۔ اور ہوتا ہی ہے کیونکہ تعلیم کو شان و شوکت سے براہ راست چنداں تعلق نہیں معلوم ہوتا اور اسی لیئے اکثر اعتراض ہوتا ہے کہ شان و شوکت عمارت وغیرہ پر فضول روپیہ ضائع کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر غور فرمایئے تو قومی کالج کیواسطے شان و شوکت سب سے زیادہ ضروری جزو ہے کیونکہ وہ مجموعتاً قوم کی لیاقت و عالی ہمتی کا نمونہ ہوگا اور اسی سے اسکے وابستگان کی صفات کا

اندازہ غیر اقوام لگائیگی۔ اس کے علاوہ سر سید کو اگر شروع سے کالج کی شان و شوکت کا خیال ہوتا اور سو دو دو سو ماہوار کے دیسی پروفیسر وغیرہ رکھے جاتے تو کالج میں وہ رونق ہوتی جو آج ہے اور ایسی کامیابی سے تعلیم نہ ہوتی جیسا کہ آج کل ہو رہی ہے اور نہ ہمکو اپنے ہمعصروں سے کسی قسم کا امتیاز ہوتا۔

صاحبان۔

یہ دیکھکر مجھے رشک پیدا ہوا کہ جناب بابو صاحب ہر روز ایک خاصی رقم نام اللہ خرچ کریں اور اس میں سے ہمارا حصہ کچھ نہ نکلے نیز رنج ہوا کہ ایسے عالی ہمت انفلوئنشل اور سخاوت پیشہ مسلمان کو ہندوستان کے سب سے بڑے اور اعلی درجہ کے قومی کالج سے کچھ بھی ہمدردی نہو۔ لیکن خدا کے فضل سے مجھے اس رشک و رنج کا بہت دیر مقابلہ نہیں کرنا پڑا طبیعت تو موزوں تھی ہی تفضل صرف اتنا تھا کہ حاضرین سائلوں کی کثرت بے زبان غیر محتاج کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی تھی۔ جونہیں کہ اس کی طرف سے سائل پیش ہوا ذرا سی قیل و قال کے بعد جناب بابو صاحب نے برادرہڈ کا بینی فکٹر بنا اور ۸ آنہ ماہوار چندہ دینا منظور فرمالیا۔ گو بابو صاحب کے خیالات ابھی کالج کی نسبت قابل اطمینان نہوں۔ لیکن کالج خود اپنی صفائی کرلیگا۔ اور میں یہ پیشین گوئی کرتا ہوں کہ ایک وقت آئیگا کہ بابو صاحب کے ساری کوششیں کالج کے قیام و استحکام کیطرف پھر جائیں گی۔ کالج کی یہ ایک کرامات ہے جو میں نے اکثر دیکھی ہے اور جو اس کے عالیشان بانی کے خلوص نیت کا نتیجہ ہے کہ جونہیں اس سے لو لگی۔ انسان ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہوا اور اسکا حامی و خیر خواہ بنا۔ میری یہ آرزو ہے کہ

ھ اگرچہ بروے قواعد حساب جناب بابو صاحب کو ۸ روپے سے کچھ زیادہ دینا چاہیئے لیکن فی الحال یہی غنیمت ہی کہ انہوں نے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

جناب بابو صاحب کو ایک دفعہ علی گڈھ کالج دکھلاؤں اور اگر آنجناب پسند فرمادیں تو بہتر قریب موقعہ کالج کی مجلس برادرہڈ کا سالانہ جلسہ ہی جو ۲۸ مارچ کو ہوگا۔

اس موقعہ پر کالج کے برادرہڈ یعنی مجلس اخوان کا مختصر سا حال بیان کرنا بیجا نہو گا۔ یہ مجلس ۱۸۹۳ء میں طلباے کالج نے قائم کی تھی اور اس کی غرض یہ ہے کہ کالج کے طلبا برسر روزگار ہوکر اپنی آمدنی کی ایک فیصدی سے کالج کی امداد کیا کریں۔ اس میں دیگر صاحبان بھی شامل ہیں جو بینی فیکٹرس کہلاتے ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ صاحبان بھی برادرہڈ کا بینی فکٹر ہونا منظور فرمائیں گے تاکہ یہاں سے بھی کچھ رقم ماہوار قومی تعلیم گاہ کی امداد کے واسطے بھیجی جایا کرے۔

اس تقریر کے بعد صادق حسین صاحب نے بڑے زور سے میری تائید کی کہ کالج کی حالت اور جو فائدہ اس سے قوم کو پہنچ رہا وہ ظاہر ہے اور بابو صاحب کی تعریف میں میرے جیسے آدمی کے لیئے کچھ کہنا چھوٹا مونھ بڑی بات ہے۔

بعد ازاں شیخ عزیز الرحمن صاحب نے اُٹھکر فرمایا کہ جو کچھ میری ذات کی نسبت بیان کیا گیا ہے میں اسکا شکریہ ادا کرتا ہوں اور چونکہ میں خود علی گڈھ کالج کا طالب علم رہ چکا ہوں گو بہت قلیل عرصہ کے لیئے تاہم میرا بھی یہ فرض ہے کہ کالج کی امداد میں کوشش کروں مجھے برادرہڈ کا حال پہلے سے معلوم نہیں تھا اور میں ہر طرح حاضر ہوں۔

اسکے بعد فہرست پیش کی گئی اور مندرجہ ذیل صاحبوں نے بشرح ماہوار چندہ ذیل شروع مارچ ۱۸۹۶ء سے مجلس اخوان کا بینی فکٹر ہونا منظور فرمایا۔

(۱) جناب خانصاحب رکن الدین خانصاحب رئیس سرسہ	۵	ششماہی
(۲) جناب بابو محمد عثمان صاحب ہڈ کلرک دفتر کو سپرنڈنٹ	۸	ماہوار وصول

(۳) جناب شیخ عزیز الرحمن صاحب نائب تحصیلدار سرسہ ۸ر ماہوار وصول

(۴) جناب مولوی جہانگیر خاں صاحب سکول ماسٹر مدرسہ سرسہ ۴ر " "

(۵) جناب جیوا خاں صاحب ذیلدار رکیتے بڑہ تحصیل سرسہ ۸ر " "

(۶) جناب مستقیم خاں صاحب ولد جلال الدین خانصاحب ذیلدار رانیہ ۸ر " "

(۷) جناب شیخ قادر بخش صاحب ٹھیکیدار اسسٹنٹ انجنیر نہر ۴ر " "

(۸) جناب نور احمد خاں صاحب گرداور قانون گوے سرسہ ۴ر " "

(۹) جناب اسمعیل خاں صاحب نقل نویس سرسہ ۲ر " "

(۱۰) جناب صادق حسین صاحب ۴ر " "

(۱۱) جناب سید محمود صاحب ٹھیکہ دار ۸ر " "

جو صاحب دوسرے دن یا اُس کے بعد شامل ہوئے

(۱۲) بابو محمد رمضان صاحب سگنلر ڈاکخانہ سرسہ ۴ر ماہوار وصول

(۱۳) برکت علیخاں صاحب پٹواری جگملیرا تحصیل سرسہ ۲ر " "

(۱۴) کریم بخش صاحب پٹواری سرسہ ۲ر " "

(۱۵) محمد شفیع صاحب مدرس مدرسہ نگالہ ۲ر " "

(۱۶) عبدالعزیز خاں صاحب سیاہہ نویس تحصیل سرسہ ۴ر " "

(۱۷) نور محمد خانصاحب ولد عمر اخانصاحب منصبدار ۔ بنجوار تحصیل سرسہ ۴ر " "

(۱۸) منیر حسین سکرٹری کمیٹی سرسہ ۸ر " "

(۱۹) تاج الدین صاحب دیرزی اسسٹنٹ تحصیل سرسہ ۴ر " "

منیر حسین سکرٹری میونسپل کمیٹی سرسہ ۱۸۔ مارچ ۱۸۹۶ء کل وصول صہ ر

۲۱۴

تقریر جناب نواب فتح نواز جنگ بہادر برادر ہڈ کے جلسہ میں

نواب فتح نواز جنگ بہادر ٹرسٹی محمدن - اینگلو - اورنٹیل کالج کھڑے ہوئے اور مندرجۂ ذیل تقریر فرمائی ۔ -

مسٹر ہک - جنٹلمین - اینڈ سٹوڈنٹس

سب سے پہلے میں آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپنے ایک ایسی دلچسپ دعوت میں مجھے بلایا - میں اس قومی کالج اور اس کی تعلیم کا ابتدا ہی سے حامی رہا ہوں اور اس لیئے مجاوز معمول سے کچھ زائد خوشی ہوئی کہ اب یہ عظیم الشان تعلیم گاہ ایک نہایت ترقی شدہ حالت میں ہے ۔ یہاں تعلیم نہایت اچھی ہوتی ہے ۔ تربیت بہت مناسب ہوتی ہے ۔ مسلمانوں کو بھائی بنکر رہنا سکھایا جاتا ہے یورپین پروفیسر نہ صرف زمانہ حال کے علوم پڑھاتے ہیں بلکہ وہ جدید منتخب اصول زندگی بھی سکھاتے ہیں ۔ طالب علموں کے ساتھ انکی مدارات و تپاک نہایت خوشگوار حیثیت کا ہے اور نہ انکی مدارات ہی اچھی ہے بلکہ انکا طریق تربیت بھی حد درجہ پسندیدہ ہے ۔ اس بات کی جانب مخصوص طور پر میں اس لیئے متوجہ ہوتا ہوں کہ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا کہ بعض اخبارات میں موجودہ انتظام کالج کی نسبت ایک نامناسب نکتہ چینی کی گئی ہے ۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ نکتہ چینی مجھے واقعات پر مبنی معلوم نہیں ہوتی (چیرز) حقیقت میں جو ترقی اس کالج نے اتنے قلیل عرصہ اور مسلمانوں کی اس موجودہ حالت زار میں کی ہے وہ نہایت ہی حیرت انگیز ہے جس کے لیئے ہم سب کو اسکے بزرگ بانی کا (چیرز نہایت زور سے) تہ دل سے شکر گذار ہونا چاہیئے ۔ میں یورپین سٹاف اور خصوصاً اپنے معزز دوست مسٹر تھیوڈور بک کو مبارکباد دیسکتا ہوں کہ انکی کوششیں کامیاب ہوئیں ۔ اور مسلمان نوجوانوں میں جس

اتحاد خیال کی وہ آرزو کرتے تھے آج کی رات اس جلسۂ برادرہڈ میں وہ پایا جاتا ہے۔ آخر میں اس کالج کی ترقی اور حقیقی کامیابی کی سچی دعا پر اپنی یہ مختصر تقریر ختم کرتا ہوں جن خیالات کا میں نے اپنی اس مختصر تقریر میں اظہار کیا ہے مجھے پوری توقع ہے کہ وہ تمام ٹرسٹیوں کو ہیں۔

خلاصہ تقریر جناب مولوی صغر حسین صاحب

اس کے بعد جناب مولوی محمد صغر حسین خاں صاحب نے مندرجۂ ذیل تقریر فرمائی۔

برادران من!

مجھے آج کی رات اس جلسہ میں شریک ہو کر اور اپنی اس جان سے زیادہ عزیز قومی تعلیم گاہ کو ایسی ترقی اور ایسی سرسبزی کی حالت میں دیکھ کر وہ مسرت ہوئی ہے جس کے لیے میں اپنے طالع بیدار کا ممنون ہوں۔

برادران من! یہ ایک ایسی مسرت ہے جس میں اس میز کے ارد گرد جتنے دل مجتمع ہیں سب ایک ہیں۔ اور اسی سبب سے کہ ہم سب کسی ایک خیال میں متحد ہیں مجھکو پوری توقع ہے کہ ہمارا یہ "برادرہڈ" کا مبارک جلسہ اپنے مقاصد میں روز افزوں ترقی کریگا۔ اسکا مقصد ابتدائی اور اصلی کیا ہے؟ صرف یہ ہے کہ گذشتہ۔ موجودہ۔ اور آیندہ۔ طلبائے مدرستہ العلوم میں ایک اتحاد برادرانہ قائم رہے۔ اور اُن میں یک سوئی خیال کو ترقی ہو۔

ہمارے کالج کے ٹرسٹی نواب فتح نواز جنگ بہادر نے (جو خوشی کی بات ہے کہ ہمارے اس جلسہ میں شریک ہیں) اپنی مختصر مگر فصیح تقریر میں کالج کی جو وہ سرسبزی کی حمایت کر کے آپ لوگوں کو ایک دانشمندانہ تعلیمی ہدایت کی ہے جس کے لیے ہم سب اُن کے شکرگذار ہیں۔ اور سچ پوچھو یونیورسٹی کے امتحانات سے ہم کسی اعلیٰ درجہ کی علمی یا اخلاقی عزت کو نہیں حاصل

کر سکتے یہ دونوں باتیں کاروبار عالم پر غور کرنے اور اپنے فرائض کا اندازہ صحیح حاصل کرنے سے پیدا ہو سکتی ہیں۔ لیکن کھانے کی میز ان مشوروں کے لئے مناسب مقام نہیں ہے۔ کسی دوسرے موقع پر میں اس مضمون پر تفصیل سے کچھ کہونگا۔

برادران من ! اب میں آپ سے ایک درخواست کرتا ہوں جو مجھ سے قبل کسی نے ابتک نہیں کی۔ آپ سب صاحب کھڑے ہو کر اپنے پورے جوش محبت سے اس عزیز قومی تعلیم گاہ کی حیات نامی کا جام پیجئے۔ اور خدا سے دعا کیجئے کہ یہ جام اور یہ ساقی اور یہ میخانہ اور می پرستی ہمیشہ آباد اور جاری رہے۔

ایک مفید تجویز

اشاعت کتب قدیمہ

یہ امر مسلم ہے کہ مسلمانوں نے کسی زمانہ میں تمام علوم و فنون کو نہایت ترقی دی تھی اور ہر فن میں اپنے خاص اجتہاد اور تحقیقات کے نتائج قلمبند کیے تھے لیکن رفتہ رفتہ علمی مذاق کو اسقدر تنزل ہوتا گیا کہ آج جو تالیفات و تصنیفات عام طور سے رائج ہیں اکثر وہ ہیں جنمیں ایجاد و جدت کی جھلک تک نہیں پائی جاتی۔ قدما کی تصنیفات جن میں ہر جگہ اجتہاد اور ذاتی تحقیقات سے کام لیا گیا ہے عموماً متروک ہیں۔ خال خال کوئی قلمی نسخہ کسی بڑے کتب خانہ میں پایا بھی جاتا ہے تو ہر شخص کو وہاں تک دسترس نہیں اور اسوجہ سے گویا انکا عدم وجود برابر ہے کسقدر تعجب کی بات ہے کہ مثلاً فقہ حنفی کا تمامتر دارومدار امام محمد کی روایات اور تصنیفات پر ہے جنکو اصطلاح فقہ میں ظاہر الروایۃ کہتے ہیں لیکن آج اُن میں سے بجز جامع صغیر

کے جو نہایت مختصر اور سب سے چھوٹی ہے ایک کتاب بھی موجود نہیں یہاں تک کہ قسطنطنیہ اور مصر کے عظیم الشان کتب خانے بھی اس سے خالی ہیں اسی طرح فلسفہ اور منطق میں مسلمانوں کو جن ناموروں پر ناز ہو سکتا ہے وہ یعقوب کندی۔ فارابی۔ ابن رشد ہیں لیکن ان کی تصنیفات اسقدر نایاب ہیں کہ نہونے کے برابر ہیں۔ قرآن مجید کے اعجاز و فصاحت و بلاغت پر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں سے تمام ہندوستان میں ایک کتاب بھی موجود نہیں۔ تاریخ کی قدیم اور نادر تصنیفات تو گویا ہمارے ملک میں سرے سے آئیں ہی نہیں بعض قدیم کتابیں جو یورپ میں چھپی ہیں لیکن قطع نظر ان کے گراں قیمت ہونے کے ہر شخص کو بہم نہیں پہنچ سکتیں۔ ان واقعات کی بنا پر مجکو یہ خیال آیا کہ ایک مجلس قائم کیجائے جو اس مفید اور اہم کام کو انجام دے اگرچہ حیدرآباد کی مجلس دائرۃ المعارف کا بھی یہی موضوع ہے لیکن جو تجربہ اس کے ابتدائی قیام سے اسوقت تک ہوا ہے اس کے لحاظ سے یہ کہنا ناموزوں نہیں کہ وہ اس درد کی پوری دوا نہیں۔

ملک میں عربی زبان کی جو کساد بازاری ہے اس کے لحاظ سے اگرچہ یہ تجویز فی الجملہ بے محل معلوم ہوتی ہے لیکن ۷ کروڑ مسلمانوں میں سے دو چار سو ایسے شائق ضرور نکل آئیں گے جو معمولی قیمت پر کتاب کو خرید لیں اور اگر اتنا بھی ہوا تو ہم اس کام کے شروع کرنے پر آمادہ ہیں۔ بالفعل تجویز ہے کہ اس مجلس میں تین قسم کے ممبر قرار دیے جائیں۔

(۱) وہ لوگ جو ۲۰ سالانہ چندہ دینا منظور فرمائیں اور یہی لوگ اراکین مجلس قرار دیے جاویں گے اور انکو امور انتظامی مجلس میں رائے دینے کا حق حاصل ہوگا اور نیز جو کتاب یا کتابیں چھاپی جائینگی گو کہ انکی قیمت اُن کے چندۂ ممبری سے زائد ہو انکو دی جائینگی۔

(۲) وہ اہل علم جو اس کام میں اپنی رائے اور واقفیت و تلاش سے امداد دیں اور اس قسم کی کتابوں کو بہم پہنچائیں انکو یہ حق حاصل ہوگا کہ مجلس انکو تمام تجویزات اور حالات سے وقتاً فوقتاً

مطلع کرتی رہیگی اور ایک یا دو نسخہ کتاب مطبوعہ کا انکو نذر کریگی۔

(۳) وہ لوگ جو یہ منظور کریں کہ کتاب کے چھپنے پر ایک نسخہ قیمت معینہ پر خرید لینگے ان بزرگوں کا نام ایک رجسٹر میں درج کر لیا جائیگا اور جو کتاب چھپیگی اُسکا ایک نسخہ ان کی خدمت میں ویلیو پی ایبل بھیجدیا جائیگا۔

یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ سر دست جن کتابوں کا شائع کرنا پیش نظر ہے وہ پانچ روپیہ قیمت سے زیادہ کی نہیں اس غرض کے لئے جو کتابیں اسوقت تک ہم بہم پہنچا چکے ہیں یا جو نہایت جلد بہم پہنچسکتی ہیں حسب ذیل ہیں۔

اعجاز القرآن امام باقلانی۔ طبقات الشعراء لابن قتیبۃ۔ مناقب الشافعی للامام الرازی۔ مجموعہ رسائل فارابی جسمیں ۱۵ رسالے شامل ہیں۔ تلخیص المقال ابن رشد مطبوعہ یورپ۔ عمدہ لابن رشیق القیروانی۔ تاریخ صغیر امام بخاری۔

ہمکو ملک کے تمام بزرگوں سے اُمید ہے کہ وہ اس تجویز کی بابت ہم سے خط وکتابت فرمائینگے اور ہمکو مطلع فرمائینگے کہ اُن کو تین قسم کے ممبروں میں سے کس قسم کا ممبر ہونا منظور ہے اور یہ کہ اُنکے نزدیک کتب مذکورہ بالا میں سے اول کس کتاب کا شائع کرنا زیادہ مناسب ہے"

شبلی نعمانی علی گڈہ ۱۹۰۶ء

354—Mohammad Daud, B. A.—Naib Tehsildar Tehsil *Agra.*

369—M. Mohammad Ali Buland Akhtar—Naib Tehsildar *Sikandrabad Dt. Bulandshahr.*

3—Mohammad Zaman—School master and Duffadar in 3rd Bengal Cavalry, Faizabad.

378—Mohammad Mobin—Sehor, Bhopal.

386—M. Mahommad Wajih—Tehsildar *Amaithi* District Sultanpur.

395—Mahmud Hasan, Khan, B. A., Head Master, High School *Sikandrabad* Deccan.

413—M. Mazhar-ul Haq, B. A.—Naib-Tehsildar, *Jansath* District Muzaffarnagar.

425—Hafiz Munzur Ahmad—*Iglas* District Aligarh.

449—Nihal Ahmad—Bhindi Bazar, Pia Street No. 464 *Bombay.*

461—H. Wilayet Ullah, B.A.,—Head Master, High School, *Bhopal.*

465—Walidad Khan, B. A.,—M. A.-O. College, Aligarh.

468—Wahajud-din, Assistant Court Inspector, Police, *Meerut.*

473—Shaikh Yawar Husain—Tahsildar, *Zamaniah,* District Ghazipur

32—S. Agha Haider—Copyist, Civil Court, *Saharanpur.*
36—Agha Mohammad Husain—Sub-Registrar, *Gonda* Dt.
56—Amjad Ali—Police Dt. *Lahore.*
75—Khoaja Bakar Hasan—Inspector, Salt Deptt. *Gorakhpur.*
91—Bhagwan Das—Tahsildar *Gonda* District.
114—M. Syed Habib-ul-lah, Esq. C. S., Assistant Collector *Furrukhabad.*
118—H. Hasan Mohammad, B. A.—Pleader, *Jhansi.*
133—Dulari Lal, B. A.,—Munsarim, Agricultural Deptt. *Cawnpore.*
136—Debi Das, B.A., Law-class, M.A.-O. College, *Aligarh.*
144—Syed Raza Ali, B. A.,—Assistant Sub-Deputy Opium Agent *Kanauj* Dt Furrukhabad.
166—Sarfraz Husain—Commissary Office, Nainital.
177—Syed Husain (of Paherser)—Teacher *Jaipur* College.
194—Khan Sher Shah B. A.—Translator, Judge's Court *Jallundher.*
210—S. Zahur Husnain—Sub-Inspector Police, *Saharanpur.*
217—Abdul Hak, B.A.—Bhindi Bazar—PraSteet No. 464 *Bombay.*
222—Abdur Rahman—Time-Keeper N. W. Ry. *Saharanpur*, Mohalla Kazi.
262—Ataur Rahman—M. A.-O. College. Aligarh.
265—Ali Ahmad Hahasn Ali, Esq., C.S.—Assistant Collector *Ghazipur.*
275—Ali Abid—Assistant Court Inspector Police, *Moradabad.*
283—M. Gholam-us-saklain, B. A.—Aide-de-camp to Sir Nawab Vikarul Umara.
308—Kutbud-din B. A. Lieutenant, Imperial Service Troops, *Hyderabad, Deccan.*
326—M. Mahboob Alum—Head Assistant, Commissary General's Office, *Nainital.*
—M. Mohammad Bakar Khan—Deputy Collector, *Sultanpur.*
352—Mohammad Haneef—Sub-overseer Ganges Canal *Dhanlana* Dt. Meerut.

some memorial of a suitable and lasting nature. When it is remembered that Mr. Wallace was formerly Presiden of the Cricket Club it will be at once admitted that no more fitting memorial could be set up than a cricket pavilion. This idea met with the approval of those old students with whom the idea of a memorial originated, and with the concurrence of the Cricket Club Committee it was decided to call the proposed building. "The Wallace Memorial Pavilion".

Our idea is to set a thoroughly good and substantial building in keeping with the rest of the College; and as the Superintending Engineer of the District Mr. A. C, Evans has very kindly taken in hand the plans and the general superintendence of the work there is little doubt that our idea will be most satisfactorily carried out.

It is estimated that the cost of the building will be about Rs 1,500; and we are now appealing to past and present students and other friends, of the College to assist us, feeling confident that we shall have little difficulty in raising this sum. The following subscriptions have already been received.

Mr. T. Beck	...	Rs.	100
,, T. C. Piggott	...	,,	100
,, Siraj Ahmad	...	,,	100
,, T. W. Arnold	...	,,	50
,, W. C. Horst	...	,,	50
,, Le. Tipping	...	,,	50
,, Amjad Ali	...	,,	50
,, Wilayet Husein	...	,,	25
,, Sultan Ali	...	,,	25
Total		,,	550

PERSONAL NEWS.

We have received the following from M. Syed Tofail Ahmed :—

The following alterations and additions to be made in the M. A.-O. College Directory.

No. 9—Kazi Abbul Mohammad, *Kandhla* Dt. Mozuffarnagar.

,, 14—M. Ahmad Husain—Tahsildar's *Nanpara* District Bahraich.

2 *Hurdle Race.*

(1) Qaim Husain (2) Abdullah.
(3) Haji Husain Khan.

3. 220 *Yards Race,*

(1) Ashraf Khan (2) Muzaffar Husain.
(3) Shujaud-din Khan.

4. *Half Mile Race.*

(1) Haji Husain K. (2) Manzoor Mahmood (3) Ashraf Khan.

5. *High Jump.*

(1) Kharim-ud-din 5 ft. 2.
(2) Qaim Husain 5 ft 1.
(3) Khalilul-lah Sharif 4 ft. 10.

(6) *Long Jump.*

(1) Asadul-lah Khan 17 ft. 1.
(2) Abdullah 16 ft. 3.
(3) Khalilul-lah Sharif 16 ft. 1.

7. *Pole Jump.*

(1) Ashraf Khan 8 ft. 7.
(2) Haji Husain Khan 7 ft. 8.

8. *Throwing the Cricket Ball.*

(1) Nazir Husain 102 yards.
(2) Abdullah 97 yards.
(3) Qaim Husain 96 yards.

9. *Putting the Weight.*

(1) Abdul Hafiz 24 ft. 5.
(2) Zarif Ahmad 23 ft. 8.
(3) Mohammad Hayat 21 ft. 6.

10. *Small Boys Race.*

(1) Al-i-Hasan.
(2) Latif Ahmad.

M. A. O. COLLEGE CRICKET CLUB PAVILION.

At the instance of one of our old students Mr. it has been decided to erect a pavilion in the College cricket field. There is a feeling among some of the old students of the College that it would be a graceful act to testify their esteem for one of our former Professors, Mr. Wallace, by setting up

rupees he had realised as five hundred hearts devoted to the College.

Some students still resident in the College made speeches thanking the old students for the kind words they had said of them and for attending the Dinner.

Before breaking up it was decided to hold the next Annual Meeting on the Holi Holidays which next year will not clash with the business of the University.

—o—

THE MONTHLY ATHLETIC SPORTS.

The first of these monthly competitions was held on Friday and Saturday April 17th and 18th, 1896, and proved most successful. We are glad to notice that an increasing interest is being taken by many of the students in athletics, and that steady practice in running, jumping and gymnastics is going on. It is with pleasure, too, that we see a contingent from the School practising gymnastics every day. Abdul Hafiz the new Secretary and Ashraf Khan have been most energetic in organizing and superintending this work and we hope that all students who are at all interested in athletics will give then their hearty support. We have got a high reputation for athletics among the colleges of these provinces, and this reputation can only be kept by the energy and perseverance of all would-be-competitors In the sports held last month there were some distinctly encouraging performances. In the high jump Khairuddin and Qaim Husain with 5 ft. 2 inches and 5 ft. 1 inch should be able with practice to reach Mohamed Zaman's record of 5 ft. 5 inches. Asadullah did a good long jump of 17 ft. one inch, but this should be improved before the end of the year. In the pole jump Ashraf Khan did well with 8 ft. 7 inches and Haji Husain showed great promise. A new feature was introduced by the entry of three of our professors, Mr. Beck, Mr. Morison and Mr. Tipping as competitors, and their energetic participation in these sports afforded as much satisfaction and encouragement to the students.

The following is the list of results. :—

Hunddred Yards Race.

(1) Qaim Husain (2) Asadullah.
(3) Haji Husain Khan.

in at the conclusion of dinner, delivered a speech in Urdu which will be found in the Urdu portion of this Magazine.

He was followed likewise in Urdu by Nawab Asghar Hasan a summary of whose speech will be found in the same place. The interest of this speech was heighteued by the fact that the speaker had been more than 12 years away from the College.

As many old students expressed a wish to hear Sultan Ahmad Khan, Esquire, Barrister-at-law, he consented to say a few words in English in which he dwelt upon the fact that a student by leaving the M. A.-O. College did not sever his connection with it, but remaind at least in feeling as much a member of the College as when he ate his dinner in the Salar Manzil : he assured the students that he felt them all to be his fellows even though he was not acquainted with them personally ; the speaker enlarged on the advantages of living in a Boarding-House and recounted how great had been the benefit he felt when he joined the University of Cambridge of his training in Aligarh, from his familarity with men and manners acquired at this College he had been able to fall into the way of life in Cambridge far sooner than most students from India.

Aftab Ahmad Khan, Esquire, Barrister-at-law, followed his brother in an earnest and interesting speech in which he bade the Secretary not despond because of the smallness of the sum already realised and he told how during the War of the Spanish Succession the king of Spain was reduced to great distress ; his country was invaded by foreigners, his army was greatly reduced and his treasury was empty : on one occasion he came to a little townlet to raise money and was presented with a purse containing but a hundred gold pieces ; the townsmen urged the king not to consider only the smallness of the sum they had to offer him but how it was given by them out of their poverty and said that the purse in reality contained a hundred hearts ; and as it was true that though the king of Spain was then poor but yet had the love of his people's hearts and was eventually able to drive the foreigners from his kingdom so the speaker bade the Secretary look upon the five hundred odd

government service to be at the command of all the students for the time being resident in Aligarh, and that all old students will think it their duty to give the Secretary of the Brotherhood timely notice of any vacancy to any post of more than Rs. 20 a month that a student is competent to fill. The management of this agency will I hope give the resident members of the Brotherhood that regular work which our Anjuman has hitherto lacked to make it a living thing in the Boarding-House.

Now I wish to call your attention to what I consider the a third duty of old students, and that is one which has been brought to my notice by excellent work already done in isolated cases.

That work consists in the foundation of Anjumans and local primary schools or in any other work which is a help to the Musalman community, whether connected with the College or not.

Do not imagine because the work you do does not appear to have a direct reference to the College, that it is not helpful to the cause which we have at heart. The interest of the community is the interest of the College. The College is only a means to that greater end—the welfare of the Musalman community. The two are never antagonistic, and if they should ever appear so, the interest of the College must be subordinated to that of the community.

As a matter of fact I believe that any disinterested work which the College has undertaken has been repaid over and over again by support (moral and material) of the College. And on the other hand I believe that we have suffered from allowing it to be thought that we cared more for the interests of the Aligarh College than for the general interests of the community, from having appeared to try to turn natural enthusiasm to our own and narrower aims.

I hope it will never be thought in future that such a one is an unprofitable student of the College who devotes himself to that welfare of the Musalmans for which this place was built without reflecting how it directly affects Aligarh.

Mehdi Hasan Esq., Nawab Fateh Nawaz Jung who came

founded by their own community and which was founded in the interests of that community alone. Now with regard to this kind of prejudice you have all a clear duty. This is the class of persons whom it is your duty to win over and conciliate. Firstly you can correct many incorrect opinions that are prevalent and in the second place you must be careful never needlessly to offend such persons. I think that your duty of not giving offence to these "weaker brethren" is an important one. There are a number of trifling matters connected with dress and other equally small things such for instance as shaving the beard or the manner of wearing moustaches which are matters of small importance whether practised or omitted but with regard to which it is your duty to give way to the opinion prevalent among the community for the sake of the College ; the questions at issue are small but as the amount of prejudice they create is great I think it for the true interests of the College that you give way in regard to them. You will find that you weaken your advocacy in vital matters if you have evoked a needless hostility to your opinions by your appearance or your dress.

Secondly there is another way in which all old students can help the College. In every district in which an old student's lot may be cast there are continually occurring vacancies in posts which our students would be qualified to fill, I wish that all old students would give us information of these vacancies. One of our hopes is to make of the Brotherhood a kind of agency whereby students may have an opportunity of getting posts as soon as possible when they wish to enter active life. Now in every district there are always occurring a large number of vacancies of which it is impossible for students at the College to hear. Such posts are small masterships, secretaryships to Municipalities, private secretaryships &c., which our students would be competent to fill. I have heard many English officers affirm that they give the preference to an M. A. O. College student ; but outside the regular services which are already crowded with innumerable applicants, an English officer has always many posts in his gift for which he only finds an M. A. O. College student if such a one happens to be on the spot and disengaged. My hope is that we shall be able to collect a mass of information with regard to all branches of

the principal cause is that I have been away for nine months out of the last twelve.

The state of our funds at present is this. We have altogether collected Rs. 538—1 a

The amount realised in 1895 was Rs. 80. This does not include my own subscription which was not realised during my absence but which shall be realised in the near future.

I confess that this is not such a good record as I had once hoped we should have been able to show: monthly subscriptions are in all places hard to realise with regularity and in India not less so than elsewhere. Before going away we had I hoped devised a scheme which would ensure greater regularity in the monthly or quarterly subscriptions but I have not been able owing to my absence to superintend the working of it; and in all permanent schemes we are at some disadvantage from the ever-changing nature of the members of the Brotherhood resident in the College.

However I do not think that the work of the Brotherhood is confined to collecting money for our Endowment fund, important as that is for the interest of the College: there is another kind of work which I think ought to go on whether the Secretary at heard-quarters is in Aligarh to do his duty or not.

That is a work which is not dependent only upon those who are pledged to pay one percent of their incomes to the Brotherhood but which is incumbent on all old students of this College. That work is none other than a zealous watch over the interest of the College and I should like to specify exactly what I think it is incumbent upon our old students to do.

In the first place there is an ill defined mass of prejudice against the College which it is your duty at all times to combat. It is needless for me to specify the many ridiculous opinions which are prevalent in the Musalman community on the subject of this College. There are many people who do not deny the advantages of English education and who do not believe (as some used to believe) that a knowledge of European science is forbidden by Islam. But there are Musalmans who have a particular antipathy to the College which was

Because of the gentlemanly and manly tone of the big English public schools. Such institutions unfortunately do not exist in India. The M. A.-O. College and some of the chief colleges have set them before them as their model, and are working slowly towards their creation. It is not to be expected that the general public will attach much value to these efforts until their results become obvious, for a man who has never seen an English public school or college or a similar institution can no more be expected to form a clear idea of its organisation and its excellence than a blind man could of the form of an elephant or the beauty of a peacock by mere description.

We have drawn attention to one Indian principle of education that should be preserved, and to some others which should be as energetically attacked and destroyed. What is true of education is true also of other aspects of Indian civilization, such as manners, dress, art, &c. But it would take us too long to touch in the present article on these interesting themes.

BROTHERHOOD DINNER.

The Annual Dinner of the Brotherhood and old students day was celebrated this year on the 28th March. Over two hundred post cards of invitation had been sent out and the following gentlemen were present.— Messrs Sultan Ahmad Khan, Aftab Ahmad Khan, Nawab Asghar Hasan, Ali Gauhar, Ehsan Shah, Tofail Ahmad, Azizul Hasan. Abdul Wahid, Zafar Yab, Ata Husain, Manzur Ahmad, Shabbir Husain.

The Secretary read a telegram which he had received that evening from Mustafa Khan Saheb wishing "prosperity to the College and long life to its founder."

The Secretary had in his hand a bundle of letters from other old students expressing their regret at not being able to take part in the evening's proceedings, a few of which he referred to but which are too numerous to be reproduced here. The Secretary then spoke as follows :—

GENTLEMEN AND BROTHERS,

My first duty this evening is to apologize for the poor record I have to show of work done since we last met. Of that

the old fashioned *maktab*. They think for example that the chief thing is to keep the boys as long as possible at their books, reading all day and every day of the year. Every holiday is regarded as sheer waste of time. The acquisition of knowledge is looked on by them as similar to the process of putting money in a bag: the more coins thrown in the greater the deposit. It would be a truer anology to compare the training of the mind to the growth of a plant, which must assimilate the material presented it by the air and earth. In each stage of education there is a natural limit to the amount of time that can be employed in the year in actual teaching; beyond this limit the fewer the holidays the less the intellectual progress of the youth. The higher the education the longer the time needed by the student for rest and assimilation of the knowledge he has received. This truth has been learnt in Europe by the experience of centuries. Persons who have to deal with schools founded by Anjumans will find out how little it has been grasped in India. Another of the foolish notions prevalent in this country is that physical education is not only of no importance but is actually injurious to the intellectual progress of the student. How often has the excellence of the M. A.-O. College in games been taken to prove its inferiority in studies! We believe that its superiority in physical education, which has done so much to win for it the reputation of Englishmen, has tended to lower it in the eyes of many old fashioned Musalmans. We could understand their being unable to perceive the remarkable effect produced by these games in developing and strengthening the character, but it is difficult to understand the indifference to bodily health and strength felt by members of a warlike race. Finally the notions of the management of a boarding-house are extraordinarily crude. The chief function of such an institution is supposed to be the feeding of the students. Scarcely the faintest conception exists of that intangible but all important thing, the tone of a school or college, that subtle influence which affects so powerfully for good or evil all the inmates of such an institution. Why does a wealthy Englishman send his son to Eton at a cost of £300 a year, when he can get him as good an intellectual education for £100?

There is one—and so far as we know only one—principle of education in which the East is superior to the West, and that is the conception of the relationship that should exist between the teacher and the pupil. The English school boy is apt to look on his master in somewhat the same way as a prisoner does on his jailor. A natural antagonism is often assumed to exist between them In India, on the contrary, both among Hindus and Mahomedans, the teacher is looked on as a spiritual father. This relationship adds enormously to the influence of the teacher over the pupil, and it makes the bond between the two infinitely more agreeable and permanent. Unfortunately the educational system introduced by Englishmen into India has not preserved this beautiful ideal of the feeling between master and pupil. For this the masters are to blame because even now the pupils are only too glad to accept the Eastern point of view. It is therefore not too late to rescue this precious tradition of Indian education.

We pass on now to those Oriental notions concerning education which are crude or pernicious and should be attacked and destroyed. The first is that of many rich men who suppose that they can give an adequate education to their sons by employing a private tutor—generally very ill-paid—to teach them instead of sending them to good schools. This system sacrifices two most important advantages, first that of being taught by highly trained masters whose salaries are paid either by the combination of many parents or by public endowments, and second, the stimulus the boy receives from associating with many other boys of the same age, a stimulus that in a good school spurs his ambition and develops independence and manliness. The next pernicious Eastern idea is that education is not worth the expenditure of much money. Rich men often look on the education of their sons as one of the few departments of expenditure in which economy may be practised without inconvenience or loss of dignity. It is not generally perceived as it is in England that a man in spending money on his son's education is making the most profitable investment possible of his savings. Many men have however grasped the notion that education in a good school or college is superior to instruction by a private tutor at home, yet their ideas as to what constitutes excellence in a school are derived from

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 3.	MAY 1, 1896.	No. 5.

THE INDIAN EDUCATIONAL PROBLEM.

It has frequently been said with justice that the great object for Indian reformers should be to take what is good in European civilisation and retain those elements of Indian civilisation which are characteristic and excellent. The difficulty of this task is that it is far from easy to discriminate between what is good and bad in the two civilizations. And consequently the frequent failure to do so has led to the sarcastic epigram that the Anglicized Indian gives up the good qualities of his own people and takes on only the vices or vulgarities of Europe. We believe this epigram to be false, and that the good absorbed from European education and civilisation far outweighs the loss of Indian virtues or the acquisition of European faults. The increased purity of the judicial services arising from the spread of English education may be taken as an example of the facts that prove this statement. Nevertheless there is a basis of truth in the assertion that indiscriminate abandonment of Indian ideas has its drawbacks, while on the other hand the assimilation of the principles of European civilisation is often very imperfect. Let us test these general theories by the special case of education, compare Oriental and European notions on this subject, and attempt to show what Oriental ideas should be retained and what should be abandoned for the principles acted on in England.

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A.-O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs. 3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. p. for Rs. 3 or for Re. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 2 annas per line or Rs. 2 per page in Urdu.

THEODORE BECK,
English Editor.

MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,
Urdu Editor.

NIAZ MUHAMMAD KHAN,
Manager.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 3.	MAY 1, 1896.	No. 5.

CONTENTS.

(ENGLISH)

Printed at the Institute Press, Aligarh.

For the Siddon's Union Club.

محمدن اینگلو اورینٹل کالج میگزین

جلد ۳	یکم ماہ اپریل سنہ ۱۸۹۶ ع	نمبر ۴

فہرست مضامین

انگریزی

اردو

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتاز الدین کے اہتمام سے چھپا

کالج میگزین

قریباً پانچ برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اُردو ملا ہوا - علیگڈہ کالج سے نکلنا شروع ہوا — اول اول وہ علیگڈہ انسٹیٹیوٹ کا ضمیمہ بنکر نکلتا رہا - لیکن سنہ ۱۸۹۴ ع میں اُس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی - اُسکے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اُس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے - اور اسوجہہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپی نہ تھی *

اس خیال سے اس کے منتظموں نے اس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جاے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ - مسلمانوں کے علوم و فنون - تاریخ اور لٹریچر کے متعلق — مفید اور پر زور مضامین لکھے جائیں - اس غرض سے اس کے ۲۴ صفحے بالکل اُردو کے لیئے مخصوص کردیئے گئے - اور اس حصہ کا اہتمام مولوی شبلی صاحب نعمانی نے اپنے ذمہ لیا ہی اور وعدہ فرمایا ہی کہ اس کی ترقی میں وہ حتی الامکان کوشش فرماوینگے *

ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی - نواب محسن الملک - مولوی نذیر احمد - اور منشی ذکاءالله وغیرہ بزرگوں نے اس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہی - اور اہل قلم بھی اگر اسکی اعانت فرماوینگے تو ہم نہایت فخر کے ساتھہ قبول کرینگے *

ہمکو اُمید ہی کہ ہندوستان کی اسلامی جماعت خریداری سے اس کی اشاعت میں مدد دیگی - میگزین کے کل صفحات ۴۰ ہیں اور قیمت معہ محصول ڈاک — (۸) *

اس میں اشتہارات بھی ۲/ فی سطر کے حساب سے درج ہوا کرینگے ایک صفحہ کے چھپوانے والوں سے ۸ ایک ماہ میں لیئے جائینگے *

تھیوڈور بیک اڈیٹر انگریزی
مولوی شبلی نعمانی اُردو ایڈیٹر
نواز محمد خاں — منیجر

ایک جدید تصنیف

ملک کو یہ عام شکایت ہے کہ نئی تعلیم یافتہ گروہ نے ہماری قومی لٹریچر مین کسی قسم کا اضافہ نہین کیا، ہم بھی اس شکایت کو ایک حد تک تسلیم کرتے ہین لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ اس کلیہ مین کہین کہین استثنا بھی پایا جاتا ہے۔

کوئی مستقل اور وسیع تصنیف اگرچہ اس نئے فرقہ کی طرف منسوب نہین لیکن انشاپردازی کے چھوٹے چھوٹے نمونے جنسے اخبارات کے صفحے مزین ہوسکتے ہین انکے کارنامے شمار ہونے کے قابل ہین،

انمین سے بعضون نے زیادہ ترقی کر کے ترجمہ یا تصنیف کے میدان مین بھی قدم رکھا ہے اور اس فہرست مین ہمارے کالج کے معزز اسٹوڈنٹ منشی حامد علی سہارنپوری کا نام زیادہ نمایان ہے، انکی تاریخ اندلس جو انہون نے ایک انگریزی کتاب سے ترجمہ کی ہے چھپکر شہرت عام حاصل کرچکی ہے منشی صاحب موصوف نے ایک اور بڑا سلسلہ لکھنا شروع کیا ہے جسکا نام انہون نے قصص اسلام رکھا ہے۔ نہ اسلیے کہ صحت واقعات کے لحاظ سے اسکو تاریخ کا منصب حاصل نہین بلکہ اسلیے کہ واقعات کو جس دلکش پیرایہ مین ادا کیا ہے وہ افسانہ کا مزا دیتا ہے

اسی سلسلہ کا ایک حصہ آثار الصنادیدفی مصر ہے یعنی مصر کی اسلامی عمارتون اور یادگارونکے تاریخ اور اونکے حالات واقعی یہ حصہ نہایت دلچسپ ہے اور گو ہمارے دوست نے اسکے لکھنے مین ایک انگریزی تصنیف سے مدد لی ہے لیکن جس خوبی سے اسکو ترتیب دیا ہے اسکے اعتبار سے وہ مترجم کی حیثیت سے ضرور بالاتر ہین ۔

ہم اس حصے کے چند ابتدائی صفحات اس غرض سے میگزین مین شایع کرتے ہین کہ ناظرین اسکی خوبی کا اندازہ کرسکین ۔

چونکہ اس کتاب کی تمام خوبی اسبات پر منحصر ہے کہ جن عمارتون کا ذکر ہے انکا فوٹو بھی پیش کیا جاے اور اسکے مصارف معمولی مصارف سے زیادہ ہین اسلیئے اگر ناظرین اسکی طرف اپنا شوق ظاہر کرینگے تو اسکی اشاعت کا انتظام ہوسکیگا ،

جن صاحبون کو اس کتاب کی خریداری منظور ہو وہ مصنف ۔ یا اڈیٹر کالج میگزین کے پاس خریداری کی درخواستین ارسال فرماوین ۔ اگر کافی تعداد کی درخواستین آئین تو فوراً اشاعت کا اہتمام کیا جائے گا ۔

سلسلہ قصص اسلام نمبر ۳

آثار الصناد یدفی العصر

جسطرح موسم خزان مین کوئی گلچین گشت کرتا ہوا اسوقت کسی باغ مین آنکلتا ہی اور صحن چمن مین ہر طرف ہر کنج خیابان مین ہر روش پر جا بجا مرجھائے ہوئے پہول گرد آلودہ و بے آب بکھرے پاتا ہے ۔ اسیطرح جب کوئی شوقین سیلانی انسانی کرشمونسے مسرور الوقت و محو حیرت ہونیکے لیئے پرانی دنیا کی سیر کرتا ہے ۔ تو ہر خطہ ہر طبقہ مین ۔ اولو العزم کاروان عرب کے نقش پا اور منازل کے نشان دیکھتا ہے ۔ اشبیلیہ کی " القصر " اور ہرقل کی مینارہ نسے لیکر مسجد جامع سمرقند اور غزنی کے کھنڈر تک جس اقلیم و سرزمین جس ویرانہ یا معمورہ سے اوسکا گذر ہوگا ۔ عربونکے کرشمے قدم قدم پر دکھلائی دینگے ۔ سرزمین ایشیا و افریقہ اونکے گرانبار احسان سے کبھی سبکدوش نہین ہوسکتی ۔ یورپ کے تمام جنوبی ممالک مین اونکی یادگارین ہنوز سر بفلک کشیدہ ہین ۔ یورپ کے مشہور عجائب خانون مین انھی عربی صنعتونکا جلوہ ہے ۔ خلاصہ یہ کہ

نہین اس طبق پر کوئی بر اعظم	نہون جس مین اونکی عمارات محکم
عرب ہند و مصر اندلس شام و دیلم	بناؤنسے ہے اونکے معمور عالم
سر کوہ آدم سے تا کوہ بیضا	ملے گا جہان جاؤگے کھوج اونکا

سرسری نظر سے دیکھیئے تو دنیا سے اسلام کی تمام عمارات و صنائع کی وضع قطع حالی عموماً یکسان معلوم ہوتی ہے ۔ اور یکسان معلوم ہونا چاہیئے ۔ کیونکہ مسلمانون نے مذہب کی طرف ہمیشہ سے خاص توجہ رکھی ہے ۔ بلکہ روحانی اور جسمانی دونون قسم کی ضروریات کا

ریگولیٹر سمجہا ہے - اور جب مذہب ایک - ضروریات ایک - رفع ضروریات کے وسائل ایک تو ظاہر ہے کہ صنائع کی وضع قطع بہی ایک ہی ہوگی - چنانچہ اوسی زمین کے اسلامی شہر و بین مساجد مقابر مدارس تمام مکانات (پردہ وار) اور تمام عمارات قریبًا یکسان دکھلائی دینگی - اسیطرح اونکی آرایش و زیبائش بہی چونکہ اوسی ایک مذہب کے حکم سے کی گئی ہے لہذا یکسان ہوگی - خصوصًا ایسے قرن کی آرایش جسکی نسبت ارشاد کیا گیا ہے کہ "خیر القرون قرنی" - اوسی ایک سادی وضع پر ہوگی اگرچہ بادی النظر مین اسلامی مصنوعات مین کوئی نمایان امتیاز نہین مگر بصیرانہ نظر سے دیکہو تو ہر خطہ کا فیشن جدا گانہ ہے - مثلاً ہندوستانکی صنعتو نمین - صناعون کے مزاج او قابلیت - نیز غرضمند و نکی تمام ضروریات مختص المقام کے موافق ایک ایسی خصوصیت ہے جو ترکی صنعتو نمین نہین - اسلئے ہر ایک کی وضع علحدہ ہے پس ایک ہندی فیشن کہلائیگا اور دوسرا ترکی فیشن اسیطرح ایرانی فیشن - مصری فیشن - مراکو فیشن - وقس علی ہذا - پہر بہی - عربیت یا اسلامیت کہین مفقود نہین - بلکہ ہر جگہ بجنسہ موجود ہے جسطرح عالم مرکبات مین نوع جنس - گو قالب بدلتے رہتے ہین مگر جوہر وجود - ہر جسم کا وہی ایک ہے - اسیطرح اوس زمین کی تمام اسلامی طبقونکی عمارات و مصنوعات مین گو عربیت مکان - زبان یا قوم کے خاصیتون سے مغلوب ہوگئی ہے - مگر معدوم نہین ہوئی -

صنعت کے لحاظ سے دنیاے اسلام چہ طبقون پر تقسیم کیجا سکتی ہے -

(۱) مصر جسکا مرکز القاہرہ ہے -

(۲) شام جسکا مرکز دمشق ہے -

(۳) اقصاے مغرب ریاستہاے بربریہ جسکا مرکز الجزایر تونس وغیرہ ہے -

(۴) اندلس جسکا مرکز قرطبہ۔ غرناطہ۔ واشبیلیہ ہے۔

(۵) ہندوستان وایران یعنے وسط ایشیا جسکا مرکز دلی۔ آگرہ۔ سمرقند وغیرہ سمجھو۔

(۶) اناطولیہ وآرمینا سے یورپین ترکی تک جسکا مرکز قسطنطنیہ ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ تمام منطقون کے تفصیلی حالات ایک شخص تنہا ایکمرتبہ قلمبند نہین کرسکتا بلکہ اگر ہر قسم کی سلطنت کا ایک ایک نمونہ مع نہایت مختصر اور ضروری حالات کے بطور جدول قلمبند کر دینے ہی پر اکتفا کرے تب بہی شاید ایک جلد پر تمام نہین ہوسکتی۔ اسیلئے فی الحال ہم منطقہ مصر کو لیتے ہین جسکی نسبت علامہ شبلی اپنے سفرنامہ مین حسب ذیل ریمارک لکہتے ہین

"آثار قدیم کے لحاظ سے کوئی شہر اس شہر (القاہرہ دار الخلافت مصر) کی ہمسری نہین کرسکتا سچ یہ ہے کہ یہان کی ایک ایک ٹہیکری قدامت کی تاریخ ہے۔ سماؤ یہ کے ویرانون مین سیکڑون خزفریزی ملتے ہین جنپر کئی کئی ہزار سال قبل کے حروف نقوش کندہ ہین"۔

مصر کی صنائع عام اس سے کہ از قسم منقولہ ہون یا غیر منقولہ فی الحقیقت عدیم المثال اور فی الواقعہ تبرک زمانہ کہلانیکے مستحق ہین۔ اونمین سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ کیسی ہی کم حیثیت چیز کو اوٹہا کر دیکہو۔ تمہاری نظر بے اختیار اول گنبد پر پڑے گی جسمین سنہ اور اوس شاہزادہ۔ امیر۔ یا عامل کا نام جلی حروف مین کندہ ہوگا جسکے نام پر صناع نے اوس شئے کو معنون کیا تہا۔ کبہی کبہی خود صناع کا نام مع سکونت بہی کندہ ہوتا ہے۔ دماغ وقلم کے نتائج یعنی کتابون کو قرن وار مرتب کرنا نہایت آسان ہے مگر دستکاری کے نتائج اگر اس صنعت سے خالی ہون تو تاریخی سانچہ مین صرف قیاسات پر ڈہل سکتے ہین۔ اور ممالک مین اس صنعت کی عدم موجودگی کا صحیح نتیجہ یہ ہے

کہ مبصر یا ماہر فن اول بڑے عمیق بلکہ نکتہ رس نظر سے مختلف و متعدد مصنوعات کو دیکھتا ہے پہر اونمین قیاسی تحقیقات قایم کرتا ہے - پہر ترتیب دیتا ہے - پہر قرون متعددہ پر فرضی تقسیم کرتا ہے - پہر اوس فن کی رفتار ترقی کا اندازہ کرتا ہے - اس قیاسی نظیر لاطائل بلکہ خیالی پلاؤ کے بعد بہی یہ بتانا سخت و دشوار بلکہ ناممکن ہوگا کہ فن مذکورہ فلان درجہ ترقی پر کس قرن مین اور کس فرمانروا کی ظل حمایت مین پہونچا تہا - اور یہ کہ اوس قرن مین باشندگان ملک کی سوشل حالت کیا تہی - مگر مصری مصنوعات شروع سے لیکر اخیر تک نہایت آسانی سے قرن وار بلکہ سن وار مرتب کیجا سکتی ہین - مسجد کو دیکئیے تو ضرور باب الدخل کی پیشانی پر - کسی محراب یا ممبر پر - بانی مسجد کا نام معہ نصب اور تاریخ زرا - جلی حروف مین کندہ ہوگی - اگر سنین مابعد مین کسی جانشین عامل یا امیر نے اوسکی مرمت کرائی ہے - یا اوسمین کوئی درجہ یا گنبد اضافہ کیا ہے تو اوس حصہ ترمیم شدہ یا زائد کی کسی موزون موقعہ پر اوسکے نام اور تاریخ کا کتبہ بہی ضرور ملیگا - اسیطرح چہوٹی چہوٹی چیزین از قسم منقولہ مثلاً - دہات کے - یا سے کانچ کے جہاڑ فانوس - خوان - وغیرہ بہی کتبون سے خالی نہ ملینگے غرضکہ ہرشے مصنوعہ کسی نہ کسی تاریخی نامور - سلطان یا امیر یا جرنیل کے نام سے معنون دکھلائی دیگی اور شاذ و نادر کوئی شے بلا کتبہ ملتی بہی ہے تو عام قرائن اور مشابہت کے اعتبار سے اوسکو نہایت آسانی سے اس سلسلہ مین موزون درجہ دیا جا سکتا ہے چنانچہ قصص اسلام کے اس نمبر مین مصری صنعت و دستکاری کے ہر قسم کے نمونے - اونکے تمام حصون یا ایک حصہ کی تصویر معہ تفصیلی حالات قرن وار ہدیہ ناظرین کئیے جاتے ہین - لیکن مشکل یہ ہے کہ اس نئے زمانہ مین جسکو ہم اپنی زبان سے "تہذیب و شائستگی کا زمانہ" کہتے ہین -

علمی مذاق عموماً اور تاریخانہ مذاق خصوصاً اسقدر متبدل حالت مین دکھائی دیتا ہے کہ اگر نفسِ
مضمون عنوان کتاب سے شروع کر دیا جاے تو مین نہین کہہ سکتا کہ فیصدی یا فی ہزار کتنے
ناظرین صرف کتبونکے ملاحظہ سے اون اولوالعزم اور مایۂ ناز اسلام بزرگون کو سمجھ
جائینگے جنکے نام رہنما عان معر اپنے دل و دماغ کے بہترین نتائج وقف کر دیتے تھے
مانا کہ تاریخ اسلام سے واقف ہونیکا دعوے ہر کس و ناکس بجا طور سے کر سکتا ہے۔
مگر صرف اوسی حد تک جس حد تک کہ اوسمین سیر یعنی مذہبی تاریخ کا رنگ اُبھرا رہتا ہے۔
اور جب خالص تاریخانہ مذاق شروع ہوتا ہے تو اوسکا مطالعہ شاید ہزلیات کی حد مین داخل
ہوتا ہے چنانچہ قریب قریب تمام پڑھے مسلمان بعثت نبوت۔ ابتداے اسلام۔ اوسکی تبلیغ و اشاعت
سے۔ کم و بیش غزوات نبوی خصوصاً جنگ احد۔ بدر۔ خیبر سے۔ اس سے زیادہ خلفاے
راشدین کے چند اختلاف انگیز و منازعت خیز واقعات زندگی اور سانحہ کربلا سے کماحقہ
واقفیت رکھتے ہین۔ اور زیادہ مبالغہ کرین تو سو مین دس پانچ ایسے نکل آتے ہین جو ایک دو
اموی۔ و عباسی خلفا کے نامون سے (شاید الف لیلیٰ کی بدولت) واقف ہوتے ہین۔
لیکن اگر مکہ مدینہ و دمشق و بغداد کی حد سے باہر نکلکر کسی اور فرمانروا شخص یا خاندان کا
ذکر کیا جاے مثلاً ابن طولون لاجین یا اخشید فاطمیہ ایوبیہ مملوک وغیرہ تو شاید
اوسمین اور ایک عامی مین کچھ فرق نہوگا۔ اس نقص کی وجہ وہی ہے جو مین تاریخ اندلس کے
دیباچہ مین مفصل بیان کر چکا ہون۔ مصرعہ۔ چیٖ گل بر سر کشتی اے مرغ خوشخوان غم مخور۔
ہندوستان کی عمارات قرن وار قلمبند کرنا جسقدر مصنف کے لئے سہل ہے اوسیقدر اونکا سمجھنا
ناظرین کے لیئے آسان ہے۔ کیونکہ ہماری تعلیمی کلونکے ساختہ و پرداختہ اور کچھ نہین تو
ہندوستان کے فرمانروایان اسلام کے نامون سے تو واقف ہوتے ہین۔ اکبر شاہجہان وغیرہ

یا محمد شاہ یا اورنگزیب ہٹ کر- علاء الدین خلجی- غیاث الدین تغلق کو ہر طفل مکتب جانتا ہے
لیکن مصری صنائع کے متعلق حالات قلمبند کرنیکی صورتمین وہ تمام سہولیت- دشوار یسے
بدل جاتی ہے ہر چیز پر کسی اولوالعزم سلطان- جلیل القدر امیر یا کریم النفس دولتمند کا
نام کندہ ہے جسکو تاریخ سے ناواقف ناظرین نہ سمجھ سکین گے- اسیطرح عمارات پر
جو کتبے لکھے ہین- اونمین جابجا قائتبای- لاجین وغیرہ تاریخانہ نام اور واقعات
ہوتے ہین جو ناظرین کی مسرت مطالعہ کو بے کیف کردیتے ہین- اسلیئے مناسب
معلوم ہوتا ہے کہ پہلے باب مین مصر کی مختصر اور ضروری پولٹیکل تاریخ بیان کیجاے-

باب اول

یون ملک مصر- ساتوین صدی کے قریبًا نصف (دسط) سے زمانہ حال تک- گویا بارہ سو (۱۲۵)
پچاس برس سے برابر اسلام ہی کی ظل حمایت مین چلا آتا ہے- مگر ہمارا یہ منشا نہین
کہ اس طویل زمانہ کے تمام بڑے بڑے پولٹیکل واقعات و عزل و نصب سے
بحث کیجائے- بلکہ صرف اوس خاص قرن کے حالات کافی ہونگے جسکو مصر کی
سوشل ترقی سے تعلق ہے- اگرچہ تمام قرون سے اس ایک قرن کی تخصیص و امتیاز
بادی النظر مین دشوار ہے- مگر حسن اتفاق سے مصر کی ہر قسم کی مصنوعات منقولہ
و غیر منقولہ تاریخی ساخت سے خالی نہین- اسلیئے نہایت آسانی سے بتلا سکتے ہین
کہ فن تعمیر مین مسلمانان مصر نے اول بسم اللہ خانہ خدا سے کی یعنے مسجد ابن طولون
جسکی تاریخ بنا ۲۶۳ھ اور تاریخ تکمیل ۲۶۵ھ مطابق ۸۷۸ء ہے- پھر دسوین سے
بارھوین صدی تک اس فن نے جسقدر ترقی کی اگرچہ اسوقت اوسکی صرف پانچ یا چھ نمونے
موجود ہین- مگر اونسے بنو فاطمہ کے مذاق انجنیری کا کافی اندازہ ہوسکتا ہے- پھر

تیرہوین صدی کے نصف سے مملوک کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے جو نہ صرف فن تعمیر بلکہ تمام فنون کے لحاظ سے نہایت مشہور ہے۔ ابتدا ے سولہوین صدی مین۔ سلطان سلیم نے مصر کو فتح کر کے مضافات قسطنطنیہ مین داخل کیا تو مصری صنعت و دستکاری نے ایک اور نیا قالب بدلا۔ مگر ترقی فی نفسہ مسدود ہو گئی۔ کیونکہ نہ تو سلاطین قسطنطنیہ کو یورپ کی قومی اور مذہبی جہادون کی روک تھام سے فرصت تھی۔ اور نہ کچھ ایسا مذاق رکھتے تھے کہ عنان حکومت ہاتھ مین لیتے ہی سوشل ضروریات کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ تاہم۔ مملوک سلاطین و امرا نے صناعان مصر کو۔ فیاضانہ داد و دہش اور قدر شناسی کے دلفریب طریقون سے کچھ ایسا متوجہ کیا تھا کہ ملک کا پولٹیکل سین منقلب ہونے کے بعد اگرچہ "آن قدح بشکست و آن ساقی نماند" کا مضمون تھا۔ جدید گورنمنٹ بھی صنعت و دستکاری کی طرف سے بالجبر یا بالاختیار بے توجہ تھی۔ مگر صناعان مصر عرصہ دراز تک ترقی کرنیکے لیئے تازہ دم۔ اور ایک ذرا بیرونی تحریک کے منتظر رہے۔ اس سے اتنا ہوا کہ مصری صناعی کا چراغ یک بیک گل نہین ہوا۔ چونکہ غیر منقولہ مصنوعات۔ صرف کثیر۔ اور سلطان الوقت کی خاص توجہ بدون تکمیل کے نہین پہونچ سکتی لهذا پبلک کا مذاق صناعی اُس آہنی سد سے ٹکرا کر پلٹا اور منقولہ اشیا کی ساخت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جنکی تکمیل زیادہ تر صناع کی توجہ پر منحصر ہوتی ہے۔ اب اس دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ آل عثمان کے ظل حمایت مین جو معدودے چند عمارتین تیار ہوئین انکو ایک ذرا بصر انداز نظر سے دیکھنے پر صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ فن مذکور بڑی حسرت سے کسی مربی و سرپرست کی توجہ کا تقاضا کر رہا ہے اسکے برخلاف منقولہ اشیاے جسقدر کثرت سے پائی جاتی ہین اوسیقدر نازک اور خوبصورت ہین۔ مثلاً۔ لکڑی کے۔ کھدوان کام کی چیزین۔ شیشہ آلات۔ بلورین ظروف۔ دھات۔ آبنوس۔ ہاتھی دانت کی چیزین۔ جنمے نہایت نزاکت اور کارگری سے

پچی کاری اور گلکاری کی گئی ہے۔

یہ زمانہ محمد علی خدیو اول پر ختم ہو جاتا ہے۔

اب مصر کی تاریخ پولیٹیکل انقلابات کے لحاظ سے اٹھ دوروں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔

دور اول - فتوح مصر سے گورنران دمشق و بغداد اور احمد ابن تولون تک ۲۱ تا ۲۵۴ھ / ۶۴۱ تا ۸۶۸ء

دور دوم - خاندان ابن تولون - ۲۵۴ تا ۲۹۲ھ / ۸۶۸ تا ۹۰۴ء

دور سوم - گورنران متعینہ زیر امین خلفائے بغداد - ۲۹۲ تا ۳۲۳ھ / ۹۰۴ تا ۹۳۵ء

دور چہارم - خاندان الاخشید - ۳۲۳ تا ۳۵۸ھ / ۹۳۵ تا ۹۶۹ء

دور پنجم - فاطمیہ - ۳۵۸ تا ۵۶۷ھ / ۹۶۹ تا ۱۱۷۱ء

دور ششم - بنو ایوب جسکا بانی شیر دل صلاح الدین تھا ۵۶۷ تا ۶۴۸ھ / ۱۱۷۱ تا ۱۲۵۰ء

دور ہفتم - ملوک بحری (ترکی)، وبری (سیرکسین) ۶۴۸ تا ۹۲۲ھ / ۱۲۵۰ تا ۱۵۱۶ء

دور ہشتم - آل عثمان بذریعہ گورنران ۹۲۲ھ / ۱۵۱۶ء سے محمد علی خدیو اول تک

ہر دور کے ضروری حالات بالترتیب حسب ذیل ہیں۔

(۱) ساتویں صدی مسیحی میں جس وقت بازنطین کا بوسیدہ ایوان حکومت گریک اور کاتھلک نصرانیوں کے باہمی نفاق و حسد سے متزلزل تھا اور قلب سلطنت تعلقات سے انقطاع کر رہا تھا - تو ہزبران عرب - فتوح شام سے فارغ ہو کر سلطنت مذکور کے صوبۂ اجپٹ (مصر) کی طرف متوجہ ہوئے - امیر المومنین وقت یعنے فاروق اعظم جناب عمر ابن الخطاب نے ۱۸ھ مطابق ۶۳۹ء میں ایک جرار لشکر بسرداری عمرو بن العاص اول حدود کی طرف روانہ کیا - عربی سپہ سالار - مشرقی سمت سے ملک پر حملہ آور ہوا - اور اسکندریہ تک بزور شمشیر راستہ صاف کر کے ۲۱ھ مطابق ۱۱ دسمبر ۶۴۱ء تک تمام ملک سے

امن وامان کے ساتھ قابض ومتصرف ہوگیا۔ اور مصر کا سب سے پہلا مسلمان گورنر مقرر ہوا۔

اسوقت سے اور گورنر ابن طولون کے تقرر تک (سنہ ۲۱ ھ تا ۲۵۴ ھ) جو ۲۳۳ برس کا عرصہ ہوتا ہے تقریباً ۹۸ گورنر مرۃً بعد اخریٰ مصر پر حکمران رہے۔ جنکا تقرر اول اموی اور پھر عباسی خلفاء کے حکم سے کیا جاتا تھا۔ چونکہ ان گورنرونمین سے بعض کو ایک سے زیادہ مرتبہ عزت گورنری عطا ہوئی اسلیئے ۲۳۳ برس سے کل ۱۰۵ عزل ونصب ہوئے۔ گویا بحساب اوسط ہر گورنر نے قریبا سوا دو برس حکمرانی کی۔ اگرچہ یہ قلیل مدت ہر گورنر کو پولیٹیکل شہرت حاصل کرنے کے لیئے چندان ناکافی نہ تھی۔ مگر سوشل امور جو ہمیشہ امن وامان اور ابتدائے زمانہ کے مقتضی ہوتی ہے سوا دو برس مین کیطرح حاصل نہوسکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کی صنعت کے نمونے فی زماننا معدوم ہین۔ اول تو گورنرون کو آغاز حکومت کے نقصانات کے دفعہ کرنیسے فرصت نہوتی تھی اور اور اگر بعض نے باین ہمہ عدیم الفرصتی۔ فن تعمیر کی طرف توجہ بھی کی۔ اور اپنے نام کی یادگارین قائم بھی کین تو چونکہ مسلمان اس فن مین مبتدی تھے۔ لھذا عمارات مین استواری اور پائداری پیدا کرنے کے اصول سے واقف نہ تھے۔ جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ اوس زمانہ کی عمارتین اگرچہ ابھی موجود تو ہین مگر قرن اور صدیون مین اس کثرت سے زیر مرمت رہچکی ہین کہ اونکی تعمیر نکات کے ملاحظے سے ابتدائے عربی فیشن کا اندازہ کرنا سخت دشوار ہے۔ مثلاً مسجد عمرو جو فاتح مذکور سپہ سالار نے الفسطاط مین تعمیر کرائے تھے اسکی تاریخ بنا سنہ ۲۱ ھ یا ۶۴۲ع ہے اول ۱۹۲ ھ مین المنصور نے مرمت کرائی پھر ۵۶۸ ھ مین صلاح الدین نے پھر ابن الناصر نے غرضکہ ترمیم ہوتے ہوتے بالکل تجدید ہوگئی ہے،، الفسطاط " بھی بجائے

خود اسی قسم کے نمونون کا گویا البسم (مرقعہ) تھا۔ الفسطاط ایک عربی لفظ ہے جسکے معنے (الف لام تعریف) مین خیمہ۔ یہ وہی مقام ہے جہان عربی سپہ سالار نے اپنا خیمہ نصب کیا تھا بعد کو ایک چھوٹا سا قصبہ ہیڈکوارٹر یا گورنمنٹ ہوس قرار پایا۔ اور اب القاہرہ کا موقعہ ہے "مسجد عمرو" اور "الفسطاط" کے علاوہ اور عمارتین بھی بنائی گئین۔ انمین سب سے زیادہ مشہور اور قابل ذکر "العسکر ہے" جسکو ۱۳۳ھ مین ایک عباسی گورنر نے بطور ملٹیری ہیڈکوارٹر عین الفسطاط کے حاشیہ پر بنایا تھا۔ المقریزی کی تحریر کے بموجب " العسکر کی عمارات مین ایک شاہی قصر اور مسجد بھی شامل تھی۔ مگر فی زماننا انمین سے ایک بھی موجود نہین۔ العسکر کے بنجانے سے سکونت مین اسقدر تبدیلی ہوئی کہ الفسطاط تو خاص سلطانی محلسرا قرار پایا اور العسکر مین اُمرائے دربار اور اعیان حضرت وغیرہ سکونت پذیر ہوئے۔

(دور دوم) سولہوین عباسی خلیفہ کے عہد مین گورنر مصر کی مدت اقامت ختم ہو گئی تو حسب قاعدہ ایک نیا گورنر بغداد سے بھیجا گیا۔ یعنے احمد ابن طولون۔ یہ شخص اصل مین ایک ترکی غلام تھا مگر چونکہ نہایت زیرک اور ہونہار تھا۔ نیز۔ وہ مذہب رکھتا تھا جسمین غلامیت بسا اوقات مولائیت سے زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اسلیئے بہت جلد ترقی کرکے دربار بغداد تک پہونچگیا۔ ۲۵۴ھ مین مصر مین متعین ہو کر کچھ عرصہ تو اوسنے اپنے پیشرو گورنرون کا اتباع کیا۔ مگر ۲۶۹ھ مین دولت عباسیہ سے منحرف ہو کر خود مختار بن بیٹھا۔ تاہم چونکہ خلیفہ بغداد امیر المومنین۔ خلیفۃ المسلمین۔ خادم الحرمین سمجھا جاتا تھا۔ لہذا اسکے اوس خطبہ مین اوسنے کسی قسم کی تحریف نہین کی۔ البتہ بلحاظ پولیٹیکل معاملات۔ بغداد سے جمیع تعلقات قطع کر دیئے۔ یہ سب سے پہلا اسلامی گورنر تھا جسنے خودسر حکومت قائم کی اور ملک شام کو مضافات قسطنطنیہ مین داخل کیا۔ مگر ہمارے نزدیک اسکا یہ نہایت غلط [illegible] ہے

کہ صنائع و بدائع نے اس عہد مین نمایان ترقی کی - ابتک سرکاری دفاتر العسکر مین تھے
احمد ابن طولون نے القطائع کے نام سے ایک جدید حصہ شہر آباد کیا جو العسکر اور اوس
پہاڑ کے درمیان واقعہ تھا جسپر مصر کا قدیم جنگی قلعہ استادہ ہے - القطائع کی وجہ تسمیہ
بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ ابن طولون نے اسکو متعدد حصص پر تقسیم کر کے - ہر حصہ ایک گروہ کے
سکونت کے لئے مختص کر دیا تھا - گروہ بلحاظ پیشہ مثلاً - ملازمت - تجارت - صنعت سمجھو یا بلحاظ
توطن - مثلاً - اہل شام - اہل یمن وغیرہ - اب گویا الفسطاط پر دو حاشیے چڑھ گئے
ایک تو العسکر اور دوسرا القطائع - اور چونکہ تمام اراکین دربار - امرا و مشاہیر قوم قرب
سلطانی کی وجہ سے بیشتر انہی اطراف مین سکونت رکھتے تھے - لهذا اونکی چوک - بازار -
فیشن اور تکلف کے لحاظ سے اس زمانہ کے لندن و پیرس تھے - ہر کوچہ و بازار کے
دونون جانب کشیدہ قامت رفیع المنازل عمارتین ایسی ترتیب سوزونیت سے پرے باندہے
ایستادہ ہین کہ اونسے اونکے کوچہ بھی بجائے خود ایک مینا بازار تھا - اگر انجنیر
ہنر مندی کے لحاظ سے دیکھو تو مسجد ابن طولون تمام مصری عمارتون کے سرتاج اور مشرقی دنیا کی
نہایت شاندار بناؤنمین شمار ہوتے تھے - خالص عربی فیشن کا اندازہ کرنا منظور ہو
تو اس خانہ خدا کے تعمیری نکات کو غور سے دیکھو - آیندہ اسکے نہایت تفصیلی حالات
درجہ بدرجہ قلمبند کیئے جائینگے - القطائع اور مسجد جامع کے علاوہ ابن طولون نے
خاص اپنی آسایش کے لیئے بھی ایک عالیشان قصر تعمیر کرایا تھا - غرناطہ کے الحمرا کی
طرح یہ قصر ایک نہایت وسیع الفضا اور سرسبز میدان کے بالائی حصہ پر واقعہ تھا
میدان بجائے خود بیدائے الحمرا کا نمونہ اور تمام عمارات کی زیب و زینت تھا اسکے کئی
دروازے تھے جنمین سے ایک سراپا سنگین اور نہایت شاندار تھا جسکو باب الاسد

کہتے تھے - کیونکہ دروازہ کے دونون شانون پر شیر ببر کی دو ہیبتناک سنگین تصویرین ایکدوسرے کے مقابل ہوتین نصب ہین - دوسرا دروازہ سال لکڑی کا تہا - اوراسلیئے باب الساج کہلاتا تہا - قصر شاہی کے گرد طرف عمائد سلطنت اور اعیان حضرت کے سکونت کے لیئے بکثرت مکانات بنے تھے - اسکے علاوہ مسجدین - حمام - شفا خانے - بازار چہپر عطار بزاز - سبزی فروش - طباخ - اور اور پیشہ وراس کثرت سے بیٹھے تھے کہ ایک گوشہ بہی خالی نہ تہا - المقریزی کے بموجب قصر - مسجد - میدان اور دارالشفا کے تعمیر پر تین لاکھ دینار صرف ہوئے تو کچھ تعجب نہین کیونکہ مصر کا تمول و تنعم اسوقت نہایت اعلے درجہ پر تہا چنانچہ ۴۳ لاکھ دینار صرف ٹکس سے وصول ہوتے تھے

ابن طولون نے اس جدید کوارٹر کی تعمیر مین ضرورت کو مقدم اور شان و عظمت کو مؤخر سمجھا تہا - لیکن اوسکے فرزند و جانشین نے جو ۲۷۰ھ مین تخت نشین ہوا - کوارٹر کو شاہانہ عظمت کا نمونہ بنادیا - میدان پیش قصر جو اتبک صاف ایک جولان گاہ تہا جسمین طولون اپنے مقربون کے ساتہ پولو کہیلکر دل بہلاتا تہا - مگر خمارویہ نے اوسکو گلزار ارم سے بدل دیا اوسکی خوش قطع روشون پر لالہ و یاسمین - سازون و خرما قسم قسم کے پہولون اور طرح طرح کے میوونکے درخت نہایت نادرالوجود لہلہاتے تھے - اوسنے ان درختون کی قدرتی صنعت پر اکتفا نہ کیا بلکہ اونمین انسانی صناعی کی یہ اوشاعہ لگائی کہ جڑ سے قد آدم تک اوپر چاندی کے خول منڈہوائے - جا بجا سنگ مرمر کے حوض - مصنوعی جہیلین بنوائین جو سیسہ کی نلونکے ذریعہ سے تمام باغکی آبیاری کرتی تہین - باغکے عین وسط مین ایک ایک خمیدہ قامت مینار ساج لکڑی کا نصب کرایا جسکے اندرونی اور بیرونی سطح پر عجیب و غریب تصویرین رنگ برنگ کے بیل بوٹونکے بیچ مین منقش تہین گنبد مینا

طاؤس - چکور - مرغاب - کبوتر - بط اور سرزمین نوبہ کی عجیب الخلقت پرندون نے
آشیانے بنائے تھے - علاوہ ازین ایک منجری (چڑیا خانہ) بھی تھی جسمین ہر قسم کے
چوپایہ حیوانات رکھے گئے تھے - انمین ایک شیر قابل ذکر ہے جسکی آنکھین نیلی تھین
اور جو ہمیشہ خمارویہ کے پیچھے پیچھے کتے کی طرح پہرتا تھا - اور جسکو اوسکی خوابگاہ کی حفاظت
کرتا تھا - خاص قصر مین اوسنے ایک ایوان مطلا ایزاد کیا - جسکی دیوارون پر طلا و لاجوردے
نہایت اعلے درجہ کی شگوفہ کاری کیگئی تھی بیل بوٹے جنکے بیچ مین موزون فاصلہ سے - خمارویہ اور
اوسکی حرمون نیز اراکین دربار کی پوری تصویرین منقش تھین - جنمین اسقدر نزاکت اور کاریگری سے
رنگ بہرا تھا کہ سنجاف دامن اور جہالر کا چنٹ تک صاف نمایان تہا - مردانہ تصویرون کے
سرون پر عمامے اور زنانہ تصویر کے سرون پر مرصع تاج تھے - حقیقت مین ایسی خوبصورت
تصویرین اسلامی ممالک مین عدیم المثال تہین - ایوان مطلا کے سب سے عجیب اور نادر
الوجود شے ابھی تک بیان نہین کی گئی - یہ ایک پارہ سے لبریز جھیل یا حوض تھے
جسکے سطح پر ایک چرمی بستر مشک نما پہونک سے بہرا ہوا - تیرتا رہتا تھا - حوض کے چارون
کونون پر چار مطلا و مرصع ستون نصب تھے جنمین بستر کے چارون کونے ریشمی اور زرین ڈوریون کے
ذریعے سے بندہے تھے - سلطان اکثر اسی جگہ آرام کرتا تھا - اسکے علاوہ المقریزی نے
اور بہتیرا عجائب و غرائب کا ذکر کیا ہے - حرم سرا کے خوبصورت ایوان - اونکے
پر تکلف سامان - جام و صراحی - ریشمی غالیچے - مرصع تلوارین - فولادی زرہ بکتر - ڈھالین
وغیرہ وغیرہ - مگر افسوس کہ انمین سے ایک شے کا نمونہ یا تصاویر بھی ہم تک نہین پہونچے -
صرف مسجد طولون باقی ہے جسکو ہم نے اس سلسلہ مین لے لیا ہے -

(دور سوم) احمد بن طولون کے آخری جانشین عیش و عشرت مین اسقدر مستغرق ہوئے

کہ اونکو سلطنت کی رخنہ بندیونکیطرف اصلا توجہ نرہی - ہوا خواہان بغداد مدت سے اس وقت کے
منتظر تھے - چنانچہ ۹۰۵ء مین مصر پھر اکمرتبہ خلافت عباسیہ کے حلقہ ارادتمندی مین داخل
ہوگیا - اسوقت سے ۹۳۵ء تک تقریباً تیرہ گورنر حسب دستور سابق بغداد سے منتخب و مقرر
ہوکر آئے - مگر چونکہ اس دور کی کوئی صنعت موجود نہین لہذا ہمکو مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ عباسیوں کے
دوسرے عہد مین مصر کی صنعت ودستکاری پر پھر قفل پڑگیا -

(دور چہارم) چودھوین عباسی گورنر یعنے محمد الاخشید نے طولون کی طرح پھر علم خودسری
بلند کیا اور ۹۳۵ء مین خلافت بغداد سے ملکی بیعت توڑکر شام و مصر مین مطلق العنان
حکومت کرنے لگا - مگر اس انقلاب سے ملک کی صنعت و دستکاری نے کوئی نیا پلٹا نہین
کہایا - بلکہ اوسیطرح حالت کس مپرسی مین رہے - محمد الاخشید کے دونون فرزند جو یکے
بعد دیگرے تخت نشین ہوئے - باپ کے قدم بقدم تھے - بلکہ مزید برین - ایک خواجہ سرا
ابوالمسک کافور کے حالا کتنید مین رہتے تہے - چنانچہ اونکے بعد یہی خواجہ سرا
تخت نشین ہوا - پانچوین فرمانروا پر خاندان الاخشید کا خاتمہ ہوگیا - ابوالمسک نہایت اجلہ
عالی حوصلہ - مدبر اور دانشمند - نیز اپنی فیاضانہ داد و دہش کی وجہ سے مقبول انام تہا -
مگر باینہمہ جب ۹۶۹ء مین فاطمی خلیفہ المعز نے اقصاے مغرب سے مصر پر حملہ کیا تو ابوالمسک
اوسکی روک تہام جیسی کہ چاہیئے تہی نہ کرسکا -

(دور پنجم) چنانچہ حملہ آورونے اوائل ۹۶۹ء مین مظفر و منصور مصر مین داخل ہوکر عنان حکومت
سنبھال لی اگلے برس صوبہ شام کو بہی فتح کرکے ملحق کیا - اور کچہ عرصہ بعد عرب کے
دو مشہور صوبے حجاز و یمن بہی مضافات مصر مین کرلیئے -

واضح ہو کہ فتح اسلام سے لیکر خاندان الاخشید کے خاتمہ تک تمام فرمانروایان مصر عام اس سے

باقی آیندہ

نئی روشنی

اس موقع پر اس لفظ کے خاص معنی کہ یہ ایک کتاب کا نام ہے مفہوم نہین ہین اور نہ اصطلاحی معنی جو کہ عام طور سے سمجھے جاتے ہین بلکہ میری مراد اس لفظ سے اوسکے لفظی معنی ہین یعنی وہ روشنی جسکا وجود پہلے معلوم نہین تھا اور جو کہ حال مین دریافت ہوئی ہے -

اس صدی کی یاد مین اگر پروفیسر ایڈمیس (Prof. Adams) کا نام جنہون نے کہ ایک نیا سیارہ نیپچون (Neptune) دریافت کیا ہے اور ڈاکٹر نینسن کا جنہون نے کہ نقطہ قطب شمالی معلوم کیا ہے لیا جاوے تو میری راے مین ڈاکٹر رونٹگین (Roentgen) کا نام بھی جنہون نے کہ اس نئی روشنی کو دریافت کیا ہے نہین بھولنا چاہیئے -

یہ روشنی اسقدر قوی نہین ہے کہ آنکھ اوسکو مثل معمولی روشنی کے دیکھ سکے - اسپر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ روشنی کیونکر پیدا ہوتی ہے اور یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ روشنی معمولی روشنی نہین ہے اسلیئے کہ یہ کہنا کہ یہ دکھائی نہین دیتی اسبات کا ثبوت نہین ہے کہ یہ ایک نئی روشنی ہے - ہم جانتے ہین کہ سورج

یا برق کی روشنی مین علاوہ اون سات مختلف رنگتون کی کرنون کے اور بہت
سی ایسی کرنین ہین جو اسقدر تیز نہین ہین کہ ہماری آنکھہ دیکھہ سکے اور جنکا
وجود صرف فوٹوگراف کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے - ممکن ہے کہ یہ وہ ہی
غیر مرئی کرنین ہین جنکو کہ نئی روشنی سے تعبیر کیا جاتا ہے -
اول ہم اس نئی روشنی کے پیدا کرنے کی تدبیر بیان کرنا چاہتے ہین اور اوسکے بعد
بتلائینگے کہ اسمین اور معمولی روشنی مین کیا فرق ہے اور اگر مان بھی لیا جاوے
کہ یہ ایک نئی چیز ہے تو اس سے کیا فائدہ ہے -
اگر ہم کسی شیشہ کی نلی مین سے تمام ہوا اخراج الہوا کے ذریعہ سے نکالکر اوسکو
Crookes' tube
اچھی طرح سے بند کردین تو اوس صورت مین اس کو کروکیس کی نلی کہتے ہین
اس نلی مین برقی شرارہ گزارنیسے اوسکے کنارسے پر یہہ روشنی پیدا ہوتی ہے
اگر ہم اندھیرے مین کاغذ کو بیریم پلیٹینو سائی انائیڈ (Barium Pla. Gyanide)
مین ترکرکے اس نلی سے چھہ یا ساڑھے چھہ فیٹ کے فاصلہ پر رکھین تو اس کاغذ
پر ایک روشنی کی جھلک معلوم ہوگی - بعینہ اوسی طرح جسطرح کہ دیا سلائی کو ہاتھ
پر رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے مگر وہ اس سے بھی زیادہ تیز اور دیرپا ہوتی ہے
اگر ہم اوس نلی کے اوپر بہت سی تہین سیاہ کاغذ کی چڑھا دین تب بھی اوس
جھلک مین فرق نہین آتا اور اگر اوس نلی اور کاغذ کے درمیان لکڑے کے
ٹکڑے یا کوئی کتاب کتنی ہی موٹی کیون نہو یا چمڑا یا کسی قسم کی دہات حائل کرین
تو بھی اوس جھلک مین فرق نہین آتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روشنی
ان تمام چیزون مین ہوکر گزر سکتی ہے اور جسکو کہ ہم اصطلاحی الفاظ مین کہتے ہین کہ

یہ چیزین اس نئی روشنی کے واسطے شفیف ہین نہ کہ کثیف۔
اَب تک ہم کسی قسم کی روشنی ایسی نہین جانتے تھے جو کہ دہات۔ لکڑی۔ چمڑے یا ایک مجلد کتاب مین ہوکر گزر سکے اسلیئے ہم کہتے ہین کہ یہہ روشنی ایک نئی قسم کی روشنی ھے۔ اور سب سے بڑا ثبوت اسبات کا کہ یہہ روشنی سورج کی اون کرنون مین سے نہین ہے جو کہ نظر نہین آتین۔ یہ ہے کہ بہت سی سیاہ چیزین مثلاً آبنوس وغیرہ بھی اس نئی روشنی کے واسطے شفیف ہین حالانکہ سیاہ رنگ کی تعریف یہ ہے کہ وہ چیز جو تمام قسم کی شعاؤن کے واسطے کثیف ہو اور ہر ایک رنگ کی کرن کو جذب کرلے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روشنی مین اور اوس روشنی مین جسکے واسطے کہ یہ تعریف بنائی گئی ہے فرق ہے یعنی یہہ روشنی معمولی روشنی نہین ہے۔ حیرت انگیز بات اس روشنی کی نسبت یہ ہے کہ یہ ابرق مین ہوکر نہین گزر سکتی جس سے عموماً روشنی کی قندیلین اور جہاز بنائے جاتے ہین۔ اور دوسری قسم کی چیزین مثلاً لکڑی۔ کپڑا۔ آبنوس۔ چمڑا۔ پھٹکری۔ سیسہ۔ سونا۔ چاندی۔ تابنا۔ جست۔ سیاہی ہر ایک قسم کی۔ آدمی کا گوشت۔ آدمی کا خون۔ پانی۔ اور دیگر رقیق چیزین۔ کاغذ ایک ہزار تہ تک اس روشنی کے واسطے شفیف ہین۔ معمولی روشنی کی کرنون کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ایک چمکدار چیز سے ٹکرا کر ایک خاص سمت مین لوٹ آتی ہین اور اسی وجہ سے ہم آئینہ مین ہر ایک چیز کا عکس دیکھ سکتی ہین۔ اور یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ ایک شفاف چیز سے ٹکرانے پر ٹیڑھی ہوکر اوسمین سے نکلجاتی ہے اسی اصول پر آتشی شیشہ بنائے جاتے ہین جنسے کہ ہر ایک چیز

بڑی نظر آتی ہے اور اسی اصول پر دُوربینین اور خوردبینین ایجاد ہوئی ہین ان ہر دو خواص کو اصطلاحی الفاظ مین انحراف اور مَیل یا ریفلیکشن (Reflection) اور ریفریکشن (Refraction) کہتے ہین اس نئی روشنی مین ایک عجیب بات یہ ہے کہ اوسمین انحراف اور مَیل بالکل نہین ہے - اسکی کرنون کے راستے مین ایک آتشی شیشہ کا رکھنا اور نہ رکھنا یکسان ہے -

ان کرنون کی بھی تشخیص کا آلہ وہی آلہ ہے جو کہ سُورج کی غیر مرئی شعاؤن کی شناخت کا ہے یعنی فوٹوگراف - مگر اوس فوٹوگراف مین جو کہ ان کرنون سے لیا جاتا ہے اور معمولی فوٹوگراف مین یہہ فرق ہے کہ اسمین کچھہ ضرورت نہین ہے کہ ایک سیاہ بکس ہو جسکے اندر بالکل اندھیرا ہو - بکس کے چارون طرف اچھی طرح سے کپڑا اوڑھا دیا جاوے تاکہ اور کسی چیز کی شعاع پلیٹ پر نہ پڑے اور بکس کے سامنے ایک آتشی شیشہ بھی ہو جسکی وجہہ سے عکس پلیٹ ہی پر پڑے - اس روشنی کے واسطے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ آدمی کی ایک طرف فوٹوگراف کا بکس ہو اور دوسری جانب کروکیس کی نلی جو کہ نئی روشنی کا منبع ہے - بکس کے واسطے کوئی ضرورت احتیاط کی نہین ہے - صرف لکڑی اور کسی دہات کے بنے ہوئے بکس کے اندر پلیٹون کا رکھدینا کافی ہے - چونکہ لکڑی اور دہات شفاف چیزین ہین اس وجہہ سے انکے حائل ہونے سے آدمی کے عکس مین کسی قسم کا فرق نہین آئیگا اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ آدمی کا گوشت - خون اور کپڑے سب شفاف ہین اسلیئے اون پلیٹون پر صرف ہڈیون کا سایہ پڑے گا جو کہ کثیف ہین اور آدمی کے ڈھانچے کا فوٹو اوتر آئیگا - اس وقت ہمارے پاس بہت سے فوٹو

مختلف آدمیون اور جانورون کے ڈھانچون کے موجود ہین - اور وہ فوٹو بھی موجود ہین جو کہ مختلف چیزون کو لکڑی اور قسم قسم کی دھاتون کے صندوقون مین بند کر کے لیئے گئے ہین -

---

اس روشنی سے بہت بڑا فائدہ علم سرجری کو ہوگا - اس ذریعے سے ڈاکٹرون کو ٹھیک ٹھیک حالت ہڈیون کی اور اندرونی بیماریون کی معلوم ہوجایا کریگی - گو اس روشنی کو دریافت ہوئے ابھی چند مہینے بھی نہین گزرے ہین تاہم دو مرتبہ اسکے تجربہ ہوچکے ہین -

وائنا مین جو کہ اسٹریا کا دارالسلطنت ہی ایک شخص کے گولی لگی اور ڈاکٹر علاج کے واسطے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ گولی کس مقام پر ہے - اوسکو ہڈیون کا فوٹو لینے سے ٹھیک جگہ گولی کی معلوم ہوگئی اور ڈاکٹر نے بہت کامیابی کے ساتھ اوس گولی کو نکال لیا - دوسرا تجربہ بھی اوسی شہر مین ہوا ہے جبکہ ایک ڈاکٹر نے ایک لڑکیکے ہڈی جوڑی تھی اور اوسکو شبہ تھا کہ وہ ٹھیک نہین جُڑی ہی اوسکو صحیح حالت اس فوٹو کے ذریعہ سے معلوم ہوگئی - اب فوٹوگرافر کو ہر وقت اس بات کا خوف رہیگا کہ شاید کوئی شخص اوسکی نا استعمال شدہ پلیٹون کو جنکو کہ اوسنے اپنی دانست مین روشنی سے بہت محفوظ کر کے لکڑی کے بکس مین بند کر رکھا ہے اس نئی روشنی کے ذریعہ سے نہ خراب کر دے اور کسی چیز کا فوٹو بلا چون وچرا نہ اوتار لے - فوٹوگرافر بغیر تصویر

کھینچوانیوالے کی مرضی کے اوتصویر کھینچنیوالا بغیر فوٹوگرافر کی مرضی کے فوٹو اوتار سکتے ہین۔

ہم اسوقت اسکے فائدون کا اندازہ بالکل نہین کر سکتے۔ کیونکہ ہم جانتے ہین که اوس زمانہ مین جبکہ برق پہلی مرتبہ دریافت ہوئی تھی اور یہ معلوم کیا گیا تھا کہ شیشہ اور ریشم کے ملنے سے بجلی پیدا ہوتی ہے اور شیشہ مین ہلکی چیزون کے کھینچنے کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے۔ کوئی شخص نہین خیال کر سکتا تھا کہ آیندہ زمانہ کے لوگ اس معمولی چیز سے لاکھون من وزن کا بوجھ دو سو ڈھائی سو میل فی گھنٹہ کے حساب سے کھینچین گے (یعنی اسبات کا علم کسیکو نہین تھا کہ زمانہ آیندہ مین برقی ریلوے جاری ہوجائے گی۔) کون سمجھ سکتا تھا کہ کشش مقناطیسی جہازون کی رہنما بنیگی اور خبرون کو لمحون مین لاکھون میل پہونچا دیگی۔ بعینہ اسی طرح سے ہم اس وقت اندازہ نہین کر سکتے کہ آیندہ نسل کے لوگ اس نئی روشنی کو جو ابھی دریافت ہوئی ہے کن کن کامون مین لائین گے۔ (ضیاء الدین)

(محمڈن ایجوکیشنل سنسس (تعلیمی مردم شماری) مسلمانان نرسنگھ پور کندیلی ملک متوسط)

یہہ مقام جی۔ ای۔ پی ریلوے لائن پر جبلپور سے قریباً ۵۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہان کے مسلمان باشندونمین سے شاید اصلی باشندہ یہان کا کوئی نہین ہے، قریب قریب کل یا تو تجارت پیشہ یا زراعت پیشہ یا نوکری پیشہ مین جو اپنے اصلی وطنون سے کسی کسی حیلہ سے بتلاش معاش بوجہ آسانی ریل کے یہان آن بسے۔ تحصیل نرسنگھ پور کا صدر مقام کندیلی ہے جو اوس سے تخمیناً ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ مسلمانونکی آبادی تقریباً

کل کندیلی ہی میں ہے ۔ حکام ضلع بھی یہین رہتے ہین ۔ نرسنگھ پور بالکل جہاجوں سے آباد ہے مسلمانونکی تعداد بمقابلہ اہل ہنود کے تخمیناً پچیس فیصدی ہے ۔

یہانکے مسلمانونکی ایک انجمن قایم ہے جو غالباً بخیال ظاہر کرنے تفریق قومی کے انجمن مفید عام کے نام سے موسوم ہے ۔ اسکے اغراض قریب قریب وہی ہین جو دیگر انجمن ہاے اسلامیہ ہندوستان کے اسکے متعلق ایک مدرسہ ہے جو مدرسہ مفید عام کہلاتا ہے ۔ فی الحال اسمین تعلیم مذہبی (قرآن شریف و دینیات) اُردو ۔ ہندی اور حساب طلبا کو سکھلایا جاتا ہے ۔ تعلیم انگریزی کی ایک ادنی کلاس کھولی گئی ہے ۔ مگر ممبران انجمن کا ارادہ ہے کہ تعلیم انگریزی کو اور ترقی دیجاے اور کلاسین بڑھائی جاوین ۔ تعلیم انگریزی کے مسئلہ پر جو مخالفت چند ممبران کیجانب سے حال مین ہوئی وہ ثبوت ہے اس امر کا کہ تعلیم انگریزی کی ضرورت سے یہان کے مسلمان کسقدر کم واقف ہین ۔ بہرحال اسکے چند بیدار مغز ممبرون کی موجودگی جو زمانہ کی ضرورت سے واقف معلوم ہوتے ہین امید دلاتی ہے کہ وہ کوتاہ اندیشون کی مخالفت سے ہمت نہ ہار کر ایسے طریقے اختیار کرینگے کہ جس سے انجمن مذکور ترقی کرے اور مدرسہ کو بھی عروج ہو ۔ ہم خصوصاً وکیل **علی مردان** صاحب صدر انجمن ۔ وکیل **محمد رضا** صاحب و قاضی **بشیر الدین** صاحب رجسٹرار (ممبران) اور منشی عبدالرحمن صاحب منصرم ضلع اور سکرٹری انجمن کا ذکر کرینگے ۔ جنکی کوششین (گو کہ شاید ابھی وہ زمانہ دور ہے کہ مدرسہ مذکور اس قابل بھی ہو کہ دریاے علم یعنی ہمارے مدرسۃ العلوم کے ایک شاخ ہو جاے) تاہم ان حضرات کی کوششین قومی حمیت اور نیک نیتی سے امید پڑتی ہے کہ وہ اوسے اسی پایہ تک پہونچا دینگے ۔

اس انجمن کی بڑی خامی اسکی مالی حالت ہے ۔ جہانتک مجھی معلوم ہوا اسکا کوئی مستحکم ذریعہ آمدنی نہین ہے ۔ صرف چندہ اور کسیقدر (اندازاً ۳۰۰) روپیہ جمع ہے اسکا کل سرمایہ ہے ۔

صاحب سکرٹری کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ ساعی ہین کہ کسی پبلک فنڈ سے جسمین قریب ایک لاکھ روپیہ ہے اور جسمین مدد حاصل کرنے کی انجمن مذکور مستحق ہے اُسکا حصہ حاصل کرین - دوسری خامی اسکی اور بڑی خامی یہان کے مسلمانون مین پبلک اسپرٹ کا مطلق نہونا اور قومی ضرورتون کا خیال نہ ہونا ہے - یون تو بلائے ناگہانی علی العموم مسلمانون پر اپنا اثر ڈالے ہوئے ہے مگر یہان شاید معمول سے کچھہ زیادہ -

یہان ایک ضلع سکول ہے جسمین مڈل سکول تک تعلیم دیجاتی ہے - مسلمان طالبعلمونکی تعداد کا اندازہ بمقابلہ ہندو طالبعلمون کے بلحاظ آبادی کے بہت کم ہے - اسکا باعث مسلمانون کی مفلسی اور اوس سے زیادہ اونکی غفلت اور تعلیم انگریزی کی تعصب ہے -

یہان کے آریہ سماجون نے ایک مدرسہ آریہ کی بنا ڈالی جسمین ایک عرصہ قلیل مین بہت کچھہ ترقی ہوئی حتی کہ ڈیڑھ سال ہی مین تیسرے درجہ انگریزی تک تعلیم بڑھا دی گئی - حالانکہ مدرسہ مفید عام ۵ سال سے جاری ہے - بزرگان قومی ملاحظہ فرماوین -

کیفیت تعلیمی مسلمان لڑکون کی جنکی عمر دس سال یا بیس سال
کے درمیان ہے نقشہ ذیل سے منکشف ہے -+

نقشہ تعلیمی مردم شماری مسلمانان نرسنگھ پور کندیلی

محلہ	نمبر	نام مربی مع عہدہ یا پیشہ	آمدنی اوسط ماہوار	نام لڑکے کا ورشتہ مربی و عمر	کیفیت خاندانی و تعلیمی
چھوٹی مسجد	۱	عابد علی وکیل	۱۰۰ روپیہ	عبدالحی - فرزند عمر ۱۴ سال	ضلع سکول مین تیسری کلاس انگریزی مین تعلیم پاتا ہے ذہین ہے - تعلیم معقول ہے -
"	۲	"	"	عبدالقیوم " " ۱۰ "	مدرسہ مفید عام مین تیسرے درجہ اردو مین تعلیم پاتا ہے تعلیم معقول -
"	۳	نجیب اللہ بیگ مالگذار	۲۵ روپیہ	حبیب اللہ بیگ " " ۱۶ "	جاہل مطلق -
"	۴	"	"	مظہر - بھانجہ ۱۶ "	ضلع سکول مین دوسری کلاس انگریزی مین پڑھتا ہے - ذہین اور محنتی ہے -
"	۵	"	"	عظیم اللہ بیگ - فرزند ۹ "	جاہل مطلق ہے -

(مطبوعہ محمدن پریس)

ضمیمہ محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج میگزین

ہمکو امید ہے کہ تھوڑا سا حصہ پرنسپل صاحب کی اوس چیٹھی کا جو انہوں نے سکرٹری کالج کو لکھی ہے خیر خواہان کالج کے لیئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا - یہ چیٹھی چھاپنے کے لئے سکرٹری صاحب نے ہمکو بڑی مہربانی سے اجازت دیدی ہے اور ہم اوس اجازت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے اسکو بطور ضمیمہ کے ہدیۂ ناظرین کرتے ہین - کچھہ عرصہ گزرا کہ کالج کے حالات کے اوپر ایک حملہ مولوی سمیع اللہ خانصاحب نے کیا تھا اور اوسکو ایک ہمارے اُردو ہمعصر نے بجنسہ چھاپ دیا تھا - اسپر پرنسپل صاحب سے کہا گیا کہ وہ مولوی سمیع اللہ خان کے بیانات کے صحیح و غلط ہونیکے متعلق ایک رپورٹ تیار کرین اوس رپورٹ مین سے صرف اوس حصہ کا ترجمہ ہم پیش کرتے ہین جسمین کالج کے انتظامات اور ترقی سے بحث کی گئی ہے - وہو ہذا

مولوی سمیع اللہ خان اپنی چیٹھی مین علاوہ ان مسلسل الزامات کے جو وہ آپ ٹرسٹیون پر اور مجھپر لگاتے ہین ایک عجیب و غریب حملہ کالج کی شہرت پر کرتے ہین جسکو اگر صحیح سمجھا جائے تو کالج کے سخت نقصانات کا باعث ہو - اسلیئے مین اسکو اپنا فرض اولی سمجھتا ہون کہ اوسکا جواب دون اور ذاتی معاملات کے متعلق بحث کرنے سے پہلے اس حملہ کی بے ثباتی ثابت کردون - ہر کالج کی کامیابی کا اندازہ دو چیزون سے ہوا کرتا ہر اوسکی کمیت سے اور کیفیت سے - یعنی طلباء کی تعداد اور اونکی قابلیت سے ذیل کے نقشون سے کالج کی ترقی بلحاظ تعداد طلباء و نتایج امتحانات یونیورسٹی ظاہر ہوگی - ان سے بخوبی ثابت ہوجائیگا کہ ان دونو لحاظ سے کالج کی نسبت کسی شکایت کا موقع نہین -

نقشہ تعداد طلباء کالج و سکول و بورڈران مدرسۃ العلوم علیگڈھ

من ابتداء ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء (ابتدائے اجرائے کالج) لغایت مارچ ۱۸۹۵ء

ابتدائے سال	تعداد طلباء کالج و سکول بلحاظ مذہب				تعداد طلباء بلحاظ درجہ تعلیم				تعداد بورڈران		
	مسلمان	ہندو	عیسائی و پارسی	میزان	کالج کلاسز		سکول کلاسز				
					مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	میزان
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
۱۸۷۵	۶۶	-	-	۶۶	-	-	۶۶	-	۶۶	-	۶۶
۱۸۷۶	۸۹	۶	-	۹۵	-	-	۸۹	۶	۶۵	-	۶۵
۱۸۷۷	۱۱۳	۱۲	-	۱۲۵	-	-	۱۱۳	۱۲	۶۴	-	۶۴
۱۸۷۸	۱۴۳	۴۱	۲	۱۸۶	-	-	۱۴۳	۴۱	۷۴	۱۱	۸۵
۱۸۷۹	۸۵	۳۰	۱	۱۱۶	۸	۷	۷۷	۲۳	۲۷	-	۲۷
۱۸۸۰	۱۲۲	۴۰	۱	۱۶۳	۸	۸	۱۱۴	۳۲	۱۳۳	۱۴	۱۴۷
۱۸۸۱	۱۸۶	۸۷	۱	۲۷۴	۱۱	۱۵	۱۷۵	۴۲	۱۵۰	۲۲	۱۷۲
۱۸۸۲	۱۷۹	۵۳	۱	۲۳۳	۱۳	۱۴	۱۶۶	۳۹	۱۵۶	۲۶	۱۸۲
۱۸۸۳	۱۹۲	۵۳	۱	۲۴۶	۱۳	۱۴	۱۷۹	۳۹	۱۵۶	۲۶	۱۸۲
۱۸۸۴	۱۹۲	۷۷	۱	۲۷۰	۲۴	۲۳	۱۶۸	۵۴	۱۴۶	۲۲	۱۶۸
۱۸۸۵	۱۸۷	۷۱	۲	۲۶۰	۱۹	۲۰	۱۶۸	۵۱	۱۴۲	۱۸	۱۶۰
۱۸۸۶	۱۸۹	۹۶	۲	۲۸۷	۲۷	۲۲	۱۵۲	۷۴	۱۲۹	۱۸	۱۴۷
۱۸۸۷	۱۵۹	۸۷	۱	۲۴۷	۱۹	۲۲	۱۴۰	۶۴	۱۰۵	۱۳	۱۱۸
۱۸۸۸	۱۳۵	۸۰	۳	۲۱۸	۲۹	۳۰	۱۰۶	۶۰	۱۰۴	۱۰	۱۱۴
۱۸۸۹	۱۹۶	۶۲	۱	۲۵۹	۴۲	۲۳	۱۵۴	۳۹	۱۴۲	۹	۱۵۱
۱۸۹۰	۲۱۰	۵۷	۲	۲۶۹	۶۰	۱۹	۱۵۰	۳۸	۱۵۴	۹	۱۶۳
۱۸۹۱	۲۳۸	۷۰	۲	۳۱۰	۷۶	۲۶	۱۶۲	۴۴	۱۸۲	۱۲	۱۹۴
۱۸۹۲	۲۵۶	۹۵	۱	۳۵۲	۸۰	۲۲	۱۷۶	۳۷	۳۰۶	۹	۱۱۵
۱۸۹۳	۳۰۰	۵۸	۱	۳۵۹	۱۴	۲۰	۱۹۹	۳۸	۲۲۸	۳	۲۳۱
۱۸۹۴	۳۶۳	۹۳	۰	۴۵۶	۱۳۰	۴۸	۲۳۳	۶۵	۲۵۷	۵	۲۶۲
۱۸۹۵	۴۵۷	۱۰۹	۰	۵۶۶	۱۴۸	۳۷	۲۸۹	۲۷	۳۲۲	۸	۳۳۰

نقشہ تعداد طلبہ کامیاب شدہ مدرسۃ العلوم علیگڈھ باعتبار امتحانات یونیورسٹی

سال	علوم عامہ				قانون		
	انٹرنس	ایف اے	بی اے	ایم اے	ایل ایل بی	ہائیکورٹ وکالت	ضلع وکالت
۱۸۷۷	۴						
۱۸۷۸	۶						
۱۸۷۹	۶						
۱۸۸۰	۱۳	۵					
۱۸۸۱	۸	۵					
۱۸۸۲	۹	۷	۱				
۱۸۸۳	۸	۶	۲				
میزان	۵۴	۲۳	۳				
۱۸۸۴	۱۱	۳	۲				
۱۸۸۵	۱۶	۱۰	۳				
۱۸۸۶	۱۵	۹	۲				
۱۸۸۷	۲۲	۱۱	۷	۱			
۱۸۸۸	۱۷	۴	۲				
۱۸۸۹	۲۹	۱۳	۵				
۱۸۹۰	۱۷	۹	۲	۰	۰	۰	۱
۱۸۹۱	۱۶	۱۹	۶	۰	۰	۱	۲
۱۸۹۲	۱۶	۱۶	۹	۲	۲	۰	۲
۱۸۹۳	۱۳	۲۰	۱۰	۲	۳	۱	۱
۱۸۹۴	۲۳	۲۰	۱۹	۰	۴	۰	۰
۱۸۹۵	۱۹	۲۲	۲۱	۲	۳	۰	۰
میزان بعد ترقی شدہ مدرسہ	۲۱۴	۱۵۸	۸۸	۷	۱۲	۲	۶
میزان کل	۲۶۸	۱۸۱	۹۱	۷	۱۲	۲	۶

٭ ۱۸۸۳ء کے شروع میں کالج کا چارج لیا۔

بی - اے

سال	تعداد فیصدی پاس شدہ از مدرسۃ العلوم	تعداد فیصدی پاس شدہ بحیثیت مجموعی الہ آباد یونیورسٹی - اے کورس
سنہ ۱۸۸۹ء	۶۲٫۵	۶۴
سنہ ۱۸۹۰ء	۵۰	۵۱
سنہ ۱۸۹۱ء	۶۶٫۶	۵۷
سنہ ۱۸۹۲ء	۷۵	۵۲٫۳
سنہ ۱۸۹۳ء	۶۰	۵۶
سنہ ۱۸۹۴ء	۹۰٫۴ ایک اوّل درجہ مین اور انگریزی فارسی مین آنرس	۶۲
سنہ ۱۸۹۵ء	اے کورس ۷۶ - دو طلبا اول درجہ ایک تمام یونیورسٹی مین اول - اور انگریزی مین آنرس	۷۱٫۳
	بی کورس ۱۰۰ ایک اول درجہ مین اور ایک مین آنرس	۴۶٫۸

انٹرمیڈیٹ یا ایف - اے

سال	تعداد فیصدی پاس شدہ از مدرسۃ العلوم	تعداد فیصدی پاس شدہ از یونیورسٹی مجموعاً
سنہ ۱۸۸۹ء	۴۳	۴۵٫۱
سنہ ۱۸۹۰ء	۳۱	۵۵٫۴
سنہ ۱۸۹۱ء	۵۱٫۴	۴۳٫۴
سنہ ۱۸۹۲ء	۴۷	۳۱
سنہ ۱۸۹۳ء	۵۶٫۲	۴۴٫۷
سنہ ۱۸۹۴ء	۳۸٫۴	۳۹٫۴
سنہ ۱۸۹۵ء	۳۷٫۵	۳۳

نقشہ مذکورہ کے اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۹۱ء سے ۱۸۹۵ء تک پانچ سالون مین جبکہ مولوی سمیع اللہ خان صاحب کالج کے مشہور دشمن تھے کسی امتحان مین سواے ایک کے ہمارا کالج یونیورسٹی کی اوسط سے کم نہین رہا۔ ایک استثنا صرف ۱۸۹۴ء کا انٹرمیڈیٹ امتحان ہے جسمین کالج یونیورسٹی کی اوسط سے افیصدی کم ہے۔ بی اے کے امتحان مین ہمارے کالج کی تعداد تمام یونیورسٹی سے ۱۳۰۱۹ زیادہ ہے اگر ہم ۱۸۹۵ء کے بی کورس کو حساب مین نہ لین اور اگر اوسکو بھی شمار کرین جو کہ فی الحقیقت درست نہین معلوم ہوتا کیونکہ صرف دو ہی طلبا امتحان مین شریک تھے تو اونمین ۲۰ زیادتی ہوتی ہے۔ یہ اتفاقیہ بات نہین کہ مسٹر مارسن کے کالج مین شامل ہونے کے بعد ہمیشہ عمدہ نتیجہ کالج کو حاصل ہوتا رہا ہے۔

اب مین اپنے طلبا کی قابلیت کی طرف آتا ہون۔ یونیورسٹی کے امتحانات سے ثابت ہوا ہے کہ وہ دماغی کامون مین اور کالجون کے طلبا سے اگر بڑھ کر نہین تو اون کے برابر تو ضرور ہین۔ اور یونیورسٹی کے فٹ بال۔ کرکٹ اور ورزشی ٹورنامنٹ سے ثابت ہوا ہے کہ وہ جسمانی قوت اور پھرتی کے لحاظ سے اور سب کالجون پر فوقیت رکھتے ہین۔ اب سوال یہہ رہا کہ وہ انسانیت کے لحاظ سے کیسے ہین؟ کیا وہ کم جوانمرد۔ جوشیلے۔ دیانت دار اور ایماندار ہین یا زیادہ؟ اون کے اوضاع و اطوار اچھے ہین یا بُرے؟ ہمارے طلبا کا ٹاپ روز بروز ترقی کرتا ہے یا تنزل؟ یہ اہم اور ضروری سوالات ہین جو حل طلب ہین۔ اور ان مین سے اخیر کے سوا کسیکے لیئے بھی مین اپنے آپ کو بلے رعایت منصف نہین قرار دیسکتا۔ مگر آخری کے متعلق تو مین پوری راے رکھتا ہون۔ اور کہہ سکتا ہون

جو طلبا ہمارے کالج سے باہر جاتے ہین اون کی وضع قطع ہمیشہ ترقی کرتی جاتی ہے
مین ایسے بہت سے طالب علم بتا سکتا ہون جنپر کالج نے بہت بڑا اثر کیا ہے
اورجمین بہت عجیب تغیر معلوم ہوتا ہے جب ہم اوس حالت کا جبکہ وہ کالج
مین آئے تھے اکی حالت سے مقابلہ کرتے ہین - اون مین ایسی چال چلن
کی مضبوطی اور ذمہ داری کی پورا کرنے کی طاقت پیدا ہوگئی ہے کہ جسکی مجھکو
توقع ہی نہین تھی مگر اس سے بھی زیادہ ثبوت ہماری کام کی خوبی کا اون سپیچون
کے سلسلہ سے معلوم ہوتا ہے جو مختلف لفٹنٹ گورنرون نے کی ہین -

۱۸۹۲ع مین سر آکلینڈ کالون نے یہ تقریر کی تھی -

"علیگڈھ کا تعلیم یافتہ ہونا ہر ایک آدمی کے لیئے انگریزون اور ہندوستانیون
کی نظرون مین معزز ہونے کی ایک سند ہے -"

سر چارلس کروستھویٹ نے ۱۲ نومبر ۱۸۹۴ع کو تقریر کرتے وقت یہ اپنا یقین ظاہر
کیا کہ کالج کی ترقی اسقدر زیادہ ہوئی ہے جسقدر کہ ایسی حالت مین ممکن ہوسکتی
تھی" اور پھر فرمایا "کہ تمہارے طلبا کی شہرت کیسی ہے؟ اونمین یہ خصوصیت ہی کہ
وہ صاف طینت - جوانمرد اور اپنی گورنمنٹ کی وفادار رعایا ہین جسکے سایۂ
عاطفت مین وہ پرورش پاتے ہین - وہ مہذب اور موَدب ہین - بڑون
کا ادب کرتے ہین نہ خوشامد - اور اپنی تربیت کی وجہ سے دنیا کے عملی کاروائیون
کے لائق ہین -

آنریبل مسٹر الن کیڈل نے ۸ اگست ۱۸۹۵ع کو تقریر کے وقت یہ فرمایا تھا
اور اس بات سے مجھکو خیال آتا ہے

اوس تبدیلی کا جو شاید اون سب سے زیادہ ضروری ہے جو میرے علیگڈھ چہوڑنے کے بعد واقع ہوئین (یعنی ۱۸۸۳ع کے بعد)

،، اوسوقت آپ کی حالت ایک ایمید کی تہی - خواہ وہ کیسقدر مضبوط کیون نہو بخلاف اوسکے اب چونکہ بہت سے طلبا اس کالج سے نکلکر دنیا کے کامون مین شریک ہو چکے ہین اب آپ لوگ یہ کہنے کے مستحق ہو گئے کہ ہمنے کچہ کرلیا ہے بجاے اس اقرار کے کہ ہم بہی کچہ کرینگے - کیا بلحاظ اون چیزون کے جو مینے خود دیکھ لین - اور کیا بلحاظ اون باتون کے جو مینے دوسرون سے سُنی - مَین بہی اوس یقین مین حصہ لیتا ہون جو آپ کے پرنسپل نے اپنی گذشتہ رپورٹ مین ظاہر کیا ہے کہ اس کالج کا رویہ راستبازی دیانتداری - اور شرافت کو اپنے طلبہ مین بڑہاتا ہے - اور نیز یہ مانتا ہون کہ اسکی تعلیم ایسے آدمی پیدا کرتی ہے جو نہ صرف اچہے تعلیم یافتہ ہوتے ہین بلکہ جوانمرد - اور خوش معاملہ ہوتے ہین او عملی زندگی مین اوس اعلی اصول کو کام مین لانا اونکا دلی مقصد ہوتا ہے جسکا اونکے دل پر نقش کرنا تمہاری تعلیم کی علت غائی ہے اور مجکو یقین ہے کہ جسمانی تعلیم جسکو اس کالج مین اتنی ترقی دیجاتی ہے اور فرائض انتظامی جو تمہارے طلبہ کے ذہن نشین کئے جاتے ہین ان سب سے ہمت - شعور - اور عملی ادراک اون کے دل مین پیدا ہو جاتے ہین اور یہی زندگی مین کامیابی حاصل کرنے کیلئے ضروری اوصاف ہین،،

ان بڑے بڑے حاکمون اور مدبرون کے برخلاف مولوی سمیع اللہ خان صاحب تحریر فرماتے ہین کہ بہت سی بُرائیان اور بدانتظامیان کالج

ین ہوتی ہین جنکی وجہ سے ایک عام شکایت پھیلی ہوئی ہے — وہ کوئی
تعین نہین کرتے اور یہ نہین بتاتے ہیں کہ کونسے حصہ مین بُرائیان موجود ہین
اور نہ یہ ہی ظاہر کرتے ہین کہ کون سے اصحاب شکایت کرتے ہین - اونکی
طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اونکو اختیار دیا جاتا تو وہ یقیناً ان سب کی
اصلاح کر دیتے - اور اسی بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اون کے تمام
اعتراضات بے بنیاد ہین - مگر باینہمہ وہ ایک بات کو خصوصیت کے ساتھ
کہتے ہین اگرچہ اوسکا بھی کوئی ثبوت نہین دیتے وہ یہ ہے کہ اسوقت
بورڈنگ ہوس کی حالت جس سے واقعی تمام کالج کا اندازہ ہو سکتا ہے بہت
ہی زیادہ خراب ہے بہ نسبت اوس حالت کے جو اونکے سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ
ہوس ہونیکے زمانہ مین تھی اور اسکا سبب یہ بتاتے ہین کہ مینے تمام بدانتظامی
پھیلائی اور کالج کے اس حصہ کا کوئی انتظام نہین کیا - مین اب اس قول کو
واقعات اور اعداد کی کسوٹی پر آزماتا ہون -

مین نومبر ۱۸۸۳ء مین اس کالج مین آیا مگر فروری ۱۸۸۸ء تک بورڈنگ
ہوس سے مجکو سوا اسکے کوئی تعلق نہین تھا کہ مین کرکٹ کلب اور سٹڈنٹس
یونین کلب کا پریزیڈنٹ تھا - اور اوسوقت مین مولوی سمیع اللہ خان ہی
بورڈنگ ہاؤس کے سیاہ وسفید کے مالک تھے - فروری ۱۸۸۸ء سے
بورڈنگ ہاؤس میرے سپرد کیا گیا - قوم کے عام بھروسہ کا اندازہ جو ایک بورڈنگ
ہاؤس پر کرتے ہو یہ ہے کہ اوس بورڈنگ مین بورڈون کی تعداد مین ترقی
ہوتی رہی یا تنزل - مین ذیل کا نقشہ اپنے پچھلے نقشون سے چنکر پیش کرتا ہون

اوراسمین دونون زمانون کا مقابلہ کرتا ہون -

من ابتداے ۱۸۸۳ء لغایت ۱۸۸۸ء

سال	تعداد بورڈران	تنزل
۱۸۸۳ء	۱۸۲	
۱۸۸۴ء	۱۶۸	۱۴
۱۸۸۵ء	۱۶۰	۸
۱۸۸۶ء	۱۴۷	۱۳
۱۸۸۸ء	۱۱۸	۳۱

میزان کل تنزل ۶۴ یا ۳۵ فیصدی

من ابتداے ۱۸۸۸ء لغایت ۱۸۹۵ء عیسوی

سال	تعداد بورڈران	ترقی
۱۸۸۸	۱۱۴	۴
۱۸۸۹	۱۵۱	۳۵
۱۸۹۰	۱۶۳	۱۲
۱۸۹۱	۱۹۴	۳۱
۱۸۹۲	۲۱۵	۲۱
۱۸۹۳	۲۳۱	۱۶
۱۸۹۴	۲۷۰	۳۹
۱۸۹۵	۳۳۰	۶۰

میزان کل ترقی ۲۱۲ یا ۸۰ فیصدی

ان اعداد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولوی سمیع اللہ خان صاحب نے کیسی بے پرواہی سے حملہ کیئے ہین - اور کچھہ بھی تو کوشش اسبات کی نہین کی کہ اول واقعات کو معلوم کرتے اور پھر اعتراض - اور یہی نمونہ ہے تمام خروار کا -

اب مین آمدنی کو دیکھتا ہون - یہ دو باتون پر منحصر ہے اول تو طلبا کی تعداد پر دوسرے کالج والون کی مالی پالیسی پر -

۱۸۸۳ء مین فیس تعلیم اور کرایہ کی آمدنی [illegible] تھی

۱۸۸۸ء مین " " " [illegible] ہوئی

اسلیے مولوی سمیع اللہ خانصاحب کے ایام انتظام مین کمی [illegible] سالانہ ہوئے

حالانکہ ۹۵-۱۸۹۴ء مین کرایہ و فیس تعلیم کی آمدنی بعد مہنائی [illegible] کے جو کرایہ سے وظائف مین دیا گیا اور [illegible] کے جو لاکلاس کی فیس کے دیئے گئے ہی [illegible] باقی آمدنی ہوئے

لہذا ان مدات کی آمدنی مین ۱۸۹۸ء کی بہ نسبت فی سال ... کی زیادتی ہوئی
بورڈنگ ہوس مین جب تک کہ یہ مولوی سمیع اللہ خان کے انتظام مین رہا
بتدریج تنزل اس وجہ سے ہوا کہ اوس زمانہ مین نہایت ہی سخت بدانتظامی تھی اور یہ بدانتظامی
نتیجہ تھی اون کے اس قسم کے کام سے محض ناواقف ہونیکا۔ اور یہ ناواقفی اونکی اس حد
تک پہنچی ہوئی تھی کہ اونکو اس قسم کے کام کے متعلق سادہ سے سادہ اصولون کی بھی
تمیز نہین یہ بات بورڈنگ ہوس کی موجودہ اور گزشتہ حالت کے مقابلہ سے
ثابت ہوجائیگی اب مین تفصیل کے ساتھ ہر ایک حصہ کالج کا علیحدہ علیحدہ مقابلہ کرتا ہون
مین بورڈنگ ہوس کے متعلق ان عنوانون کی ترتیب سے بحث کرونگا

ا ۔ انتظامی حصہ

ب ۔ کھیل اور جسمانی تعلیم ۔

ج ۔ علمی ۔ مناظرہ کی ۔ اور پبلیر بوٹنگ (یا حب قومی کی) انجمنین اور (کلبین)

(ا) اول ۔ تربیت ۔ اخلاق ۔ اور تہذیب وغیرہ

ا ۔ ڈسپلین یا تربیت

سب سے زیادہ ضروری چیز کالج یا سکول کے انتظام مین ڈسپلین (یا قواعد کی
پابندی) ہے ۔ چونکہ یہی بنیاد ہے جسپر تمام باتون کا انحصار ہے کیونکہ جب تک آتھاریٹی
کی عزت نہ ہوگی اور قواعد کی پابندی کرانے کے ذریعے ہون گے اوس وقت تک
کوئی قاعدہ قایم نہین رہ سکتا اور نہ کسی محکمہ کا کام چل سکتا ہے ۔
۱۸۸۹ء سے ۱۸۹۸ء تک ایسی حالت بورڈنگ ہوس کی تھی کہ ہم مشکل سے
یہ کہہ سکتے ہین کہ ہمارے ہان بھی کچھ ڈسپلین تھی ۔ نہ کوئی آتھاریٹی کی عزت کرتا تھا

اور نہ قواعد کی پابندی جو قاعدہ بنتا تھا وہ کاغذ پر ہی رہتا تھا - عملدرآمد کا کوئی پتہ نہ تھا

اوّل تو قاعدے ہی بہت سے ایسے ہوتے ہین کہ اونپر عمل ہونا ہی ناممکن تھا اور

باقی قاعدے اس قسم کے تھے کہ چھوٹے بچّون کے مناسب حال تھے - حالانکہ کالج

اور سکول کے بورڈرس مین امتیاز کوئی نہ تھا - سزا جب دیجاتی تھی تو نکالنے سے

کم کوئی سزا نہ ہوتی تھی - نہ کوئی مورننگ سکول تھا اور نہ نائیٹ سکول -

اور اس طرح ہر لڑکو کو چھٹی تھی کہ وہ کلاس روم کے باہر جسطرح چاہین اپنا وقت

گزارین - بعض لڑکے مہینون تک سکول مین نہین جاتے تھے - اور کسی ماسٹر کی

یہ مجال نہ تھی کہ اونکو جانے کے لیئے مجبور کرتا - اور چونکہ مولوی سمیع اللہ خان صاحب

کے پاس اکثر طلبا جاکر اپنے اوستادون کی شکایتین کیا کرتے تھے اور وہ ان کو

خوشی سے سُنا کرتے تھے اسلیئے کلاس رُوم مین بھی اکثر اوستادون کی

کوئی کچھ نہ سنتا تھا - یہان تک نوبت پہونچی ہوئی تھی کہ میرے آنے سے

پہلے ایک طالب علم نے کلاس روم مین ایک کالج کے پروفیسر کو جوتے سے

مارا - اور مولوی سمیع اللہ خان صاحب کے رسُوخ سے یہ طالب علم جسکو پرنسپل نے

نکالدیا تھا پھر داخل کرلیا گیا اور اسکا لابدی نتیجہ یہ ہوا کہ پروفیسر کو استعفا دینا پڑا

اور پھر تقریباً تمام سٹاف نے اوسکی پیروی کی - جبکہ ڈسپلین کی کمی بڑھتی گئی

اور سکول کے بچے بھی بڑے ہوئے اور کالج کلاسون مین آگئے تب تو اس قسم

کی بُرائیان انتہا کو پہونچ گئین - آدھا بورڈنگ ہوس آتھاریٹی کے برخلاف

بغاوت مین اوٹھ کھڑا ہوا - مگر اس نازک وقت مین بھی مولوی سمیع اللہ خان

نے اپنا تمام اقتدار ان باغی لڑکون کی طرف داری مین صرف کیا اور

پوری کوشش کی کہ یہ بے ترتیبی پختہ ہوجاوے اور بالکل لا علاج بنجاوے۔

اس واقعہ کا مختصر حال یہ ہے کہ ۱۸۸۶ء مین سرسید احمد خان بہادر نے ایک طالب علم کو بدسلوکی کی وجہ سے نکالدیا۔ مولوی سمیع اللہ خان نے جو اوسوقت رائے بریلی مین رہتے تھے اوسکو پھر داخل کرلیا۔ اوسی سال دسمبر کے مہینے مین ایک سکول کے طالب علم نے منیجر بورڈنگ ہوس کو یہ دھمکی دی کہ مین تمکو مارونگا وجہ یہ کہ اوسنے اوس طالب علم کو ایک قاعدہ توڑنے سے منع کیا تھا۔ چونکہ نہ تو سرسید یہان موجود تھے نہ کوئی اور با اختیار آتھاریٹی۔ لہذا مینے اوس طالب علم کو بورڈنگ ہاؤس سے نکالدیا۔ چونکہ منیجر نے یہ زور دیا کہ اگر اسکو نکالا گیا تو مین استعفا دیدونگا۔ بڑے دن کی تعطیلون مین مولوی سمیع اللہ خان صاحب علیگڈہ بھی چلے آئے۔ اونہون نے اوس طالب علم کو پھر داخل کرلیا اور اسکے متعلق نہ مجھ سے کوئی صلاح لی اور نہ مجھکو بعد مین اطلاع دی اب تو سب آتھاریٹی اور قاعدون کی پابندی کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ چونکہ لڑکے نوکرون کو بہت مارا کرتے تھے سرسید نے فروری ۱۸۸۷ء مین یہ نوٹس دیا کہ جو طالب علم کسی نوکر کو مارےگا اوسکو فوراً کالج سے نکالدیا جاوےگا اوسکے بعد ہی تمام لڑکون کی سازش سے ایک سب سے پرانے طالب علم نے ایک نوکر کو پیٹا سرسید نے مجھکو حکم دیا کہ مین اوسکو نکالدون۔ مینے اوسکو نکالدیا۔

اوسی روز نصف بورڈون نے یہ کہا کہ ہم ہرگز اس بورڈنگ ہوس مین نہ رہینگے تاوقتیکہ اوس طالب علم کو پھر داخل نہ کیا جاویگا اور چند اور تدابیر نہ برتی جائینگی جنکو ہم بتاتے ہین۔ ان تدابیر سے تمام اختیار بورڈنگ ہاؤس کا اونکے ہاتھ مین آجاتا۔

جب اونکی بات نہ مانی گئی تو اونھون نے فوراً بورڈنگ ہاؤس چھوڑدیا اور ایک سراے
مین جا ٹھہرے جہان اونھون نے پہلے سے بندوبست کر رکھا تھا۔
سرسید احمد کی اور میری راے متفق ہوگئی کہ انکی سرغنون کو سزا دینی چاہیئے
اور اسی طرح ڈسپلین قایم رکھنی چاہیئے۔ مگر مولوی سمیع اللہ خان بریلی
سے تشریف لائے اور بدون میرے یا سرسید کی راے لینے کے اون
تمام باغیانہ طلبا سے وعدہ کرلیا کہ پھر داخل کرلیئے جائین گے چونکہ وہ اونکے
استقبال کے لیئے ریلوے سٹیشن تک چلے گئے تھے اور یہ بھی وعدہ کرلیا کہ
سزا بھی کوئی نہ دیجاے گی۔ مینے اور یوروپین پروفیسرون نے اسپر یہ کہا کہ
ہم ایسی حالتون کے بعد کالج مین نہین رہ سکتے اور سرسید احمدؒ نے بھی
اپنے عہدہ سکرٹری سے دست بردار ہونے کو کہدیا تب تو کمیٹی نے ہماری
تجاویز منظور کین۔ اور اوس باغی پارٹی کے سرغنون کو سزا دیگئی۔
اور ڈسپلین کی بنیاد مضبوط کی گئی۔ اور اوسی بنیاد پر یہ اتبک قائم ہے
اوس زمانہ مین ۱۲۰ سے بھی کم بورڈر بورڈنگ ہوس مین رہتے تھے اور اون مین
سے صرف ۲۰ ہی کالج مین پڑھتے تھے باوجود اسکے چونکہ مولوی سمیع اللہ
صاحب ڈسپلین کے سادہ سے سادہ اصولون کے بھی برخلاف عمل
کرتے تھے اسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ کمیٹی کو یا کسی سٹاف کے ممبر کو اور یا ان سب کو
ایسا بھی تو اقتدار باقی نہ تھا جیسا کہ اب کالج کے ایک چھوٹے سے افسر پیا گیٹر
کو ساڑھے تین سو طلبا کے بورڈنگ ہاؤس مین حاصل ہے اور یہ ۳۵۰
طلبا بھی ایسے کہ جنمین سے ۲۷۰ تو کالج کلاسون مین پڑھنے والے نوجوان تھے

اگر اب کے زمانہ کو لین تو معلوم ہو کہ ڈسپلین کی متعلق بہت ہی کم قصور ہوتے ہین اور جو ہوتے ہین اونکی کافی طور پر سزا دیجاتی ہے - طلبا تقریبًا کوئی بھی ناشائستہ حرکت نہین کرتے - بورڈنگ ہوس کے قواعد خوب غور کے ساتہ مرتب کیئے گئے ہین اور مجموعًا نہایت پابندی کے ساتہ عمل مین لائے جاتے ہین -

میر ولایت حسین بی اے ایک نہایت کارکن ان تہک پراکٹر ہمکو ملا ہوا ہے جسنے ہیڈ ماسٹر صاحب کی غیر حاضری مین بہی ڈسپلین قایم رکہنے کے قابل اپنے آپ کو ثابت کر دیا ہے اور اوسوقت بہی جبکہ کوئی انگریز پروفیسر یہان پر نہین تہا - جیسا کہ گزشتہ جون کی کالج کی تعطیلو مین دیکہے چکے ہین علاوہ اسکے اوسکو کچہہ چیدہ طالب علم جنکو مانیٹر مقرر کیا جاتا ہے بہت امداد دیتے ہین یہ مانیٹرات کو اپنی اپنی بارک مین حاضری لیتے ہین اور اگر کوئی طالب علم ڈسپلین کے خلاف کوئی کام کرتا ہے تو اوسکی رپورٹ کرتے ہین -

(۲) **اخلاق** - میرے یہان آنے کے بعد ۹ یا ۱۰ سال تک طلبا کے چال چلن (اگر ہم ان الفاظ کو خاص معنون مین استعمال کرین) کے متعلق شکایتین بہت زیادہ آتی تہین - مگر اب اوس خاص قسم کی شکایتین بہت کم ہین اور مین خوش ہون کہ اب بورڈرون مین بہت درست اخلاق پہیلے ہوئے ہین سب مین نہین تو کم از کم اون بورڈرون مین جو بڑے ہین اور جنکی مثال چہوٹے بچے سیکہتے ہین -

اگر اخلاق یا چال چلن سے ہم کچہہ اَور وسیع معنے لین تو ہم یہ کہین گے کہ ہم کوشش کرتے ہین کہ ہمارے طلبا مین شرافت ہو اور راستبازی ہو اور اگر اونکو

گورنمنٹ کی ملازمت کرنے کا موقع ملے تو اونکی دل مین رشوت کی بے انصافی اور ذلت کا خیال ہو اور اپنی فائدہ کو رفاہ عام کے لیئے چھوڑ دینے کے خیال کی وقعت اونکے دلمین بیٹھے - مین نہین جانتا کہ کسقدر کوشش مولوی سمیع اللہ خان نے ان خوبیون کے پھیلانے مین کی - مگر اسکا تو مجکو یقین ہے کہ اب لکچر وغیرہ دیگر ان خوبیون کو طلبا کے دل پر بٹھانیکی بہت زیادہ کوشش کیجاتی ہے -

ضمیمہ کے دیکھنے سے آپکو معلوم ہوگا کہ اوسمین ایک رپورٹ کا خلاصہ ہے جو پراکٹر نے مجکو مرتب کرکے دی ہے اور چونکہ پراکٹر صاحب ۱۸۸۸ء سے بورڈنگ ہوس مین رہتے ہین لہذا اونکی راے کو ضرور وقعت ہونی چاہیئے -

(۳) طلبا کے اوضاع واطوار - ۱۸۸۸ء کی بغاوت کے بعد سے ہمارے طلبا کی اوضاع واطوار مین بہت ترقی ہوئی ہے - پہلے بورڈنگ ہاؤس مین ڈسپلین نہ ہونے کے باعث ہمارے بورڈرون مین ایک قسم کی خود بینی پیدا ہوگئی تھی - اور اسکی وجہ سے اون کے والدین اور بزرگون کو بہت نفرت ہوتی تھی - چونکہ وہ دیکھتے تھے کہ اون مین حیا کا نام ونشان بھی نہین رہتا - ہم اب یہ کوشش کرتے ہین کہ ایک طرف تو حیا اور آداب بڑھین - اور دوسری طرف جوانمردی خودداری اور آزادی اون مین پیدا ہو -

(۴) امپوزیشن - امپوزیشن اب ایک ماسٹر کے متعلق کردی گئی ہین - جو یہ دیکھتا رہتا ہے کہ وہ ٹھیک طور پر اوس وقت لکھی جائین جبکہ لڑکون کو بہت اشتیاق ہوتا ہے کہ چھٹی ملے اور اپنے کھیلون مین شریک ہون یعنی سہ پہر کو بعد مدرسہ کے وقت کے - اور وہ ایک بڑا ذریعہ ہین اسبات کا کہ لڑکے وقت اوپر

نماز مین حاضر ہون -

(۵) مورننگ اور نائٹ سکول سکول کے بورڈرون کے لیئے یہ ضروری کردیا گیا ہی کہ وہ مورننگ سکول مین اور نائٹ سکول مین حاضر ہوکر اپنے سبق طیار کیا کرین اور ان سکولون کے لیئے ماسٹر مقرر کردیئے گیئے ہین اور اونکی نگرانی ہیڈماسٹر صاحب کے سپرد ہے -

دوم - نماز اور مذہبی تعلیم - مَین جب کالج مین آیا تو ایک قاعدہ بنا ہوا تھا کہ تمام بورڈرون کو لازم ہے کہ پانچون نمازون مین حاضر ہوا کرین مگر یہ قاعدہ صرف کاغذی تھا - صرف چند طلبا جو مینجر صاحب کے قریب رہتے تھے وہ تو مغرب کے وقت نماز مین شریک ہوا کرتے تھے - باقی نہ کوئی طالب علم آتا تھا اور نہ باقاعدہ جماعتین ہوا کرتی تھین - بلکہ بعض طلبا توکبھی نماز پڑھتے ہی نہ تھے - آٹھ سال تک مین اسبات کی کوشش کرتا رہا ہون کہ کوئی طریقہ معینہ مقرر کرون اور اسپر سزا دے دیکر عمل کراؤن -

اس عرصہ مین جو نوٹس مینے اسکے متعلق جاری کیئے وہ تمام اس خط کے ضمیمہ مین نقل کیئے گیئے ہین - ان تمام کوششون کا نتیجہ یہ ہے کہ اب سکول کے طلباء تو جسوقت وہ کلاسون سے نکلتے ہین بیشتر اس سے کہ اونکو بھاگ جانیکا موقع ملے پکڑ لیئے جاتے ہین اور اونکو مجبوراً جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا پڑتی ہے اور کالج کے طلباء کی حاضری مین سید محمود صاحب کے ایک بہت عمدہ طریقہ کے عمل مین لانیکی وجہ سے اسقدر ترقی ہوئی ہے کہ ۹۵-۱۸۹۴ء مین ۴۳۳۵ حاضریان ہوئین - اس مضمون کے متعلق مین آپکو اپنی گزشتہ سال کی رپورٹ کی ۱۹ وین دفعہ

کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہون اور اس دفعہ کو مین آسانی کے لیئے ضمیمہ مین نقل بھی کیئے دیتا ہون -

قرآن شریف کالج کلاسون مین کالج کے وقت سے پہلے آدھا گھنٹہ پڑھنے کا دستور بھی مینے جاری کیا تھا تاکہ مسلمان بچون کو اپنی آسمانی کتاب سے کچھہ واقفیت ہو - چھوٹے بچون کو ایک حافظ صاحب جو بورڈنگ مین اسی مطلب کے لیئے رہتے ہین قرآن مجید ناظرہ پڑھنا سکھاتے ہین -

مسٹر ماریسن نے جب اس بات پر بہت دفعہ زور دیا کہ ایک عالم شخص نگران امور دینیات بورڈنگ ہاؤس کے لیئے رکھا جاوے تو انکی آنریبل سید محمود نے تو ہر بار تائید کی مگر آپ کچھہ عرصہ تک اسکو ناپسند کرتے رہے - مگر آخر کار آپ بھی رضا مند ہو گئے اور ایک مولوی وعظ فرمانیکے لیئے اور لڑکون کے دینی امور کی نگرانی کرنے کے لیئے مقرر کیئے گئے - یہ مولوی صاحب جنکا نام مولوی عبد اللہ انصاری دیوبندی ہے بباعث اپنے علم اور تقدس کے بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہین اور جیسا کہ اونکے آبا و اجداد تمام شمالی ہندوستان مین مشہور تہے ویسے ہی وہ بھی مشہور ہین

دینیات کی تعلیم کا کورس کالج کلاسون مین بڑھا دیا گیا ہے اور آئندہ اور بھی جہانتک ہو سکے گا بڑہایا جائیگا -

سوم طعام - انگلستان کے تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانیکی شکایتین ہر ایک بورڈنگ ہاؤس مین ضرور ہوتی ہین ہان اتنا فرق ہے کہ کسی مین تھوڑی ہوتی ہین کسی مین زیادہ -

پہلے یہ شکایتین زیادہ ہوتی تھین اور کھانے سے بیزاری یہانتک بڑھی ہوئی تھی

کہ آخر مایوس ہوکر یہ تجربہ کرنا پڑا کہ تمام انتظام کھانیکا ایک طالب علمونکی کمیٹی کے ہاتھ
مین دیدیا گیا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام نوکرون نے استعفا دیدیا اور پھر اس طریقہ کو
توڑنا پڑا اور جب فرسٹ کلاس اور سکنڈ کلاس کو ملا دیا گیا تو ڈائننگ روم مین
شور اور بے ترتیبی اسقدر ہوتی تھی کہ کان پڑی آواز نہ سُنائی دیتی تھی اور بہت
سے طالب علم دو دو حصّے کھا لیتے تھے اور بہت سے بیچارے بھوکھے کمرون کو
کو چلے جاتے تھے - ۱۸۹۱ء مین ایک فوڈ سپرنٹنڈنٹ مقرر کیا گیا اور پھر کچھ
ترقی ہوئی - تاہم میز کے دسترخوان ہمیشہ مَیلے رہتے تھے اور نوکرون کے کپڑون
کی حالت تو بالکل ناگفتہ بہ ہوتی تھی اور ڈسپلین بھی کافی نہ تھی یہ نواب محسن الملک
مولوی مہدیعلیخان بہادر کو جب وہ علیگڈہ مین [illegible] بہالوار گزرا -
اور چونکہ وہ ایک مستعد ٹرسٹی تھے اور اور انتظامات مین حصہ لیتے تھے انہون نے
اسبات پر زور دیا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب کو ڈائننگ روم کی نگرانی کے لئے مقرر کیا جاوے
اور یہ تجویز اونکی کامیاب ہوئی اور مسٹر ہورسٹ کو یہ کام سُپرد کردیا گیا - نتیجہ
اسکا نہایت طمانیت بخش ہے - لہذا مین سے فوڈ مانیٹر بھی امداد دیتے مین -
اور اب شکایتین بہت کم ہین -

چہارم - بورڈنگ ہاؤس کا حساب -

مولوی سمیع اللہ خان صاحب کے وقت کے حساب کے رجسٹر اسوقت میرے
سامنے ہین اور مین دیکھتا ہون کہ وہ کسی حساب کے اصول کے مطابق نہین
رکھے جاتے تھے سب سے بدیہی ثبوت اسکا یہ ہے کہ کوئی بلینس شیٹ (یا موازنہ) کبھی
نہین تیار کیا گیا - اور کوئی طریقہ نہین بتایا گیا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ

سیاہ اندراج صحیح ہوئے ہین یا غلط - طلبا کے بل کبھی ہموار نہین بھیجے جاتے تھے جیسا کہ اب کیا جاتا ہے اور مہمانون کی خوراک کے لیئے یا پرہیزی خوراک کے لیئے کچھ نہ لیا جاتا تھا - اور اور بہت سی رقمین ایسی چھوڑ دی جاتی تھین جنسے اب کافی آمدنی ہوتی ہے - کھانیکا محرر جو کہ اوسکا تعلق صرف مولوی سمیع اللہ خان سے تھا اور کوئی اوسکا نگران نہ تھا بہت کچھ غبن کر لیتا تھا -

گزشتہ دو تین سال کے عرصہ مین حسابات مین بہت کچھ ترقی کی گئی — اگر مین سب کچھ بیان کرون تو بہت طویل ہو جاویگا - اور اگر مین اسکا بھی خیال نہ کرون تو میری کیفیتون کو عام مسلمانون مین سے وہ اصحاب بالکل نہ سمجھ سکینگے جنکو حساب رکھنے کی اصطلاحون وغیرہ سے واقفیت نہین ہے اور جو حساب رکھنے کا کام خصوصیت کے ساتھ نہین جانتے اور ٹرسٹیون کو تو اختیار ہی حاصل ہے کہ وہ جسوقت ضرورت سمجھین پوری رپورٹ طلب کر لین -

پنجم - صحت — اس حصہ کے متعلق جب مین یہان آیا تو مجکو بڑی مشکل یہ واقع ہوئی کہ اسوقت جو اسسٹنٹ ڈاکٹر (یا ہاسپٹل اسسٹنٹ) یہان متعین تھا وہ بیمار بورڈرون کی خبرگیری کے لیئے بہت کم حاضر رہتا تھا مینے ایک کتاب بنوائی جسمین کہ ایک فہرست تمام بیمار بورڈرون کی لکھی جاتی تھی اور وہ پرنسپل کے پاس اور سول سرجن کے پاس ہر روز دستخط ہونیکے لیئے بھیجی جاتی تھی - اسکے بعد اسپر ہیڈ ماسٹر صاحب کے بھی دستخط کرائے جاتے تھے یہ کتاب دس سال سے جاری ہے - سول سرجن کے کالج مین آنے کی اوقات باقاعدہ مقرر کیئے گئے - بیمارون کی خوراک کے لیئے کوئی سامان نہین تھا

اَب یہ بھی فوڈ سپرنٹنڈنٹ کے فرائض مین شامل کردیا گیا ہے - اور مجھے پوری
ت تی ہے کہ سپرنٹنڈنٹ انکی کافی طور پر نگرانی کرتا ہے اور اکثر یوروپین پروفیسر
اور اونکی لیڈیز بھی بیمار طلبا کے لئے کھانا تیار کرکے بھیجتی ہین اور خود دیکھتی مین
خصوصًا جب کوئی طالب علم بورڈنگ ہوس مین زیادہ بیمار ہو جاتا ہے -
۱۸۹۳ء سے ۱۸۹۶ء تک کے عرصہ مین صرف ایک طالب علم بورڈنگ ہوس
مین مرا ہے - اور وہ بھی تعطیلون کے بعد گھر سے خراب حالت مین آیا ہے -
بیشتر اسکے کہ مین اس بیان کو ختم کرون یہ ضروری ہے کہ مین ایک دو لفظ
شکریہ کے اپنے نہایت ہی مہربان - سرگرم - اور لائق سول سرجن ڈاکٹر
رابرٹس کے لیئے لکھون جو کہ بیمار طلبا کے دیکھنے مین بہت تکلیف برداشت کرتے مین

ششم - صفائی - اس سرخی مین مفصلۂ ذیل قسمین شامل ہوسکتی مین
طلبا کے اپنے جسم کی صفائی - اون کے کپڑون کی صفائی - اونکے کمرونکی صفائی
اور کالج کے عمارات کی صفائی اور ترتیب -
جب مولوی سمیع اللہ خان صاحب سپرنٹنڈنٹ تھے تو بہت توجہ پکنے کمرون کے
آراستگی پر کیجاتی تھی - اور پکے کمرے اوس زمانہ مین اچھے آراستہ تھے - اگرچہ
طلبا عمومًا اس وجہ سے زیادہ مصرف ہوتے جاتے تھے مگر بورڈنگ ہاؤس کے
اور کمرہ (مین کہہ سکتا ہون کہ اَب زیادہ صاف مین بہ نسبت سابق کے -
اَب یہ کام پروفیسر مسٹر مارلیسن کے ماتحت کردیا گیا ہے اور وہ معینہ اوقات
پر کالج کے تمام کمرون کو دیکھتے ہین اور اس کام مین انکا بہت سا وقت صرف
ہوتا ہے کیونکہ اَب کوئی چند سال سے ہمارا بورڈنگ ہوس تنہا ، اللہ بہت بڑھگیا ہے -

...صہ سے طلبا کے لباس مین بہت ترقی ہوئی ہے - پہلے کچھ امیر طلبا بہت کچھ صرف
... قیمتی کپڑے پہنتے تھے مگر وہ بھی کوئی ایسے عمدہ نہین ہوتے تھے کیونکہ
... مین اونکا سلیقہ نہین ظاہر ہوتا تھا - حالانکہ کثرت سے طلبا بہت مَیلے
... تھے اَب ہمارے طلبا کا لباس صاف ہوتا ہے عمدہ ہوتا ہے اور اسکے
... تہ اتنا زیادہ قیمتی نہین ہوتا جس سے لڑکون کا کپڑونکی وجہ سے دوالا نکلا رہے -
...ئین اب انتظامی حصہ کے متعلق جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا ہون - اَب مین صرف
... الفاظ منتظمون کے شناف کے متعلق بھی کہونگا جسکے ذریعہ سے کہ تمام
...ظامی تجاویز عمل مین لائی جاتی ہین -

جماعت المنتظمین

...ڈنگ ہاؤس کا اچھا انتظام صرف اون قواعد پر ہی منحصر نہین ہوتا جو کاغذ پر
...ہے ہون مگر اسکا انحصار اون آدمیون پر ہوتا ہے جو اون قواعد پر عمل کراتے
...ن - اور یہ ایک ایسا اصول ہے کہ جسکو جتنی دفعہ دُھرایا جائے اُتنا ہی اچھا ہے
...نگر اسکو کبھی نہین بھلانا چاہیئے خاص مشکل جو ہمکو یہان واقع ہوتی ہے یہ ہی کہ
...دوستان مین سوائے ایسے انگریزون کے جنہون نے پبلک سکولون اور
...ہون مین تعلیم پائی ہو مثلاً آکسفرڈ اور کیمبرج مین کوئی آدمی ہمکو ایسا نہین ملسکتا
...اسباب سے واقف ہو کہ کس قسم کا کام انگریزی سکولون یا یونیورسٹی کے بورڈنگ
...دس مین ہوتا ہے - انگلستان مین ایسے آدمی آسانی سے ملسکتے ہین - اور
...ر ایک افسر ایسے جگہ کا اونکو نوکر رکھ سکتا ہے - اور یہان ایسے آدمی حاصل
...رنے کے لیئے ہمکو سکھانا پڑتا ہے - اور اسی وجہ سے بہت سا وقت اور

محنت اپنے ماتحتون کے سکہانے مین ضایع ہوتا ہے اور مین خیال کرسکتا ہون کہ جہانتک مجکو معلوم ہے کوئی اور کالج اس قسم کے آدمی سکہلانے مین کامیاب نہین ہوسکا جیسا یہ کالج ہوا ہے - ہمارے بورڈنگ ہاؤس کی جماعت منتظمین ابھی تک بھی جسقدر ضرورت ہے اوسقدر کافی نہین - چونکہ بورڈنگ ہاؤس بہت بڑہ گیا ہے اور کام بھی ہر ایک محکمہ کا ویسے ہی بڑہ گیا ہے - مگر پھر بھی ۱۸۸۳ء سے ۱۸۹۸ء تک جیسا سٹاف تھا اوس سے اسوقت پانچ گنا زیادہ محکم اور طاقتور ہے تمام پرانے اور حال کے سٹاف کی فہرست اس خط کے خلاصہ مین جو صفحہ ۲۲ و ۳۳ پر درج کیا ہے پائی جائیگی اوس سے حال کے سٹاف کی طاقت کا مقابلہ بخوبی ہوجائیگا -

(ب) جسمانی تعلیم اور کھیل

مدرسۃ العلوم کی شہرت کھیلون اور جسمانی تعلیم مین ہندوستان کے تمام کالجون سے بڑھی ہوئی ہے - اسکی کرکٹ الیون نے ایک سال میرٹھ - لکھنو - آگرہ - الہ آباد کی انگریزی کلبون کو شکست دی ہے - اور یہی تمام صوبہ مین کرکٹ کی سب سے بڑھی ہوئی پارٹییں تھین - کوئی ہندوستانی ٹیم تو تمام شمالی ہندوستان مین اسکے مقابلہ کی امید نہین کرسکتے - ہماری فوٹ بال کے ٹیم بھی تمام شمالی ہندوستان کے کالجون سے بڑھکر ہے - اور صرف ہمارا ہی کالج ایک ایسا ہے جسمین رائڈنگ سکول بھی گھوڑے کی سواری سکہانیکے لیئے ہی - الہ آباد کے اتھلٹک ٹورنامنٹ مین جسمین نو کالج ایک دوسرے کے مقابلہ پر تھے ہمارے کالج نے ۱۲۰ تمغون مین سے ۱۴ حاصل کیئے - باقی ۶ صرف اور ۸ کالجون کے لیئے چھوڑے - انگریزون کی نظرون مین ہمارے کالج کی وقعت اتنی اور

کسی سبب سے ہنین جتنی کہ اسکے مردانہ کھیلون کی وجہ سے ہے - اور اونکی مفید
اثر جو صحت - طاقت - اور عام لیاقت پر ہوتی ہین اون سے صرف وہی شخص
انکار کرسکتا ہے جو ان معاملات مین بالکل نادان ہو یہ تمام کامیابی مستقل اور
سخت محنت کے بعد حاصل ہوئی ہے - بعض آدمی ایسے بھی بیوقوف ہوتے ہین
جو کہا کرتے ہین کہ طالب علم کا مردانہ کھیل مین اچھا ہونا ثابت کرتا ہے اوسکی
دماغی تعلیم مین کم ہونیکو - یونیورسٹی کے امتحانات مین کامیاب طلبا کا نقشہ جسے
صفحہ ۳۰۴ پر دیا ہے اوسکے اعداد سے اس خیال کی غلطی صاف ظاہر ہوجاتی ہی -

ج - لائبریری ڈبٹینگ و بٹیرلویک سوسائیٹیز -

ان انجمنون نے جنکی فہرست اس خط کے خلاصہ مندرجہ صفحہ ۲۴
مین درج کی گئی ہے اور کھیلون نے جنکا اوپر بیان کیا گیا ہے کالج کی زندگی کو
ترقی دینے مین اسقدر بڑا کام کیا ہے کہ اور کسی چیز نے نہین کیا - اونکی تعلیمی قدر
کو ہم جسقدر بڑھائین اوسیقدر کم ہے - انجمن الفرض نے فی الحقیقت ایک اصلی لگاؤ
کالج کے ساتھ پیدا کردیا ہے - اور اونکو اسبات کی طرف رغبت دلائی ہے کہ
مسلمانون کی ترقی مین کوشش ہونی چاہیئے - ہمارے پاس یہ انجمن لڑکون کو (بعض)
رفاہ عام کے کام سکھانے کا ایک بڑا ذریعہ ہے - سچ تو یہ ہے کہ اگر (جیسا
کہ مولوی سمیع اللہ خان صاحب فرماتے ہین) تمام کالج سٹاف کے ممبرون کو بورڈنگ
ہاؤس سے نکالدیا جاے اور اسکے تمام کامون کو کسی ایک یا دو ایسے پرانے فیشن کے
آدمیون کے زیر نگرانی کر دیا جاے جیسی کہ وہ خود ہین تو یہ تمام انجمنین اور کھیل
وغیرہ یا تو کالج سے بالکل جاتے رہین اور اگر قائم بھی رہین تو نہایت کمزور حالت مین

اور یہی وجوہات ہین جن سے اونکی چھٹی کے آخری حصہ مین جو تجاویز پیش کی گئی ہین اونکا بیکار ہونا ثابت ہوتا ہے - ان انجمنون وغیرہ کی متعلق اگر کوئی صاحب زیادہ حالات معلوم کرنا چاہتے ہین تو اون کو چاہیئے کہ محمدن کالج ٹرائرکٹری کو ملاحظہ کرین (یہ کتاب مولوی طفیل احمد صاحب کی تصنیف ہے - اور انجمن الفرض کی طرف سے طبع ہوئی ہے اور انجمن مذکور کی دوکان مدرستہ العلوم علیگڈہ سے ... روانہ کرنے پر ملسکتی ہے)

اب مین خلاصہ کے طور پر اون تمام باتون کو جمع کرتا ہون جو کہ مینے بیان کی ہین یا جنکی نسبت مینے کوئی اشارہ کیا ہے اور اس سے ایک نظر دیکھنے پر معلوم ہوجائیگا کہ ۱۸۸۰ء کے بعد بورڈنگ ہوس کو کیا بلحاظ تعداد بورڈرون کے اور کیا بلحاظ ہیچ در ہیچ انتظامات کے بہت بڑی ترقی ہوئی ہے -

خلاصہ چیٹھی جس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ بورڈنگ ہوس مدرستہ العلوم کیحالت اب کیسی ہی اور پہلے کیسی تھی

امور جنکا موازنہ ہوکر جنکا مقابلہ کیا جاتا ہے	۱۸۷۵ء سی ۱۸۸۰ء تک کیحالت	زمانہ حال کی حالت
تعداد بورڈران	۱۸۸۰ء مین ۱۱۸	۱۸۹۵ء مین ۳۰۰
آمدنی فیس تعلیم اور کرایہ سے	کمی سالانہ آمدنی مین [illegible]	زیادتی سالانہ آمدنی مین [illegible]
(۱) حصہ انتظامی (ایڈمنسٹریٹو ڈپارٹمنٹ)		
اول (۱) ڈسپلین یا تربیت	نہایت ہی خراب	اچھی
(۲) اخلاق	خراب	نہایت ترقی پر
(۳) اوضاع واطوار	اچھی	بہت ترقی پر
(۴) ایسوزیشن	کوئی باقاعدہ انتظام نہین تھا	اب باقاعدہ طور پر کہائی جاتے ہین
(۵) مورننگ اور نائٹ سکول	کوئی نہین تھا	اب باقاعدہ طور پر جاری ہین -

مد بورڈنگ ہو جن کا مقابلہ کیا جاتا ہے	۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء تک کی حالت	زمانہ حال کی حالت
دوم (۱) نماز	نہایت ہی کم حاضری ہوتی تھی	صرف کالج کی طلبا کی حاضری ۱۸۹۶ء مین ۳۳۳۲۵ ہوئی۔
(۲) قرآن کا پڑہانا	نہین تھا	باقاعدہ طور پر جاری ہے۔
(۳) وعظ	نہین ہوتا تھا	کالج کے ڈین کا ایک فرض ہے جو وہ ادا کرتے ہین۔
سوم۔ خوراک	بہت بے ترتیبی اور ہمیشہ کی شکایتین۔	اچھا انتظام اور شکایتین کم۔
چہارم۔ حساب بورڈنگ ہوس	کوئی باقاعدہ نہین تھا	بہت ترقی ہوئی ہے۔
پنجم۔ صحت	اچھی	بہت ترقی ہوئی۔
ششم۔ صفائی لباس وغیرہ	اوسط درجہ	کچھ ترقی ہے۔

(ب) جسمانی تعلیم (جو فی الحقیقت کبھی مولوی سمیع اللہ خانصاحب کے ماتحت نہین رہی)

اوّل۔ کرکٹ	ممالک مغربی وشمالی مین سب سے اچھی ٹیم ہندوستانی ٹیمون مین مگر انگریزی سے کم۔	شمالی ہندوستان کی انگریزی اور ہندوستانی دونو ٹیمون سے بڑھی ہوئی۔
دوم۔ فوٹ بال	بالکل نہین۔	ایک اچھی ٹیم ہے۔
سوم۔ رائڈنگ سکول	بالکل نہین۔	اچھی حالت مین ہے۔
چہارم۔ فوجی ڈریل (یا قواعد	بالکل نہین۔	اچھے طریقہ کے ساتہ باقاعدہ
پنجم۔ تمام ورزشین (اتھلیٹک سپورٹس	اچھی	تمام ممالک مغربی وشمالی مین سب سے بڑہکر۔

مد بورڈنگ ہوس جسکا مقابلہ کیا جاتا ہے	سنہ ۱۸۸۳ء سے سنہ ۱۸۹۵ء تک کی حالت	زمانہ حال کی حالت
ششم - ڈمبل کی ورزش	بالکل نہین	ابھی قایم کی گئی ہے -
ہفتم - جمناسٹک	بالکل نہین	ایسی اچھی حالت مین نہین -

ج - کتب خانہ - مباحثہ کی اور بہتر یونک انجمنین

اوّل - سٹڈنٹس یونین کلب	ابتدائی حالت (پرنسپل کے متعلق)	بہت بڑھ گئی ہے اور روز افزون ہے -
دوم - انجمن الفرض	نہین تھی	اپریل سنہ ۱۸۹۵ء [illegible] جمع کر چکی ہے -
سوم - اخوان الصفا	نہین	بہت اچھی -
چہارم - برادرہڈ	نہین	اچھی -
پنجم - لجنۃ الادب یا اردو مین تقریر کرنیکی کلب	نہین	بہت اچھی -
ششم - انٹرنس کلاس ڈبیٹنگ کلب	نہین	اچھی -
ہفتم - کالج میگزین یا (کالج کا ماہوار رسالہ)	نہین -	اب اسکی اشاعت ۴۰۰ کے قریب ہے -
جماعت المتنظمین یا ایگزیکٹو سٹاف	۱ - منیجر بورڈنگ ہوس ۲ - نائب یا اسسٹنٹ منیجر	۱ - پرنسپل - بورڈنگ ہاوس کے تمام محکمونکا جنرل سپرانٹنڈنٹ [illegible] دیگران

۳- ہاسپٹل اسسٹنٹ

کرکٹ کلب اور سٹڈنٹس یونین کلب کا پریزیڈنٹ
کالج میگزین کا انگریزی ایڈیٹر۔
۲- پروسٹ - کمروں کی صفائی - ورزشین
فٹ بال - رائڈنگ سکول اور برادرہڈ -
۳- پروفیسر آرنلڈ - ڈیوٹی - اخوان الصفا
۴- ہیڈ ماسٹر - ڈائننگ روم - سکول کے طلبا
کے اخلاق - صحت اور حسابات -
۵- پراکٹر - عام ڈسپلین اور کمروں کا تعین
۶- فوڈ سپرنٹنڈنٹ - انتظام طعام - حساب
رائڈنگ اسکول - اور منیجر کالج میگزین -
۷- مولوی محمد شبلی نعمانی اردو ایڈیٹر کالج میگزین
۸- اکونٹنٹ - حسابات بورڈنگ ہوس
۹- اسسٹنٹ اکونٹنٹ -
۱۰- ہاسپٹل اسسٹنٹ -
۱۱- نگران امور دینیات بار ڈین)-
۱۲- سپرنٹنڈنٹ نماز -
۱۳-۱۴- نائٹ سکول - اور مورننگ
سکول کے استاد -
۱۵- امپوزیشن کا ماسٹر

۱۶- راؤنڈنگ سکول ماسٹر-
۱۷- ڈریل سارجنٹ اور جمناسٹک ٹیچر-
۱۸- بیس مانیٹر جو پراکٹر فوڈ سپرنٹنڈنٹ
کو ڈرل سارجنٹ کو اور نماز کے سپرنٹنڈنٹ
کو مدد دیتے ہین -

بورڈنگ ہوس کی گزشتہ اور موجودہ حالت کے متعلق یہ اصلی واقعات ہین اور
ان مین سے ہر ایک واقعہ کے صحیح ہونیکا ثبوت دینے کے لیئے مین تیار ہون -
مولوی سمیع اللہ خانصاحب کا یہ فرض تھا کہ کالج کے اوپر تہمتین لگانیسے
پہلے واقعات کو معلوم کر لیتے -
ان مین سے بہت سے تو میری سالانہ رپورٹون وغیرہ مین شایع ہو چکے
تھے - اور اگر اون کو اور زیادہ واقعات معلوم کرنے تھے تو ہر قسم کی خبر اون کو
دیجا سکتی تھی - اور اگر وہ ان سب واقعات کو جانتے تھے - تو وہ اس بات کے
بالکل ناقابل ہین کہ کالج کی کامیابی یا ناکامی کی نسبت کوئی راے قایم کرسکین
یا اسکے انتظام مین اونکو چھوٹے سے چھوٹا بھی دخل دیا جاے مگر حقیقت مین
کافی شہادت اس بات کی ہے کہ اون کی یہی حالت ہے -
کیونکہ اس مین کوئی شبہ نہین ہو سکتا کہ بورڈنگ ہاؤس جسوقت اون کے
ماتحت تھا اوسوقت کیا بلحاظ طلبا کی تعداد کے اور کیا بلحاظ آمدنی کے اسمین
بہت تنزل ہوتا گیا - اور اسکا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اونکی زیر نگرانی تھا -
شکایتون پر شکایتین اس قسم کی مجکو معلوم ہوئی ہین کہ بہت سے طلبا یہان پر

تربیت کافی نہونیکے باعث سخت خراب ہو گئے - اور اونکے والدین نے اون کو
ناراض ہو کر واپس بلا لیا - اور کوئی بورڈنگ ہوس ہی مین مولوی سمیع اللہ خان نے
اپنی ایسی لیاقت نہین ظاہر کی جس سے وہ تعلیمی کام کے چلا نیکے قابل خیال کئے جائین
بلکہ بحیثیت ایک ایسی کمیٹی کے ممبر ہونیکے جو شریف آدمیون کو نوکر رکھتے ہو -
اونہون نے سٹاف کے دلین ایسی بدگمانی بٹھا دی کہ مسلمان پروفیسرون مین
سے ایک سب سے اچھی پروفیسر مولوی محمد اکبر نے یہ کہا تھا کہ اگر آپ کے (سر سید کے)
بجاے مولوی سمیع اللہ خان سکرٹری ہوئے تو ہم تو یہان کبھی نہ رہ سکین گے -
اور اسی واقعے کے خوف سے ایک دوسرے پروفیسر مولوی امجد علی نے تو کالج کو
چھوڑ ہی دیا - اور جب سید محمود صاحب جائینٹ سکرٹری مقرر ہوئے اور آیندہ کے
لیئے یہ معلوم ہوا کہ وہی آپ کے بعد سکرٹری ہونگے تب ہندوستانی اور انگریزی
پروفیسرون کو اطمینان ہوا - اور غالباً یہی تقرر ہے جسکی وجہ سے مولوی
سمیع اللہ خان نے ٹرسٹی ہونیسے انکار کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ حال کے
قواعد کو موقوف کرانا چاہتے ہین - مگر ان قواعد کی عمدگی پرانے قواعد کے مقابلہ
مین ہر ایک شخص پر جو انکا مقابلہ کرے صاف ظاہر ہو سکتی ہے - جب سے یہ قواعد
بنے ہین اوسوقت سے اونہون نے اپنی دشمنی کو صرف اپنی محسن یعنی خود آپ پر
محدود نہین رکھے بلکہ وہ اس قومی کالج کے بھی دشمن ہو گئے - اونہون نے روپیہ
جمع کیا کہ اس بورڈنگ ہاؤس کے مقابلہ مین ایک اور بورڈنگ ہوس الہ آباد مین
قائم کرین اور بہت سی لڑکونکی والدین پر جو مدرسۃ العلوم کے طالب علم تھے یہ زور دیا کہ
وہ اپنی بچونکو یہان سے علیحدہ کر کے اون کے بورڈنگ مین رکھین -

اور ایسے ہی ایسے اور بہت سے طریقوں سے یہ کوشش کی کہ اس کالج کو ضرر پہنچے مگر جسوقت ہم یہ دیکھتے ہین کہ جب تک مولوی سمیع اللہ خان کالج کے منتظمین کی جماعت مین تھے تو تمام سٹاف کے ممبر ناراض تھے اور اب وہ سب خوش ہین اور اوسوقت بورڈنگ ہوس کو تنزل تھا اور اب جبکہ وہ اپنی کوشش اسکی ترقی کے روکنے مین کر رہے ہین اسکو ترقی ہوئی تو ہمکو صاف معلوم ہوتا ہو کہ مولوی سمیع اللہ خان کی دوستی سخت نقصان دہ ہے بہ نسبت اونکی دشمنی کے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اونکے تمام خط مین صرف ایک مقام ہے جس سے مَین بھی متفق ہون اور وہ وہ مقام ہے جہان وہ تعجب ظاہر کرتے ہین کہ کیون اونکو ٹرسٹی بنانے کا پروپوزل دوبارہ کیا گیا ۔

جب مَین یہ کہتا ہون کہ ہمارے کالج نے ترقی کی ہے تو میرا یہ مقصد نہین ہوتا کہ ہم اب کیا بلحاظ اپنی تعداد کے اور کیا بلحاظ انتظام کے اپنے مقصد اصلی تک پہونچ گئے ہین ۔ جو درجہ ہماری مدنظر ہے کہ یہ کالج حاصل کرے وہ ابھی تک بہت دور ہے ۔ اور ابھی تک اسکو ہرگز یہ منصب حاصل نہین کہ اس مین انگلستان کے کسی پبلک سکول اور کیمبرج یونیورسٹی کی باتین پائی جا سکین سکول کے بورڈرون کو علیحدہ مکانات مین رکھنا چاہیئے اور اون کے اوپر ماسٹر نگران رہنے چاہئین جو وہین رہا کرین ۔ مختلف کلبون اور انجمنون کو بڑھانا چاہیئے تاکہ وہ طلبا کی روزافزون تعداد مین سے زیادہ کو اپنے مین شامل کرسکین ۔ اس کام کے پورا کرنے کے لیئے برسون کی سخت محنت درکار ہے ۔ طلبا کی تعداد کے متعلق مین اکثر کہہ چکا ہون کہ ایک دن ایسا آئیگا

کہ ایک ہزار مسلمان طلبا ہمارے بورڈنگ ہاؤس مین ہون گے۔ ہماری آخری اور اصلی آرزو کو ہمارے صوبہ کے لفٹنٹ گورنر سرانیتھونی میکڈونل نے اپنی تقریر مین جو ابھی تھوڑے دن ہوئے سٹریچی ہال مین فرمائی تھی اس طرح بیان کردیا ہے "یہ امید کرنا کچھ بڑی بات نہین ہے کہ یہ کالج ایک دن محمدن یونیورسٹی (یا دارالعلوم مسلمانان) ہو جائیگا۔ اور یہ جگہ تمام مشرق کا تعلیمی مرکز بنجاوے گا اور انہین بورڈنگ ہوس کے کمرون مین بیٹھکر مسلمانی ذکاوتین نئے نئے علوم ایجاد کرین گے۔ اور انگریزی راج کی حفاظت مین رہکر وہ وہ اخلاقی۔ مذہبی اور تمدنی ترقیان کرین گے کہ جنکی نہ مکہ سے امید ہو سکتی ہے نہ استنبول سے۔"

اشتہار

محمدن پریس علیگڈھ

یھہ مطبع تین سال سے قایم ہے اور چھپائی اور حسن طبع کے اعتبار سے برابر ترقی کرتا جاتا ھے اس نے عمدہ تحریر اور عمدہ طبع اور صحت کا کافی انتظام کرلیا ہے اور اس قدر اسٹاف تیار کرلیا ہے کہ ہر کام کو وقت پر انجام دے سکے - جو شکایات کہ عموماً وقت پر کام طیار نہ ہونے کی اکثر مطابع مین رہتی ہین اوسکا انتظام باحسن وجوہ کردیا گیا ہے - ہمکو قوی امید ہے کہ جو صاحب ہمارے مطبع سے کوئی کتاب یا کاغذ چھپوانا چاہین اون کے حسب منشا ذیل کے نرخ پر اون کو مل سکیگی - نمونہ طبع کے لیئے کالج میگزین موجود ہے - جملہ خط و کتابت منیجر محمدن پریس علیگڈھ سے ہونی چاہیئے راقم منیجر محمدن پریس علیگڈھ -

کاغذ			۵۰۰ جلد کے لیئے	۱۰۰۰ جلد سے ۲۰۰۰ جلد کے لیئے	۲۰۰۰ جلد سے زاید کے لیئے
قسم کاغذ	وزن کاغذ	تقطیع کاغذ			
ولایتی	۲۰ پونڈ	۲۰ × ۲۶	۲۲ جزو فی روپیہ	۲۵ جزو فی روپیہ	۳۰ جزو فی روپیہ
"	۱۴ پونڈ	۱۸ × ۲۲	۳۵ جزو فی روپیہ	۴۰ جزو "	۴۵ "
"	۲۴ پونڈ	۲۲ × ۲۹	۲۵ جزو "	۳۰ جزو "	۳۵ "
سیرام پوری	۲۸ پونڈ	۲۶ × ۴۰	۵۰ جزو "	۵۵ جزو "	۶۰ "
"	۱۴ پونڈ	۱۸ × ۲۲	۵۵ جزو "	۶۰ جزو "	۶۵ "
"	۳۲ پونڈ	۱۹ × ۴۴	۴۵ جزو "	۵۰ جزو "	۵۵ "

POEM.

A holy man there was and free from fault,
Who dwelt alone beneath the sky's blue vault,
In a great desert, solitary, bleak :
Spare was his form. and hollow was his cheek.
One morning, as to pray the saint began,
He spied a Faun, a wild goat-footed man,
Who with an humble look and features meek
Came towards him, and at once began to speak.
"Good sir" said he, " O grant me thus much grace !
" Wilt thou not pray for me and all my race,
" That we celestial bliss at last may reach—"
The holy man replied with measured speech ;
" Such prayer would be both useless and o'er bold,
" Thou canst not enter in the chosen fold :
" Thou art not for angelic portion meant,
Behold the proof ! thou'rt cursed with goats' feet ! "
The Faun laughed bitterly and loud. Quoth he,
" Why should my goats' feet close that door to me
" For many folk have been admitted straight,
" With asses' heads, in at the blessed gate ! "

From the German of

W. VON GOETHE.

THE LIEUTENANT-GOVERNOR'S REMARKS.

His Honour the Lieutenant-Governor in his speech at the Meerut Durbar made the following remarks on the M. A.-O. College, Aligarh :—

"I have visited the Mahomedan Anglo-Oriental College at Aligarh, and have found in it not only an educational institution of high efficiency and merit, but an example of what can be effected by self-help and by personal energy and influence."

CORRESPONDENCE.

BUDAUN,
23. 1. 1896.

SIR,

I shall be much obliged if you will kindly publish it in the next issue of your College Magazine :—

Last year the Budaun students formed an Anjuman, called Anjumani-Rafikul-tulaba.

Its chief aim is to help the poor Mohammadan students with fees and books &c. The nobility of the town have now begun to join it. At the last weekly meeting, it was decided that this Anjuman should arrange one or two scholarships for the poor Mohammadan students reading in the M. A.-O. College, Aligarh. We hope to do so in July next.

Its 1st Annual Sitting came off, at the house of Mauvi Wazir Ahmad Sahib, B. A., Rais of Budaun, on the 31st of December last. Mr. Piggott, C. S., presided over the meeting. Among notable men present, may be mentioned Maulvi Wazir Ahmad Sahib, B. A., Ch. Sad-uddin Hussain Sahib, Syed Mohammad Husain Sahib, Deputy Collector, Mr. M. Alaul Hasan, B. A., Deputy Collector and Rahman Husain Khan Sahib, Tahsildar. Maulvi Waheed-ullah Khan Sahib, the Honorary Secretary of the Anjuman, read his report in which he briefly described the doings of the Club, for the year 1895, the year of its very birth.

The soul and life of the Society, the orator of the Anjuman—nay—the orator of the city, Mr. Shakoor Bakhsh, B. A., then spoke.

He pointed out the way, by which the Anjuman can reach to its highest position. His speech was very animated and eloquent, studded with flowery sentences. Besides this there were other speeches, made by other gentlemen.

In the end the President rose up, who was received with cheering.

He was very astonished, as well as very glad, he said, to see such a sort of Club here at Budaun. He said, it was the first one of the kind.

Yours obediently
KASIM HASAN,
An ex-student of
M. A.-O College, Aligarh.

eccentric old gentleman of Nottingham (which was also the home of the real George Eliot) named (I think) Brown; and on his being asked if this was the case, he gave the world to understand that he really had written Adam Bede;—smiled and bowed, metaphorically speaking, and accepted the admiration and homage which were waiting for the author. This deception caused a good deal of inconvenience before it could be set right and it was only after the authoritative denial of his claim by Miss Evans' publishers that the good old gentleman withdrew his pretensions. He had probably really persuaded himself that he was the author, as he had always considered himself a man of genius.

This claim to be the founder of the M. A.-O. College, however, is still more ridiculous, as it can have no chance of deceiving any one at all.

PERSONAL NEWS.

Mahomed Zaman has been appointed Army Schoolmaster and Duffadar in the Third Bengal Cavalry at Faizabad.

Ashraf Khan has been appointed General Monitor in place of Mahomed Zaman. He will receive the silver badge.

Deputy Collector, Alaul Hasan, B. A, has very kindly presented Rs. 200 to the College.

Mahomed Ali Buland Akhtar has been promoted to the Rs. 60 grade of Naib Tahsildars and transferred to Secundrabad, District Bulandshahr.

Mr. Kahtan Ali, son of the late Prime Minister of Zanzibar, has very kindly presented some books to the Siddons Union Club.

M. Abdul Rashid of Gorakhpur has also kindly presented a copy of the Holy Koran to the Siddons Union Club.

THD FOUNDER OF THE M. A.-O. COLLEGE.

It appears that a Congress paper has made public a theory that the M. A.-O. College was not founded by Sir Syed Ahmed, but by a mysterions and apparently nameless "European gentleman who is at present in India" and "thinks that the College has been turned to very unworthy objects." (We quote from a Congress newspaper).

Who is this wonderful person and why does he shroud his good deeds in such darkness and mystery? God has given him health and strength and it is to be supposed, a name, instead of which he seems to go about founding Colleges anonymously. His object must surely be to do good in secret and if so he is to be congratulated on his success, for he has managed to found the M. A.-O. College without any of the Trustees, the Secretary or Joint-Secretary or any of the staff, from the day the College was opened until now, knowing anything whatever about it or about him, not even that he exists. It has been left for a Congress newspaper to drag him, still nameless, from his modest seolusion. Until a name and address can be furnished him, however, we shall continue to consider Sir Syed Ahmed as the founder of the College to which he has devoted the last 20 years of his life, and the conception of which had not even dawned on any of his fellow-countrymen until he brought it to fulfilment.

A parallel case to this is that of the great English novelist Miss Marian Evans, who being a woman, wrote under the nom-de-plume of George Eliot. Her earliest novel, "Adam Bede," made a great sensation, and there were many inquiries as to the author. A rumour got about that the real author was an

for every Mohammadan, is originated, not only by the efforts of the Venerable Dean, but by the valuable advice of the College Professors as well, as was displayed on this happy occasion.

SHUJA-UD-DIN KHAN.

IN MEMORIAM.

We regret very much having to record the death in England of Mr. J. H. Harrison, who was for three years Collector of Aligarh, and who went on furlough last rains. Mr. Harrison was a very energetic and popular Collector. He was a first class man of business, and his kind heart and straightforward manner made him much liked by the Raises and other gentlemen with whom he came in contact. He was a warm friend of the College, and publicly expressed his approval of the "Aligarh brand" of students. The news of his death caused much grief in the station.

We are also very sorry to announce the death of Mr. Nesbitt, Principal of the Bareilly College, and formerly a Professor in the M. A.-O. College, Aligarh. Mr. Nesbitt left the M. A.-O. College in 1885, and resided for some time in England and America, after which he came back to India and was appointed to the post he held at his death. Mr. Nesbitt was struck with a sort of epileptic seizure the very day he was to start on six months' leave to England, and died the next day.

THE UNIVERSITY TOURNAMENT.

A meeting of the Committee of the University Sports Tournament was held in Allahabad on March 3rd, at which it was decided that the next Tournament should be held in Agra. The Revd. Mr. Patterson of the St. John's College, and Mr. Douglas of the Agra College were requested to form a local committee to carry out the necessary arrangements. It was agreed that a die should be cast for the medals for the winners of the prizes, and that cricket and football trophy shields should be made, to be won by any team which for three successive years stood first in cricket or football, the present year to count as the first year qualifying for these shields.

"KHATAM OF THE QURAN."

This year we had our Quran recited by Sayed Hussan, a student of the Second Year Class of the College, during the *Taravies*. The Quran was recited twice during the whole month, by the above gentleman The average attendance of the students that attended the mosque in *Taravies* was above seventy. It was mainly owing to the eloquent reading of the above gentleman that the attention of a large number of students was drawn to attend the mosque, and thenceforth to know their respective duties towards God as prescribed by the Mohammadan laws.

In short, on the 29th of the month of Ramzan, as falling on the 15th of March 1896, by the order of the Dean of the College, the "Khatam" took place at 9. P. M. Some of the College students of the 1st and 2nd Year Classes took up the charge of making proper arrangements in the mosque for the visitors. Some of the chief gentlemen of the city were invited to attend. The mosque was properly decorated, and great many lamps were lighted. Sweetmeats were distributed on the occasion. We had not less than 300 men including students and visitors, praying in the mosque.

The Professors of the College were all invited, but unfortunately they were away from the station.

When the prayers were finished, some of the Monitors as well as the students above mentioned, showed great energy in distributing sweetmeats and in preserving order in all quarters.

Thus was the "Khatam" ended. In reference to the above, we are very glad to remark that in the students of this College, that true love for their religion, which is necessary

Jalil	b Smallwood	9	Not out	33
Mohammed Zaman	b Smallwood	11	c and b Smallwood	38
Abdullah	Run out	2	c and b Smallwood	0
Ali Hassan	Not out	0	Run out	19
Extras		2	Extras	6
	Total	80	Total	232

STATION CLUB.

Captain Longley	b Mughni	18	b Abdullah	5
Mr. Dunn	b Abdullah	4	c Sarfraz b Mughni	23
Dr. Hunderson	b Mughni	0	c and b Mughni	1
Mr Smallwood	c Zaman b Mughni	3	c and b Abdullah	17
Captain Reid	lbw Abdullah	3	c Abdullah b Mughni	20
„ Shadwell	c Zaman b Mughni	15	c and b Abdullah	15
Patterson	b Abdullah	0	b Mughni	0
Martin	c Azmat b Mughni	9	b Mughni	0
Captain Davidson	Not out	13	b Abdullah	1
Mr. Clarke	b Mughni	0	c Ehsan b Mughni	5
Captain Goodyer	Run out	0	Not out	
	Extras	5	Extras	7
	Total	71	Total	93

Won by 148 Runs

Our batting was not good in the first Innings, the station also fared very badly. In the second Innings we played up better, and scored very fast.

Our bowling in the second Innings was too much for the opposite team and they were disposed off in a very short time.

For four years we have tried in vain to get the better of this Club. We have met them every year and have hitherto found them too strong for us, but this year we reaped the reward of our perseverance and have won a victory that we are particularly proud of.

In addition to these two matches have been played against an Aligarh Station team organized by Mr. Sparling. The first was of a most exciting character. The station going in first scored 63 runs, the College replied with 79 runs. In the second innings the Station scored 119 and the College with one wicket to fall had six runs to make when time was called. This was about the closest match the College have played this season and we barely secured a victory on the first innings. In the second match the College playing against a much weaker station team won quite easily.

There have been several matches against teams of sodiers from the rest camp but in no case have we met with a really good team.

Ahsanul Haq b R. Gordon	10		
Sarfraz Khan lbw J. Gordon	0	c Caleb b R. Gordon	17
Jilil-ur Rahman b J. Gordon	1	c Parshad b J. Gordon	13
Mohammad Abdullah b J. Gordon	11		
Mohammad Zaman not out	26	b R. Gordon	57
Niaz Mohammad b R. Gordon	4		
Aziz c Roy b Gongoli	2		
Extras	8	Extras	7
Total	141	Total for 5 wickets	186

MUIR CENTRAL COLLEGE.

S. P. Sanyal	c Sarfraz b Abdullah	12	b lbw Ali Hasan	7
R. Fleming	c Abdullah b Ali Hasan	4	b Ali Hasan	2
S. N. Gangoli	c Ahsan b Ali Hasan	1	b Abdullah	3
Abdul Rahman	b Aziz	19	b Ali Hasan	9
L. A. Banerji	b Ali Hasan	2	b Aziz	10
J. Gordon	b Abdullah	19	b Aziz	17
R. Gordon	b Aziz	8	b Aziz	0
K. C. Banerji	b Abdullah	2	b Aziz	0
K. Roy	b Abdullah	0	b Aziz	9
Jwala Pershad	b Ali Hasan	4	b Aziz	1
E. Caleb	not out	0	b not out	2
	Extras	5	Extras	8
	Total	79		68

Won by 183 runs.

This was one of the most interesting matches of the tour. In the earlier rounds of the Inter-Collegiate competition we had been drawn first against Fyzabad whom we defeated very easily. Declaring our innings closed at 193 for 4 wickets we got them all out for 10. In the second round we beat Agra College by 6 wickets. Going in first they scored 72 which we managed to knock off for the loss of 4 wickets.

Each of the earlier matches had been limited to one innings, but it was decided by the Sports' Committee that the final should be a two innings match and two days were allotted to it. The fact that the excellent

dom of choice to students to take up those subjects in which they feel a genuine interest ; and it will enable the different Colleges to specialize to some extent, each College taking up those subjects which its staff is best qualified to teach. Hitherto the Colleges of the Province have presented the somewhat ridiculous spectacle of each being almost an exact copy of the other ; no College excelling in any particular line, but all Colleges attempting to teach all subjects and teaching none of them thoroughly. When the Colleges have chosen their own lines students will be able to choose their College according to the facilities offered for teaching the subject to which they wish to devote themselves. The Colleges will put much greater life into their work, and we shall no longer waste the high attainments of several professors in these Provinces who have been obliged hitherto to confine themselves to comparatively elementary teaching and have been unable to train up real scholars. It is probable that the M. A.-O. College will specialize in the direction of English, History, Arabic, and Mathematics. The principle involved in this new departure is that carried out in the Universities of Cambridge and Oxford, whereas hitherto the Universities of India have been framed on the very inferior model of the University of London.

Another matter of considerable importance to students was decided, namely that candidates for the L. L. B. must pass the B. A or B. Sc. before commencing the study of law. The Persian course for the Entrance was changed, and the question of making the Persian course for the B. A. equal to the Philosophy course was seriously taken in hand. It is satisfactory to record that the present Registrar was re-elected without opposition.

M. A.-O. COLLEGE CRICKET.

(Continued from p. 119.)

M. A.-O. College against Muir Central College.

M. A.-O. College.

Azmat-Ullah	b. Gangoli	16	ct. Fleming b. Sanyal	85
Kabir	run out	12	not out	3
Ziaullah	run out	34	ct. Abdul Rahman b Sanyal	4
Ali Hasan	c Gangoli b Benerji	16		

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 3.	APRIL 1, 1896.	No. 4.

THE ALLAHABAD UNIVERSITY.

Some important questions were discussed at the series of meetings of the Allahabad University held in the beginning of March. The most important of these related to the course of study for the B. A. degee. A motion was proposed by Dr. Thibaut that Philosophy should not be made compulsory and that certain other changes should be introduced into the course. This motion was referred by the Senate to a committee of several members of the Faculty of Arts, with instructions that the Committee should revise the proposal and bring it forward in the meeting of the Faculty of Arts to be held in November next. The general principles which underlie the scheme for the revision of the B. A. are that higher courses should be introduced for most subjects, and that every student should be obliged to take English as a compulsory subject while he should have the choice of taking any two of the ordinary courses in other subjects, or one ordinary course and one higher course in the same subject. For example in history it is proposed that the ordinary course should consist of general history and political economy, and the advanced course of political science and the thorough study of a special period in history. The advantages of the scheme are that it will give an opportunity to intelligent students to obtain a scholarly knowledge of some branch of study ; it will give much greater free-

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A.-O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs. 3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p p. for Rs. 3 or for Re. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 2 annas per line or Rs. 2 per page in Urdu.

THEODORE BECK,
English Editor.

MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,
Urdu Editor.

NIAZ MUHAMMAD KHAN,
Manager.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 3.	APRIL 1, 1896.	No. 4.

CONTENTS.

ENGLISH.

Printed at the Institute Press, Aligarh.

For Siddon's Union Club.

محمدن اینگلو اورینٹل کالج

میگزین

جلد ۳	بکم ماہ مارچ سنہ ۱۸۹۶ ع	نمبر ۳

فہرست مضامین

انگریزی

اردو

علیگڈہ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتازالدین کے اہتمام سے چھپا

کالج میگزین

قریبا چار برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اُردو ملا ہوا — علیگڑھ کالج سے نکلنا شروع ہوا — اول اول وہ علیگڈہ انسٹیٹوٹ کا ضمیمہ بن کر نکلتا رہا — لیکن سنہ ۱۸۹۴ ع میں اُس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی — اسکے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اُس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے — اور اسوجہہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپی نہ تھی *

اس خیال سے اس کے منتظموں نے اس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جائے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ — مسلمانوں کے علوم و فنون — تاریخ اور لٹریچر کے متعلق — مفید اور پر زور مضامین لکھے جائیں — اس غرض سے اس کے ۲۴ صفحے بالکل اُردو کے لیئے مخصوص کردیئے گئے — اور اس حصہ کا اہتمام مولوی شبلی نعمانی صاحب نے اپنے ذمہ لیا ہی اور وعدہ فرمایا ہی کہ اس کی ترقی میں وہ حتی الامکان کوشش فرمائینگے *

ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی — نواب محسن الملک — مولوی نذیر احمد — اور منشی ذکاءاللہ وغیرہ بزرگوں نے اس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہی — اور اہل قلم بھی اگر اس کی اعانت فرمائینگے تو ہم نہایت فخر کے ساتھہ قبول کرینگے *

ہمکو اُمید ہی کہ ہندوستان کی اسلامی جماعت خریداری سے اس کی اشاعت میں مدد دیگی — میگزین کے کل صفحات ۴۰ ہیں اور قیمت معہ محصول ڈاک — (۳ ؍) *

اس میں اشتہارات بھی ۲ ؍ فی سطر کے حساب سے درج ہوا کرینگے ایک صفحہ کے چھپوانے والوں سے للعہ ایک ماہ میں لئے جائینگے *

تھیو ڈور بیک اڈیٹر انگریزی
مولوی شبلی نعمانی — اُردو اڈیٹر
نیاز محمد خاں — منیجر

ڈیوٹی بک ڈپو

یعنے

انجمن الفرض مدرسۃ العلوم

شایقین علم و تاجران کتب کو اطلاع دیجاتی ہو کہ دوکان
الفرض مدرسۃ العلوم علیگدہ مین ڈاکٹر سر سید احمد خان
بہادر و مسٹر محمود جیر شرایت لا و نواب محسن الملک مولوی
مہدیعلی خان و مولانا الطاف حسین حالی و شمس العلما مولوی
شبلی نعمانی و مولانا نذیر احمد حاجی اسمعیل خان رئیس دتاولی
و بعض دیگر مصنفین کی تصانیف موجود ہین جنکی فہرست
دوکان الفرض سے طلب ہونے پر ملسکتی ہی اور کتابین
نقد قیمت وصول ہونے پر یا بذریعہ قیمت طلب پارسل
ارسال ہوسکتی ہین۔

حال مین ہمارے کالج کے پرانے طالب علم مولوی طفیل احمد
صاحب نے ایک کتاب موسوم بہ **محمڈن کالج ڈائرکٹری**
(جسمین اس کالج کی مختصر تاریخ و موجودہ کیفیت انتظام و عمارات
اور پرانے طلبا کے نام و سکونت و موجودہ عہدون و قیام
کے حالات درج ہین) طیار کی ہی اور اسکو انجمن الفرض
نے طبع کرایا ہے۔ پرانے طلبا اور نیز عام مسلمانونکے
لیئے جو اپنی قومی کالج سے دلی تعلق رکھتے ہین ایک
نہایت دلچسپ کتاب ہی اور قیمت صرف ۸ / ہے۔

ہمارے کالج کے سکینڈ ماسٹر نے پروفیسر مکپورتی کی
ارتھمٹک کا اردو ترجمہ موسوم بہ **علم الحساب** حصہ
اول و دوم طبع کرایا ہے جو ورنیکلر مڈل اسکولونکی واسطے
نہایت مفید کتاب ہی
قیمت حصہ اول ۴ / حصہ دوم عہ / ہر دو حصہ
دوکان الفرض سے طلب ہونے پر ملسکتی ہین۔

المشتہر

ولایت حسین
منیجر دوکان الفرض مدرسۃ العلوم علیگدہ

اخبار عام لاہور کا اشتہار

اردو زبان کا سب سے پرانا عمدہ اور سستا اخبار۔
تازہ خبرون اور دلچسپ مضامین کے لئے خاص شہرت
رکھتا ہے (۲۵ سال سے شایع ہوتا ہے)

ہفتہ وار اخبار عام۔ بروز شنبہ شایع ہوتا ہے سالانہ
قیمت عا / مع محصول بلا محصول عہ /

روزانہ اخبار عام۔ ہر روز شایع ہوتا ہے۔
سالانہ قیمت بلا محصول چھ روپیہ مع محصول بارہ روپیہ

ہفتہ کی کل پرچونکا مجموعہ۔ ہفتہ وار ایک بڑی کتاب ۸
صفحہ کی صورت مین شایع ہوتا ہی قیمت سالانہ صہ روپیہ مع محصول
ڈاک و خواستین مہتمم اخبار عام لاہور کے نام آنی چاہئین۔

مایوس العلاج مریضون کو

اطلاع

دس ہزار مریض ایسے اچھے ہو چکے ہین - جو سخت امراض مین مبتلا تھے - ہمارا دعوے ہی - کہ جسقدر مریض مندرجہ ذیل بیماریونکے ہم اچھے کرتے ہین - اتنے دوسرا کوئی نہین کرتا - مفصلہ ذیل بیماریون کا ہم ٹھیکہ کرنے کو طیار ہین -

تلافی مافات — یہ مردون کیلئے خارجاً مالش کا تیل ہی - تولہ چار روپیہ

[illegible] — قوی معزولہ کا اعادہ کرتا ہی - مثانہ - دل - دماغ - جگر کو طاقت بخشتا ہی - بوڑہون کا مددگار نوجوانونکا نیک دوست للعہ روپیہ -

[illegible] — سوداوی مادہ جب جسم مین غلط کاری کیوجہ سے سرایت کرجانے تو ان گولیون سی بلا تکلیف ہمیشہ بدن صاف ہو سکتا ہی — دو ہفتہ للعہ روپیہ

[illegible] — بالون کو سیاہ رکہتا ہی - سفید ہونیسے روکتا ہی ضعف دماغ ضعف بصارت - سر کا گہومنا - درد سر - نزلہ زکام - کو دور کرتا ہی - کانون سی مختلف آوازون کو روکتا ہی - جو لوگ ترشی کہانیسے سر بہاری اور چنکون مین مبتلا ہوجاتے ہین - وہ آزمائین - کیسی دیرپا دلربا خوشبو رکہتا ہی - فی شیشی تین روپیہ -

[illegible] — ہلتے ہوئے دانتونکو مضبوط و قائم کرتا ہی - بدبو میل کو دور کرکے موتی کیطرح چمکدار بناتا ہے مسوڑون کی جڑون سے لیسدار رطوبت خارج کرکے نیا گوشت پیدا کرتا ہے - خون جانا اور کیڑا دانتونکو نہین لگنے دیتا - ۴ تولہ عہ

[illegible] — سلائی سنگ یشب - دائمی استعمال سی ضعف بصر و موتیا بند نہین ہوتا - پانی - خارش - سرخی پہولا - دہند - کیڑون کا اڑنا - بالائی پلک کا دانہ دار ہونا - روشنی کا برداشت نہونا ان سب بیماریون کو دور کرکے نور نظر کی حفاظت کرتا ہی - ایک تولہ عہ

[illegible] — کاربنکل اور خنازیر ناصور و ہکنڈ رو بدون کی زخمون کا سریع الاثر علاج ہی - تو یہ ہی - برسون کے کہنہ زخم دنون مین بہر دیتا ہی - درد کیڑے لگانے ہی دور ہوجاتی ہین - شروع دنبل ہوتے ہی لگایا جاے تو پیپ نہین پیدا ہونے دیتا - ۲ تولہ عہ

خون کی خرابی جو اپنی سہل انگاری یا اختلاط مین خرابی سی لاحق

[illegible] — ہو - اسکے پینے سے خون صاف ہوکر جسم اپنی اصلی حالت پر آتا ہی - وجع مفاصل پہوڑے - پہنسیان - چہرہ کی سیاہی دور کرکے سرخ بناتا ہی . . . . فی شیشی تین روپیہ

[illegible] — یرقان - پیٹ کا گورد - تلون کا درد - ترش ڈکار - اور ورم جگر تبخیر معدہ - دل کا دہڑکنا - جسم کا بہاری رہنا - پیٹ کا بوجہ و قراقر مین - تفاوت کرتی ہین - ۳ درجن عہ

[illegible] — مصفی خون درجہ اعلی ہی - عورتون کے ایام کی خرابی - تو مین صلاحیت پیدا کرنیوالی بہتر معاون ہی - ۳ درجن عہ

[illegible] — بار بار پیشاب آنیسے کاربنکل (سرطان) یا خراب قسم کی مہلک زخم پیدا ہوتے ہین - جن لوگونکی پیشاب مین شکر ہوتی ہی انکو کاربنکل نکلتی ہی - قوت گہٹتی - جسم لاغر و سست اور سوکہکر ہڈیان رہجاتی ہین - بصارت کم ہوجاتی ہی دہوپ مین پہرنیکی برداشت نہین رہتی — فی تولہ [illegible]

[illegible] — اسکے لگانیسے بال ڈاڑہی وغیرہ کے اچہے نکلتے ہین - فی شیشی عہ

[illegible] — رانون کے پٹہے کی سیاہی و خارش - جسم کے دانے تین دن مین دور ہو سکتے ہین - ۲ تولہ عہ

[illegible] — اسکے لگانیسے چند منٹ مین بال اڑجاتی ہین ۴ تولہ عہ

[illegible] — دانت کا درد فی الفور دور ہوجاتا ہی فی تولہ عہ

حب قائم مقام افیون — زندہ درگور کرنیوالی عادت بلا تکلیف وہرج چہوٹ جاتی ہے - تولہ [illegible]

[illegible] — آجکل کے تعلیم یافتہ حضرات کا فوٹو - اور اس زمانہ کے لوگون کے دلی بہیدون کا خاکہ دیکہنا چاہتے ہو - تو ان کثیر الوقوع امراض کی ماہیت و اسباب کو ملاحظہ کرو - ۵۰ صفحہ کی کتاب ـ

المشتہر

حکیم غلام نبی صاحب زبدۃ الحکما دفتر رسالہ حافظ صحت و زبدۃ الاخبار لاہور موچی دروازہ

مطبوعہ مخزن پریس علی گڈہ

دولتمندی

عام طور پر بزرگان سلف کی بزرگی اور تقدس کا بڑا جوہر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ مال اور دولت سے نہایت پرہیز رکھتے تھے اور جن میں یہ وصف نہ تھا اسکی تقدس کا دامن تقدس کے دولت سے پاک نہ تھا لیکن ہم دیکھنا چاہتے ہین کہ کیا واقعات بھی اس خیال کا ساتھ دیتے ہین، اسمین شبہ نہین کہ اسلام کی نہایت ابتدائی زمانہ مین مسلمان، دولت کے مزہ سے آشنا نہین ہوئے تھے لیکن جسقدر انکو دولت حاصل کرنیکے موقعے نصیب ہوتے گئے وہ خدا کی اس نعمت کی قدر کرتے گئے، یہانتک کہ جب فارس و شام پر پورا قبضہ ہوگیا تو بڑے بڑے اکابر صحابہ نے دولتمندانہ اور امیرانہ زندگی اختیار کرلی، سب سے پہلے حضرت عثمان نے اسکی ابتدا کی اور پھر تو یہ مذاق عام طرح پر پہیل گیا، حضرت عثمان نے اپنی سکونت کے لئے مدینہ منورہ مین نہایت عالیشان محل طیار کرایا جسمین ساگ اور سال کے دروازے تھے، اور پتھر اور چونہ سے تعمیر ہوا تھا حضرت عثمان نے جب وفات کی تو انکے خاص خزانہ مین دس لاکھ درہم اور ڈیرہ لاکھ اشرفیان تہین۔ اسکے علاوہ وادی القری اور حنین مین جو انکی جائدادین تہین انکی قیمت ایک لاکھ دینار تھے، گھوڑے اور اونٹ اسکے علاوہ تھے۔

زبیر بن العوام نے بصرہ مین جو عالیشان محل بنایا وہ ۳۳۲ھ تک موجود تھا اور بہت بڑے کاروان سرا کا کام دیتا تھا یعنے جسقدر تاجر اور امرا باہر سے آتے تھے اسی مکان مین اترتے تھے، اسکے علاوہ

مصر، اسکندریہ، اور کوفہ مین انہون نے بہت سی عمارتین طیار کرائی تہین، مرنیکے وقت انہون نے
جسقدر نقد چہوڑا اسکی تعداد پچاس ہزار دینار تہی۔ اسکے علاوہ اصطبل مین ہزار گہوڑے تہے۔
طلحہ بن عبداللہ جو منجملہ اون دس شخصون کے ہین جنکو آنحضرت نے جنت کی بشارت دی تہی، انکی جائداد کی
روزانہ آمدنی ایک ہزار دینار تہی، کوفہ مین انہون نے جو محل بنایا تہا وہ چوتہی صدی تک یادگار رہا۔
مدینہ منورہ مین بہی انکا مکان ایک عمدہ تعمیر خیال کیا جاتا تہا، عبدالرحمن بن عوف جو بڑے مقرب صحابی تہے
نہایت امیرانہ بسر کرتے تہے، اصطبل مین ہمیشہ سو گہوڑے بندہے رہتے تہے، انکے علاوہ ایک ہزار
شتر اور دس ہزار بکریان تہین۔ جب انتقال کیا تو کم و بیش بندرہ لاکہ درہم ترکہ مین چہوڑے، حضرت
سعد بن ابی وقاص نے بہی عقیق مین ایک نہایت عمدہ مکان بنوایا تہا، زید بن ثابت جو وحی کے
لکہنے پر مامور تہے انکی وفات کے وقت انکے خزانہ مین سونے اور چاندی کے اتنے بڑے بڑے
ڈہلے تہے کہ کدال سے توڑ توڑ کر وارثونکو تقسیم کئے گئے۔ حضرت مقداد جو نہایت مقدس صحابی تہے
انہون نے مدینہ منورہ سے چند میل پر ایک عمدہ مکان بنوایا تہا جسمین برجیان تہین اور اندر و باہر عمدہ
استرکاری تہی، یعلی بن امیہ نے پانچ لاکہ دینار یعنے ۷۵ لاکہ روپئے وفات کے وقت ترکہ مین چہوڑے
مورخ مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذہب مین (ذکر خلافۃ عثمان) ان واقعات کو نقل کرکے
لکہا ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ مین جو لوگ مالدار تہے انکی بڑی تعداد ہے اور یہ نہایت وسیع گروہ تہے
حاصل یہ کہ ہمارے سادہ لوح واعظون نے دولت اور مال کو جسقدر قابل نفرت قرار دیا ہے اسقدر
قابل نفرت نہین، ورنہ ایسے بڑے بڑے بزرگ جنکے نامون سے بزرگی کا نام قایم ہے۔
یہ گرد انکے دامن سے پہوتک نجاتی۔

بقیہ

مضمون

حقوق الذمیین

آغاز اسلام ہی میں یہ مسئلہ بڑے معرکہ کے ساتھ طے ہو گیا تھا کہ غیر مذہب والے جو اسلام کی رعایا بنکر رہیں انکی مقبوضہ زمینیں انکے قبضہ سے نکالی نہیں جا سکتیں حضرت عمرؓ کے عہد میں جب عراق فتح ہوا تو عبدالرحمان بن عوف اور حضرت بلال نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ جسقدر مفتوحہ زمین ہے اہل فوج کو تقسیم کر دیجائے حضرت عمر نے انکار کیا اور دیر تک بحث رہی آخر یہ ٹھہری کہ تمام مہاجرین اور انصار سے مشورہ کیا جا چنانچہ ایک بڑا مجمع ہوا اور انصار میں سے دس شخص جو اپنے قبیلہ کے وکیل اور قایم مقام تھے مجمع میں حاضر ہوئے - تمام بڑے بڑے مہاجرین صحابہ یعنے حضرت علی حضرت عثمان طلحہ عبداللہ بن عمر وغیرہ بھی موجود تھے حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر نہایت توضیح سے اس مسئلہ کو بیان کیا، بلال اور عبدالرحمان بن عوف اب بھی مختلف رہے لیکن عام رائے یہ ہوئی کہ ذمی اپنی زمین سے بیدخل نہیں کیے جا سکتے، حضرت بلال اسپر بھی قایل نہیں ہوتے تھے لیکن حضرت عمر نے جب قرآن کی ایک آیت استدلال میں پیش کی تو انکو مجبور ہونا پڑا اور بلا اختلاف تمام صحابہ کے اتفاق سے یہ مسئلہ طے ہو گیا۔

اسی بنا پر فقہ کا یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ اگر بادشاہ یا امام وقت کسی زمانہ میں زمین کو ذمیوں کے قبضہ سے نکالنا چاہے تو نہیں نکال سکتا، قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں،

ولیس له ان یاخذ ها بعد ذلك منهم وهی ملك لهم یتوارثونها ویتبایعونها یعنی امام وقت کو یہ اختیار نہیں کر اسکے بعد انسے زمین کو چھین لے

وہ زمین انکی ملک، انمین نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہیگی اور وہ اسکو خرید و فروخت کر سکتے ہین۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت مین جاگیرات کا ایک صیغہ قایم کیا تہا، یعنے حقوق اسلامی کے لحاظ سے جسکو مناسب سمجہتے تہے اسکو جاگیر عطا کرتے تہے، لیکن چونکہ اراضیات بالکل ذمیونکی مملوکہ تہین اور حضرت عمرؓ کو انمین کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہ تہا اسلیے اس غرض کیلیے خاص وہ زمینین مخصوص کی تہین جو کسیکی ملک نہ تہین چنانچہ اس قسم کی زمینین حسب ذیل تہین، —

جاگیرات خالصہ[1] جو نوشیروان نے خاندان شاہی کے لیے مخصوص کی تہین، لاوارث اشخاص کی زمین[2] دریابرآمد[3] ڈاک خانہ کے متعلق زمین[4]، اسکے ساتہ یہ اصول بہی قرار پایا کہ جو ملک بزور فتح کیا جائے وہان کے باشندونکی جائداد فروخت کرنے پر بہی مسلمانونکے ہاتہ منتقل نہین ہوسکتی، یہ قاعدہ اگرچہ اس لحاظ سے مقرر ہوا تہا کہ مسلمان کے قبضہ مین آجانے سے زمین دہ یکی ہوجاتی ہے اور خراج کو نقصان پہنچتا ہے تاہم اس قاعدہ نے ذمیونکو بہت بڑا فائدہ یہ پہنچایا کہ زمین کسی حالت مین انکے خاندان اور انکی قوم کے قبضہ سے باہر نہین جاسکتی تہی، چنانچہ اسکے خلاف اگر کبہی عمل ہوا تو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکہا گیا، امام لیث بن سعد نے مصر مین تہوڑی سی زمین مول لی تہی، اسپر وہانکے بڑے بڑے علما مثلاً ابن لہیعہ اور نافع بن یزید سخت معترض ہوئے[1] عقبہ بن عامر ایک بڑے بزرگ صحابی تہے، اور امیر معاویہ نے انکو مصر کا گورنر مقرر کیا تہا، وہ مصر کے ایک گانون مین اپنی سکونت کے لیے مکان بنوانا چاہتے تہے چنانچہ امیر معاویہ نے اس غرض سے انکو ایک ہزار جریب مین عنایت کی، انہون نے خراب اور افتادہ زمین جو کسیکے قبضہ مین نہ تہی انتخاب کی اور جب انکے نوکر نے کہا کہ کوئی عمدہ قطعہ لیجیے تو انہون نے کہا یہ نہین ہوسکتا کیونکہ معاہدہ مین جو شرطین ہین انمین ایک یہ بہی ہے کہ ذمیونکی زمین انکے قبضے سے نکالی نہین جائیگی[2]،، ان سب سے بڑہکر یہ کہ اکثر ممالک مین جو خراج ذمیون پر مقرر کیا گیا اسکے ساتہ یہ شرط بہی لکہدی گئی کہ آیندہ کبہی اسپر اضافہ نکیا جائیگا خود

مصر کے معاہدہ مین یہ شرط داخل تھی، چنانچہ امیر معاویہ نے جب مصر کے عامل وردان کو لکھا کہ خراج کی مقدار مین اضافہ کیا جائے تو اسنے صاف انکار کیا اور جواب مین لکھا کہ یہ معاہدہ مین شرط ہو چکی ہے کہ خراج مقررہ پر اضافہ نہو گا" اگرچہ اسمین شبہ نہین ہو سکتا کہ زمان مابعد مین خراج کی مقدار بدلتی رہی لیکن اسبات کا کوئی ثبوت موجود نہین کہ اصل جمع پر اضافہ ہوا۔ بہت سی زمینین نئی آباد ہو گئی تھین اور انپر اضافہ ہونا خود مقتضائے انصاف تھا۔

سب سے مقدم اور ضروری بحث مذہبی حقوق کی ہے، یورپ مین جس گروہ نے، اسلام کو نکتہ چینیون کا ہدف بنا رکھا ہے، انکی حوصلہ آزمائی کا بڑا جولانگاہ یہی ہے۔ انکا دعویٰ ہے کہ اسلام مین مذہبی آزادی بالکل نہین ہے اور قدیم اسلامی حکومتون نے غیر قومون کے مذہبی حقوق بالکل پامال کر دئیے تھے، لیکن ہم دکھانا چاہتے ہین کہ اسلام نے تمام دنیا کی قومون کو جس حد تک مذہبی آزادی دی، کبھی کسی قوم نے نہین دی نہ اب دینے کا دعویٰ کر سکتی ہے، یورپ دو سو برس پہلے تو مذہبی آزادی کا نام ہی نہین لے سکتا تھا، آج بیشبہ اسکو یہ دعویٰ ہے مگر کیون ہے؟ اسلئے کہ اسکو خود مذہب کی پروا نہین رہی، بیشبہ یورپ گرجا اور مسجد کے جھگڑے مین انصاف کا پلہ برابر رکھتا ہے لیکن اگر ایک شاہ راہ اور مسجد کا معاملہ پیش آجائے تو مسجد بے تکلف برباد کر دیجا سکتی ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس فیاضی پر ناز ہے وہ مذہبی آزادی کا نہین بلکہ مذہبی بے پروائی کا اثر ہے۔

مذہبی آزادی کے متعلق اسلام کا جو اصول ہے اُن الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے جو رسول اللہ نے نجرانیون کے معاہدہ مین تحریر فرمائے تھے اور جسکو تمامہا ہم اس مضمون کے پہلے حصہ مین نقل کر چکے ہین، یعنے یہ کہ "پادری وغیرہ اپنے منصب پر بحال رہینگے اور مذہب سے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا" یہ خاص رسول اللہ کے احکام ہین اور اسلئے دوسرے لفظون مین کہا جا سکتا ہے کہ یہ خاص اسلام کے احکام ہین تاہم یہ بھی قیاس ہو سکتا ہے کہ خلفائے راشدین جو رسول اللہ کے افعال و اقوال کی یادگار سمجھے

اسباب مین انکا طرز عمل کیا رہا ہوگا۔ لیکن ہم صرف قیاس پر قناعت نہین کرتے بلکہ تاریخ کی مستند کتابون مثلاً بلاذری، طبری، ازدی، وغیرہ مین سیکڑون معاہدے اصلی الفاظ مین مذکور ہین جنکا قدر مشترک یہ ہے کہ کسیکے مذہب سے تعرض نہ کیا جائیگا چنانچہ مزید اطمینان کے لیئے ہم بعض معاہدونکو اس مقام پر نقل کرتے ہین۔ خالد نے حضرت ابوبکر کے زمانہ مین جب حیرہ پر فتح حاصل کی تو یہ معاہدہ لکھدیا۔

لایھدم لھم بیعۃ ولا کنیسۃ ولا یمنعون من ضرب النواقیس ولا من اخراج الصلبان فی یوم عیدھم[۵] یعنی انکے گرجے برباد نہ کیے جائینگے۔ نہ انکو ناقوس بجانے سے منع کیا جائیگا نہ عید کے دن صلیب کے نکالنے سے روکا جائیگا۔

ممالک شام پر جب خالد کا گذر ہوا تو وہان کا پادری انکے پاس حاضر ہوا اور انہون نے ان شرائط پر اس سے صلح کر لی۔

لایھدم لھم بیعۃ ولا کنیسۃ وعلی ان یضربوا نواقیسھم فی ای ساعۃ شاؤا من لیل او نھار الا فی اوقات الصلوۃ وعلی ان یخرجوا الصلبان فی ایام عیدھم[۱۵]

یعنی انکے گرجے برباد نہ کیے جائینگے۔ وہ نماز کے وقتونکے سوا رات دن مین جس وقت چاہین ناقوس بجائین۔ اور تمام تیوہارون مین صلیب نکالین۔

قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج مین ان احکام کو نقل کر کے لکھا ہے کہ خالد کے ان معاہدونپر حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی کسی نے کبھی اعتراض نہین کیا" اس لحاظ سے اگر فقہی اصطلاح کے مواقف کہا جائے تو کہسکتے ہین کہ اس مسئلہ پر صحابہ کا اجماع ہوگیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ زمانہ مابعد مین جب کبھی کسی متعصب فرمانروا نے اسکے خلاف کرنا چاہا تو مذہبی پیشواؤن نے فوراً مخالفت کی اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے یہ جرات نکر سکے تو اسکے مرنیکے بعد اسکی تلافی کر دیگئی۔ ہارون الرشید جب نایفورس قیصر روم کی بار بار بغاوت سے نہایت برہم ہوا تو عیسائیون کی طرف سے اسکے خیالات

بہت کچھ بدل گئے اور غالبًا اسیکا اثر تہا کہ اسنے قاضی ابو یوسف صاحب سے جو مذہبی صیغہ کے افسر کل تھے پوچہا کہ عیسائیونکے گرجے اسلام مین کیون محفوظ ہے اور آج انکو کیون یہ اجازت حاصل ہے کہ وہ علانیہ صلیب نکالتے ہین۔ اسکا جواب جو قاضی صاحب نے لکہا اسکے خاص الفاظ یہ ہین

انما کان الصلح جرى بين المسلمين واهل الذمة فى اداء الجزية وفتحت المدن على ان لا نهدم بيعهم ولا كنائسهم داخل المدينة ولا خارجها وعلى ان يقاتلوا من ناواهم من عدوهم وعلى ان يخرجوا الصلبان فى اعيادهم فافتتحت الشام كلها والحيرة الا اقلها على هذا ـ فلذلك تركت البيع والكنائس ولم تهدم اه

یعنی مسلمانون اور ذمیون سے جزیہ کی بناپر جو صلح ہوئی تہی اس شرط پر ہوئی تہی کہ انکی خانقاہین اور گرجے شہر کے اندر ہون یا باہر۔ برباد نکیئے جائینگے اور یہ کہ انکا کوئی دشمن اونپر چڑہ آئے تو اونکی طرف سے مقابلہ کیا جائیگا۔ اور یہ کہ وہ تیوہارون مین صلیب نکالنے کے مجاز ہین۔ چنانچہ تمام شام اور حیرہ (باستثناے بعض مواضع کے) انہی شرایط پر فتح ہوا اور یہی سبب ہے کہ خانقاہین اور گرجے اسیطرح چہوڑ دیئے گئے اور برباد نہین کیئے گئے۔

خلیفہ ہادی کے زمانہ مین ١٦٩ھ مین جب علی بن سلیمان مصر کا گورنر مقرر ہوا تو حضرت مریم کی گرجا اور چند گرجون کو منہدم کرادیا ہادی نے ایک سال کی خلافت کے بعد وفات پائی اور ہرون الرشید تخت نشین ہوا۔ اسنے علی کو معزول کرکے ١٧١ھ مین موسی بن عیسی کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ موسی نے گرجون کی معاملہ مین علما سے استفتا کیا۔ اسوقت مصر کے تمام علما کے پیشوا لیث بن سعد تھے جو بہت بڑے محدث اور نہایت مقدس اور بزرگ تھے انہون نے علانیہ فتوے دیا کہ منہدم

شدہ گرجے نئے سرے سے تعمیر کرا دئے جائین اور دلیل پیش کی کہ مصر مین جسقدر گرجے ہین خود صحابہ اور تابعین کے زمانہ مین تعمیر ہوئے تھے۔ چنانچہ تمام گرجے سرکاری خزانہ سے تعمیر کرا دیئے۔ علامہ مقریزی نے تاریخ مصر مین اس واقعہ کو ان الفاظ مین لکھا ہے۔

فبنيت كلها بمشورة الليث بن سعد وعبد الله بن لهيعة وقالا هو من عمارة البلاد واحتجا بان الكنايس اللتى بمصر لم تبن الا فى الاسلام فى زمن الصحابة والتابعين۔

اسی طرح دمشق کا ایک گرجا ایک رئیس کی بیجا نا انصافی سے خاندان بنی نصر کے قبضہ مین آگیا تھا حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنی عہد خلافت مین اسکو بنی نصر سے چھین کر عیسائیون کے حوالہ کر دیا اس سے بڑھکر یہ کہ ولید بن عبد الملک نے ایک اتفاقی وجہ سے دمشق کے گرجا کو جوڑ ڈھا کر مسجد مین شامل کر لیا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنی عہد خلافت مین دمشق کے گورنر کو لکھ بھیجا کہ مسجد کا وہ حصہ ڈھا کر عیسائیونکو اجازت دیدی جائے کہ پھر وہان گرجا بنا لین۔

یورپین مصنفون کی طرف سے بڑا اعتراض یہ پیش کیا جاتا ہے کہ مسلمانونکے عہد مین نئے گرجاؤن یا بتخانو نکے بننے کی اجازت نہ تھی، لیکن یہ انکی سرسری معلومات کا نتیجہ ہے، یہ بحث خود صحابہ کے زمانہ مین پیش آچکی تھی اور نہایت صفائی سے اسکا فیصلہ کر دیا گیا تھا حضرت عبد اللہ بن عباس سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تھا، انہون نے جواب دیا کہ جو شہر مسلمانون کے خاص آباد کردہ ہین وہان غیر مذہب والونکو حق حاصل نہین کہ گرجا اور بتخانہ بنائین یا سنکھ بجائین باقی جو قدیم شہر ہین وہان ذمیون سے جو معاہدہ ہو مسلمانون کو اسکا پورا کرنا ضرور ہوگا، حضرت عبد اللہ بن عباس کا یہ فتوی بھی اس لحاظ سے تھا کہ اسوقت تک مسلمان اور دوسری قومین اچھی طرح ملے جلے نہین تھے لیکن جب یہ حالت نہین رہی تو وہ فیصلہ بھی نہین رہا چنانچہ خاص اسلامی شہرون مین اس کثرت سے گرجا، بتخانے، آتشکدے بنے کہ انکا شمار

حاشیہ: مقریزی جلد ۲ صفحہ ۴۹۲ ۔ فتوح البلدان صفحہ ۱۲۵ ۔ کتاب الخراج صفحہ ۸۸

نہین ہوسکتا بعد آو خاص مسلمانون کا آباد کیا ہوا تہست ہ وہانکے گرجونکے نام معجم البلدان مین کثرت سے ملتے ہین قاہرہ مین جو گرجے بنے وہ مسلمانون ہی کے عہد مین بنے یوٹکیس نے جو ۳۲۳ھ مین اسکندریہ کا لارڈ بشپ تہا اپنی کتاب مین جو عربی زبان مین ہے اورجسکو پروفیسر پوکاک نے لاٹین ترجمہ کے ساتہ چہاپا ہے اس قسم کے بہت سے گرجون کا نام اور انکے حالات لکہے ہین، خالدبن عبداللہ ہی نے جو ہشام بن عبدالملک کے زمانہ مین عراقین کا گورنر تہا اورعرب کے نہایت نامآور لوگون مین شمار کیا جاتا ہے اپنے ماں کیلیے جو عیسائی مذہب رکہتے تہے خود ایک گرجا تعمیر کرادیا تہا، عضدالدولہ نے جو بہت بڑا نامور شہنشاہ گذرا ہے اور نہایت صاحب فضل وکمال تہا اپنے وزیر نصر بن ہارون کو جو اور گرجاون کے بنانیکی عام اجازت دہی تہی چنانچہ اسنے ۳۶۹ھ مین نہایت کثرت سے تمام ممالک اسلامیہ مین جہو او گرجے تعمیر کرائے مسلمانون نے صرف یہی نہین کیا کہ پرانے معبد قایم رکہے یا نئے معبدونکی تعمیر کی اجازت دی، بلکہ انہون نے نہایت انصاف سے معبدونکے متعلق تمام عہدے اور تمام وہ جایدادین بحال رہنے دین جوان معبدون پر وقف تہین یہانتک کہ پجاریون اور مجاورون کے جو روزینے پہلے سے مقرر تہے وہ بہی اپنے خزانے سے جاری رکہے، عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ کے عہد مین جب مصر فتح کیا تو جسقدر اراضیات گرجاون پر وقف تہین اسی طرح بحال رہنے دین چنانچہ اس قسم کی جو اراضیات ۵۵ھ تک موجود تہین انکی تعداد ۲۵ ہزار فدان تہی محمد قاسم نے جب سندہ فتح کیا تو برہمنون کو بلاکر بتخانونکے متعلق انکو جو اختیارات دیئے اسکو مورخ علی بن حامد نے اپنی تاریخ سندہ مین ان الفاظ مین لکہا ہے، "پس اکابر ومقدمان وبراہمہ را فرمود کہ معبود خود را عبادت کنند وفقرای برہمنان را باحسان وتعہد تیار دارند واعیاد ومراسم خود بسیر الآبا واجداد قیام نمایند۔ وصدقاتے کہ پیش ازین در حق براہمہ می دادند برقرار قدیم بدہند"۔

بنیامین جو مصر کا بیٹریارک تھا اور ایرانیونکے تسلط کے زمانہ مین مصر سے بھاگ گیا تھا
اسکو خود عمرو بن العاص نے سنہ ۲۰ھ مین امان کی تحریر بھیجکر مصر مین بلوایا اور بیٹریارک کے
مقریزی جلد دوم صفحہ ۴۹۲ [5] عہدہ پر مامور کیا [5] - محمد فاتح نے جب ۱۴۵۳ء مین قسطنطنیہ فتح کیا تو یونانی کلیسا کا خود محافظ بنا
اور تمام پادریون کو ہر قسم کے قانون کے احکام سے بری کر دیا -

اسلام مین غیر مذہب والونکے مذہبی احکام کا جو لحاظ کیا جاتا تھا اسکا ثبوت اس سے بڑھکر کیا ہوگا
کہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی عیسائی ایک گرجا بنانیکی وصیت کر جائے تو اسلامی عدالت اس وصیت کو
جائز تسلیم کریگی اور مسجد بنانیکی وصیت کر جائے تو ناجائز چنانچہ صاحب ہدایہ نے باب الوصیۃ مین
امام ابو حنیفہ کا یہ مذہب نقل کر کے انکی طرف سے یہ دلیل پیش کی ہے نحن امرنا بان نترکھم
وما یدینون یعنے ہمکو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم غیر مذہب والونکو انکے اعتقادات پر چھوڑ دین
ایک دفعہ جب حضرت ابو بکر کے عہد مین ایک عورت نے مسلمانونکی ہجو کی اشعار گائے اور ایک
افسر نے اس جرم پر اسکے ہاتھ کاٹ ڈالے تو حضرت ابو بکر نے اس افسر کو خط لکھا کہ اگر وہ
عورت مسلمان تھی تو کوئی معمولی سزا دینی چاہیئے تھی اور اگر ذمی تھے تو جب ہم نے
طبری وقعات سنہ ۱۱ھ [6] اسکی شرک اور کفر سے درگذر کی تو ہجو تو شرک سے بہر حال کم ہے [6] -

باقی آیندہ

بقیہ مضمون

وزیر خیرالدین پاشا

کمیشن مال

جب بخیہ ملک والون نے اپنے مال کے طلب مین سختی کی اور ایک کمیشن مال باتفاق دول مختلفہ مقرر ہوئے اوسوقت والی ٹیونس نے وزیر خیرالدین کو بلایا کیونکہ وزیر موصوف چند سال سے گوشہ نشینی اختیار کر کر تصنیف و تالیف مین سرگرم تہا۔ اسپہ وزیر موصوف نے انکار کیا مگر جو شخص کہ اوسوقت ٹیونس کا وزیر تہا جب اوسنے اصرار کیا تو وزیر موصوف نے صاف صاف کہدیا کہ مجھے افسوس ہے کہ میرے اور آپکے خیالات پالٹیکس مین اختلاف ہے آپ میرے والد کی برابر ہین اور آپکو مجھپر تقدم ہے لیکن دقت یہ ہے کہ اگر مین آپسے موافقت کرون تو میرے ایمان کے برخلاف ہے اور اگر مخالفت کرون تو آپسے عداوت ہوتی ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ جو میری حالت ہے اوسی پر قایم رہون اسپر وزیر سابق نے جواب دیا کہ جو کچھ گذر گیا اوسے سب کو بہولنا چاہئیے اور آیندہ کے لئے اصلاح کیجاویگی اور تمہاری رائے سے اتفاق ہوگا۔ اسکے بعد وزیر خیرالدین نے کمیشن مالی کی صدارت قبول کی اور اسیوقت یعنی ۱۲۸۶ ہجری سے سب کارروائی اسیکی طرف منسوب ہے۔ اگرچہ وزیر سابق نے جو کچھ وعدے کئیے تہے وہ پورے نہین کئیے اور وزیر خیرالدین کو اسکی وجہ سے سخت دقتین اوٹھانی پڑین۔ مگر نہایت جانفشانی اور تحمل کے ساتھ جو کام ذمہ لیا تہا پورا کر دیا۔

سڑک

وزیر خیرالدین کے زمانہ مین جو اصلاح ٹیونس مین ہوئی اونمین سے ایک نہایت مفید یہ تہی کہ اوسنے ٹیونس اور حمام الانف کے درمیان بارہ میل کے قریب نئی سڑک نکالی۔ اس راستہ پر موسم سرما مین بسبب کثرت کیچڑ کے چلنا بالکل بند ہو جاتا تہا۔ اور جانور سواری اور بوجہ کے مرجاتے تہے اور جس مسافر کو

عجلت ہوتی تھی وہ باوجود بہت جاندار سواریکے اور بندوبست ڈاک کے آدہے دنسے کم مین اس راستہ کو طے نہین کرسکتا تہا۔

امرا اور رؤسا اپنی ڈاک مین چار چار گھوڑے یا خچر یا اس سے زیادہ اس فاصلہ بارہ میل مین لگاتے تھے مگر حمام الانف تک چار گھنٹہ سے کم مین کسی طرح پہونچنا ممکن نہین تہا۔ ضعیف اور دوسرے بمقدور لوگ تو اس راستہ پر چل ہی نہین سکتے تھے۔ مجبوراً دوسرے راستون سے جو وہ چند فاصلہ کے تھے جانا پڑتا تھا۔ اور تمام لوگ جو گوشہ جنوب و مشرق سے آتے جاتے تھے سخت مصیبت اور تکلیف مین تھے۔ کیونکہ یہ راستہ تمام ملک کے راستونسے زیادہ اہم اور کثرت سے چلانے والا تھا۔ پس اس راستہ پر سڑک بنجانسے تمام تکالیف رفع ہوگئین۔

عدالت متعلق حقوق باشندگان ممالک غیر

اہل ملک اور غیر ملک والونمین جو قرض اور معاملات مالی کی نسبت تنازعات ہوتے تھے اونکے فیصلے کے لیئے ایک مجلس (کمیٹی) مقرر کرائی گئی جسمین اکثر سفیران ممالک غیر کے مقرر شدہ ممبر اور ریاست ٹیونس کا مقرر شدہ صدر تھا۔ اس کمیٹی مین داخل ہونیسے کسی سلطنت یورپ کو عذر نہوا مگر سلطنت اٹلی نے مقدمات کی قیمت مالی کی نسبت اختلاف کیا کیونکہ اس کمیٹی کو صرف اون مقدمات کا اختیار سماعت تہا جنکی قیمت مالی صرف ایک ہزار ریال تک تھی جو دقتین اس قسم کی مقدمات مین ہوتی تہین وہ سب اس کمیٹی کی بدولت رفع ہوگئین۔ چھوٹے چھوٹے قرضے اور ذرا ذرا سے معاملات اکثر پیش آتے تھے اونکے لیئے مختلف احکام صادر ہونا اور ملک والون غیر ملک والونکے لیئے علیحدہ علیحدہ احکام جاری کرنا سخت مصیبت تھی۔ مگر وزیر خیرالدین کی کوشش سے یہ سب مشکلات حل ہوئین۔

اس سے بہی زیادہ مفید وہ کوشش تہی جو باشندگان ملک ٹیونس کے لیئے احکام شرعی یکسان جاری کرنیکے لیئے کی گئے۔ یورپ کی سلطنتین اس بات پر راضی نہین ہوتی تہین کہ اونکی

رعایا جو ٹیونس مین رہتی ہے وہ انفصال مقدمات مین احکام شرعی کے مثل دیگر رعایا کے پابند ہون کیونکہ مذہب حنفی اور مالکی کے قاضیون کو انفصال مقدمات مین مطلق اختیارات تھے حالانکہ اکثر فروعی مسائل مین دونون مذہبون مین اختلاف ہے - بلکہ ایک ہی مذہب مین اقوال مختلف ہین اور قاضی کو ترجیح اور تطبیق مین باعتبار مصلحت اور مناسبت موقعہ و محل کے نفاذ احکام مین اجتہاد کرنا پڑتا ہے - پس نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ایک ہی معاملہ مین ایک قاضی کا حکم دوسرے قاضی کے حکم سے مختلف ہوتا تھا - اور اہل یورپ کی خواہش یہ تھی کہ یہ احکام پہلے سے مشتہر کرائے جاوین اور اونکا انضباط ایسے طریقہ پر ہو جس سے حاکم کی بیجا میلان اور تعصب کا خیال رفع ہو جاوے اس غرض سے وزیر خیر الدین نے وہ قوانین پیش کیے جنپر دولت عالیہ ترکی اور مصر مین ان احکام کے متعلق عمل کیا جاتا ہے - اور ایک شخص کو جو اہل یورپ کے اصول قانون مین مہارت کامل رکھتا تھا اس پر مامور کیا کہ یورپ کے قوانین سے جسقدر حالت ملک ٹیونس کے مناسب اور وہان کی رسم و رواج کے موافق ہے استنباط کرے - اسکے بعد وزیر موصوف نے ایک کمیٹی قایم کی جسمین علماء حنفیہ سے شیخ الاسلام شیخ احمد اور مذہب مالکی کے دو عالم یعنے شیخ محمد المفتی اور شیخ عمر بن الشیخ قاضی باردو اور ایک شخص ذی وجاہت و شعور - جو تمام ملکونکی اصلاحات اور تجارت سے واقف تھا یعنے حسونہ شامل تھے - اس کمیٹی کا یہ مقصد تھا کہ مذکورہ بالا مجموعہ قوانین سے ایک قانون شرعی تیار کرے جو احکام شرعی اور رواج عام مروجہ ملک ٹیونس کے موافق ہو اور اوسمین کسی مذہب کی خصوصیت نہ رکھین - افسوس ہے کہ اس مفید کوشش سے ملک مستفید نہ ہو سکا کیونکہ جب وزیر خیر الدین وزارت سے علحدہ ہوا تو اس کمیٹی نے اپنی کارروائی ختم کر دی - حالانکہ ایک ہی ملک کے باشندونکے لیئے قانون کا یکسان ہونا نہایت ضروری امر ہے -

مدرسہ صادقیہ کا قیام اسی زمانہ مین ہوا - اس مدرسہ مین تعلیم مبادی علوم فنون قدیمہ

مثل قرات - کتابت - قران عقاید فقہ حنفی و مالکی - نحو - صرف - ادب - تاریخ - معانی - تہذیب الاخلاق
اور حدیث - اور تعلیم لغات ترکی - فرنچ - اٹیلین (طلیانیہ) اور تعلیم فنون ریاضی مثل حساب
ہندسہ - ہیئت - جبر مقابلہ - جغرافیہ - ایسٹرانومی (الفلک) بہت خوبی سے ہوتی تھی -
ہر فن کے علیحدہ علیحدہ معلم مقرر کیئے گئے تھے - اور شروع شروع مین اکیسو پچاس مسلمان
طالب علم اطراف و جوانب ملک سے آکر شریک ہو گئے - منجملہ انکے پچاس طالب علم ایسے تھے
جو بسبب افلاس کے اخراجات تعلیم ادا کرنیے معذور تھے - یہ پچاس طالب علم مدرسہ مین ہی
رہتے تھے اور اونکے لیئے علاوہ تعلیم کے کھانے - کپڑے اور مکان کا خرچ مدرسہ کے
ذمہ تھا - باقی سو طلبا کے لیئے مدرسہ سے علاوہ تعلیم کے صرف ایک دفعہ دن مین کھانیکا
بندوبست تھا - اور یہ امر لازمی تھا کہ تمام طلبا ایک وضع کا لباس پہنین - اس مدرسہ کے اخراجات
کے لیئے ریاست کی طرف سے املاک وقف کر دی گئی تھی جنکی آمدنی پانچ لاکھ روپئے سالانہ تھی
اس قسم کے مدرسے ممالک اسلامیہ مین ضروریات سے ہین خاصکر علوم ریاضی کے لیئے -
کیونکہ علوم ریاضی مسلمانونکے ہاتھ سے نکل گیا ہے صرف مسلمان طالب علم اس مدرسہ مین
داخل ہوتے ہین اور اوسکی یہ وجہ ہے کہ غیر قومونکی اولاد پر بغیر رضامندی اونکے مربیونکے
وہ قواعد مطلقاً نہین جاری کیئے جا سکتے جو طلبا مدرسہ کے لئے مقرر کیئے گئے ہین -
اور ان مربیونکی رضامندی بسبب اختلاف احکام وحقوق ہر موقعہ پر ملنا مشکل تھا - دوسری
خصوصیت یہ تھی کہ مدرسہ کے طلبا کو تکمیل نصاب تعلیم کے بعد ملک کے تمام عہدونپر جہان
ضرورت ہوتی تھی دوسرونسے ترجیح دیجاتی تھی - اور یہ حالت اہل ملک کے ساتھ ہی مناسب تھے
کیونکہ غیر ملک والے مخصوص شرطونکے ساتھ ملازمت قبول کرتے تھے - پس مسلمانون کی

تخصیص اسوجہ سے تہی کہ اول تو دوسرے مذہب والے بہ نسبت مسلمانونکے بہت کم ہین۔ پہر یہ لوگ مدرسے کے تمام قواعد کی پابندی کرنا پسند نہین کرتے تہے۔ کیونکہ علوم شرعیہ کی تعلیم مقصد اعلے تہا تاکہ علماء کو علوم ریاضیہ سے واقفیت ہو اور بادی النظر مین جو مخالفت علوم ریاضیہ و شرع مین معلوم ہوتی ہے اوسمین موافقت ثابت کیجاے۔ وزیر خیرالدین نے یہ بہی قصد کیا کہ ایک مدرسہ دوسری ترتیب قایم کیا جاے جسمین غیر مذہب کے طلباء بہی شریک ہوسکین۔

وزیر خیرالدین نے کتب خانہ مسمی بہ المکتبۃ الصادقیہ جامع الزیتونہ کے متصل قایم کیا۔ اور اسکی ترتیب مثل کتب خانون قسطنطنیہ و دیگر ممالک یورپ کے رکہی۔ کوئی کتاب مکان سے باہر نہ جاسکے مگر جو شخص کسی کتاب کو دیکہنا چاہے وہ بآسایش تمام اوس سے نفع اوٹہا سکے۔ مکان بہت مکلف عمدہ فرش اور شیشہ آلات اور بیش قیمت کہنٹیہ بہ اہتمام تمام اور قواعد جو واجب العمل ہوتے تہے اونکے دو دو نسخے کتب خانہ مین جمع رہتے تہے تاکہ حوالہ کے لیے آسانی ہو۔ کتابونکے رکہنے کا انتظام اور اونکی ترتیب ایسے طریقہ پر رکہی گئی کہ کتابونکے لینے اور واپس کرنے مین نہایت سہولیت ہوتی تہی۔ وزیر موصوف نے اپنی تمام عربی کتابین جنکی تعداد قریب ۵ ہزار جلدونکے تہی اسی کتب خانہ پر وقف کردین۔ اور تمام دوسری جگہون سے مثل مختلف مدارس اور جوامع کے جہان پر زمانہ نے اپنا ہاتہ صاف کیا تہا اور اکثر کتب ضایع ہوگئی تہین بہم پہونچا کر اس کتب خانہ مین داخل کی گئین۔ مثلاً مدرسہ حسینیہ مین جو کتب حنفیہ کا ذخیرہ تہا وہان ایک ورق تک سالم نہ ملا۔ حالانکہ سیکڑون جلدین کسی زمانہ مین یہان موجود تہین۔ یہی حالت اکثر کتب خانون کی تہی۔ جہان کچہ کتابین موجود تہین اوس سے کسی کو کچہ نفع نہین پہونچتا تہا بجز اون چند لوگونکے جنکا اون کتب خانون پر قبضہ تہا۔ ان لوگونکو بہی کسی کتاب کے ڈہونڈنے مین سخت دقت ہوتی تہی کیونکہ کسی قسم کی ترتیب کتابونکے رکہنے اور اونکی کسی رجسٹر مین لکہے جانیکی نہین تہی۔ پس اس قسم کا بقیہ مختلف مقامات سے جمع کر کر ترتیب و ضبط کے ساتہ اس جدید کتب خانہ مین

رکہا گیا۔ اور تمام مسلمانون کو اس سے بیحد نفع پہونچا۔ حتے کہ ایک شخص نے جسکا ان متفرق کتب خانونمین سے ایک پر قبضہ تہا یہ کہا کہ حقیقت مین اسوقت ان کتابون سے جو اس نئی ترتیب سے ایک جدید کتب خانہ صادقیہ مین رکہی گئی ہین ہمکو زیادہ نفع پہونچتا ہے بہ نسبت پیشتر کے جبکہ یہ کتابیں ہمارے قبضہ مین تہین۔

اسی زمانہ مین ایک کمیٹی قایم ہوئی جسکے متعلق شہر کی صفائی کی تہی۔ اگرچہ یہ کمیٹی۔ مینوسپلٹی کی ایک شاخ تہی مگر اسمین یہ ترجیح تہی کہ غیر ملک والونمین سے بہی اسکے ممبر منتخب کیے گئے۔ کیونکہ غیر ملک والے صفائی کی نسبت آسانی کے ساتہ حکام کو متوجہ کر سکتے تہے۔ اسوجہ سے اس تجویز سے صفائی شہر پر یقینی فائدہ ہوا۔

مدرسہ جامع اعظم زیتونہ کے لیئے نصاب تعلیم ترتیب وار مقرر نہ تہا۔ وزیر موصوف نے ایسے اسکیم مقرر کی کہ کوئی علم اوس سے نہین چہوٹ سکتا تہا۔ ہر جماعت کے لیئے کورس مرتب ہو گئے۔ اور طلباء کے امتحان سالانہ کا انتظام کیا گیا۔ عہدہائے سرکاری پر صرف وہ طلباء مقرر کیئے جاتے تہے جو بلحاظ تحصیل علم اور شرافت کے سب سے مقدم ہون۔

سررشتہ جات مجالس شرعیہ مین ترتیب قایم کی گئی تاکہ انفصال مقدمات مین جو طول کہنچتا تہا وہ رفع ہو اجراء احکام عدالتین جو تعارض پیش آیا کرتا تہا وہ بند ہو۔ اور اہلکاران و ملازمان عدالت کی تنخواہ و اجرت محدود ہو۔ اور حکام شرعی کے لیئے مفصلات مین مقامات کچہری معین کیئے گئے کیونکہ اسوقت تک ہر حاکم اپنے اپنے مکان پر کچہری کیا کرتا تہا۔ اس سے آیندہ کے لیئے محکمہ جات شرعیہ ہر خاص و عام کو معلوم ہو گئے اور اوقات کارروائی روزانہ منضبط کر دیئے گئے اگرچہ یہ انتظام خاص شہر ٹیونس مین پیشتر ہی زمانہ محمد پاشا سے تہا مگر اسمین خلل واقع ہو گیا تہا پس یہ انتظام حسب ضروریات زمانہ از سر نو کیا گیا۔

حرمین شریفین کے لیئے جو سلطنت ٹیونس کی طرف سے سالانہ نذر جاتی تھی وہ ایک عرصہ سے بند ہوگئے تھی اور جن اوقاف کی آمدنی پیشتر اس خدمت کے لیئے تھی اوسکا صرف بیجا ہونے لگا تھا - ابتدائی وزارت وزیر خیر الدین سے ان اوقاف کی آمدنی پھر حرمین شریفین کو بھیجنی شروع ہوئی - اور انکے بعد برابر جاری رہی -

اسی زمانہ مین مجرم عورتونکے لیئے عام قیدیون سے ملحدہ قید خانے بنوائے گئے - اور انمین وہی ترتیب و انتظام بلحاظ صفائی - آمدرفت ہوا - شفاخانہ - سونے کے واسطے ضروری فرش - مقام طہارت - مسجد وغیرہ کے رکھے گئے جو مہذب ملکون مین ہوتے ہین - ان قیدخانون کی کئی قسمین کی گئین - جنمین قسم جرایم اور قیدیکی عمر اور رتبہ کا خیال کیا گیا تھا - یہ مقامات جو پہلے قتل گاہ کا حکم رکھتے تھے مہذب دنیا کے قیدخانون کے مشابہ ہوگئے - جن ملزمون پر قید کا حکم نافذ ہوجاتا تھا وہ پہر ان قیدخانون مین بھیجے جاتے تھے - مگر جو ملزم کہ حراست مین ہوتے تھے وہ قیدخانہ قدیم مین ہی رکھے جاتے تھے - اونکے لیئے سخت مصیبت تھی اور جو مجرم سزا پاجاتے تھے اونسے بھی انکی حالت بدتر تھی - وزیر خیر الدین نے حراست کے لیئے دوسرے مقامات بنوانیکا قصد کیا -

پیشتر جو سکہ چاندی کا تھا اوسکا وزن کثرت استعمال سے کم ہوگیا تھا - اس نقصان کو رفع کرنیکی غرض سے وزیر موصوف نے یہ تجویز کی کہ جسکے پاس اس قسم کے سکے ہون اوس سے بعوض سکہ طلائی کے بدل لیئے جاوین - یہ رسم پیشتر جاری نہ تھی اور ملک کو صریح نقصان پہونچتا تھا -

زراعت اور کاشتکاری اس ملک کے لیئے نہایت مہتم بالشان پیشہ اور ذریعہ آمدنی ہے - مگر اسکے متعلق جو رواج عام تھا وہ منضبط نہ تھا - صرف زمینداروں کے بیان پر کارروائی ہوتی تھی اور اسوجہ سے اکثر موقعون پر بیانات خلاف واقع ہوتے تھے اور انفصال مقدمات کے وقت حاکم متحیر ہوتے تھے کہ صحت بیانکے لیئے اندازہ ہو - وزیر خیر الدین نے اس رواج عام کے لیئے قانون منضبط کرایا جس سے یہ دقتین رفع ہوگئین - باقی آیندہ

علی بہادر

۱۳ء

ٹرکی کی عورتین

حال مین ایک کتاب بعنوان بالا ٹرکی کی عورتونکے حالات پر انگریزی مین شایع ہوئی ہے۔ اس ضخیم ایک ہزار صفحے کی کتاب کی مصنفہ ایک انگلش لیڈی لوسی ایم جی گارنٹ نامی ہے جسنے سالہا سال تک ٹرکی مین رہکر باوجود غیر زبان اور غیر مذہب و اجنبی قوم ہونے کے مسلمان عورتونکے جو تمدنی حالات قلمبند کرکے مہذب دنیا کے سامنے پیش کیے ہین آجتک کسی دوسرے نے نہین لکھے۔ مغربی یورپ ایک زمانہ دراز سے مسلمانون کی اصلی سوشیل حالت کی نسبت بالکل تاریکی مین پڑا ہوا تھا اور ابتدائی محققین کی تحقیقات پر یاتو تعصب یا سخت لاعلمی کا پردہ پڑا تھا۔ انگلستان کا سب سے پہلا سیاح جسنے ترکون اور مسلمانونکے حالات مین قلمفرسائی کی ہے اسکے خیال مین ترک آدم کی اولاد ہی نہین۔ وہ شخص بیت المقدس کے حج کو آیا تھا اور جب وہ حج سے واپس گیا تو اوسنے عجیب عجیب ماجرے اور افسانے بیان کئیے منجملہ اونکے ایک یہ بھی تھا کہ ترکون کی شکل عام بنی نوع انسان سے مختلف ہوتی ہے۔ اونکے سر پر ایک سینگ ہوتا ہے اور اونکی گردن سارس کی سی ہوتی ہے۔ وہ جنات اور انسانون کے باہمی ملاپ سے پیدا ہوئے ہین کیونکہ جب حضرت آدم بہشت سے نکالکر زمین پر پھینکے گئے اوسوقت اونکے ہمراہ دوزخ سے کچھ بھوت پریت شیاطین وغیرہ بھی زمین پر اوتر آئے تھے اور وہ آکر انسانون مین آباد ہو گئے تھے۔ آخر کو باہمی ناطہ رشتہ بھی ہونے لگا اور نتیجہ یہ ہوا کہ یہ جنٹس (مسلمانون کی) عجیب و غریب سینگدار دوغلی قوم پیدا ہو گئی۔ پھر دوسرا دور تحقیقات کا شروع ہوا اور وہ پہلے سے زیادہ معتبر خیال کیا گیا کیونکہ اب بھی نصف سے زیادہ یورپ اوسی خیال کو اپنے دلمین جمائے بیٹھا ہے جو دوسرے دور کی تحقیق سے پیدا ہوا تھا۔ اس دور کی تحقیق نے اس بات کا

قطعی فیصلہ کر دیا کہ مسلمان اپنی مستورات کو حیوانات کی طرح بے روح مانتی ہین اور یہ خیال کرتے ہین
کہ اونکے لیئے نہ کوئی عذاب دوزخ اور نہ آرام جنت - وہ جانورونکی طرح مٹی ہو کر یہاںکے
یہین رہجائینگے - شعرا کے کلام اور بڑے بڑے مصنفون کی تصنیفات مین اس خیال
عجیب کو اکثر مسلمانونکی طرف منسوب کیا گیا ہے - ہم دور کیون جائین - ۱۸۷۸ء مین
امریکہ مین مسٹر کلارک نے جو فارن مشن کی کمیٹی کے ایک رکن اعلے تھے بورڈ آف کمشنر کے
سامنے اپنی نئی تحقیقات کو بیان کرتے وقت یہی بیان کیا کہ اسلام نے اپنے پیرون کو
سکھایا ہے کہ عورتون کے روح نہین ہوتی - اگر اس روشنی کے زمانہ مین امریکہ سے ملک کے
اسقدر عالم کی تحقیق یہ ہے تو اس سے ایک یا دو صدی پیشتر کے محققین بالکل معذور ہین -
اب گو رفتہ رفتہ علما اور حکما نے یورپ کی تحقیق کے مطلع کو اسقدر بے سروپا باتونکے غبار سے
صاف کرنے کی بہت کچھ کوشش کی ہے تاہم ماسوا چند مصنفین کے اور سب کی یہی رائے ہے
کہ مسلمانونکی مستورات کی بیرانہ حالت قابل رحم ہے - چنانچہ ایک مشنری لیڈی لکھتی ہے ''
اگرچہ شرق مین ہمارے سفر کی غایت یہ قرار پائی تھی کہ ہم حرم سراؤن کی سیر کرینگے
لیکن وہان پہونچکر مینے ان ذلت گاہون مین داخل ہونیسے انکار کیا - اگرچہ ممکن تہا کہ
ہم اسطرح حرم سراؤن مین جانیسے اپنی بہنون کو اس غلامی سے آزاد کرنے مین
مدد کر سکینگے تو مین بڑی خوشی سے اونمین داخل ہوتی - لیکن حرم سراؤنمین جانا
اور وہان جاکر اپنی بہنون کو ان قابل نفرت جیلخانون مین محبوس پانا ایسے کام ہین جنکو
ایک کرسچن عورت اپنے اوپر کبھی گوارا نہین کر سکتی '' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یورپ
اسلام کے پردہ سسٹم کو کسقدر نفرت اور حقارت کی نگاہونسے دیکھ رہا ہے - لیکن یہ بڑے
تعجب کی بات ہے کہ مسلمان عورتون کو محض اس بنا پر کہ وہ گھر مین بیٹھی رہتی ہین - قیدی

اور لونڈیان اور کیا کیا کہا جاوے اور ان باتون کو نظرانداز کیا جائے جنسے کسی آدمی کو اصلی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ محض بازارون مین اور میلون اور سیرگاہون مین غیرون کے ساتھ پھرنے کا نام کسی عاقل کے نزدیک آزادی نہین ہوسکتا۔ اگر ایسا ہو تو تمام غلام جنکو بازارون مین جانے کی کوئی ممانعت نہین آزادی کہلاتے لیکن انکی سوشیل لائف مین آزادی اور غلامی کے شرائط ہی دیگر ہین۔ سب سے پہلے اور بڑی شرط آزادی کی حقوق ہین۔ کتاب زیرریویو کی مصنفہ نے جابجا عیسائی اور مسلمان عورتون کا بہ لحاظ حقوق کے مقابلہ کر کے ثابت کیا ہے کہ اسلامی مستورات کی حالت بہ نسبت عیسائیون کے بدرجہا بہتر ہے۔ گو وہ اسلام کی موجودہ سوسائٹی کے پردہ در پردہ کے خلاف ہے جیسے ہر ایک سمجھدار آدمی کو ہونا چاہیئے لیکن اوس پردہ کو جو مذہبی قواعد پر مبنی ہے بالکل جائز سمجھتی ہے۔

لوسی ایم جے گارنٹ کے نزدیک اسلام نے لونڈیون کو بھی اسقدر بڑے حقوق دئیے مین کہ عیسائیون نے اپنی آزاد بیبیون کو نہین دئیے۔ لونڈیونکے حقوق پر مفصل بحث کے بعد وہ لکھتی ہے " ہم اس سے پیشتر لکھ چکے ہین کہ لونڈیون سے اسلام اسقدر مہربانی اور فیاضی سے سلوک کرتا ہے کہ عیسائیت کسی طرح اوسکا مقابلہ نہین کرسکتی۔ اب ہمین یہ دیکھنا چاہیئے کہ گذشتہ تیرہ سو برس سے آجتک ایک آزاد مسلمان عورت کے قانونی حقوق کیا کیا ہین۔ بہ حیثیت بیٹی ہونیکے وہ اپنے باپ کی جائداد کی ایک وارثہ قرار دی گئی ہے۔ باپ کی وفات کے بعد اوسکو اوسکی جائداد کا ایک مقرر حصہ مل جائے گا جسکو قانون خود تجویز کرتا ہے اور اوس مقرر حصے کے حاصل کرنے مین لڑکی بھی ایسی ہی قادر ہے جیسے لڑکا اپنا

مقررحصہ حاصل کرنے مین - بی بی ہونے کی حیثیت سے وہ مالک مطلق العنان سمجھی جاتی ہے
اُس تمام مال کی جو اوسکو اپنے والدین سے ملتا ہے یا شادی کے بعد اپنے شوہر سے ملتا ہے
وہ اپنی زندگی مین جسطرح چاہے اپنے مال کو صرف مین لا سکتی ہے اور اپنی وفات پر
جسکو چاہے وصیت کرسکتی ہے - کوورچر کا قانون اوسکے لیئے بالکل نہین - وہ قانوناً
اپنے لیئے اور نیز اپنے لونڈی غلام کے لیئے اپنے خاوند سے نان و نفقہ لے
سکتی ہے اسلام نے جسقدر مان کو عزت اور وقار اور حقوق کا درجہ دیا ہے ویسے کسی اور
مذہب نے نہین دیا - جب بچہ پیمبر کے اس قول کو دیکھتا "جنت مان کے قدمونکے
تلے ہے" تو وہ اپنی والدہ کا ایک جانثار غلام ہو جاتا ہے "
وہ اسلام کے شادی کے طرز کو بہت پسند کرتی ہے - نکاح کے وقت مہر کا قرار دینا
اوسکے نزدیک تمام قوانین سے بڑھ کر مفید ہے کیونکہ اس سے ایک بی بی کی سوشیل
پوزیشن بہت بڑھ جاتی ہے - یہی مفید قاعدہ ہے جو عام طور پر طلاق کی سدراہ ہے -
عیسائی جورو اور خاوند کے درمیان بھی ناچاقی اور دشمنی کا ویسا ہی احتمال ہے جیسے
مسلمان بی بی اور شوہر مین لیکن عیسائیون مین نہ تو مرد اور نہ عورت ایک دوسرے
سے اپنا پیچھا چھوڑا سکتی ہین تا وقتیکہ پبلک پر اون تمام ناپاک اور گندے افعال کو ایک
دوسرے کی نسبت ثابت نہ کردین جنکا سرزد ہونا آدمزاد سے ممکن ہو سکتا ہے - جن
لوگون نے انگلش طلاق کے مقدمات کو دیکھا ہوگا وہ بخوبی جانتے ہین کہ جب جورو اپنے
شوہر یا شوہر اپنی جورو کی بے وفائی ثابت کرنے پر آتے ہین تو بے حیائی اور پردہ
دری مین کوئی دقیقہ اوٹھا نہین رکھتے - حالانکہ مسلمانون مین طلاق کی خبر بجز چند آدمیونکے
جو طرفین کے خویش و اقربا ہوتے ہین باہر نکلنے ہی نہین پاتے - اسلام نے بی بی

شوہر کے تعلق مین زیادہ تر باہمی لگاؤ اور محبت کا جز رکھا ہے اور قانونی رکاوٹین اور مہر کا
قرار دینا مصلحتًا تجویز کیئے ہین - علاوہ اسکے اپنی بی بی سے ناانصافی کرنے والا
مرد سوسائٹی مین سخت مطعون اور ملعون ہوتا ہے جسکی وجہ سے ہر ایک مسلمان کی جرأت
نہین پڑسکتی کہ اپنی بی بی کو طلاق دے عملًا ایک عیسائی کو طلاق دینی زیادہ آسان ہے
بہ نسبت ایک مسلمان کے اگر ایک مسلمان اپنی بی بی کو طلاق دے گا تو بی بی کو گلے مین
جھولی ڈالکر بھیک مانگنی نہ پڑیگی کیونکہ وہ تمام جائداد جو طلاق کے وقت تک اوسکے
قبضے مین آچکی ہے معہ زیورات اور برتنون وغیرہ کے وہ اپنے ہمراہ لے جائیگی
اور علاوہ برین مہر کا روپیہ الگ - حالانکہ اگر کسی عیسائی لیڈی کو اوسکا شوہر قانونًا طلاق دیدے
تو اوسکی وجہ معاش کی حالت ناگفتہ بہ - لوسی ایم جے گارنٹ نے عام طور پر مسلمان عورتوں کی
حالت کو عیسائی عورتون پر فوقیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اوسنے جو حالات
ترکی کی عورتون کے دئیے ہین اوس سے ثابت ہوتا ہے کہ اونکی حالت بہ نسبت
ہمارے ملک کی پردہ نشینون کی بدرجہا اچھی ہے - ترکون مین سب سے عمدہ یہ قاعدہ ہے
کہ مستورات برقعہ پہنکر جہان چاہین جاسکتی ہین صرف غیرون سے اپنا مُنہ پوشیدہ
رکھنا مطلب ہے نہ کہ چاند سورج ہر ایک نیچر کی چیز سے پردہ کیا جائے اور مدام یا تو گھر کی
چاردیواری مین بند اور اگر کبھی کہین جانے کا اتفاق بھی ہوا تو پالکی کے بند پردون مین دم بخت -
گرمائین بڑے بڑے بادشاہ دن کی بیگمین اپنی لونڈیون اور نوکرون کو ساتھ لیکر پہاڑون کے
پرفضا سبزہ زارون اور میدانون اور چشمون کے پرلطف تفرج گاہون مین سیر کرتی پھرتی ہین
عمومًا متوسط درجے کے ترکون کی لیڈیان بھی گرما مین مل کر کسی پہاڑ یا میدان کی سیر کو
چلی جاتی ہین اور صبح سے شام تک کسی مخمل سبزہ زار یا گلگشت کی سیر کے بعد

اپنے اپنے گھرون کو لوٹ آتے ہین۔ غیر مردون کی سوسائٹی کے سوا اور جسقدر نیچر نے ہمارے لیئے فائدے کی چیزین بنائی ہین اون سب سے ایک ترک لیڈی فائدہ اوٹھا سکتی ہے۔ وہ برقعہ پہنکر بازارون مین جا سکتی ہے۔ ہوا خوری کر سکتی ہے۔ نیچر کی نیرنگیون اور قدرت کے نظارات کو دیکھ سکتی ہے اور اپنی صحت کو ورزش وغیرہ سے قایم رکھ سکتی ہے۔ جب ہم مقابلتًا ہند کی پردہ نشینیون کی حالت پر غور کرتے ہین تو سوا رنج کے اور کوئی نتیجہ نہین ہوتا۔ تمام محققین علم حفظان صحت کا اجماع ہے کہ سوا کسی قسم کی ورزش کے کبھی کسی آدمی کی صحت ٹھیک نہین رہ سکتی تمام حکما کا اور نیز عوام الناس کا تجربہ ہے کہ سوا اپنی تمام حواس اور قوی جسمانی اور روحانی کو کام مین لانے کے کبھی انسان کو سچی خوشی حاصل نہین ہو سکتی۔ لیکن ہماری سوسائٹی کے توہمات کے بادل در بادل نے اسلامی پردے پر اسقدر پردہ در پردہ ڈالا ہے کہ مصیبت زدہ پردہ نشینون کو اکثر ہوا اور روشنی سے بھی محروم رہنا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی عورتین بیس اور حد پچیس برس کے اندر ہی اندر اپنی طاقت۔ صحت اور خوبصورتی کو کھو بیٹھتی ہین اور اپنی باقی عمر کو مصیبت مین کاٹتی ہین حالانکہ ترکی مین عورتین تیس برس تک بالکل جوان اور تنومند رہتی ہین اور اوسکے بعد بھی طرح طرح کی بیماریون مین مبتلا نہین ہوتین۔

ٹرکی مین عملًا عورتونکو ملکی معاملات مین بھی بہت کچھ دخل ہے اور تمام سلطنت کے پالیٹکس پر اونکا اثر پڑتا ہے۔ سلطان کا حرم تو سلطنت ترکی مین ایک خفیف پارلیمنٹ کا کام دیتا ہے۔ بعض وقت حرم کی مخالفت کے سامنے خود سلطان کی بھی کچھ پیش نہین چلتی۔ وزرا وغیرہ پر حرم کا بہت بڑا رعب ہے اور سلطنت کی بڑی بڑی باتون پر اکثر

وہان بحث ہوتی ہے وزیر اعظم کی بی بی کو پالٹیکس مین استقدر دخل ہے کہ جسقدر اندرونی یا بیرونی معاملات ہوتے ہین اون تمام کے بارے مین وزیر اعظم اپنی بی بی سے صلاح ومشورہ کرتا ہے۔ بڑے بڑے ملکی افسرون کی بی بیان ملکی معاملات سے واقف ہوتی ہین اور اپنے خاوندون کو اونمین مشورہ دینے کے قابل۔

ترک اپنی ماؤن کی جسقدر قدر ومنزلت کرتے ہین ویسی اور کوئی قوم نہ کرتی ہوگی ترکون کی ماؤن کو بھی اپنے بیٹون سے استقدر محبت مادرانہ ہوتی ہے کہ اور کسی ملک کی عورتون مین نہین پائی جاتی۔ وہ بچپن ہی سے اپنے بیٹون کی سخت تربیت مین مشغول رہتی ہین تاکہ اونکے بیٹے آیندہ اعلے فوجی اور ملکی افسر بننے کے قابل ہوجائین۔ بچے کی پیدایش پر بچے اور زچہ سے تقریبًا وہی سلوک ہوتا ہے جو ہمارے ملک مین۔ تنگ مکان مین زچہ کو ایک آدہ ماہ تک بند رکہا جاتا ہے اور کثرت سے عورتین ہر وقت اوسکو گہیرے رہتی ہین۔ لڑکے کی پیدایش پر باپ کو ایک کثیر رقم خرچ کرنی پڑتی ہے۔ اور وہ سوسائٹی کے قواعد کے رو سے اس رقم کے خرچ کرنے مین مجبور رہتا ہے۔ شادی عمومًا بچپن مین ہوتی ہے۔ چودہ پندرہ برس سے اودہر کوئی لڑکی کواری نہین رہتی اور اگر رہی تو سخت معیوب خیال کیجاتی ہے۔ جب کسی لڑکے کی شادی کا وقت قریب آتا ہے تو لڑکے کی مان لڑکی کی تلاش مین ہمہ تن مشغول ہوجاتی ہے۔ جہان جہان اوسکو اپنی برادری مین لڑکیون کا پتہ چلتا ہے وہ خود اپنی لونڈیون کو اپنے ہمراہ لیکر وہان جاکر لڑکی کو دیکھتی ہے۔ جب وہ لڑکی والے کے گہر جاتی ہے تو دروازے سے اندر گہستے ہی اپنے آنے کا مدعا ظاہر کردیتی ہے۔ جس لڑکی کو دیکھنے آتی ہے وہ فورًا کسی دوسرے کمرے مین چلی جاتی ہے

اور بناؤ سنگار جسقدر اوس سے ممکن ہوسکتا ہے کرتی ہے - اس اثنا مین حرم کی تمام عورتین مہمان لیڈی سے ملاقات کرتی ہین اور ادہر اودہر کی باتون مین مشغول رہتی ہین - اتنے مین لڑکی بہی تیار ہوکر آموجود ہوتی ہے - لڑکی کے دروازے سے اندر قدم دہرتے ہی تمام محفل اوسکی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اوسکی تعریف مین مہمانون کی طرف سے سخت مبالغے ہوتے ہین ماشاءاللہ یہ چاند کونسے ابر مین پنہان تہا - یہ ایسا چاند ہے کہ سورج بہی اسکی روشنی کو ماند نہین کرسکتا - وغیرہ وغیرہ جسقدر ایک عورت کے اسکے درستے حسن کو ایک عورت اپنے الفاظ مین بیان کرسکتی ہے وہ سب بیان ہوتا ہے گو لڑکی بدصورت ہی کیون نہ ہو - اسطرح جب لڑکے کی مان کم از کم شاید دہا بیس لڑکیون کا ملاحظہ کرچکتی ہے اور ہر جگہ لڑکی کی مان سے جاتے وقت یہ کہتی جاتی ہے کہ اگر قسمت ہوئی تو ہم اس سے بہتر ملاقات کرینگے تو پہر آکر اپنے خاوند اور بیٹے کے روبرو سب لڑکیون کے الگ الگ وضعیت بیان کرتی ہے - ہر ایک کے حسن و قبح سے اپنے بیٹے کو خصوصاً مطلع کرتی ہے - تینون اپنی اپنی پسند کی لڑکی کا نام لیتے ہین اور آخر کو جسپر اتفاق رائے ہوتی ہے اسکے والدین کو پیغام شادی دیا جاتا ہے اور فوراً شادی ہوجاتی ہے - اگرچہ اب خاص قسطنطنیہ مین ٹرکس لیڈیون پر یورپ کا بہت کچہہ اثر ہوچلا ہے اور وہ گہر کے معمولی کاروبار مین کم مشغول ہوتی ہین اور عموماً یورپین زبانون کو حاصل کرنا یا گانا بجانا سیکہنے مین اپنا وقت صرف کرتی ہین لیکن اطراف کی لیڈیان ابتک گہر کا کام خود کرتی ہین اور اوسکو اپنے لیئے باعث عار نہین خیال کرتین -

ٹرکش لیڈیون کی تعلیم بہی بمقابلہ ہندوستان کے عمدہ ہے لیکن بمقابلہ اور یورپ کے اونکا ذخیرہ ہیچ ہے - سب سے پہلے اعلے خاندان کی لڑکیون کو دینیات اور موسیقی وغیرہ

اسپنے پرانے طرز کے سکہائے جاتے تہے لیکن اب عموماً فرنچ اور جرمن استانیون سے لڑکیون کو یورپین زبانیں اور سینا اور کارنا سکہائے جاتے ہین مصنف نے تعلیم پر کچہ بہت نہین لکہا جس سے معلوم ہوتا ہے اوسکے خیال مین ٹرکش لیڈیون کی تعلیم ابہی اسقدر کم ہے کہ قابل بیان نہین - چند عالی خاندان کی لڑکیون نے حال مین فرنچ اور جرمن سے ناولون وغیرہ کے ترجمے بہی کیے ہین اور نیز زبانون مین کچہ نظمین وغیرہ بہی لکہی ہین - فقط

عبد اللہ

انجمن الفرض

جل ازین منشی ارشاد الدین صاحب کی معرفت میرٹہہ کی رقم مندرجہ ذیل وصول ہوئی تہے چندہ دہندگان کے اسمائے گرامی اسوقت مشتہر کیے جاتے ہین -

مولوی شاہ گل حسن صاحب	عہ/	امیر بخش و الہ بخش چودہریان	۰/	منشی مقبول علی صاحب اہلمد عدالت	۸
حکیم محمد فخر الدین صاحب	عہ/	رحیم میوہ فروش	۲/	نور الدین صاحب سوداگر	۴/
الہ بخش صاحب ٹین ساز	۲/	الٰہی بخش میوہ فروش	۱/	مستری الہ بخش صاحب	۲/
حافظ محمد حسین صاحب	۱/	فضلا قصاب	۰/	شیخ اللہ دیا صاحب	۲/
احمد خانصاحب	۱/	احمد خاں	۰/	درپا باب اعلی	۱/
عبد الواحد خاں صاحب عطر فروش	۲/	دختران ارشاد الدین صاحب	۱/	مولانا احمد صاحب باب اعلی	۴/
بہائی خان صاحب	۸/	اہلیہ ارشاد الدین صاحب	۱/	حافظ محمد اکبر صاحب باب اعلی	۸/
الہ دین صاحب مستری	۰/	امام الدین صاحب	۲/	حافظ محمد عبد الرحمن خانصاحب	۴
مرزا غلام رسول بیگ صاحب	۰/	حافظ روح اللہ صاحب سوداگر	۲/	پیرجی الطاف حسین صاحب	۲/

منشی ابراہیم خان صاحب	۱ر	عبداللہ شاہ صاحب محلہ بلی سرا	۴ر	یعقوب خان صاحب	
کلو میوہ فروش	۰ر	حافظ فہیم خان صاحب پیشکار	۲ر	منشی خورشید حسن خان صاحب	۲
عبداللہ میوہ فروش	۰ر	بابو لطافت حسین صاحب	۳ر	ڈاکٹر ظہور محمد خان صاحب	۲
رحیم میوہ فروش	۰ر	منشی محمد ابراہیم صاحب مختار	عکا	منشی نعیم الدین صاحب	۰
تلو میوہ فروش	۰ر	اللہ دیا صاحب مستری کھویلی	عہ	بابو رفیع الدین صاحب ہیڈ کلرک	۲
الٰہی بخش میوہ فروش	۰ر	شمشیر خان صاحب	۴ر	اہلیہ منشی سید علی صاحب سکنہ مولوی گنج علیگڈھ	مرع
غفور سبزی فروش	۱ر	منشی اکرام اللہ خان صاحب پولیس	عہ	اہلیہ ارشاد الدین صاحب	۰

پہلے فہرست شایع ہونیکے بعد ابتک حسب ذیل چندہ وصول ہوا ہے۔

(۱) جناب آفتاب احمد خان صاحب سے ایک شادی کی تقریب مین بمقام ایانی بت وصول کئے۔ صہ ر

(۲) حافظ عنایت اللہ صاحب نے اپنی فرزند سمیع اللہ صاحب کی شادی کی خوشی مین عنایت فرمائے۔ لہہ

(۳) ارشاد الدین صاحب نے جناب حکیم فخر الدین صاحب سے وصول کئے۔ للعہ ر

(۴) تصدق حسین صاحب طالب علم مدرستہ العلوم نے للعہ ر حسب ذیل جمع کئے۔

شجاع الدین صاحب عمر منشی علی حسین صاحب تحصیلدار اٹاوہ عمر

باد اللہ صاحب عمر جناب غلام شبیر صاحب وکیل عمر

محمد حسین صاحب دیلدار ۴ر صاحبزادہ بشیر الدین صاحب ۲ر

(۵) سید مسعود علی صاحب و محمد محفوظ اللہ صاحب طالب علمان الف اے کلاس مدرستہ العلوم نے مسجد کے لئے مبلغ صہ ر حسب تفصیل ذیل جمع کئے۔

منشی وحید اللہ خان صاحب ۴ر سید تراب علی صاحب عمر

مولوی غلام علی صاحب ۴ر سید خوشبو علی صاحب ۸ر

نذیر احمد صاحب	۵ر	سید مظفر علی صاحب	۲ر
سید بہادر علی صاحب	۸ر	سید علی اختر حسین صاحب	۲ر
سید اختر علی صاحب	۲ر	شیخ عماد الحسن صاحب	۸ر
سید دلبر علی صاحب	۲ر		

Sarfraz b Mahmud Beg	15
Jalil-ur Rahman b. Mahmud Beg	6
Mohammad Zaman b Mahmud Beg	18
Kabir b Chakravarti	8
Nazir Mohammad not out	4
Ali Hasan not out	2
Aziz (did not bat)	
Extras	7
Total	125

Won by an innings and two runs.

We were hoping to meet the Station team at Cawnpore, but, almost at the last moment, it was found impossible to raise an eleven. To prevent our disappointment the Rev. F. Westcott of the Mission College very kindly got a team together to play us.

Our opponents were not particularly strong and could only put together 43 in the first innings. In the second innings they did rather better, Mr. Westcott hit with great freedom being out to a catch in the long field, C Dutt scored 37 in the second innings playing up with great pluck for a manifestly losing side. Ahsanul Haq shewed much the best form on our side. Moghni and Ali Hasan bowled well in both innings and Aziz got two wickets for four runs in the first innings. Our fielding was fairly good, but 8 extras is too many in a score of 43. We declared our innings closed for five wickets hoping to get out the other side a second time before the end of the day. This was found impossible so the game was carried on for half an hour next day

(To be continued)

PERSONAL NEWS.

We are glad to state that at the recent selections of College candidates as Probationary Deputy Collectors Syed Zain Uddin, B.A., and Syed Ahmad Ali, B. A., students of the M. A.-O. College, were chosen. The Muir and Benares Colleges both sent up two candidates also, and one of the Benares College students was likewise selected. Syed Zain Uddin is the eldest son of Maulvi Zain-ul Abdin Khan Bahadur, and Syed Ahmad Ali is the great nephew of Sir Syed Ahmad Both have been students of the College for the last ten or eleven years.

BROTHERHOOD DINNER.

The date of the Brotherhood Dinner has been postponed to March 28th.

Won by ten wickets.

This was a two days match and a most interesting one though the Lucknow Club was scarcely so strong as we had been led to suppose.

For the home team the Rev. Kirwan showed best form, in the first innings playing a very steady game; he and Mr. Stokes were the only two who got into double figures in the second innings, Private Wooton batted with great freedom, and Private Pearce was their best bowler. Our batting was not good in the first innings. Sarfraz hit hard but his innings was rather a risky one: Moghni batted steadily at rather a critical period of the game. No one else did particularly well and had it not been for the stand made by the tail of the team the score would have been a very poor one. Moghni and Abdullah bowled well and Ali Hasan secured a couple of wickets in the second innings at a low cost. The fielding was good though now again lacking in steadiness. Mohammad Zaman brought off two good catches in the long field and Abdullah a difficult one in the slips.

Our team was most hospitably entertained by the members of the Mohammad Bagh Club who did all they could to make our visit a pleasant one.

M. A.-O. College against Cawnpore Young men's Association.

R. A. I. Banerji b. Moghni	0	run out	1
Brij Narayan b Abdullah	11	b Abdullah	0
C. Dutt c Zaman b Abdullah	12	not out	37
Rev F. Westcott c Sarfraz b Abdullah	0	c Zaman b Moghni	17
Sukh Sivaroop c Moghni b Ali Hasan	4	b Moghni	8
K. N. Cuthbert b Aziz	5	c Sirfraz b Moghni	6
Mahmud Beg c Moghni b Ali Hasan	0	c Aziz b Moghni	0
Jwala Pershad c Moghni b Ali Hasan	0	absent	
Munohar Lal b Ali Hasan	0	lbw Ali Hasan	3
Mohammad Mohsin b Aziz	3	c Jalil b Moghni	0
A. K. Chakravarti not out	5	b Ali Hasan	0
Extras	3	Extras	8
Total	43		80

M. A.-O. College.

Azmat Ullah b. Westcott	1
Moghni c and b Mahmud Beg	10
Ahsan-ul Haq c Chakravarti b Westcott	52
Mohammad Abdullah b Mahmud Beg	2

M. A.-O. COLLEGE.

Moghni	b Sutherland	15	c and b Parker	7
Abdullah	c &. b Bush	19	c Bower b Bush	14
Ziaullah	b Bush	0	not out	12
Azmat-ullah	b Bush	1	not out	13
Sarfraz Khan	b Sutherland	37		
Niaz Mohamed	run out	3		
Zarif Ahmed	b Bush	1		
Jailil-ur-Rahman	b Sutherland	44		
Mohammed Zaman	b Sutherland	20		
Ali Hasan	not out	0		
Aziz	b Parker	3		
Extra		26	Extra	7
	Total	159	Total	52

won by 8 wickets

M.A.-O. COLLEGE AGAINST LUCKNOW (MOAHAMMAD BAGH CLUB.)

LUCKNOW.

Mr. W. K. Legge b. Abdullah	7	c Ali Hasan 6 Moghni	1
Pte. Wooton c Zaman b Moghni	0	b Abdullah	28
Rev. R. M. Kirwan lbw Moghni	22	c Abdullah b Moghni	0
Mr.E.L. Lenny c Moghni b Abdullah	0	c Abdullah b Moghni	12
Major Alymer b. Moghni	0	c and b Ali Hasan	5
Surg. Capt. Pilcher c. Zaman b. Moghni	1	c. Zaman b Moghni	13
Mr. W. A. Stoker run out	20	run out	4
Mr. J. B. Russel b. Moghni	0	not out	1
Mr. Pde Jex not out	1	c & b Moghni	6
Sergt. Oxford b. Abdullah	6	b Abdullah	6
Pte. Pearce b. Abdullah	0	c Jalil b Ali Hasan	0
Extras	8	Extras	4
Total	65	Total	80

M. A.-O. COLLEGE.

Mohammad Zaman c Aylmer b Oxford	12		
Azmat Ullah lbw Pearce	2	not out	15
Ahsanul Haq c Kirwan b Pearce	5		
Mohammad Abdullah c Lenny b Pearce	1		
Sarfraz Khan b Kirwan	26		
Moghni c Oxford b Kirwan	21	not out	5
Jalil-ur-Rahman b Kirwan	0		
Niaz Mohammad b Pearce	4		
Lt. Tipping b Kirwan	10		
Kabir not out	21		
Ali Hasan c Pilcher b Oxford	15		
Extras	11		
Total	128	Total	20

M. A.-O. COLLEGE CRICKET.

The cold weather (1895-96) will be remembered as a more than usually successful period in the history of the M. A.-O. College Cricket Club. Nine important matches have been played, some of them against the strongest teams in the North-West Provinces, and we have been victorious in every match.

This is a result upon which all who are interested in the athletics of the College will very heartily congratulate the Cricket Club and its Captain. And it is a result which is not due simply to happy accident. It is, in the main, the direct consequence of the careful preparation that the team has undergone. The daily practices have been carried on with an energy and a regularity that are very creditable. Slackness in practice is the secret of failure in most teams. But if we had failed this season it could not have been attributed to this; for there has been a most commendable keenness shewn by every member of the team. And this is largely due to the example set by the Captain. He has been always present at practice, and his energetic supervision has had a distinctly inspiring effect upon the rest of the team. We have had good practices and as a consequence good play in matches.

We give below the full scores of the most important matches.

M. A. O. College against Meerut Station Club played at Meerut.

Meerut Station.

Col. Bowers	b Abdullah	42	not out ...	0
Mr. Beck c. Sirfraz	b Moghni	1	not b Moghni	34
M. Bradford	b Abdullah	19	b Ali Hasan	0
M. Robinson	b Moghni	6	c Jalil b Ali Hasan	22
Major Evans	b Moghni	3	b Ali Hasan	8
Rev. Spring	b Ali Hasan	6	c & b Moghni	5
Mr. Feache	b Ali Hasan	11	b Moghni	20
Mr. Packer	b Moghni	4	c Ziaullah b. Moghni	0
Mr. Sutherland	b Ali Hasan	0	did not bat	
Mr. Stoker	not out	3	c Zarif b Moghni	4
Mr. Lindsay	b Moghni	0	b Ali Hasan	0
Extras		6	Extras	15
Total		101		108

parallel to the jobbery and dishonesty in a government post ; the same motives would be at work ; the same principles controlled.

I have been speaking chiefly of your duties as Monitors, but I will add that your whole life, and conduct will be an unconscious influence daily and hourly. No scrutiny is so keen or so unwavering as that of younger students in a great college or school directed towards those above them, whom they admire and imitate, and whose every action they carefully observe. This is how the tone of a place is created ; and therefore your office gives you influence not only in your official duties but in your daily life, from which you cannot escape, and which therefore, I hope and expect, will always be exerted for what is honourable and noble. This of course applies to the other older and better known students as well as to you, Monitors ; and in urging it on you I urge it on all. And as I suppose, indeed, that no one here is so isolated, or so unimportant, as to be wholly without influence on others, so all should feel, in their degree, the additional responsibility rising from the thought that their actions will affect not only their own souls but the souls of others.

I need not say much more. You, Monitors, have been carefully selected, and I think you all feel that it is an honour and a privilege to be associated in a certain sense with your professors in the guidance and influence of this place. Remember what we expect of you, remember what the younger students may learn from you, remember what your country and the empire may gain from you, and let the wearing of these badges be a constant reminder to you of the duties you have undertaken, and the spirit in which they ought to be performed.

all the younger students, who look up to you and look to your conduct as the standard of what is to be imitated and admired. If while maintaining discipline with firmness and authority, you shew also that modesty of bearing, politeness and ready kindness, which are the characteristics of a gentleman in every country, putting on no "side" or airs in consequence of your posts, thinking far more of your duties than of your privileges, you can see again how much you will do to encourage the growth of these qualities in others. And your influence here will not be small from any point of view. On the tone of this place and on the qualities it fosters will depend, we hope, in future the development of a great part of the more enlightened and of the leaders of your nation. It is not too much, I think, to say this; and it ought to be an inspiring thought to you, encouraging you to renewed effort in your work, that the issues of it may be so great.

I especially wish to urge on you the strictest honour and honesty, for in positions of public trust these are the first and for the most important duties. Many of the students from this College may enter the public service of this country in various departments. You all know in how many branches of it corruption reigns, and this chiefly owing to the want of a powerful native public opinion against such dishonesty.

I want to create a public opinion against such things and this College, and I look to you, monitors, chiefly to assist me in doing this. If for instance a food Monitor uses his position to get special dishes or special conveniences at meals, either for himself or his friends, do you not see how this dishonesty will vitiate his work, how the younger students will say, 'Oh so and so does it, there is no harm in it, it is an understood thing, every one does it &c., &c.," and be fully prepared to do it still worse themselves when their turn comes to be in the same position. Such conduct in any department among you would prove to me that he who was guilty of it was unfit for the duties of his position, and would be the signal for me to deprive him of it. Such conduct in the monitor's post here would be an exact

ADDRESS TO COLLEGE MONITORS.

On January 25th the Principal gave the following Address to the College Monitors in a general meeting of the students :—

In addressing the assembled Monitors I consider that I am addressing the whole College and school, not only because a great proportion of both is present to hear me, but because the Monitors themselves, through their official position and quite as much through their personal character ought to have a predominant influence over the whole place. And it is chiefly of this influence that I wish to speak to you, Monitors and of the duties and responsibilities of your position here. You all have definite duties to fulfil in your respective departments, which I think you understand and are prepared to discharge. These routine duties are simple enough, but on the honourable and conscientious discharge of them, and on the use of the influence you cannot help having in consequence of your position will depend a much more important thing than the details of your work itself,—namely, that uncertion essence which is known as the "tone" of the College You know what our ambition and desire here is, and the object of all our work ; to bring up students who are first and foremost manly, honourable, upright, truthful, and modest. All intellectual attainments are secondary to this, and if these qualities were wanting in those who had been deeply influenced by the spirit of this place, we should feel that we had failed, however brilliant their intellectual attainments or other accomplishments might be. It is to the Monitors, therefore, that we look as our assistants in this the most important branch of our work. If you, Monitors, show a strict sense of justice and honour in your dealing with those who are more or less under your authority, never use your position even in the most trifling matter for your own advantage, never use it for a friend's advantage unfairly to others, you can see what an enormous incentive you will give to the qualities of disinterested honour and unselfish public spirit to

independent, while duly sensitive to, or appreciative of, the benevolent regard of the Government. I respect a College like this, which is tolerant of the beliefs of others while teaching its own creed. And in regard to what has been said by Mr. Syed Mahmood and Mr. Beck in this connection, I mean in connection with discipline and religious training, I wish to express here my entire concurrence. Your address tells me that this College, 'imparts religious instruction along with secular subjects' that is the system of education which, when opportunity offered, I have always striven to recommend as the true method. The great principles of morality are not the monopoly of any particular creed or sect. They may be inculcated in Mahomedan and Hindu as well as in Christian Colleges and schools, and it is a great satisfaction to me to know that the Directors of the College accept and act upon the rule, that (to quote the words of the address on this point) 'secular education without religious training is comparatively futile and ineffectual work'.

"Gentlemen, I shall not detain you longer, but before I conclude I must wish this College every success. I wish it all the success which was hoped for in the eloquent words addressed to Lord Lytton when he laid the foundation-stone nearly twenty years ago. It is not too much to hope that this College will grow into the Muhammadan University of the future; that this place will become the Cardova of the East and that in these cloisters Mahomedan genius will discover, and under the protection of the British Crown, work out that social, religious and political regeneration, of which neither Stamboul nor Mecca afford a prospect,"

At about six o'clock in the evening, Sir *Antony* MacDonnell honoured Sir Syed Ahmed and his son the Hon'ble Syed Mahmood by paying a visit to them at their private residence, and His Honour left Aligarh for Agra by the midday train the next day—Saturday the 25th January 1896.

founders is that venerable and distinguished man, Sir Syed Ahmed Khan, whom we are all so glad and proud to see among us to-day, notwithstanding the burden of his eighty years spent in the service of his Queen and his country. I reckon as not least among the advantages of my visit to Aligarh that I have been able to make that venerable gentleman's acquaintance, as well as the acquaintance of his distinguished son : and I trust that it will be permitted to me to draw, as my predecessors have drawn, on the vast sources of their information regarding their co-religionists, whenever the necessities of my Government suggest to me to do so.

" Gentlemen, in presenting me with this Address amid attendant circumstances of such a complimentary character, your attention and your wishes are, I take it, of a dual nature : you wish to do honour to the Head of the Provincial Government : and you perhaps desire to elicit an expression of my opinion on the great undertaking you have set your hands to. If this be so, I can at once gratify your wishes by saying that your Address, which sets clearly forth what manner of work you are doing, is not only calculated to win you sympathy and approval, but that it inspires one with respect for the breadth of view, the tolerance of feeling, and the tenacity of purpose which have marked your proceedings from the beginning. Gentlemen, a great poet has said 'Peace hath its victories no less than War.' Among the peaceful victories of our time in India the establishment of this College is surely one. It is a victory which brings joy to the hearts of all : and suffering or sorrow to the heart of none. It is a victory which time should not tarnish.

Gentlemen, although I came here to-day a stranger to you, you are by no means strangers to me. Everyone who takes even a cursory interest in Indian political affairs has heard of Sir Syed Ahmed Khan and his fellow-workers in Aligarh. But my duties and my opportunities for many years have combined to give me fuller information about you than was open to the general public : and, inspired by that fuller information, I meet you to-day feeling a strong sympathy with you in your labours and your difficulties. I wish to say, with frankness, that this Institution appeals strongly to my respect. I admire an Institution as I admire a man—which is self-reliant and proudly

the general proposition that if it is desirable that our students should be honest and truthful, well-bred, energetic and loyal in heart and feeling to the British Empire, then the cultivation of these qualities must be part of the duty of the staff of a School or College—I venture to think the most important part—and a certain amount of time which might be devoted to teaching must be sacrificed to attain this end. In an institution like this, with a large boarding-house containing 350 boys and men, we feel sure that we can entertain no doubt as to the course that must be pursued, for the students are removed from such training as they would receive in their homes, and if they are not looked after the place may become a curse instead of a blessing to them. The common idea is that the professor's duties finish when he has done his lecturing; here we find that it is then that his most difficult and engrossing work commences. We have, therefore, been obliged to delegate duties in the boarding-house to several masters of our staff. And in order to assist them in their work we have, following the model of English public schools, enlisted the services of some of our best and most energetic students. Through them we maintain order, and work the discipline at meals, attendance at prayers, the riding-school, cricket, football, drill, clubs, games, and all the many societies and various interests which make up the true life of this place. Six of these monitors are singled out for more responsible duties and are practically assistant to the College Proctor. We select them of course from those who are best deserving of the position. They will wear silver badges as a sign of office, and I now request that Your Honour will be so good as to distribute these badges to the students in question."

The Lieutenant-Governor in replying said:—

"GENTLEMEN, TRUSTEES OF THE ANGLO-MAHOMEDAN COLLEGE,—I beg to tender you my best thanks for the more than cordial welcome which you have given to me: and for the remarkable Address you have done me the honour of presenting to me. I say that this Address is remarkable because it appears to me to be an excellent sketch of the origin and progress of this great Institution: and an admirable presentation of the aims and policy of its founders. Foremost among these

great advance has of late years been made in physical education. The Allahabad University has taken physical education under its protection, and has by its Annual Tournament given an immense stimulus to manly sports and exercises. I should like, however, to submit a few suggestions as to the third complaint which I regard as just and well-founded. There are some persons who consider the true and only aim of a University the advancement of training, others who think its chief function to be the training of a body of cultivated and useful citizens. The English Universities combine these objects, and we also I think in India should not confine our attention to the first and more scholarly aim. For if training in morals, practical energy, good manners and public spirit be neglected during the early and more impressionable years of a man's life, there is little hope that he will be able subsequently to completely remove defects that have become matters of habit. Some attention has been devoted by Government to the consideration of moral training, but I am not aware that much has been practically accomplished in that direction. As the result of my experience in connection with this the most difficult department of education, I am convinced of the truth of two propositions; the first that the training of character involves much expenditure of time and labour ; and the second, that the Indian public is ignorant of this fact. The prevalent impression in India is that the work of the head-master of a school, for example, is to be tested solely by his success in passing students through the Entrance and Middle Examinations ; and that if he gives up time that might be employed in teaching to training in character he is neglecting his duty. It is supposed that all the excellencies of character that make a man virtuous, energetic, well-bred, loyal to the State, can be engrafted in an occasional odd ten minutes spent now and then by the master without interfering with his teaching duties, which are supposed practically to occupy the whole of his time. It is needless to say that the idea is ridiculous, and can only be entertained by people who have had no practical experience of the difficulty of moral training. I will not trouble you with detailed suggestions as to how the character can be formed and educated but confine myself to

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 3.	MARCH 1, 1896.	No. 3.

VISIT OF SIR ANTHONY MACDONNELL TO OUR COLLEGE.

On Friday, the 24th of January 1896, His Honour the Lieutenant-Governor of the N.-W. Provinces and Oudh paid a visit to the M.-A. O. College at Aligarh to receive an Address from the Trustees of that institution.

After the Address had been read by the Hon'ble Syed Mahmood, Mr. Theodore Beck, the Principal of the College, made the following speech :—

"YOUR HONOUR, LADIES AND GENTLEMEN,—I rise to request Your Honour to distribute some badges to certain College Monitors, and in doing so will first explain the object with which the system of monitors has been started here.

"Three complaints have been commonly made against Indian education. The first, that the intellectual training is unsatisfactory as tested by the faculty of our graduates for sustained logical reasoning, and by their productions in the domain of original research ; the second, that physical development is neglected ; and the third, that, our Schools and Colleges do little to strenghen and improve the character of their students. About the first of these I propose to say nothing to-day. With regard to the second I will only say that a

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A.-O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs. 3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. p. for Rs. 3 or for Re. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 2 annas per line or Rs. 2 per page in Urdu.

THEODORE BECK,
English Editor.

MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,
Urdu Editor.

NIAZ MUHAMMAD KHAN,
Manager.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 3. | MARCH 1, 1896. | No. 3.

CONTENTS.

ENGLISH.

Printed at the Institute Press, Aligarh.

For Siddon's Union Club.

محمدن اینگلو اورینٹل کالج میگزین

نمبر ۲	یکم ماہ فروری سنہ ۱۸۹۶ع	جلد ۳

فہرست مضامین

انگریزی

اردو

علیگڑھ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتاز الدین کے اہتمام سے چھپا

کالج میگزین

قریباً چار برس ہوئے کہ اِس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اُردو ملا ہوا ـ علیگڈہ کالج سے نکلنا شروع ہوا ـ اول اول وہ علیگڈہ اِنسٹیٹیوٹ کا ضمیمہ بن کر نکلتا رہا ـــ لیکن سنہ ۱۸۹۴ع میں اس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی ـــ اس کے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اُس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے ـــ اور اِس وجہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپی نہ تھی *

اِس خیال سے اِس کے منتظموں نے اِس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جائے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ ـ مسلمانوں کے علوم و فنون ـــ تاریخ اور لٹریچر کے متعلق ـ مفید اور پر زور مضامین لکھے جائیں ـ اِس غرض سے اِس کے ۲۴ صفحہ بالکل اُردو کے لئے مخصوص کردیئے گئے ـ اور اِ س صیغہ کا اہتمام خاص میری سپردگی میں دیا گیا میں اِس رسالہ کے ترقی دینے میں حتی الامکان کوشش کرونگا *

ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی ـ نواب محسن الملک ـ مولوی نذیر احمد ـــ اور ماسٹر ذکاءاللہ ـــ وغیرہ بزرگوں نے اِس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہی ـــ اور اہل قلم بھی اگر اِس کی اعانت فرمائینگے تو ہم نہایت فخر کے ساتھہ قبول کرینگے *

ہم کو اُمید ہی کہ ہندوستان کی اِسلامی جماعت خریداری سے اِس کی اشاعت میں مدد دیگی ـ میگزین کے کل صفحات ۴۰ ہیں اور قیمت مع محصول ڈاک ـ (۱۲م) *

شبلی نعمانی ـــ پروفیسر
مدرسۃالعلوم علیگڈہ

اشتہار

شائقین علم وتاجران کتب کو اطلاع دیجاتی ہے کہ دوکان الفرض مدرسۃ العلوم علیگڈہ مین ڈاکٹر سر سید احمد خان بہادر ومسٹر محمود بیرسٹر ایٹ لا ونواب محسن الملک مولوی مہدیعلی خان الطاف حسین حالی وشمس العلما مولانا شبلی نعمانی ومولانا نذیر احمد وحاجی اسمعیل خان رئیس دتاولی وبعض مصنفین کی تصانیف موجود ہین جنکی فہرست دوکان الفرض سے طلب کیجے پر مل سکتی ہے اور کتابین نقد قیمت دینے پر یا بذریعہ قیمت طلب پارسل ارسال ہوسکتی ہین۔

حال مین ہمارے کالج کے پرانے طالب علم مولوی طفیل احمد صاحب نے ایک کتاب موسوم بہ محمدن کالج ڈائرکٹری جسمین اس کالج کی مختصر تاریخ وموجودہ کیفیت انتظام وعمارات اور پرانے طلبا کے نام وسکونت وموجودہ وقیام درج ہین طیار کی ہے اور اوسکو انجمن الفرض نے طبع کرایا ہے۔ پرانے طلبا اور نیز عام مسلمانون کے لیئے جو اپنی قومی کالج سے دلی تعلق رکھتے ہین ایک نہایت دلچسپ کتاب ہے اور قیمت صرف ۸ر ہے۔

ہمارے کالج کے سکینڈ ماسٹر پروفیسر چکرورتی کی ارتھمٹک کا اردو ترجمہ موسوم بہ علم الحساب حصہ اول ودوم طبع کرایا ہے جو ورنیکلر مڈل اسکولون کے واسطے نہایت مفید کتاب ہے۔

قیمت حصہ اول ۴ر وحصہ دوم ۸ر ہے ہردو حصہ دوکان الفرض کو طلب کیجیے

المشتہر

ولایت حسین

مینجر دوکان الفرض مدرسۃ العلوم علیگڈہ

مطبوعہ محمدن پریس علیگڈہ

اشتہار

اخبار عام لاہور کا اشتہار

اُردو زبان کا سب سے پُرانا اور سستا اخبار
اور دلچسپ مضامین کے لیئے خاص شہرت رکھتا ہے۔

(۴۵ سال سے شایع ہوتا ہے)

ا۔ اخبار عام ہر دو شنبہ شایع ہوتا ہے۔ سالانہ قیمت مع محصول بلا محصول ۸

اخبار عام ہر روز شایع ہوتا ہے۔
سالانہ قیمت بلا محصول چھ روپیہ مع محصول بارہ روپیہ
سکے علاوہ پرچہ کا نمونہ ہفتہ وار ایک بڑی کتاب ساٹھ صفحہ کی
میں شایع ہوتا ہے قیمت سالانہ ۲ روپیہ مع محصول ڈاک
نیز مہتمم اخبار عام لاہور کے نام آنی چاہئیں۔

دس ہزار مریض صحت پا چکا ہے۔

دعوی ہے کہ جستقدر مریض مندرجہ ذیل بیماریوں کے ہم اچھے کرتے ہیں
دوسرا کوئی نہیں کرتا۔ ہر روز آٹھ دس سارٹیفکیٹ تازہ موصول
ہیں اگر کوئی ہمارے دعوے کو غلط ثابت کرے تو اسکو پانسو روپیہ انعام دینگے
۔

وا ۔ یعنے بال بڑہانا اور پیدا کرنیکا خوب ڈہنگ۔ دلربا خوشبو کے علاوہ بال
سیاہ کو سفید ہونے نہیں دیتا۔ ضعف دماغ ۔ ضعف آنکھ نزلہ وزکام
درد سر۔ نسیان ۔ سر کا چکر آنا اور کانوں کی سان سان دور کرتا ہے

ہلتے دانتوں کو مضبوط کرکے ۔ بدبو ۔ پیپ ۔ کیڑا ۔ گوشت خوردہ دور کرکے
موتی کیطرح چمکدار رکھتا ہے ۔ مسوڑوں کا گوشت نیا پیدا کرتا ہے ۔ اور دانتوں کے
دردوں کو دور کرتا ہے ۔ ۸

سرمہ سلائی سنگ یشم ۔ مقوی بصر حافظ بینائی دُھند جالا روشنی کا
برداشت نہونا آنکھ کا رستا ۔ کیڑوں کا اوڑنا پانیکا جانا ککرے
پلک کا موٹا ہونا دور کرتا ہے ۔ سال بھر کے لیئے ۔ فی تولہ

جنکے مسوڑہ میں بال دو ۔ متواتر لگانے سے بال کم پیدا ہوتے ہیں
اور جو نکلتے ہیں نرم ہوتے ہیں ۔ قیمت ۸

بار بار پیشاب آنے سے پیاس زیادہ لگتی ہو دہوپ کی برداشت
نہو تو جسم لاغر نیند خراب ضعف اعضاء و جگر دور کرکے قوت
بحال کرتی ہے قیمت فی تولہ ۵

تین و تین دن سے ہون یا خشک مرض ملنے سے جسم پاک صاف
ہو جاتا ہے جن لوگوں کی رانوں میں سفید چہرہ سیاہ پڑگیا ہو اور کھجلی
بہت ستاتی ہو انکے لیئے بہت مفید ہے قیمت ۸

عجیب سفوف ہے ہر قسم کے بخار کو جو خاص کر ہزات جبرئیل
اور قبض بھی ہو پسینہ نہ آتا ہو اور مریض بہت بیتاب ہو ایسی
حالتیں ڈیڑہ گھنٹہ کے بعد ہوا یہ سفوف ہو عوارضات مندرجہ بالا
فوراً دفع ہوکر بخار سے صحت ہوتی ہے لطف یہ کہ پوڑیہ دینے
پسینہ اسقدر آتا ہے کہ مریض نہا جاتا ہے قیمت فی تولہ ۸

دانت میں کیڑا لگنے سے اگر درد دور کرنا چاہتے ہو تو اسے دانت
لگائے دو منٹ میں آرام ہوجائیگا ایکمرتبہ آزمائیے قیمت فی تولہ

اسکے چار پانچ رتی کھانے سے فرحت و سرور ہوکر رنج و غم ملال
دور ہوکر بہوک لگتی ہے ہنسی خوشی نیند آجاتی ہے ۔
قیمت ۸ تولہ ۔ روپیہ

گلوکی گرفتگی چھاتی کی جلن کثرت اخراج بلغم بار بار تہوکنا
اور نزلہ زکام کھانسی تر دمہ دور کرتا ہے قیمت فی تولہ ۸

یرقان پیٹ کا گولہ تلوں کا درد کھٹی ڈکاریں ورم جگر
درد سر دائمی تبخیر معدہ دلکا دھڑکنا کمی اشتہا جسم کا پیلا پڑنا
دن بھر تہوکتے رہنا سر کا چکر آنا دور کرتی ہیں جنکا معدہ
کثرت شراب خوری سے خراب ہوگیا یا جگر بگڑ گیا یا گٹھیا
ہاتھ میں رعشہ ہو تو اسکو ایک بار آزمائیں قیمت تین دن کی
ایک روپیہ

افیون اور چانڈو بلا ضرر چھوٹ جائے قیمت پانچ روپیہ

مشتہر
غلام نبی زبدۃ الحکماء ایڈیٹر رسالہ حافظ صحت
لاہور موچی دروازہ

محمدن پریس علیگڑہ

مسلمانوں کی تعلیمی مردم شماری

مسلمانوں کی ایجوکیشنل سنس کا خیال ۱۹۰۱ء جسکو تین سال گذرے پیدا ہوا تھا۔ اس سنس کا مقصد اُن اسباب کا دریافت کرنا ہے جن سے مسلمان طلباء کی تعداد سکولوں میں بمقابلہ اُنکی سوشل حالت کے اس قدر کم ہے۔ اور نیز یہ کہ وہ کیا تدابیر ہیں جنسے مسلمانوں کا تنزل رفع ہو۔ ذیل میں ایک نقشہ درج کیا جاتا ہے جسمیں مسلمان طلباء کے امتحان انٹرنس میں نسبت دکھائی گئی ہے۔ اس نقشہ سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ہمیں ایسی تدابیر کو دریافت کرنا ہے اور اُنپر عمل کرنا لازم ہے۔

سنہ	مسلمان طلباء کی تعداد جو امتحان میں کامیاب ہوئے	کل تعداد کامیاب طلباء کی	نسبت
نواسی	۱۱۹	۷۰۵	۱۶٫۹
نوے	۱۱۹	۵۸۳	۲۰٫۴
اکیانوے	۱۰۸	۵۵۳	۱۹٫۵
بانوے	۱۰۷	۶۹۳	۱۵٫۴
ترانوے	۱۰۹	۶۸۸	۱۵٫۸
چورانوے	۱۲۲	۶۰۰	۲۰٫۳
پچانوے	۸۵	۵۰۳	۱۶٫۸

اس نقشہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ گذشتہ سات برس کے عرصہ مین مسلمان کامیاب
شدہ طلباء کی فی صدی تعداد میں کچھ بھی ترقی نہیں ہوئی اور یہ کہ پچھلے سال کے کامیاب
طلباء کی نسبت بالکل وہی ہے جو ۱۸۸۹ء میں تھی۔ علاوہ اس کے مسلمان پاس شدہ طلباء
کی تعداد ۱۸۹۵ء میں گذشتہ ۶ سال سے کم ہے۔ غور فرمایئے کہ سات لاکھ کی آبادی میں
کل ۸۵ لڑکے انٹرنس کے امتحان میں کامیاب ہوئے اس سے زیادہ اور کونسا حیرت انگیز
ثبوت اُس قوم کے غیر تعلیم یافتہ ہونے کا ہو سکتا ہے جسکو کبھی اپنی علمیت اور قابلیت پر فخر تھا

آپ ملاحظہ فرمایئے کہ انگریزی سکولوں میں مسلمان لڑکوں کی تعداد کے بڑھانے کی کسقدر
ضرورت ہے۔ اگرچہ مردم شماری کا کام اُس ہمت وجوش کے ساتھ نہیں کیا گیا جسقدر کہ
مناسب تھا تاہم یہ بات تو ظاہر ہے کہ بہت بڑا گروہ مسلمانوں کا ایسا ہے جو اپنی اولاد کی
تعلیم کی طرف سے بالکل غافل ہے حالانکہ وہ اس قابل ہیں کہ مصارف تعلیم برداشت کرسکیں
۱۸۹۳ء میں ۹۷۱ نام اور پتے ایسے اشخاص کے دریافت ہوئے اور ان کے پاس
خط اس مضمون کے بھیجے گئے کہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم میں کوشش کریں ۱۸۹۴ء میں۔
۳۳۶۔ اشخاص کے نام اور دریافت ہوئے مردم شماری علی گڈھ کی نظر ثانی کی گئی اور اس سے
معلوم ہوا کہ بہت سی والدین نے جنسے کہ سال گذشتہ کی مردم شماری کے وقت گفتگو ہوئی
اپنے بچوں کی تعلیم شروع کی ہے۔ مجکو بہت اشتیاق تھا کہ میں یہ دریافت کروں کہ اور شہروں
میں اس طرح مردم شماری کا کہاں تک اثر ہوا ہے

گذشتہ کانفرنس میں سنس کی فہرستیں تقسیم کی گئیں۔ جنکو ۱۵ ممبران کانفرنس نے لیکر
اُنکی نظر ثانی کا وعدہ فرمایا۔ مگر منجملہ اُن کے صرف دو صاحبوں نے وعدہ وفا کیا اور نظر ثانی
شدہ فہرست میرے پاس بھیجی۔ مجکو سال گذشتہ میں ممبران کانفرنس کی عملی کارروائی کی

نسبت شکایت کا موقعہ ہوا۔ میں اس سال بھی افسوس کے ساتھ اُس شکایت کا اعادہ کرتا ہوں۔ اٹھارہ دیگر صاحبوں نے نقشے مردم شماری لیکر وعدہ کیا کہ جن قصبات کی مردم شماری نہیں کی گئی ہے اُنکی مردم شماری کرکے بھیجیں گے۔ مگر اُن میں سے صرف پانچ صاحبوں نے رپورٹیں بھیجیں ہیں۔ لیکن اُن صاحبوں میں سے ایک صاحب کی ایسی عمدہ اور بڑی کوشش ہے کہ اگر چند اور حضرات مثل ان کے کمرہمت باندھیں تو مجھے مسلمانوں کی طریقے کا کامل اطمینان ہو جائے ہم جو کچھ چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ چار سو یا پانسو لائق اشخاص دل سے کام کرنے کو طیار ہوں۔ اے صاحبو میں آپ سے ملتجی ہوں کہ آپ لوگ اس کام میں کاندھا لگائیں اور عالی ہمتی کے ساتھ کوشش فرمائیں۔ اور اپنی ڈوبتی ہوئی قوم کو بچائیں۔ قبل اس کے کہ وقت گذر جاوے اور قبل اس کے کہ جہالت اور کاہلی کی موج آپکے شریف خاندان کو تباہ کرکے آپ لوگوں کی وہ حالت نہ پیدا کردے جو ہندوستان کی نیچ قوموں کی ہے۔

بہ نسبت پیشتر کے سال گذشتہ میں سنس کا کام کچھ زیادہ جوش کے ساتھ ہوا۔ قریب ۲۵۰ ناموں کی فہرست میں داخل ہوئے جو کہ مفصلہ ذیل قصبوں اور شہروں سے حاصل ہوئے

نام قصبہ	شمار کنندہ سنس	تعداد نام
مالیر کوٹلہ	شہزادہ محمد علیخاں	
قصبات ضلع علی گڈھ واٹاوہ	محمد حبیب الرحمن خان	۲۰
سکندرآباد ضلع بلندشہر	حیدر حسن طالب علم مدرسۃ العلوم	۲۶
براؤں	ریاض الدین ایضاً	۲۲
ڈبائی ضلع بلندشہر	نذیر عباس "	۴۰

ضلع رائے بریلی	سید اقبال علی	۳۹
مؤامہ ضلع الہ آباد	عبدالرؤف	۲۶
شمس آباد ضلع راولپنڈی	محمد امین خاں	۶
خورجہ	سمیع اللہ طالب علم مدرستہ العلوم	۴۴
میرٹھ	ارشاد الدین	۱۳
گونڈہ	سید اقبال علی	۴۰
ضلع بستی	محمد اظہر علی	۱۷۵
جھنگ	الٰہی بخش طالب علم مدرستہ العلوم	۳۴
اترولی	سمیع اللہ طالب علم مدرستہ العلوم	۴۴
وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ	محمد عباس طالب علم مدرستہ العلوم	۳۳
ضلع غازیپور	محمد نصیر طالب علم مدرستہ العلوم	۵۸

میں آپ لوگوں کی توجہ محمد اظہر علی صاحب کی بیش بہا کام کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ جنکی سنس کی رپورٹ مکمل اور ٹھیک انکشاف حال کا نمونہ ہے۔ اُنہوں نے ۱۷۵ اولادین ضلع بستی میں دریافت کیے ہیں جو اپنی اولاد کی تعلیم سے بالکل غافل ہیں۔ سید اقبال علی نے بھی عمدہ اور قابل توجہ رپورٹیں ضلع رائے بریلی اور گونڈہ کی بھیجی ہیں۔ چند اور رپورٹوں سے بھی بہت زیادہ محنت اور استقلال کا کام ظاہر ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا سنس رپورٹوں میں سے نصف ایم اے او کالج کے سات طالب علموں نے طیار کی ہیں۔ ۱۸۹۳ء میں ایم اے او کالج کے جن طلبا نے اس کام میں مدد دی اُنکی تعداد سال حال کی نسبت زیادہ تھی۔ اور مجھے اُمید ہے کہ سال آیندہ میں بہت سے طالب علم اپنے اپنے شہروں میں مردم شماری

کا کام سرانجام دیں گے۔ تین سالوں کی رپورٹ دیکھنے سے اور ایسے اشخاص کے نام نہیں سے کٹنے کے بعد جنہوں نے تعلیم شروع کر دی ہے۔ ۰۰ ۱۹ والدین کے قریب معلوم ہوئے ہیں جو اپنے بیٹوں کو تعلیم دے سکتے ہیں اور نہیں دیتے۔ علاوہ اس کے شاخ الف شیخ سنس رپورٹ سے ۴۰۰ نام اور معلوم ہوئے ہیں۔ آنریبل حاجی اسمعیل خاں نے انگریزی تعلیم پر رسالجات چھپوانے اور ان لوگوں کے پاس بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے اور صرف پنجاب اور ممالک مغربی و شمالی کے تھوڑے حصے میں سنس ہوئی ہے۔ تاہم اسقدر تعداد کثیر اُن لوگوں کی معلوم ہوتی ہے جو اپنی اولاد کی تعلیم سے غافل ہیں۔ غالباً تمام شمالی ہندوستان میں ایسے لوگوں کی تعداد ۰۰۰۰۰ ۱ سے کم نہوگی۔

اب میں عام مردم شماری کو چھوڑ کر خاص حصے کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ سال گذشتہ میں ایک خاص فرقہ شیوخ موسوم بہ شاخ الف منجملہ شیخ برادری نے اپنی برادری کی تعلیم کے وسائل اختیار کرنے میں آمادگی ظاہر کی تھی۔ پہلا کام یہ ہوا کہ اُس فرقہ کی مردم شماری کی گئی۔ اے صاحبو میں آپ کی توجہ اس عمدہ طریقہ کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں جسکو ایک صاحب نے جنہوں نے اپنی عالی ہمتی کو اس کام میں وقف کرکے انجام کو پہنچایا ہے۔ وہ صاحب گو کہ وہ چاہتے ہیں کہ میں اُنکا نام آپ کے سامنے پیش نہ کروں ڈپٹی عبدالغفور صاحب ڈپٹی کلکٹر کانپور ہیں۔ میرے پاس یہاں وہ کتاب ہے جو اُنہوں نے مجھے بھیجی ہے جسمیں مفصل حال دس ہزار لوگوں عورات مرد اور لڑکوں کا نام پتہ ماہواری آمدنی اور کل مفصل حالات بلحاظ تعداد عمر و جنس اور تعلیم اولاد ہر متنفس کے جو اُس برادری میں ہیں درج ہے۔ یہ کام ۷۲ مختلف شہروں میں جہاں مختلف شاخیں اس خاندان کی سکونت پذیر ہیں انجام دیا گیا ہے۔ مجموعی آمدنی اس فرقہ کی ۴۸ ہزار ۲ سو ۴۲ روپیہ ۸ ر ماہوار کے قریب

تخمینہ کی گئی ہے۔ تعداد لڑکوں کی ۲۲۶۰ ۔ اور لڑکیوں کی ۱۵۳۰ ہے منجملہ تعداد کل اطفال کے ۷۳۳ بالکل بچے ہیں اور ابھی تعلیم کے قابل نہیں ۱۴۵ بہت مفلسی کی حالت میں ہیں ۱۵ لڑکوں کے والدین تعصب مذہبی کی وجہ سے انگریزی تعلیم کے خلاف ہیں۔ ۴ یتیم ہیں اور ۵ ایسے بیمار ہیں جو تعلیم نہیں حاصل کر سکتے اور ۳۹۵ ۔ اُردو اور فارسی پڑھتے ہیں۔ مولوی عبدالغفور صاحب کی کوششیں صرف لڑکوں ہی تک ختم نہیں ہوئی ہیں بلکہ اُنہوں نے اس طرح کا مفصل حال لڑکیون کا بھی دریافت کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منجملہ ۱۵۳۰ لڑکیوں کے صرف ۱۰ لڑکیاں اُردو یا فارسی پڑھتی ہیں۔ ایسے عبرت انگیز واقعہ سے ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں تاکہ ہم کو معلوم ہو جاوے کہ کسقدر ضرورت لڑکیوں کی تعلیم کی ہے۔ جو آیندہ نسل کی مائیں ہونگی۔

میں اُس کام کی جسکو مولوی عبدالغفور صاحب نے انجام دیا اور نیز اُس بے انتہا مشقت کی جو اُنہوں نے اپنی برادری کے مفصل حالات دریافت کرنے میں کی ہے تعریف کرنیسے قاصر ہوں۔ اگر مسلمانوں میں مولوی عبدالغفور کے سے سو اشخاص ہوں تو یقیناً ہم کو ۱۰ لاکھ مسلمانوں کی تعلیمی حالت سے جنمیں تمام شریف اور معزز جماعت شامل ہیں بخوبی آگاہی ہو جاے مولوی عبدالغفور صاحب نے ہمکو بتا دیا کہ سنس کا کام کس طرح کرنا چاہئیے۔ انہوں نے اسپر اکتفا نہیں کی بلکہ عملی طریقوں سے طریقۂ تعلیم میں کوشش کی ہے۔ چنانچہ میں اُنکا خط آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

نوٹ۔ اس مردم شماری کے لینے سے پہلے تعداد انگریزی خواں طلبا ۱۵۰ تھی اور اب اس تھوڑے سے عرصہ میں اسکی تعداد ۲۱۴۱ ہو گئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مردم شماری کرنا کسقدر مفید ہے۔

یادداشت

بحضور ٹی بیک اسکو پرنسپل علی گڈہ کالج۔

میں نہایت ادب سے اپنی سوسائٹی کی رپورٹ حسب ذیل کرتا ہوں۔

سالگذشتہ میں رامپور کے میلہ بے نظیر میں مشورۂ جناب مسٹر آرنلڈ صاحب پروفیسر علی گڈہ کالج یہ طے قرار پایا تھا کہ مسلمانوں کی ترقی معظم اسوقت تک حسب دلخواہ نہوگی جب تک کہ شریف مسلمان جسمیں شیخ۔ سید۔ مغل۔ پٹھان۔ شمار کیے جاتے ہیں علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے گروہ کی سرگرمی کے ساتھ کوشش نکریں۔ چنانچہ امتحاناً بطور نمونہ کے اول جلسہ ہماری سوسائٹی نے بمقام موضع اجوبی ضلع میرٹھ مورخہ ۱۳۔ جنوری ۱۸۹۵ء کو کیا تھا۔ اور اُسمیں حضور والا نے بھی اپنی شرکت سے سرفرازی بخشی تھی صدر مقام سنٹرل کمیٹی کا زیر نگرانی حضور والا بمقام علی گڈہ قرار پایا۔ چنانچہ بعد انعقاد سنٹرل کمیٹی اول یہ تجویز ہوا کہ تمام صدیقی سوسائٹی حصہ اوّل کی مردم شماری کی جاوے۔ اُس میں مختلف طور سے کوششیں کی گئیں جب حسب دلخواہ کامیابی نہوئی تو منشی عبدالحکیم کو خاص اسی خدمت پر مامور کیا گیا۔ انہوں نے نہایت محنت اور لیاقت سے تمام سوسائٹی کا دورا کرکے مردم شماری قلمبند کی کہ جسکا ترجمہ انگریزی میں حضور کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس کارروائی سے سوسائٹی میں ایسی ہلچل پڑگئی کہ جیسے کوئی خواب سے بیدار ہوکر بھولی ہوئی چیز کو ڈہونڈتا ہے اور بالاتفاق ضروریات زمانہ کے لحاظ سے انگریزی تعلیم کے دلانے کو ضروری ہی نہیں سمجھا بلکہ عملی طور سے اُسے حاصل کرنے کو لازمی قرار دیا۔ اور اجوبی ضلع میرٹھ اور سہارنپور۔ اور آنولہ ضلع بریلی میں انگریزی تعلیم کی ترقی کے لئے برنچ اسکول جاری کیا۔ اور مرادآباد میں بھی فنس چندہ جمع کیا

گیا ہے اُمید ہے کہ جلد اسکول جاری ہو وے۔ جناب مولوی محمد علی صاحب ناظم ندوۃ العلما نے براہ مہربانی مولوی مشتاق علی صاحب کو اس خدمت پر مامور کیا کہ وہ اپنے وعظ کے ذریعہ سے لوگوں کو سمجھائیں کہ مذہبی حفاظت کے لیئے بھی علاوہ دنیا کی ضرورتوں کے انگریزی تعلیم کی ضرورت ہے۔ مذہبی اور انگریزی دونوں تعلیم کی مسلمانوں کو سخت ضرورت ہے۔ فی الواقع مولوی صاحب موصوف کے وعظ سے بہت فائدہ ہوا۔ اور مقامات ذیل میں بہت کمیٹیاں قائم ہوگئیں۔ اور سب کو انگریزی تعلیم کی طرف بہت توجہ ہوگئی ہے اور عملی طور سے اُسکی ترقی کے لیئے وسائل ذیل اختیار کیئے گئے ہیں۔

(الف) چندا اس غرض کے لیئے جمع کیا جاوے کہ غریب اور مسکین بچوں کو فیس اور قیمت کتاب سے مدد دیجاوے۔

(ب)۔ دولتمندوں پر بار ڈالا جاوے کہ وہ اپنی اولاد کو علی گڈھ کالج کے بورڈنگ ہوس میں داخل کرادیں۔

(ج)۔ جا بجا چپراسی تعینات کیئے جاویں کہ وہ بچوں کو اُنکے گھر سے اسکول پہنچایا کریں اور ایک عالم کو مستقل طور سے اس غرض سے رکھا جاوے کہ وہ ہمیشہ دورہ کرکے مذہبی اور انگریزی تعلیم کی ضرورتوں کو اپنے وعظ کے ذریعہ سے بیان کیا کرے۔ جہاں جہاں برہنج اسکول جاری ہوں وہاں مذہبی تعلیم کی نگرانی کریں اور تقریبات شادی و غمی کے فضول مصارف کو گھٹا کر تعلیم کے مصارف کو ترقی دلاوے۔

چنانچہ ان جملہ تدابیر مندرجۂ بالا کی عملی طور سے کوشش ہو رہی ہے اور چند طلبا قصبہ آنولہ ضلع بریلی کے داخل علی گڈھ کالج ہوئے ہیں۔ اور غریب اور مسکین بچوں کو فیس و کتاب سے بھی مدد دیجاتی ہے۔ اس کامیابی سے جو کہ ظہور میں آئی۔ یہ حوصلہ پیدا ہوتا ہے کہ سال آئندہ میں اپنے

خیالات کو وسعت دیجاوے اور کل شیخان کے واسطے بلا تشخیص یہ بھی طریقہ عمل کیا جاوے کہ اور سرگروہاں سادات اور مغل اور پٹھان کی بھی تحریک کیجاوے کہ وہ بھی اپنے اپنے گروہ میں دلسوزی سے کوشش کریں۔

نیازمـــــــند

محمد عبدالغفور ڈپٹی کلکٹر کانپور ۔ دسمبر ۱۸۹۵ء

اگر ان الدین کے نام جو شاخ الف شیخ برادری سے متعلق ہیں اور جو اپنے لڑکوں کی تعلیم سے غافل ہیں اُن ناموں میں شامل کردیئے جائیں جو سال حال میں دیگر ذرائع سے معلوم ہوئے ہیں۔ تو کل تعداد ایک ہزار سے بڑھ جائیگی یعنی گذشتہ کسی سال میں اس سال کی نسبت زیادہ تعداد نہیں معلوم ہوئی۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ جو کام مولوی عبدالغفور صاحب نے اپنی برادری کے متعلق کیا ہے مسلمانوں کے دیگر برادریوں کے صاحب بھی اس کی پیروی کرینگے جیسی کہ شہر والی پٹھانوں نے جنکی تعداد چار ہزار کے قریب ہے۔ اپنی برادری کی تعلیم کے لیئے ایک تحریک کی ہے۔ اگر مسلمانوں کے ہر ایک گروہ کی اپنے ممبروں کی تعلیم کے لیئے ایک سوسائٹی قائم کیجاوے۔ اور اُن برادرانہ خیالات سے جو ہر ایک فرقہ میں موجود ہیں فائدہ اُٹھایا جاوے۔ تو مسلمانوں کی قوم کی مجموعہ ترقی کے نہایت عمدہ ذریعہ دریافت ہو سکتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ صرف موجودہ برادریوں کے برادرانہ اتحاد او فیلنگ سے فائدہ اُٹھایا جاوے اور اس مطلب کے حاصل کرنے کے لیئے جہاں پر کہ اصلی برادریاں موجود نہوں وہاں پر مختلف افراد کو جمع کرکے فرضی برادریاں قائم کرنا کہ جنمیں کوئی وجہ یگانگت کی موجود نہو غیر مفید ہے صرف مندرجہ ذیل حالت میں کسی برادری کی سوسائٹی قائم کرنا مفید ہو سکتا ہی۔ اوّل جب تجربہ سے معلوم ہو کہ کسی برادری میں ایسا برادرانہ فیلنگ موجود ہے

کہ جنکی وجہ سے ممبران برادری اپنی برادری کی تعلیم کے بے کوشش کرنے اور اُس کے لیئے وسائل بہم پہنچانے اور عموماً مسلمانوں کی تعلیمی حالت کے ترقی دینے پر ترجیح دیتے ہیں۔ دویم کہ اگر افراد برادری کسی خاص مقام میں یا متصل مقامات میں ایسے کافی ہوں کہ اُنکی متفقہ کوشش سے ایک معتدبہ فائدہ پہنچنے کی توقع ہو۔

مولوی عبدالغفور صاحب اپنی رپورٹ میں فرماتے ہیں کہ سال حال میں برادری کے لڑکوں کی تعلیم کے لیئے ۲ سکول قائم کیئے گئے ہیں۔ گذشتہ سال مارہرہ میں ایک سکول قائم کیا گیا تھا۔ جو محض تعلیمی مردم شماری کا نتیجہ ہے۔ میں نے نومبر میں اس سکول کا معاینہ کیا اور اسکو اچھی حالت میں پایا۔ سال حال میں تلہر کے مسلمانوں نے بھی ایک مدرسہ قائم کیا۔ یہ بھی تعلیمی مردم شماری کا نتیجہ ہے۔ یہ پانچ مدرسے ابھی تعلیمی مردم شماری کیوجہ سے قائم ہوچکے ہیں

میں اسباب کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ ایم اے او کالج میگزین تعلیمی مردم شماری کا اخبار ہے اور ہر مہینے میں جو کچھ سنسس کے متعلق کارروائی ہوتی ہے اُسکی ایک مختصر کیفیت شایع ہوتی ہے۔ میگزین کی سالانہ قیمت صرف ۲ روپیہ ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ جن صاحبوں کو سنس سے دلچسپی ہے وہ میگزین کی ضرور خریداری فرمائیں گے مجھے بالکل یقین ہے کہ اگر کسی ایسے اخبار کی جس میں کہ مردم شماری کی کارروائی کے حالات شائع ہوتے ہیں اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ہندوستان کے مختلف حصوں میں کیا کر رہے ہیں اشاعت کافی طور پر ہو تو اس تحریک میں عام دلچسپی بڑھ جائیگی۔

میرے خیال میں گذشتہ ۲ سال کے تجربہ سے سنس کا فائدہ خاطر خواہ طور پر معلوم ہو گیا ہے ابھی تک اس کام کا ایک نہایت قلیل حصہ ختم ہوا ہے لیکن اگر ہم آیندہ دس سال تک استقلال سے کوشش کرتے جائیں تو مجھے اُمید ہے کہ ہم اس کام کو اختتام تک پہنچا دیں گے

اور اس طرح ہر مسلمان طلبا کی تعداد میں جو انگریزی سکولوں میں پڑھتے ہیں ایک بین ترقی ہوجائیگی۔

آج آٹھ بجے شام کے ایک کمیٹی اُن اشخاص کی ہوگی جنکو سنس کے کام میں دلچسپی ہو اور میں کچھ رزولیوشن اس بارے میں کہ سنس کی مدد کانفرنس کے روپیہ سے کیجائے پیش کرونگا

کارروائی جلسہ کانفرنس دربارہ سنس یعنی مردم شماری

رزولیوشن اوّل

(۱) جبار الحق صاحب نے پیش کیا کہ اُن لڑکوں کی کم از کم ۸ برس کی عمر ہونی چاہیئے جو مردم شماری میں شامل کیئے جائیں۔ احمد شاہ صاحب نے اسکی ترمیم میں کہا کہ ۵ سال ہوں جس کی تائید میں ۱۲ رائیں ملیں اور برخلاف ۵۰ ذسل۔ بعد ازاں خیرالدین صاحب نے ۷ برس کے لیئے فرمایا جو بالاجماع پاس ہوا۔

(۲) سید علی احمد صاحب نے پیش کیا کہ زیادہ سے زیادہ عمر ۱۶ برس ہونی چاہیئے۔ احمد شاہ صاحب نے اسکی ترمیم میں ۱۲ سال تجویز کیئے لیکن یہ تجویز پاس نہوئی۔ پھر شمس الحسن صاحب نے ۱۷ برس تجویز کیئے جو اکثر احباب کی رائے سے پاس ہوا

(۳) نیاز محمد خاں صاحب نے تجویز کیا کہ برادری کی سنس کے وہ فارم جو عبدالغفور صاحب نے تحریر کیے ہے معہ کُل نتائج کے کالج میگزین میں شایع کی جائے اور اُس کے ضمن میں سنس رپورٹ شامل کی جاوے۔ باتفاق رائے پاس ہوا۔

(۴) سید عبدالباسط صاحب نے تجویز کیا کہ کم از کم ۵۰ماہوار اُن لڑکوں کے والدین کی آمدنی ہونی چاہیئے جن کے نام سنس میں لکھے جاویں۔ جسکی ترمیم میں عبدالاحد صاحب نے

۱۰ روپیہ ماہوار کی آمدنی والے والدین کے لڑکوں کے تمام کیواسطے فرمایا اور پاس ہوا

(۵) ضیاء الدین صاحب نے پیش کیا اور عبید الباسط صاحب نے تائید کی کہ سب حالتوں میں والدین کی آمدنی ماہواری لکھنی چاہیے جو بہ اتفاق رائے پاس ہوا۔

(۶) بک صاحب نے تجویز کیا کہ ۲سو ساٹھ روپیہ خط وکتابت اور دفتر کے اخراجات کے واسطے اور ۲سو چالیس روپیہ ایک انسپکٹر کے اخراجات کیواسطے منظور ہوں جو شہر بشہر سنس یعنی مردم شماری کرتا پھرے۔ باتفاق رائے پاس ہوا

(۷) علاء الحسن صاحب نے تجویز کیا کہ جہاں کہیں ایسے اشخاص ہوں جو سنس کے کام میں دلچسپی رکھتے ہوں۔ وہاں ایک کمیٹی مقرر ہونی چاہیے جو انسپکٹر کو مدد دے اور اُس کی کارگذاری دیکھے۔ باتفاق رائے پاس ہوا۔

محمڈن کالج ڈائرکٹری پر ایک سرسری نظر

یورپین تہذیب و شائستگی کا تو یہ خاصہ ہو گیا ہے کہ اُس کی روزافزوں ترقی کے ساتھ انسانی زندگی کی ہر قسم کی ضروریات کے حصول کے ذریعے بہت کثرت اور آسانی سے مہیا ہوگئے ہیں اور روز بروز ہوتے جاتے ہیں۔ یہ حالت صرف یورپ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ جس جگہ اور جس سمت کو اس چشمۂ فیض کا رُخ پھرا ہے وہاں اُس کے دیرپا اور سرسبز کرنے والے اثر ظاہر ہوئے ہیں۔ اس کلیہ کے مطابق ہمارے ملک ہندوستان میں مغربی تہذیب اور ترقی کے جو عجیب اور بین اثر پیدا ہوئے ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں اور اُن کی نسبت اسوقت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُن حیرت میں ڈالنے والے عظیم الشان ذرائع کو جنھوں نے رسل و رسائل اور آمد ورفت کے مشکل اور دقت طلب طریقوں کو بیحد آسان اور سستا کر دیا ہے۔ جانے دو۔

اُن چھوٹی چھوٹی چیزوں کو خیال کرو جن کی طرف ہماری توجہ بھی مشکل سے ہوتی ہے تو معلوم
ہوگا کہ انسانی ضروریات کے حصول کے کیسے آسان اور عمدہ ذریعے پیدا ہوگئے ہیں۔ ہمارے
امکان سے باہر ہے کہ ہم ان سب کو شمار کرسکیں۔ ایک ڈائرکٹری ہے کہ اشاعت کے اثر
پر خیال کرو کہ اس سے انسان کے ہر قسم کے کاروبار میں کیسی آسانی پیدا ہوگئی ہے۔ جو واقفیت
اور آگاہی کہ مہینوں کی سرگردانی اور محنت سے حاصل ہو وہ ڈائرکٹری کا ایک صفحہ کھولنے
سے ایک منٹ میں ہوجاتی ہے۔ اس ضروری اور بکار آمد طریقہ نے اسقدر رواج پایا ہے
کہ اب میرے خیال میں ہر ایک صفحہ اور ہر ایک کام کے متعلق مفصل اور مشرح ڈائرکٹری
موجود ہے جس سے ہر شخص اپنے مذاق اور ضرورت کے مطابق فائدہ اُٹھا سکتا ہے نہیں
خیالات سے تھوڑا عرصہ ہوا کہ ایسی ڈائرکٹری مسلمانوں کے متعلق شائع کرنے کی تجویز کالج
میگزین میں شائع کی گئی تھی لیکن افسوس ہی کہ مسلمانوں نے اپنی معمولی بے توجہی سے التفات
بھی عطا نہ کیا۔ جسکا نتیجہ لازمی یہ ہوا کہ وہ خیالی تجویز مفید صورت میں نہ ظاہر ہوسکی مگر ہمکو
اس بات کے ظاہر کرنے سے نہایت مسرت اور خوشی ہے کہ اُسی قسم کی ایک دوسری تجویز
جو بلحاظ وسعت اتنی عظیم الشان گو نہ ہو لیکن جو بلحاظ نامفید اور ضروری ہونے کے اُسی قدر
بلکہ اُس سے بھی زیادہ بکار آمد ہے نہایت کامیابی کے ساتھ پوری ہوئی ہے۔ ہمارا روئے
سخن اسوقت "محمڈن کالج ڈائرکٹری" کی طرف ہے جسکو ہمارے مکرم مولوی سید طفیل احمد صاحب
سابق طالب علم مدرسۃ العلوم حال سب جسٹرار اگلاس نے نہایت محنت اور عرق ریزی کے
ساتھ مرتب کیا ہے اور جو اب نہایت عمدہ کاغذ پر صاف اور خوشخط طبع ہو کر طیار ہوگئی ہے
اور ہمارے سامنے اسوقت موجود ہے۔ کالج کے متعلق یہ ایک بیش بہا ذخیرہ معلومات کا
ہے جس سے عمدہ اور مشرح ہمارے خیال میں ہو نہیں سکتا کالج کے "تاریخانہ حالات"۔ جنمے

ڈائرکٹری شروع ہوتی ہے اسوقت کا نشان دیتے ہیں جب سے مسلمانوں کے رفارم کا خیال خدا کی طرف سے ایک جلیل القدر اور غیر معمولی شخص کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ پھر ایک اجمالی نظر اُن خیالات کے بتدریج نشو ونما اور عملی صورت پانے پر ڈالی گئی ہے اور اسی ضمن میں کالج فنڈ کمیٹی کے قائم ہونے اور اس کے بعد مدرستہ العلوم کے باضابطہ افتتاح ہونیکا ذکر نہایت خوبی اور اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ باب اول کے ۹ صفحوں میں ایک وسیع اور ضروری مضمون کو جس خوبی اور دلچسپی کے ساتھ مختصراً بیان کیا ہے وہ بہت زیادہ قابل تحسین وقدر ہے۔ باب دوم میں کالج واسکول کی تعلیم کے حالات نہایت عمدگی اور صحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور آخر پر تعداد طلبا جو ۳۱ مارچ ۱۸۹۵ء کو تھی مع نتیجہ امتحانات ۱۸۹۵ء درج کی گئی ہے۔ ڈائرکٹری کا تیسرا باب نہایت قیمتی اور قابل قدر ہے۔ اس کی دونوں فصلوں میں بورڈنگ ہوس کے اندرونی زندگی کا نہایت سچا اور دلفریب فوٹو کھینچا گیا ہے اور ہماری رائے میں یہ حصہ ڈائرکٹری کا کل کتاب کی جان ہے۔ یہ رائے ہماری ذاتی نہیں ہے بلکہ ہندوستان اور یورپین اہل الرائے اس امر پر متفق ہیں کہ محمدن کالج کو اگر ہندوستان کے اور کالجوں سے امتیاز اور خصوصیت ہے تو وہ صرف بورڈنگ ہوس کی عمدگی اور خوبی کی وجہ سے ہے ہم تمام ہندوستان میں کوئی نظیر نہیں پاتے جہاں ایسی نفاست اور اعلیٰ اُصول پر بورڈنگ ہوس قائم کیا گیا ہو۔ مدرستہ العلوم کو جو کامیابی آج ہندوستان میں حاصل ہوئی ہے وہ صرف بورڈنگ ہوس سسٹم کے ذریعے سے ہوئی ہے اس کے ثبوت میں ہم سر آکلینڈ کالون کے قول کی طرف اشارہ کرتے ہیں جسکو ہمارے دوست نے اس باب میں نقل کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ بورڈنگ ہوس مدرستہ العلوم کی جان ہے بغیر اسکے مدرستہ العلوم ہندوستان کے اور افسردہ بلکہ مردہ کالجوں کی طرح ہوتا جہاں طلبا کے خاطر

--

ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈالکر امتحانات کی مشین (کل) میں چرخ دیکر ایف اے۔ بی اے۔ ایم اے
کے ٹکٹ اُنپر لگا دیئے جاتے ہیں۔ لیکن انکی روحانی اور اخلاقی جذبات کی کوئی خبر گیری نہیں
کی جاتی۔ ہمکو کوئی بتائے تو سہی کہ کس جگہ تمام ہندوستان میں تربیت کا ایسا مکمل اور عمدہ
سامان موجود ہے۔ کہاں طلبہ کی ایسی عمدہ طور کی عام نگرانی کیجاتی ہے کہاں اُنکی جسمانی۔ دماغی
اور اخلاقی تربیت کا بندوبست کیا گیا ہے۔ جسکو کچھ بھی نسبت ہمارے مدرسۃ العلوم سے ہو۔
کون ایسا کالج ہے جہاں طلبہ میں سلف ہلپ۔ سلف ریلائنس اور قومیت کی روح پھونکی جاتی
ہو۔ پس ان وجوہ سے ہمارا ڈائرکٹری کے باب سوم کو اسکی جان کہنا کچھ بھی بیجا نہیں ہے۔ کیونکہ
اس میں انہیں امور کا نہایت عمدگی سے ذکر کیا گیا ہے۔ کالج کا کوئی شعبہ نہیں ہے جسکا دلچسپ
بیان اس حصہ میں موجود نہو۔ ہر ایک کلب اور انجمن کا حال نہایت صفائی اور عمدگی سے بیان
کیا گیا ہے۔ ڈائرکٹری کے چوتھے باب میں مدرسۃ العلوم کی عمارات کا ذکر نہایت دلچسپ
اور دلکش طریقہ سے کیا گیا ہے۔ خیالی مہمان کو مصنف صاحب اپنے ساتھ لیکر جو طلبو حسین گیٹ
سے داخل ہوئے ہیں تو کوئی قطعہ کالج کا ایسا نہیں جسکی سیر تھوڑی یا بہت دیر تک کرائی گئی ہو
ہماری رائے میں اگر اس باب کے آخر پر کالج کی عمارات کا ایک نقشہ اور لگا دیا جاتا تو ہمارے دوست
مصنف صاحب کے اور خیالی مہمان کے اپنے گھر بیٹھکر نقشہ کو دیکھتے ہوئے باب چہارم کی دلچسپ تحریر
پڑھتے تو اُنکو بھی لطف واقعی سیر کا آجاتا۔ باب چہارم کے بعد آٹھ نہایت مفید ضمیمہ ہیں جن میں کالج
بورڈنگ ہوس۔ اسکالرشپ۔ وظیفہ وغیرہ کے متعلق نہایت ضروری اور بکار آمد امور صحت
کے ساتھ درج کیئے گئے ہیں۔ ان ضمیموں سے یہ حصہ ڈائرکٹری کا نہایت قیمتی اور کارآمد ہو گیا ہے
جو لوگ کہ اپنے لڑکوں کو مدرسۃ العلوم میں بھیجنے سے قبل یہاں کے حالات شرح وبسط کیساتھ
دریافت کرنا چاہتے ہیں اگر اُنکو بجائے معمولی پراسپکٹس کے جس میں صرف اخراجات وغیرہ کی

تفصیل ہوتی ہے ڈائرکٹری کا پہلا حصہ دیکھنے کا موقع دیا جاوے تو ہم خرما و ہم ثواب کی
مثل صادق آسکتی ہے۔ اس کے دیکھنے سے نہ صرف انکو مدرستہ العلوم کے اخراجات کا
اندازہ ہوسکیگا بلکہ بورڈنگ ہوس کے متعلق جو واقعی اور اصلی حالات بیان کیے گئے ہیں وہ
ضرور عمدہ اور مفید اثر اُن کے دلوں پر پیدا کریں گے۔ اور وہ اگر اپنی اولاد کو مدرستہ العلوم
میں تعلیم دلانے کے ارادہ میں متزلزل ہیں۔ تو ان حالات کو پڑھنے اور غور کرنے کے بعد ضرور
مستقل اور مستحکم ہو جائیں گے۔ ہم باادب تمام افسران کالج کی توجہ اس ناچیز تجویز کی طرف دلانا
چاہتے ہیں کہ اگر اُنکی رائے میں یہ مناسب ہو تو آئندہ سے اُن لوگوں کے پاس جو کالج کا پراسپکٹس
منگایا کرتے ہیں یہ ڈائرکٹری یا کم سے کم اسکا اول حصہ علیحدہ طبع کراکر بھیجا جایا کرے۔

اب ہم ڈائرکٹری کے دوسرے حصہ پر جو ایک حد تک محدود ہے اور جس سے علی العموم
پبلک کو دلچسپی نہیں ہوسکتی ہے کچھ ریمارک کرتے ہیں۔ یہ حصہ اصل میں مدرستہ العلوم کے
طالب علموں کے جو کالج سے علیحدہ ہو چکے ہیں ایک سول لسٹ ہے اور اسمیں قریب قریب اسی قسم
کے کل حالات درج ہیں جو ایک سرکاری سول لسٹ میں ملازمان سرکار کے متعلق ہوتے ہیں
مدرستہ العلوم کی تعلیم بلکہ بورڈنگ ہوس کی تربیت کا یہ قومی اثر ہے کہ وہاں کے چند سالہ
قیام سے باہم ایسا اتحاد اور موانست ہو جاتی ہے کہ جو اور جگہ عرصہ دراز میں بھی نہیں پیدا ہوتی
اور جب وہ لوگ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر دنیا کے مختلف مشاغل میں پھنس جاتے ہیں تب
بھی ایک دوسرے کے حالات کے جویاں اور مستفسر رہتے ہیں پس ایسے لوگوں کے واسطے
ڈائرکٹری کا دوسرا حصہ (یعنی الفہرست) نہایت دلچسپ اور دلکش ثابت ہوگا۔ لیکن یہ حصہ
اُسی وقت مفید اور بکار آمد ہوگا جبکہ اسکی اشاعت ششماہی یا سالانہ ہوتی رہے۔ ورنہ
تقویم پارینہ کا لقب جلد صادق آیگا۔ ضرور ہے کہ اس فہرست میں اس مرتبہ کچھ غلطی اور فروگذاشت

ہوگئی ہو اور اسکی ترتیب قابل اصلاح ثابت ہو لیکن بایںہمہ یہ پرانے طلبا کے دلی توجہ کی مستحق ہو کیونکہ اسکا تعین محض انہیں سے ہے اور انہیں کی توجہ سے اسمیں ضروری اصلاحیں باسانی ہو سکتی ہیں۔ اب ہم ڈائرکٹری کے دونوں حصوں کے متعلق اپنے ریمارک کو ختم کرتے ہیں اور دو چار لفظ اُس محنت اور جانفشانی کی نسبت لکھتے ہیں جو ہمارے مخدوم اور الفرض کے خادم مولوی طفیل احمد صاحب نے اس کام کو انجام دینے میں اُٹھائی ہے۔ ایک ایک نام کیواسطے ان بار عزیز کو بیسیوں رجسٹروں کے صدہا صفحے اُلٹنا پڑے ہیں اور ایک ایک پتہ نہایت جانکاہی اور محنت سے دریافت کیا گیا۔ پرانے طالب علموں کو جن کے واسطے یہ دلچسپی کا سامان مہیا کیا گیا ہے۔ دل سے مولوی طفیل احمد صاحب کا شکرگذار ہونا چاہیئے۔ اور ہم تو اسمیں بھی ایسے عاجز ہیں کہ مکرمی محمد داؤد کے دو ایک شعر سے اُنکو مخاطب کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اے مولوی صاحب!

دیکھکر اہل نظر جسکو کہیں صد مرحبا — درحقیقت آپنے لکھی ہو وہ جامع کتاب

ڈھونڈئیے جس چیز کو ملجائیگا اُس میں پتا — جسقدر باتیں ضروری ہیں سب وہ ہیں اس میں درج

مختصر یہ ہو کہ ایک کوزہ میں ہو دریا بھرا — ہوسکتی ہیں تفصیل سے کب خوبیاں اسکی بیاں

(خاکسار حبیب اللہ)

(محمڈن اینگلو اورینٹل ڈیفنس ایسوسی ایشن)

مورخہ ۲۹۔ دسمبر ۱۸۹۵ء کو محمڈن اینگلو اورینٹل ڈیفنس ایسوسی ایشن اپر انڈیا کا اجلاس بمقام شاہجہانپور ہوا۔ سیکرٹری مسٹر بیک نے مفصلہ ذیل رپورٹ پڑھی۔

صاحبان ایسوسی ایشن کے بائیس ممبر ہیں۔ جن میں سے بہت سے اعلیٰ عہدہ دار ممتاز رئیس اور ہندوستان کے مختلف حصوں کی طرف سے وکلا ہیں۔ کونسل کے ممبروں اور دیگر ممبران

کے اسمائے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

اسمائے ممبران کونسل	مقام قیام	اسمائے ممبران کونسل	مقام قیام
سر سید احمد خاں بہادر۔	علی گڑھ	مولوی عبدالہادی	متھرا
سید محمود۔	علی گڑھ	سید محمد اکبر	حیدرآباد
نواب محسن الملک مولوی مہدی علیخاں۔	ممبئی	سید رشید الدین	؍؍
محمد سمیع	میرٹھ	مرزا عابد علی بیگ	مرادآباد
آنریبل حاجی اسمٰعیل خاں	علی گڑھ	راج فورٹ ڈی وس اسکوئر	ناسک
عبدالحکیم خاں بیرسٹر	ڈیرہ اسمٰعیل خاں	خان بہادر سید عبدالفتاح۔	؍؍
محمد شفیع بیرسٹر	لاہور	حبیب الرحمٰن خاں	بھیکم پور ضلع علیگڑھ
عبدالرحمٰن خاں بیرسٹر	پشاور	ناصر علی	بھوپال
شاہ دین بیرسٹر	لاہور	شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ	دہلی
خواجہ یوسف شاہ	امرتسر	مولوی نذیر احمد صاحب	؍؍
خان بہادر برکت علیخاں	لاہور	ممتاز علی	دیوبند
تھیوڈور ماریسن اسکوئر	علی گڑھ	عبداللہ خان	سہارنپور
نیاز محمد خاں	جالندھر	لکھنؤ محمد عبدالشکور خاں	ضلع بلندشہر
تھیوڈر بک اسکوائر آنریری سکرٹری۔	علی گڑھ	محمد مظہر حسین	کاکوری
نواب یٰسین محمد خاں	بھوپال	حاجی محمد سلیمان شاہ	کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ
ریاض الدین احمد	بریلی	مزمل اللہ خاں	بھیکم پور ضلع علی گڑھ
محمد سمیع خاں	ناگپور	محمد ارتضا علی خاں شرر	کاکوری

مولوی ابو سعید محمد حسین	گورداسپور	خان بہادر نواب محمد سلام اللہ خاں	بلدانہ (برار)
خان بہادر مولوی سید علی احمد خاں	جبلپور	فدا رسول خاں	بارہ بنکی
شیخ غلام مصطفےٰ	ضلع الہ آباد	نواب فخر الملک مشتاق حسین	امروہہ
شیخ اشفاق حسین	بریلی		

کونسل کے گذشتہ اجلاس میں یہ رزولیوشن پاس ہوا کہ سیکرٹری مسٹر سید محمود کے مشورے سے کوئی قاعدہ تجویز کرے جس سے شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے لیجسلیٹو کونسل اور میونسپلیٹوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں اور لوکل بورڈوں میں مسلمان ممبروں کی کافی تعداد انتخاب ہوا کرے۔ یہ سکیم ابھی طیار نہیں ہوئی لیکن ہمیں مختلف لوکل گورنمنٹوں سے اُن مروجہ قوانین اور ضوابط کے متعلق جو ہندوستان کے تمام صوبجات میں اس قسم کی دیگر تجاویز کے لیے عمل میں لائے جاتے ہیں۔ پوری پوری اطلاع ملی ہے۔ میں نے مسٹر محمود سے اُن ضوابط پر جو اس سکیم کی انجام دہی کے لیے مدنظر رہنے چاہئیں گفتگو کی۔ لیکن گذشتہ سال میں نہ تو انہیں وقت ملا اور نہ مجھے کہ لوکل مسائل سے مطلع ہو کر اس بات پر غور کیا جاتا اور اُس کے تمام پہلوؤں پر پوری پوری نظر ڈالی جاتی۔ سال مذکور میں ہمارا بہت سا وقت تعلیمی اُمور میں صرف ہوا جسکو پولیٹیکل مسائل پر ترجیح دینا ہم سب تسلیم کریں گے۔ کیونکہ مسلمان مستقل طور پر کوئی ملکی یا سوشل ترقی نہیں کر سکینگے تاوقتیکہ تعلیم میں اپنی موجودہ کمی کو پورا نہ کرلیں۔ ہاں جب کوئی بڑا ملکی معاملہ مسلمانوں کی حالت کے لیے خطرناک معلوم ہو۔ جیسا کہ اُسوقت جبکہ نیشنل کانگرس عروج پر تھی۔ ملکی اُمور کی طرف توجہ کرنا نہایت ضروری ہوگا لیکن جہاں تک میں نے غور کیا ہے۔ آج کل کوئی اس قسم کی بات نہیں جسکا ہمیں خوف ہو۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنی توجہ ملکی اُمور کی طرف رکھیں۔ اور

طمانیت سے اپنے خیالات کی اشاعت کے لیے کوشش کرتے رہیں۔ اور رفتہ رفتہ اُن خرابیوں کے دفعیہ کی کوشش کریں جو ہمیں مسلمانوں کی حالت میں معلوم ہوں۔ اور سب سے اول ضروری یہ ہے کہ یہ ہماری انجمن زندہ اور قوی رہے تاکہ اگر موقعہ آن پڑے تو مقابلہ کرنے کے قابل ہو۔ ہمیں چاہیے کہ ہم لیجسلیٹو کونسلوں اور میونسپلٹیوں میں مسلمانوں کے انتخاب کے لیے کوشش کرتے رہیں۔ تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ موجودہ سلسلہ انتخاب میں مسلمانوں کی رائے کی بالکل رعایت نہیں کی جاتی۔ لیجسلیٹو کونسل میں کوئی ممبر مسلمانوں کے حقوق کا پورا محافظ منتخب نہیں ہوسکتا ایک مسلمان کے ممبر بننے کے لیے اگر موقعہ ہے تو یہی ہے کہ ہندوؤں کا دوست بنا رہے۔ دی ریپریزنٹیٹو گورنمنٹ کے تمام اہل الرائے اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی قوم کے جسکی آبادی نسبتاً کم ہے۔ کافی وکلا ہونے چاہئیں۔ ہمیں گورنمنٹ کو اس مسلم بات کی طرف توجہ دلانی منظور ہے۔ کہ ملکی امور کی حیثیت سے مسلمانوں کی آبادی ملک کا ایک علیحدہ پولیٹیکل گروہ سمجھا جائے جسکے حقوق اور خیالات اوروں سے مختلف ہیں ہماری یہ خواہش ہے کہ یہ گروہ دیگر اقوام کے ساتھ متحد و متفق بھی رہے لیکن زیر بچاری ہونے کی وجہ سے اُسکے حقوق کی خاص حفاظت کیجائے جیسے کہ کسی یورپین سبجکٹ کے حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے۔ ہندوستان میں میجارٹی کی حکومت کو داخل کرنا اور انگریزوں اور مسلمانوں کی تاریخی اور ملکی شہرت کا لحاظ نہ کرنا پرلے درجہ کی پولیٹیکل کوتاہ اندیشی ہوگی۔ اس لیے ہم کسی جمہوری سلطنت کے انتظام کو جو اس اصول کے مطابق ہو قابل اطمینان نہیں سمجھتے۔ ہم موجودہ کونسلوں کے برخلاف اس وجہ سے نہیں ہیں۔ کہ اُن میں اسوقت تکلیف پہنچانے کی طاقت ہے۔ بلکہ اس لیے کہ اُن کی بنیاد ہی خراب اور ایذا دہ اُصولوں پر ہے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ اب کچھ عرصہ کے بعد اس موجودہ اُصول کو تبدیل کرنا پڑیگا مجھے اس معاملہ میں زیادہ یقین اس لیے

ہے کہ گذشتہ سال انگلستان میں ایک نہایت بیدار مغز مدبر نے جسکی مثل ہندوستان میں
آج تک کوئی نہیں گذرا ہے میرے ساتھ گفتگو کرتے وقت اسی قسم کے خیالات ظاہر کیئے
تھے۔ میری رائے میں گورنمنٹ بغیر اچھی طرح سے سوچے ہوئے کوئی بین تبدیلی یکایک نہیں
اختیار کرے گی اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ مسلمانوں کی مدلل رائے گورنمنٹ کی ایک
حد تک رہنما ہوگی۔ اس لیئے میری رائے یہ ہے کہ اس معاملہ پر مسلمانوں کو منصفانہ بحث بلا
رورعایت اس سے زیادہ جوش کے ساتھ کرنی چاہئیے۔ جیسے کہ وہ اب تک کرتے رہے
ہیں۔ دوسری تجویز جو گذشتہ سال پیش کی گئی تھی۔ یہ تھی۔ کہ پنجاب گورنمنٹ کی خدمت میں
ایک ایڈریس بدیں مضمون پیش کیا جاوے کہ پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنروں و منصفوں
کے تعین کے لیئے مقابلہ کا امتحان نہیں ہونا چاہیئے۔ لاہور کی انجمن اسلامیہ نے ایک نہایت
عمدہ ایڈریس کا مسودہ لکھا اور اس کی نقل اس ایسوسی ایشن میں بھی بھیجی۔ چونکہ اس ایڈریس
میں کسی قسم کی تغیر و تبدل کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی تھی۔ اس لیئے یہ براہ راست منجانب
انجمن پنجاب گورنمنٹ کی طرف بھیجدیا گیا۔ پنجاب گورنمنٹ نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اُن پیش
کردہ تجاویز کو منظور کرے لیکن اُس کے جواب میں بہت ہمدردانہ جملے تحریر کیئے۔ اور اُمید
ہے کہ کوئی بہتر نتیجہ اس میموریل کے پیش کرنے سے ظہور میں آیا ہو۔ میں خیال کرتا ہوں
کہ ہم سب کے خیالات ویسے ہی ہیں جیسے پہلے تھے۔ یعنی مقابلہ کا امتحان ہندوستان
میں نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن اس مسئلہ پر ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اپنی رائے ظاہر کردیں۔
آگے گورنمنٹ کو جو اپنے ملک کے انتظام کی خود ذمہ دار ہے۔ اسبات کا اختیار ہے کہ وہ
اُن تدابیر کو اختیار کرے جنپر عمل کرنے سے اُس کے مقاصد پورے پورے طور سے حاصل
ہوں۔ اور ہمیں کامل اُمید ہے کہ گورنمنٹ کسی قسم کی عرضداشت کو جو ہم سن بعد اس مضمون پر

پیش کریں بنظرِ غور دیکھے گی۔ پھر گذشتہ اجلاس میں یہ بھی فیصلہ ہوا تھا۔ کہ پارلیمنٹ کے ممبروں کو اس ایسوسی ایشن کے مقاصد کی طرف توجہ دلانے کے لیئے انگلستان میں ایک انڈین امپیریل کمیٹی بنائی جاوے اسوقت سے دو وقوعہ ظہور میں آئے ہوئے ہیں جن میں سے ایک کی وجہ سے ایسی کمیٹی کا قائم کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اور دوسرے کی وجہ سے اُسکی ضرورت بہت کم رہ گئی ہے۔ پہلا دردناک حادثہ ہے جو سر جارج جیسنی کے انتقال سے ظہور میں آیا۔ جنہوں نے انڈین امپیریل کمیٹی کی امداد کے لیئے بدل و جان وعدہ فرمایا تھا۔ اور دوسرا عام انتخاب پارلیمنٹ ہے جس میں لبرل پولیٹیکل پارٹی کو شکست فاش ہوئی ہے جنکے بڑے سرگروہ سر ولیم ووڈرن اگ مسٹر کین مسٹر دادا بھائی نارو جی۔ مسٹر سیمو کی وغیرہ تھے اس گورنمنٹ کے عہد میں کانگریس کی حالت پر مسٹر ہیوم کے در انگیز خطوط اُس اطمینان کو بڑھانے والے ہیں جو ہمیں اُن اغلب کارروائیوں کی نسبت ہے۔ جو معاملات ہند پر لارڈ سالسبری کی گورنمنٹ کی نسبت بیشتر خیال کیئے جا سکتے ہیں۔ اگرچہ سابق گورنمنٹ کو ایک ایسے لائق و فائق انڈین سکرٹری آف سٹیٹ پر فخر حاصل تھا جس کی نظیر عرصے پہلے کبھی نہیں دیکھی تاہم اس کے پیروں میں چند ایک ایسے چلتے پرزے تھے جنہوں نے اُمورات ہند کے لیئے بہت ضرر اختیار کیئے۔ اب ان میں سے کئی ایک کے منصب چھن گئے ہیں اور باقیوں کی تعداد نہایت قلیل ہے۔ بجائے مسٹر دادا بھائی نارو جی کے جنسے بحیثیت ہندوستان کے ایک وکیل کے سب کو خاموش کر دیا۔ ہوس میں اب ایک دوسرا پارسی جنٹلمین ہے جو اس قسم کی کوئی غیر معمولی باتیں نہیں بناتا۔ اور جس کی تقریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک کامل الفہم اور ذکاوت والا آدمی ہے۔ اسکے انتخاب کی امداد کے لیئے لارڈ سالسبری نے اس کانگریس کے ساتھ ایک دھوکا کیا ہے جس سے اسکے سرگروہوں کو یہ تکلیف دہ ضرورت پڑی ہے

کہ اپنے معزز ہم وطنوں کی ذاتی برائیوں میں لگے رہیں۔

اخیر میں میری یہ گذارش ہے کہ اس ایسوسی ایشن کی کونسل ممبران ایسوسی ایشن کیطرف سے کسی قسم کی خط وکتابت کا جو مسلمانوں کے پولٹیکل فوائد کے متعلق ہو بخوشی جوابدیگی۔ اور اس اثنار میں مسٹر سید محمود اور میں لوکل وسائل سے رائیں لیکر لیجسلیٹیو کونسلوں میونسپلیٹیوں ڈسٹرکٹ اور لوکل بورڈوں کے متعلق رزولیوشن پاس کرانے میں مصروف ہوں گے

اسکے بعد پھر کونسل میں مفصلہ ذیل کارروائی ہوئی۔

(۱) سکرٹری کی رپورٹ منظور ہوئی۔

(۲) نواب محسن الملک نے مولوی نذیر احمد صاحب ساکن دہلی کو کونسل کی ممبری کے لیے تجویز کیا۔ اس تجویز کی تائید مسٹر سید محمود نے کی اور یہ تجویز منظور ہوئی۔ مولوی نذیر احمد صاحب شرایط ایسوسی ایشن دفعہ منتخب کیے گئے۔

(۳) نواب محسن الملک نے مندرجہ ذیل رزولیوشن پیش کیا۔ اس کی تائید مسٹر سید محمود نے کی اور پاس ہوا۔

کہ اس انجمن کے سکرٹری کو ہدایت کی جاوے کہ وہ انڈین نیشنل کانگریس کے مستقل کمیٹی کے سکرٹری کو انجمن کے قواعد کی ایک نقل بھیجے اور اس سے یہ درخواست کرے کہ وہ نیشنل کانگرس کی تمام رپورٹیں اور تمہ انگریزی زبان میں بمعہ ان ترجموں کے جو کہ اُردو میں کیے ہوں اس انجمن کے دفتر میں بھیجدے تاکہ وہ موجود رہیں اور حوالہ دینے کیوقت کام آویں۔ تاکہ یہ انجمن انڈین نیشنل کانگرس کے اغراض کی غلط فہمی کے امکان سے بچے

(۴) مسٹر نیاز محمد صاحب نے مندرجہ ذیل رزولیوشن پیش کیا۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے
اس کی تائید کی اور پاس ہوا۔
کہ سکرٹری کو ہدایت کی جاوے کہ شروع سے اس ایسوسی ایشن کی کارروائیاں ایک ضروری تمہید کے ساتھ پمفلٹ کی شکل میں چھاپے۔ اور ایسوسی ایشن کے ممبروں میں شائع کرے۔ اور اسی کی دو جلدیں انڈین نیشنل کانگرس کی مستقل کمیٹی کے سکرٹری کو بھیجے۔

(۵) مسٹر سید محمود نے یہ رزولیوشن پیش کیا اور مولوی نذیر احمد صاحب نے اسکی تائید کی اور پاس ہوا۔ کہ سکرٹری ایسے شریف آدمیوں یا سرکاری کمیٹیوں سے جنسے کہ وہ لیجسلیٹو کونسلوں یا میونسپلیٹیوں میں مسلمانوں کی کافی نیابت کے بارے میں رائے لینا ضروری خیال کرتا ہو رائے لے۔

(۶) سر سید نے مندرجہ ذیل مضمون کا رزولیوشن پیش کیا اور نواب محسن الملک صاحب نے اسکی تائید کی اور یہ رزولیوشن پاس ہوا۔
مسٹر بک اور مسٹر سید محمود سے کہا جاوے کہ جہاں تک جلدی ممکن ہو مجلس واضع قوانین اور میونسپلیٹیوں وغیرہ کے متعلق گذشتہ اجلاس میں پاس شدہ رزولیوشن کے مضمون پر ایک رپورٹ طیار کریں۔

(۷) مسٹر نیاز محمد خاں نے مندرجہ ذیل تجویز پیش کی جسکی مسٹر سید محمود نے تائید کی اور پاس ہوئی۔ کہ سکرٹری سے درخواست کیجائے کہ انجمن اسلامیہ لاہور اور پنجاب گورنمنٹ کے ساتھ خط و کتابت شروع کرے تاکہ اس عرضداشت کے بارہ میں جو حال ہی میں انجمن نے پبلک سروس کے امتحانات پر پیش کی تھی کاغذات اور واقفیت

حاصل کرے۔ اور واقفیت حاصل کرنے کے بعد مسٹر سید محمود کے ساتھ مشورہ کر کے اس مضمون پر ایک رپورٹ طیار کرے تاکہ اس ایسوسی ایشن کی کونسل اسپر غور کرے۔

(۱) مسٹر نیاز محمد نے یہ تجویز پیش کی جس کی تائید مولوی نذیر احمد نے کی اور یہ تجویز پاس ہوئی کہ یہ سمجھکر کہ محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج میگزین جو ہر مہینے میں شائع ہوتا ہے اس ایسوسی ایشن کی کارروائیوں کے مشتہر کرنیکا ایک ذریعہ ہے۔ سکرٹری سے یہ کہا جاوے کہ وہ محمڈن انگریزی اخباروں کے ایڈیٹروں کو میگزین کے ساتھ اپنے اخبار تبدیل کرنے کے لیے استدعا کرے۔

(۱) سکرٹری نے تفصیل اخراجات پیش کی اور اُن سے کہا گیا کہ ان ممبران سے جنہوں نے ابھی تک رقم چندہ ادا نہیں کی چندہ وصول کریں۔

محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس دہم

امسال ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس قصبۂ شاہجہانپور میں منعقد ہوا۔ قصبۂ شاہجہانپور کو شاہجہاں کے عہد میں ایک معزز افغان سردار بہادر خاں نامی نے آباد کیا اور اپنے آقا شاہ ذیجاہ کے نام نامی سے موسوم کیا۔ نواب بہادر خاں کی اولاد اب اس قصبہ میں آباد ہے۔ اگرچہ یہ قصبہ مرکز نئی روشنی سے بہت ہٹا ہوا ہے اور اہل قصبہ میں سے اکثر یہ بھی نہیں جانتے کہ سید احمد خاں کون ہے اور وہ کیوں آیا تہا اور کیا کر گیا۔ کیونکہ کانفرنس سے دو دن پہلے ایک بڑہیا کسی اپنی پڑوسن سے کہ رہی تہی کہ بہن میں نے سُنا ہے کہ یہاں کوئی بوڈہا

آنیوالا ہے۔ خدا جانے وہ کس قسم کا بوڑھا ہے۔ اُس کے دیکھنے کو ہزاروں آدمی اطراف سے آئیں گے اور ہر ایک کو اُس بوڑھے کی موںھ دکھائی کے پانچ پانچ روپیہ دینے پڑیں گے علاوہ بریں ہمارے حضرات ہمارے جانے سے مہینوں پہلے اپنے تابعین کو یہ پٹی پڑھا چکے تھے کہ یہاں ایک دجالی طلسم وقوع میں آنے والا ہے تحقیق بچو اُس کے شر سے اور محفوظ رکھو اپنے ایمانوں کو اور جب کانفرنس کا انعقاد ہوا اُسوقت اُن حضرات کو سخت اشتعال ہوا اور اپنے وعظوں اور اشتہارات کے بارود اور چھرہ سے نیچری تھیٹر کو اُڑانے کے بہتیرے منصوبے باندھے اور ہزارہا تدابیر لڑائیں لیکن خدا گنجے کو ناخن نہ دے۔ اب سوا سے گندے الفاظ کے اُنکے پاس اور رہ ہی کیا گیا ہے جس سے وہ زمانہ کی رفتار کو روک سکیں یا صلاحیت کے معقول کاموں میں رخنہ اندازی کر سکیں۔

ہم شاہجہانپور کے اُن قابل اور پرجوش باشندگان کو مبارکباد دیتے ہیں جنہوں نے باوجود اسقدر دقتوں کے ثابت قدمی سے کام کیا اور اس تعلیمی جلسہ کو اپنے شہر میں منعقد کیا۔ ہمیں خان بہادر ڈپٹی برکت علیخاں صاحب اور ڈپٹی عثمان خاں صاحب اور مولوی اسمعیل صاحب اور مولوی قدرت حسین صاحب اور شیخ سراج الحسن کا خصوصاً شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اُنہوں نے اپنی فیاضی اور گرمجوشی سے اس قومی جلسہ کی کماحقہ مدد کی اور آخرکار اُس کے انتظام کی عمدگی میں کامیابی حاصل کی۔

اب ہم خود کانفرنس کی حالت پر تمہیدی ریمارک کریں گے۔ اور ناظرین اس سے خود اندازہ کریں گے کہ مسلمانوں نے اس قومی انسٹیٹیوشن سے کس قدر فائدہ اُٹھایا ہے۔ اس سال کی کانفرنس کو ہم دو پہلوؤں سے دیکھ سکتے ہیں اول تو اُسکا قصبۂ شاہجہانپور میں واقع ہونا جو پہلو اسکا ہمیں گونہ کانفرنس کی کامیابی کا یقین دلاتا ہے اور دوسرا پہلو اس کا

یہ ہے کہ اس کا یہ دسواں اجلاس تھا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اسکو قائم ہوئے دس سال ہوئے۔ یہ پہلو چنداں ہماری اُمیدوں کو تقویت نہیں دیتا بلکہ مایوسی دلاتا ہے۔ بہ لحاظ اس پہلو کے مسلمانوں کو آج ترقی کی کم از کم دسویں زینہ پر نظر آنا چاہیئے تھا۔ قومی تعلیم کا خیال ہر دل میں موجزن ہوتا۔ مسلمانوں کو تعلیم کا اشتیاق اس تعلیمی مرکز کی طرف کشش مقناطیسی کی طرح کھینچ لاتا۔ لیکن جو کچھ ہمنے دیکھا وہ خلاف توقع تھا۔

یہ پہلو اس بات کی پوری شہادت ہے کہ مسلمان کسی نہ کسی وجہ سے کانفرنس میں پوری دلچسپی نہیں لیتے۔ اس کانفرنس کے اغراض او مقاصد کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت کے لیئے کوئی انسٹیٹیوشن اس سے بہتر ممکن ہی نہیں۔ تعلیم کی مسلمانوں کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ تعلیم کا نہونا مسلمانوں میں سب سے بڑا نقص ہے۔ اس انسٹیٹیوشن کی اصل غرض ہے تعلیم کا پھیلانا اور جہالت کا دور کرنا۔ شاید مسلمان ہی ایک دنیا میں ایسی قوم رہ گئی ہے کہ اول تو اپنی ضرورتوں کو محسوس ہی نہ کرے اور اگر کرے بھی تو اُنکے بہم پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔ جسقدر ہمارے کام ہیں اُن میں اصل روح نہیں۔ باوجود ایک کام کو اچھا سمجھنے اور اچھا سمجھکر ایک دفعہ کر دینے کے اُسکو اُسی مستعدی سے جاری رکھنے کے لیئے استقلال نہیں۔ اور اگر مستعدی اور استقلال کچھ ہے بھی تو محض شخصی نہ کہ قومی۔ ساری کی ساری قوم کو یکدل اپنا ادبار دیکھکر اپنی بہبودی کے لیئے بیکلی پیدا نہیں ہوتی۔ چند بزرگ ہیں جو سال بسال قومی نکبت کے تھیٹر پر کھڑے ہوکر نوحہ خوانی کر آتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ صرف وہی ہیں جنکو سچی لَو ہے۔ اُنکے علاوہ آجتک اور تو کسی کے کان پر جوں تک بھی نہیں رینگی۔ بعض حضرات کا یہ بھی اعتراض ہے کہ جب تک مسلمانوں کی قومی مشین کو پولیٹیکل پیچ سے نہ کسا جائے تب تک اُس کے جوڑ و پرزہ کا ڈھیلا رہنا ہی لازم آئیگا۔ اور اُس کی مجموعی قوت کا حاصل کرنا

محال نہیں تو سخت دشوار ہوگا۔ لیکن ہمارے سامنے اور بھی تو نمونے موجود ہیں۔ ویش کانفرنس اور کائستہ کانفرنس میں پولیٹکل باتوں کا ذکر تک ہی نہیں آنے پاتا اور پھر بھی وہ روزافزوں ترقی کر رہے ہیں۔ اُنکا جوش اور اشتیاق اُس بات کے لیے ہے جسکو وہ حاصل کر چکے ہیں۔ تجارت اُن کے ہاتھ میں ہے لیکن اسپر بس نہیں۔ وہ یک زبان ہوکر اپنی قوم کو آگاہ کر رہے ہیں کہ ست جگ سے لیکر تجارت ہمیں وراثت میں پہنچی ہے۔ خبردار تجارت ہمارے ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔ اور اُنکی قوم کا بچہ بچہ اُن کے اس رزولیوشن کو بجائے فرمان قومی جانکر تعمیل کے لیے دل وجان سے مستعد ہے

گو تعلیم میں ہندوستان کے کسی فرقہ یا قوم کو تکمیل کا درجہ ہنوز نصیب نہیں ہوا تاہم ویش اور کائستہ قوموں اور مسلمانوں کو تعلیم میں وہی نسبت ہے جو ایک بی اے کو ایک پرائمری کے طالب علم سے ہو۔ باوجود اسقدر ترقی کے اور آیندہ روز بروز میدان ترقی کے وسیع ہونیکے اُن کی کوششیں مستعدی۔ گرم جوشی اور اشتیاق دن بدن بڑھتا چلا جاتا ہے جس کام کو وہ شروع کرتے ہیں اُسکو پورا کیے بغیر اُنہیں چین ہی نہیں پڑتی۔ ایجوکیشنل ریفارم۔ اور سوشیل ریفارم اور اُس کے ساتھ ساتھ قوم کے لیے تدابیر حصول معاش ہی اُن کے مقاصد ہیں اور اسمیں وہ ترقی کر رہے ہیں اور نہ شخصی بلکہ قومی ترقی کر رہے ہیں۔ ادہر ہم ہیں تعلیم میں ہیٹے۔ تجارت میں ہیٹے۔ اور پھر سراسر غافل اور لاپروا۔ جہاں آج سے دس برس پہلے تھے وہاں سے کے وہیں ہیں۔ یہ جو ہم ذرہ سے اپنی جگہ سے سرکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور جسپر اترا رہے ہیں۔ یہ ہماری اپنی جنبش کا نتیجہ نہیں بلکہ زمانہ کی تیز رفتار انجن کا ایک دہکا ہے جس نے بے جان اشیا کی طرح ہمیں جگہ سے ذرہ سرکا کے دس قدم آگے پھینک دیا اور آپ کہیں سوں نکل گیا۔ یونیورسٹیوں کے امتحانات کے نتائج دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا

کہ لوئر تعلیم میں مسلمانوں نے بجائے ترقی کے تنزل کیا ہے اور اعلیٰ تعلیم کی حالت بھی کسی طرح رو بترقی نہیں۔ پنجاب کے مسلمان آبادی میں ساٹھ فیصدی ہیں اور گذشتہ سال کے امتحان بی اے میں مسلمان بمقابل دیگر اقوام کے آٹھ فیصدی پاس ہوئے۔ کیا اسکو کوئی ترقی کہہ سکتا ہے۔ اگر دس سال پہلے بھی یہی حالت تھی جو آج ہے تو پھر مسلمانوں نے کانفرنس سے یا کسی اور ایجوکیشنل سوسائٹی سے کیا فائدہ اُٹھایا۔ ہمیں اگر اطمینان ہے تو محض ایم اے او کالج کی حالت پر کیونکہ اسمیں روز افزوں ترقی ہے اگر کانفرنس نہ بھی ہوتی پھر بھی ایم اے او کالج کو ویسی ہی ترقی ہوتی۔ اس کے علاوہ اور کسی بات میں ترقی نہیں

ہمیں سخت تعجب آنا چاہیئے اپنی حالت پر جب ہم بخوبی جانتے ہیں کہ ہم میں تعلیم نہیں اور یہ لاعلمی ہمیں ایک دن ذلت کے گڑھے میں سرنگوں پٹکے گی۔ اور اس بات کا بھی حق الیقین ہے کہ ایجوکیشنل کانفرنس صرف مسلمانوں کو تعلیم حاصل کرنے کی تدابیر بتانے کے لئے منعقد ہوتی ہے۔ پھر بھی ہم اس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کرتے۔

کارروائی کانفرنس کی مختصر رپورٹ

۲۶۔ دسمبر کو دن کے دس بجے جناب سر سید احمد خاں بہادر اور جناب سید محمود صاحب اور نواب محسن الملک بہادر۔ مولوی مہدی علی اور مولانا حافظ نذیر احمد صاحب شاہجہانپور میں رونق افروز ہوئے۔ بزرگان موصوف کا استقبال ریلوے اسٹیشن پر تمام رُوسا شہر نے کیا۔ دوسرے دن ۲۷۔ دسمبر کو بروز جمعہ بعد از نماز جمعہ بوقت دو بجے سہ پہر افتتاح جلسہ ہوا۔ منشی رفعت علی صاحب رئیس شاہجہانپور نے ممبران شریک جلسہ کا

ایک نہایت ہی فصیح تقریر میں شکریہ ادا کیا اور نیز ایک پر اثر نظم پڑھی۔ جناب پریسیڈنٹ صاحب نے اپنی تقریر افتتاح جلسہ میں مفصلہ ذیل ریمارک کیے۔ کانفرنس صرف ایک مجمع اطباء ہے جو قوم کی سخت بیماریوں کی تشخیص کے لئے منعقد ہوتی ہے اور بعد از تشخیص اپنے نسخوں کو بشکل رزولیوشن بیماروں کے سامنے پیش کرتی ہے۔ بیمار اگر خود کاہلی یا غفلت سے ان نسخوں اور معالجات سے بہرہ ور ہونے سے محروم رہنا چاہیں تو کانفرنس کا کیا قصور۔ کانفرنس کو لوگ بُرا کہتے ہیں اور ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسکو پوری کامیابی حاصل نہیں ہوئی لیکن اُس کی کامیابی منحصر ہے عمل پر اور عمل صرف قوم کر سکتی ہے نہ کہ خود کانفرنس۔ کانفرنس کو اُسی وقت کامیابی ہوگی جب ہم بوالہوسی اور کاہلی اور خود غرضی کو چھوڑ کر مستعدی سے کام لیں۔ سچے جوش اور خالص ہمدردی کو اپنا شعار بنائیں اور کل کل کو کل کے لیے رہنے دیں اور آج کا کام آج کرنا شروع کریں۔ ہمیں کامیابی صرف اس لیے نہیں ہوتی کہ ہم کچھ کرتے ہی نہیں۔ بے کیے کبھی کوئی کام نہیں ہوتا۔ جناب ممدوح نے تعلیم کے بارے میں فرمایا کہ تعلیم حاصل کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے اس کے لیے خدا اور رسول بہت تاکید کرتے ہیں تعجب ہے کہ اور مذاہب والے باوجود مذہبی بندشوں اور رکاوٹوں کے علم کے شیدا ہوں اور ہم بخلاف اپنے مذہب کے علم سے کوسوں بھاگیں۔ اسلام دنیا میں جہل اور تاریکی کو تقویت دینے نہیں آیا تھا بلکہ علم اور کمال اور عقل کا سخت حامی اور مددگار ہے کو۔ جب مسلمانوں کو اللہ تعالےٰ نے ایک عادل اور رعایا پرور گورنمنٹ کا محکوم بنایا ہے جس کے ماتحت ہمیں پوری آزادی اور امن حاصل ہے پھر اگر ہم اس سے فائدہ نہ اُٹھائیں تو حیف ہے ہمپر۔

شام کو بعد از نماز مغرب سکرٹری نے اپنی رپورٹ پڑھی اور گذشتہ سال کی کانفرنس

کی کارروائی پر مختصر ریمارک کیے۔ گذشتہ سال کی کارروائی کے بروقت شائع نہ ہونیکے لیئے معذرت کی اور معقول عذر پیش کیا اور حاضرین کو یقین دلایا کہ آیندہ کانفرنس کی تمام کارروائی کے لیئے مستقل انتظام ہوگا۔ اس کے بعد مولوی بشیر احمد صاحب اڈیٹر نجم الاخبار اٹاوہ نے رزولیوشن پیش کیا کہ حاجی ذکریا صاحب میمن بمبئی کا کانفرنس کی طرف سے شکریہ ادا کیا جائے کہ انہوں نے حال میں دو لاکھ روپیہ یتیموں کی پرورش اور تعلیم کے لیئے انجمن اسلامیہ بمبئی کو دیا ہے۔ جناب سید محمود صاحب نے یہ ترمیم پیش کی کہ اس رزولیوشن میں یہ الفاظ بڑھا دیئے جائیں کہ انہوں نے یہ روپیہ قومی کام کے لیئے دیا ہے۔ خواجہ غلام الثقلین صاحب نے اپنی نہایت ہی فصیح اور پُر اثر تقریر میں ترمیم کی تائید کی اور ترمیم شدہ رزولیوشن بہ اتفاق رائے کل ممبران پاس ہوا اور بتحریک جناب عبداللہ جان صاحب وکیل سہارنپور اس کی اطلاع اُسیوقت بذریعہ تار حاجی صاحب موصوف کو بمبئی میں دی گئی"

شام کو سات بجے معشوق علی صاحب وکیل شاہجہانپور نے ایک نہایت ہی پر مذاق نظم پڑہی۔ گو اسمیں قوم کی تباہی کا رونا ہی رونا تہا۔ لیکن حاضرین کو خوش کرنے کے لیئے پسندیدہ عمدہ غزلیں بہی تہیں جن سے سب کو حظ حاصل ہوا۔ چند اور بہی نظمیں اس کانفرنس کے مختلف اجلاس میں پڑہی گئیں۔ ہم سب کی نسبت ہمیں پر چند ریمارک کیئے دیتے ہیں۔ اس سے پیشتر شاید اسلامی تواریخ میں کوئی بڑی تقریب یا جلسہ یا مجمع کم پایا جائیگا جسمیں نظمیں نہ پڑہی گیی ہوں۔ نظم مسلمانوں کو عرب سے وراثت میں ملی ہے اور گو اور باتوں کو چھوڑ بیٹھے ہوں لیکن اس بات میں از حد مستعد ہیں ابتک یہ حال ہے کہ خواہ کیسا ہی جلسہ کیوں نہو۔ خواہ پولٹیکل سوشیل یا ایجوکیشنل۔ ہر موقع پر اسقدر نظمیں پڑہی جاتی ہیں کہ

ایک خاصے مشاعرے کا رنگ جم جاتا ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے آیندہ پر نظر ڈالیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں اب کسی قدر اپنے طرز کو بدلنا چاہیئے اب ع زمانہ دگر گونہ آئیں نہاد ہمیں بھی چاہیئے کہ وہ بات اختیار کریں جس سے ہم اپنے موجودہ کاموں کو بخوبی انجام دیکیں بعض موقعوں کو نظموں اور لکچروں کے لیئے مخصوص رکھیں اور بعض میں صرف وہ تدابیر سوچیں جن سے ہم ممکن العمل کاموں کو بلا تاخیر اختیار کرسکیں۔

اب مثلاً یہی کانفرنس کا جلسہ جو سال بھر میں ایک دفعہ منعقد ہوتا ہے اور وہ بھی صرف تین دن کے لیئے اگر ہم اُن قیمتی تین دنوں کو بھی اچھی طرح کام میں نہ لائیں تو کانفرنس کس طرح کس کام میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ میری رائے میں آیندہ کانفرنس کے اجلاس میں سوائے ایک آدھ نظم کے زیادہ نظموں کا پڑھنا بالکل بند ہو جانا چاہیئے۔ ایک ہی مضمون پر بار بار بے تعداد نظمیں اور لکچر ہو چکے ہیں کہ اب بجائے کسی قسم کا جوش یا اُبھار پیدا ہونے کے الٹی اسیری اور بے توجہی ہوتی جاتی ہے۔ جو لوگ دور دراز کا سفر اختیار کرکے اس جلسہ میں شریک ہوتے ہیں اُن میں جوش کافی ہوتا ہے کہ وہ کوئی کام کرسکیں۔ یہ تین دن جو مسلمانوں کو سال بھر میں اپنی تعلیم پر غور کرنے کے لیئے ملتے ہیں انکو صرف باہم مشورے کے لئے مخصوص کرنا چاہیئے اور باہم مشورے کی سب سے عمدہ سبیل رزولیوشن ہیں پس جسقدر عمدہ اور اہم رزولیوشن کانفرنس میں پاس ہوں اُنکا قوم پر زیادہ اثر پڑیگا۔ کانفرنس کو کچھ ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جس سے تمام ممبروں کو حصہ لینے کا موقع ملے کیونکہ جو لوگ کسی معاملہ میں خود غور و فکر کرکے رائے دیں گے وہ اُسپر عمل کرنے کو بھی بہ نسبت دوسروں کے زیادہ مستعد ہوں گے۔ چند گنے چنے اکٹروں کا بار بار سٹیج پر لانا۔ اور ایک کثیر تعداد ممبروں کو مستعدی سے حصہ لینے کا موقع نہ دینا اُنکے کام کی مستعدی کو زائل کرنا ہے

اب ممبروں کی زیادہ تعداد کو تقریریں کرنی یا اپنے خیالات ظاہر کرنے کی اس سے بڑھکر اور کوئی راہ نہیں کہ رزولیوشن پیش ہوا کریں اور اُنپر نہایت زور و شور سے بحث ہوا کرے۔ اسکے بعد سر سید احمد خاں بہادر کا لکچر ہوا۔ یہ لکچر سید محمود صاحب نے پڑھا اس لکچر میں بڑی دلسوزی سے مسلمانوں کو اپنی حالت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ گو میں عام لکچروں اور نظموں کا ایسے اجلاس میں جیسے کانفرنس مخالف ہوں۔ کیونکہ محض ایک ہی بات کو بار بار دُہرایا جاتا ہے۔ لیکن ایسے لکچروں کی جنکا ایک ایک فقرہ دردِ دل سے بھرا ہو ہمیشہ کے لئے ضرورت سمجھتا ہوں اور ایسے لکچر ہمارے قبلہ و کعبہ سر سید ہی کے ہوتے ہیں۔

۲۸۔ دسمبر کو صبح کے آٹھ بجے مولوی بشیر الدین صاحب اڈیٹر نجم الاخبار نے یہ رزولیوشن پیش کیا۔ چونکہ مسلمانوں کے متفرق مدارس انگریزی کی تعلیم قابل اطمینان نہیں۔ لہذا مسلمانوں کا ایک ایجوکیشنل ڈپارٹمنٹ قائم ہونا چاہیئے اور ایم اے او کالج کے پرنسپل کو تمام مسلمانوں کے مدارس کا ڈائرکٹر بنایا جائے۔ منشی نثار علی صاحب نے اس رزولیوشن کی تائید کی۔ سر سید احمد خاں بہادر آنریری سکرٹری کانفرنس نے یہ ترمیم پیش کی کہ جبکہ یہ رزولیوشن کالج کے ٹرسٹیون پر ایک ڈیوٹی ڈالتا ہے۔ اسمیں یہ الفاظ زائد کئے جائیں "بہ منظوری ٹرسٹیان"۔ سید محمود صاحب بیرسٹرایٹ لا نے اپنی تقریر میں ریزولیوشن کی بہت زور و شور سے تائید کی اور فرمایا کہ اگر اس ریزولیوشن کو ٹرسٹیون اور نیز ممبران کانفرنس نے منظور فرمایا تو اس سے بنیاد حقیقی پڑے گی اُس تعلیم کی جس کی ہمکو ابتدا سے آرزو ہے یعنی محمڈن ایجوکیشنل ڈپارٹمنٹ کا قائم ہو کر ایم اے او کالج کے ماتحت ہونا پیش خیمہ ہے ہند میں ایک اسلامی یونیورسٹی کے قائم ہونیکا۔ سر بکرنے

اپنی تقریر میں فرمایا کہ اس رزولیوشن پر عمل کرنا اول تو بالکل ممکن ہے اور دوسرے سب باتوں پر مقدم۔ انہوں نے مثالاً پیش کیا کہ سنٹ جان کالج آگرہ کے ماتحت گیارہ ہائی سکول ہیں۔ وہ محض مشنریوں کی کوشش کا نتیجہ ہیں۔ کیا ہم ان مشنریوں سے بھی گئے گذرے ہیں کہ ہم سے چند سکولوں کا انتظام نہ ہوگا۔ شیخ خیرالدین صاحب نے یہ ترمیم پیش کی کہ چونکہ مختلف مدارس کے لیئے بہت سے مسلمانوں نے عرق ریزی کی ہے اور وہ مدارس اُنہیں کی کوششوں کا ثمرہ ہیں۔ ٹرسٹیوں کو یا کسی اور مسلمانوں کی جماعت کو اُن کی مدارس کے متعلق بغیر اُن کی رائے کے کچھ نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اُن لوگوں کو سخت رنج ہوگا کہ اُن کی کوششوں کی مطلق قدر نہیں کی گئی۔ لہذا یہ الفاظ زائد کیئے جائیں۔ "وہ قواعد اور قوانین جو ایجوکیشنل ڈیپارٹمنٹ مسلمانوں کے مختلف مدارس کے لیئے بنائے۔ انمیں اُن مدارس کے منیجروں کی بھی رائے لیجائے"۔ اور نیز یہ الفاظ ریزولیوشن میں سے نکال دیئے جائیں "مدارس کا انتظام قابل اطمینان نہیں" اور اُنکی جگہ یہ الفاظ داخل کیئے جائیں "چونکہ کانفرنس چاہتی ہے کہ مسلمانوں کے مدارس کا انتظام قابل طمانیت ہوجائے اور تمام سکولوں اور مدرسۃ العلوم علی گڈہ میں یگانگت اور یک جہتی پیدا ہوجائے"۔ سرسید نے اپنی تقریر میں ترمیم کی مخالفت کی اور فرمایا کہ ہم وہی بات کہیں گے جو اللہ کے نزدیک ہمارے ضمیر کے نزدیک اور راست باز انسانوں کے نزدیک سچ ہوگی۔ الفاظ بدلنے سے کیا فائدہ۔ ہم جانتے ہیں کہ تمام مدارس کا انتظام قابل اطمینان نہیں۔ ہم کس طرح کہدیں کہ انتظام اچھا ہے۔ حافظ مولانا مولوی نذیر احمد صاحب نے بھی ترمیم کی مخالفت کی۔ لیکن بک صاحب نے ترمیم کی تائید کی اور کہا کہ یہ غلط ہے کہ تمام مدارس کا انتظام خراب ہے۔ بعض مدارس کی تو ہمیں حالت معلوم ہی نہیں۔ اُن کے متعلق ہم کیا رائے دے سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم نا گہو

اسلامیہ سکول یا انجمن حمایت سکول لاہور کے انتظام کو خراب کہیں بلکہ ملک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے ان سکولوں کا انتظام بہت عمدہ ہے موجودہ ریزولیوشن سے ہماری غرض لوگوں کو متنفر کرنا نہیں بلکہ اُن کو ایک کام کے لیئے آمادہ کرنا ہے۔ ریزولیوشن میں الفاظ ناپسندیدہ کا داخل کرنا خالی از مصلحت ہے۔ ہماری مراد سکولوں کے منیجروں کے دل دکھانا نہیں بلکہ اُنکو ایک مفید کام کی ترغیب دینا ہے۔ لہذا وہ الفاظ جنکو شیخ خیرالدین صاحب نے قابل اعتراض سمجھا ہے وہ واقعی نکال دینے کے قابل ہیں۔ شیخ خیرالدین صاحب اور سید محمود صاحب نے بڑے زور وشور سے تقریریں کیں اور آخرکار ترمیم بہ اتفاق رائے ۲۸ ممبران اور بہ مخالفت ۱ ممبران پاس ہوگئی۔ اور پھر ریزولیوشن بہ اتفاق رائے کل ممبران پاس ہوا۔

اس کے بعد سٹریک نے تعلیمی مردم شماری کی رپورٹ پڑھی جس کو ہم حرف بحرف درج میگزین کر چکے ہیں اور پھر جناب پریسیڈنٹ کی مختصر اور دلچسپ تقریر کے بعد اجلاس برخاست ہوا۔

سہ پہر کو بعد از نماز ظہر سید محمود صاحب نے دو ریزولیوشن متواتر پیش کیئے۔ دوسرا ریزولیوشن نہایت ہی مفید ہے اور کانفرنس نے یہ ریزولیوشن پاس کرنے سے اپنی ایک بڑی ڈیوٹی کو پورا کیا ہے جس کی طرف اب تک اس کی توجہ نہ تھی۔ پہلے ریزولیوشن میں کانفرنس کے نام میں الفاظ "انگلو اورنیٹل" کی زیادتی کی تجویز پیش ہوئی اور بہ اتفاق رائے تمام ممبران یہ بات قرار پائی کہ آیندہ بجائے "محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" کے "محمڈن انگلو اورنیٹل ایجوکیشنل کانفرنس" کہا جائے۔ دوسرا ریزولیوشن یہ تھا۔ مسلمانوں کی قومی ضرورت کے لیئے ہر ایک مسلمان انگریزی خواں کو کم از کم ایک علمی کتاب انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرنی

چاہیئے۔" اب تک کانفرنس کی توجہ صرف انگریزی تعلیم ہی کی طرف رہی اور اس سے پہلے صرف انگریزی پر ہی زور دینا ضرور تھا۔ لیکن اب چونکہ مسلمانوں میں کہیں خال خال انگریزی خواں نظر آنے لگے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کل ہندوستان یورپ کی زبانوں کو حاصل کرکے اُن بے بہا علوم سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا جو اُن زبانوں میں موجود ہیں لہذا کانفرنس کا یہ فرض تھا کہ وہ انگریزی خوانوں کی توجہ کو انگریزی میں سے ترجموں کی طرف مبذول کرے۔ بنگالیوں نے گو انگریزی زبان کو بھی اب تقریباً بجز مادری زبان بنا لیا ہے۔ لیکن اُنکو قومی اغراض کے لیئے اب انگریزی کی ضرورت بھی کم رہ گئی ہے۔ اُنہوں نے اپنی زبان میں ترجمے کرکے علوم کا ایک ذخیرہ بے بہا جمع کر لیا ہے۔ اُردو زبان اگرچہ بہت ہی محدود زبان ہے اور ہمارے کل خیالات کے لیئے الفاظ کا بھی کافی ذخیرہ نہیں۔ لیکن یہ وقت محض چند سالوں کی ہے جب اسطرف توجہ ہوگی تو الفاظ خود بخود آموجود ہوں گے۔ خواجہ غلام الثقلین صاحب نے اس ریزولیوشن کی تائید کی اور فرمایا کہ یہ ریزولیوشن نہایت ہی ضروری اور اہم ہے اور کانفرنس نے اس طرف متوجہ ہوکر اپنے ایک رُخ کی بنیاد کو محکم کیا ہے۔ اُردو میں علوم اسقدر کم ہیں کہ گویا بالکل نہیں اور اس بات کو وہی لوگ جانتے ہیں جو انگریزی اور اُردو دونوں سے واقف ہیں۔ اگر انگریزی سے کوئی ترجمے ہوئے بھی ہیں تو گندے اور فحش ناولوں کے جنسے بجائے فائدے کے پبلک کو سراسر نقصان ہوا ہے۔ یہ ریزولیوشن کو عمل میں لانا بالکل ممکن ہے کیونکہ ایسے آدمی پائے جاتے ہیں جو بخوبی ترجمے کر سکتے ہیں۔ جناب پریسیڈنٹ نے اس ریزولیوشن پر ریمارک کرتے وقت فرمایا۔ کہ یہ ریزولیوشن ہمیں ایک تاریخی یاد دلاتا ہے۔ مسلمانوں کی علمی ترقی زیادہ تر اس بات پر منحصر تھی کہ اول اول

اُنھوں نے علوم کے ذخیرے کو دوسری قوموں کی زبان میں سے اپنی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ اور وہ عجائبات علمی جو غیر قوموں کی قبضہ میں تھے اُنکو اپنی زبان کے لباس میں اپنی قوم کے سامنے پیش کیا۔ یہ ریزولیوشن آخر کار باتفاق رائے کل ممبران پاس ہوا

اسکے بعد مولانا وحیدالدین صاحب کا لکچر ہوا۔ مولانا موصوف پر چھپے رستم کی بات صادق آتی ہے۔ مولانا دو سال سے علی گڈہ میں متمکن ہیں لیکن اسقدر سکوت اختیار کیئے ہے کہ علی گڈہ میں بہت سی آدمی آپ کے نام سے بھی واقف نہیں۔ یہ پہلی ہی مرتبہ ہے کہ آپنے پبلک کے سامنے لکچر دیکر اپنی فصاحت؛ بلاغت اور علم وفضل اور وسیع معلومات کا سکہ بٹھایا۔ آپکا لکچر دراصل اس قابل تھا کہ جس کی تعریف میں جناب حافظ مولانا مولوی نذیر احمد صاحب اور نواب محسن الملک بہادر یہ کہتے کہ اس کے بعد ہمارے لکچروں یا تقریروں کی کوئی ضرورت نہیں۔ آج کل یہ امید رکھنا کہ مسلمانوں کی قومی حالت پر لکچر دیتے وقت مقرر نئی نئی باتیں پیدا کریں خلاف قیاس ہے۔ مسلمانوں کی قومی حالت کا بیان دو جملوں میں ختم ہو سکتا ہے یعنی ہماری حالت اچھی تھی اور ہماری حالت بُری ہے ہم بلندی سے پستی تک پہنچ چکے ہیں اور ابھی اُبھرنے کی کوئی آثار نہیں۔ ان دو باتوں کو اس سے پیشتر بزرگان قوم نظم ونثر کے لباس میں بار بار ظاہر کر چکے ہیں۔ اب جسقدر نظمیں ہونگی یا تقریریں انہیں سے کوئی تو مولانا حالی کے کسی شعر کی منظوم شرح ہوگی اور کوئی سر سید کے کسی پراثر فقرے کا بیان۔ گو مولانا وحیدالدین صاحب کے لکچر میں بھی بلحاظ مضمون کے کوئی انوکھی بات نہ تھی لیکن پُرانے مضامین کو نئے رنگ میں ظاہر کرنا اور انہیں کمال دلچسپی پیدا کرنا اُنہیں کا کام تھا۔ گو اُن کے لکچر کا مضمون تو فصاحت اور بلاغت کے دریا میں بہ گیا اور اب مجھے بہت کم یاد رہ گیا ہے کہ اُنھوں نے کیا فرمایا تھا۔ لیکن اتنی بات اب بھی محسوس

کرتا ہوں کہ مولانا کی عبارت نمونہ ہے اُردو لٹریچر کا۔

۲۹۔ کی صبح کو آٹھ بجے جناب خان بہادر ڈپٹی برکت علیخاں صاحب نے یہ رزولیوشن پیش کیا۔ سید محمود صاحب کو کانفرنس کا جنٹ سکرٹری مقرر کیا جائے۔ مولانا نذیر احمد صاحب نے تائید کی اور فرمایا کہ جب تک آدمی پر رسپانسیبلٹی یعنے ذمہ داری نہ ڈالی جائے وہ ٹھیک ٹھیک کام نہیں کرسکتا۔ سید محمود صاحب کو جائنٹ سکرٹری بنانے سے ہماری غرض صرف یہ ہے کہ ان پر رسپانسیبلٹی ڈالی جائے اور اُنکو لائف آزیری جائنٹ سکرٹری بنایا جائے۔ جناب خواجہ غلام الثقلین صاحب نے بھی اس ریزولوشن کی تائید کی اور فرمایا کہ کانفرنس سے ہماری یہ غرض نہیں کہ ہم مسلمانوں میں ایک فوری جوش پیدا کردیں اور پھر سال بھر تک خبر نہ لیں کہ اُس جوش سے عوام پر کیا اثر ہوا۔ بلکہ ہماری یہ مراد ہے کہ ایک مستقل انتظام کریں جس سے اپنی قوم کو ہر وقت جگائے رکھیں۔ کانفرنس کے کاموں پر حاسدین اور معاندین مضحکہ اُڑاتے ہیں۔ ہمیں جس بات سے رنج ہوتا ہے اور جس سے زہر کی سی بجھی ہوئی برچھیاں ہمارے دلوں میں چبھتی ہیں وہ یہ ہے کہ ہم اس بات کو بھی محسوس کرتے ہیں کہ لوگوں کا مضحکہ اُڑانا بالکل غلط نہیں ہمیں کچھ استحقاق بھی ہے۔ ہمیں اب تک پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ سر سید احمد خاں اب قرار واقعی ویسا کام نہیں کرسکتے جیسکو سید محمود صاحب کر سکتے ہیں۔ لہذا کانفرنس کو یہ بات منظور کرنی چاہیئے کہ سید محمود صاحب جائنٹ سکرٹری بنائے جائیں۔ یہ ریزولیوشن بھی باتفاق رائے تمام ممبران پاس ہوا اور اس کے متعلق دوسرا یہ ریزولیوشن بھی پیش ہوکر پاس ہوا۔ کہ کانفرنس کو نوسو روپیہ سال سکرٹری کے دفتر کے لیئے منظور کرنے چاہئیں۔

اس کے بعد مولانا حافظ نذیر احمد صاحب کا اُس زرکثیر کے لیئے شکریہ ادا کیا گیا جس سے

اُنھوں نے وقت پر کالج کی مدد کی۔

۲۹۔ تاریخ کو ان ریزولیوشنوں کے پاس ہونے کے بعد تقریباً تمام دن تک سید محمود صاحب کا لکچر کالج کی ہسٹری پر ہوتا رہا جو کیا بہ لحاظ وسیع معلومات کے اور کیا بلحاظ ٹھیک ٹھیک واقعات کے اس خوبی سے بیان ہوا کہ صرف سننے سے تعلق رکھتا ہے۔

اس کے بعد اور چند ریزولیوشن پیش ہوئے اور رات کو اول تو شاہجہانپور کی تواریخ کو مولوی اسمٰعیل صاحب وکیل شاہجہانپور نے پڑھا اور اُس کے بعد ممبروں کی باہمی ملاقات کا جلسہ ہوا۔

۳۰۔ تاریخ کو مولانا حافظ نذیر احمد صاحب کا لکچر ترجمہ کلام اللہ پر ہوا۔ یہ لکچر اصل میں ایک خاصہ وعظ تھا۔ عالیجناب مولانا موصوف نے اس موقع اور حالت کے مطابق بنا لیا تھا اور اسقدر دلچسپ تھا کہ متواتر چار گھنٹہ تک تمام حاضرین جلسہ ہمہ گوش اُسکو سنتے رہے اور آخرکار جب لکچر ختم ہوا تو قاعدے کے خلاف ہر ایک کو افسوس ہوا کہ لکچر اسقدر جلد کیوں ختم ہو گیا۔

مولانا حافظ نذیر احمد صاحب کے لکچر کے بعد کانفرنس کا دسواں اجلاس ختم ہوا۔

طلبا کی میٹنگ کانفرنس میں

۲۹۔ دسمبر کی شام کو کالج کے اُن نئے اور پُرانے طلبا نے جو شریک جلسۂ کانفرنس تھے ایک کمیٹی کی جس کی غرض یہ تھی کہ تمام طلبا کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اس نازک وقت میں جبکہ کالج کی مالی حالت کو بوجہ تغلب اسقدر نقصان پہنچا ہے

مدد کریں۔ کمیٹی کے منعقد ہونے پر سب سے پہلے سر سید نے ایک نہایت ہی مختصر تقریر کی جسکو ہم حرف بحرف ذیل میں درج کرتے ہیں۔

''اے میرے عزیزو میں سنتا ہوں کہ تم ایک کمیٹی کرنے والے ہو جسکی غرض ہے کالج کی مدد کرنا اُس مصیبت میں جو اُسپر پڑی ہے۔ زر سے مدد وہی کرسکتا ہے جو زر رکھتا ہو۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تم دولتمند نہیں ہو پھر روپیہ سے کیا مدد کرسکتے ہو۔ لیکن یہ خیال جو تمہارے دل میں پیدا ہوا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم کو اپنے کالج سے الفت ہے۔ اگرچہ تم زر سے مدد نہیں کرسکتے لیکن دل سے ہر ایک مدد کرسکتا ہے جو صاحب دل ہوتا ہے۔''

اسکے بعد سر سید تشریف لے گئے اور کارروائی جلسہ شروع ہوئی۔ یہ باتفاق رائے قرار پایا کہ کالج کی مدد لازم ہے اُن طلبا پر جو کسی قسم کی مقررہ آمدنی رکھتے ہیں لیکن وہ مدد کس طرح سے ہونی چاہیئے۔ یہ بابت برادرہڈ کے سالانہ ڈنر پر طے ہوگی۔ اس کے متعلق مفصلہ ذیل ریزولیوشن پاس ہوئے۔

(۱) اس جلسے کی یہ رائے ہے کہ ''جو نقصان عظیم ناگہانی کالج کو ہوا ہے اُسکی جہانتک ممکن ہو پورا کرنے کے لیئے بذریعہ کالج میگزین کالج کے تمام پُرانے طلبا سے استدعا کی جائے۔''

(۲) محمد امین صاحب نے یہ ریزولیوشن پیش کیا کہ ''برادرہڈ کے سالانہ ڈنر میں متذکرہ بالا مطلب کے پورا کرنے کو ایک کمیٹی ہونی چاہیئے جسمیں وہ مفصلہ ذیل ریزولیوشن پیش کرینگے

''ایک ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے تمام کالج کے طلبا سے درخواست کیجائے کہ وہ سال بھر میں کچھ دن اس بات کے لیئے مخصوص رکھیں جن میں وہ کسی

خاص جیب سے جو زائد از ضروریات ہے اور جس کے وہ عادی ہو گئے ہیں پرہیز کریں
اور جو روپیہ اس طرح سے بچے اُسکو کالج میں دیں۔

(۳) خواجہ غلام الثقلین صاحب نے یہ ریزولیوشن پیش کیا کہ "امسال کے برادرہڈ کے سالانہ جلسہ میں کالج کے اُن تمام طلبا کی دعوت کیجائے جن کے نام ڈائرکٹری میں درج ہیں اور اُس موقع پر آج کی کمیٹی کے اغراض کو پورا کرنے کی تجاویز پیش کی جائیں اور اُن طلبا سے جو شریک جلسہ ہو سکیں التجا کی جائے کہ وہ اس بارہ میں اپنی اپنی رائے تحریر فرمادیں"۔

برادرہڈ کا نوٹس

ہم اپنے تمام برادران اولڈ سٹوڈنٹس کی خدمت میں التجا کرتے ہیں کہ وہ براہ عنایت امسال برادرہڈ کے سالانہ ڈنر میں جو ۲۹ - فروری ۱۸۹۶ء کو واقع ہوگا شریک ہوں۔ اپنے اور برادران موجودہ طلبا کو فخر بخشیں۔ امسال کا ڈنر صرف برادرہڈ کے ممبروں ہی تک محدود نہیں کیا گیا بلکہ تمام کالج کے پُرانے طلبا کی دعوت کیجاتی ہے اور ہر ایک برادر سے التماس ہے کہ وہ حتی الامکان اس جلسہ میں شریک ہونے کی کوشش فرمائے تاکہ سب ملکر اپنے پیارے کالج کی بہبودی کی تجاویز پر غور کریں۔

سردار یوسف خاں مرحوم

پچھلے نومبر کے میگزین میں مسٹر بیک نے یوسف خاں مرحوم کی کچھ سرگذشت لکھی تھی اور اک مختصر مگر نہایت دردناک اور موثر نظم میں اُس کی موت پر افسوس ظاہر کیا تھا۔ اُس دلکش نظم کو پڑھ کر میرے دلمیں اُسکے ترجمہ کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اس مرثیہ سے پہلے ۹ شعر

اُسی کے ترجمہ کے طور پر ہیں۔ لفظی ترجمہ کا نہ میں نے ارادہ کیا اور نہ مجھسے ہوسکتا تہا میرے اشعار کو اگر مسٹر ہیک کی نظم سے کچھ مناسبت ہے تو صرف اتنی کہ دونوں میں خیال ایک ہی ہے جسکو میں نے اس مرثیہ کی تمہید قرار دیا ہے۔

خشک اور ویران صحراءِ بلوچستان کے — اک کہلا تہا پہول نازک اور نہایت خوشنما
باغبانِ دہر نے دیکہا نہوگا کوئی پہول — اُس سے بہتر پرفضا اور دلفریب اُس سے سوا
گلشن عالم میں لاکہوں گل کہلے ہوں گے مگر — کم ہوا ہوگا کوئی اُس سے زیادہ دلربا
لیکن اُس کیواسطے موزوں نہ تہی وہ سرزمیں — وہ گلِ تر ایسے ریگستان کے قابل نہ تہا
نامناسب تہی وہاں کی خاک اُس کیواسطے — تہا مضر پانی وہاں کا اور مخالف تہی ہوا
کرکے اُسپر غور آخر ایک ذی تدبیر نے — وہاں کے خار و خس سے اُس گل کو علیحدہ کرلیا
سرزمیں ہند میں ایک باغ دیکہا پر بہار — مختلف اقسام کے پہولوں سے جو معمور تہا
بوئے جنسیت وہاں کے آب و گل میں دیکہکر — اُس گل نوخیز کو اُس باغ میں لاکر رکہا
اُس چمن میں کہل رہی تہی پہول صدہا رنگ کے — جن کی بوئے خوش سے تہا سارا جہاں مہکا ہوا
مہرباں تہا باغباں اور بارآور تہی زمیں — موسم گل جوش پر تہا۔ راس تہی آب و ہوا
چونکہ وہاں سامان ایسے روح پرور تہے بہم — رات دن ہوتی گئی اُس گل کی شادابی سوا
حسن و خوبی میں ترقی دمبدم ہونے لگی — تازگی بڑہتی گئی ہوتی گئی زائد جلا
حیف چرخ کینہ ور نے ظلم پر باندہی کمر — کردیا گلشن سے اُسکو وقت سے پہلے جدا
رنگ و بوئے اُسکے دکہلانے نہ پائے جوہر ابہی — ہونے پایا تہا نہ کامل طور سے نشوونما
لے گئی قسمت اُسے پہر کہینچکر سوئے وطن — جو کسی پہلو سے اُسکے واسطے موزوں نہ تہا
پہر وہی موج بلا انگیز تہی چاروں طرف — پہر اسی طوفان آفت خیز کا تہا سامنا

لیکن اُس گل کو کہاں اُن سختیوں کی تاب تھی
ایک ہی جھونکے میں خستہ ہو کر وہ مرجھا گیا

جس چمن میں وہ گل رعنا رہا تھا چند روز
آج تک اُس کی جدائی کا ہے واں ماتم بپا

گل گریباں چاک ہیں اُسکے غم فرقت میں سب
ڈھونڈتی پھرتی ہے ہر سو اُسکی نکہت کو صبا

ہے یہ مجمل ہی بیاں کافی سمجھنے کے لیئے
اس کے کہنے کی ضرورت کیا کہ وہ گل کون تھا

جس کی کل سند نشینی کی سُنی تھی خوش خبر
وائے قسمت۔ آج لکھتے ہیں ہم اُسکا مرثیا

لطف جینے کا اُٹھایا تھا نہ یوسف نے ابھی
اُسکا مرنا ہر طرح بے وقت و بے ہنگام تھا

جسقدر ارمان دلمیں تھے وہ دلہی میں رہ گئے
زیست کا افسوس ہے۔ کچھ بھی نہ حظ حاصل ہوا

رحم آیا اے فلک تجھکو نہ اُس کے حال پہ
تو نے کس ہولی کو خاک و خون میں غلطاں کیا

کس کو دنیا سے اُٹھایا۔ اے خدا ناترس موت
دل بھر آتا ہے یہ کس سے جہاں خالی ہوا

کون سے تاریک بادل میں چھپا ہے چاند وہ
دفعتاً آنکھوں کے آگے کیوں اندھیرا چھا گیا

ای گل مشکیں نفس! کیوں آ گئی تجھپر خزاں
ای خزاں اُس پھول کو پامال کیوں تو نے کیا

تیری کُلی کا زمانہ تھا نہ یوسف خاں ابھی
اُٹھائی ہوتی کوئی دن تو اور دنیا کی ہوا

باغ عالم میں نہ دیکھی تھی ابھی تیری بہار
ہاے کھلنے بھی نہ پایا تھا کہ تو مُرجھا گیا

داستاں تیری کیئے دیتی ہے دلکو پاش پاش
موںھ کو آتا ہے کلیجہ واقعہ سنکر تیرا

وہ تن نازک تیرا زخموں سے ہو کر چور چور
بے کفن بے گور۔ خاک و خوں میں ہوگا پڑا

جان دی ہوگی نہیں معلوم کس تکلیف سے
کیا اذیت ہوگی جب سینہ میں دم ہوگا رُکا

تیرے قاتل نے نہ کی بچپن پہ بھی تیرے نظر
جس نے تیرا خوں بہایا کون وہ بیدرد تھا

چھوڑ کر کالج چلا تھا جبکہ تو سوئے وطن
ہے ہمارے سامنے ابتک سماں اُس روز کا

وہ دم رخصت تیرا رو رو کے ملنا یاد ہے
دل سے جانیکا نہیں اُس دن کا وہ جانا تیرا

کہہ رہیں تھیں حسرت آلودہ نگاہیں تیری صاف ہو رہا ہے تو ہمیشہ کے لیئے ہم سے جدا
اپنے واپس آنے کا آتا نہ تھا تجکو یقیں سب تجھے سمجھا رہے تھے اور تو مایوس تھا
کچھ دلاسوں کا نہ ہوتا تھا ترے دلپر اثر بند ہوتا تھا نہ ہرگز آنسوؤں کا سلسلہ
اب یہ ثابت ہوگیا تیرا ہی کہنا تھا درست تھا غلط جو کوئی کہتا تھا کہ تو پھر آئے گا
غیر ممکن ہے کہ تجکو بھول جائیں جلد ہم مدتوں ہوتا رہیگا ذکر کالج میں تیرا
جس طرح کھیلوں میں حاصل تھا یدطولی تجھے ویسے ہی علمی ترقی کا بھی تجکو شوق تھا
سربرآوردہ رہا اسکول میں تو جسطرح کرکٹ وفٹ بال میں بھی ویسے ہی ممتاز تھا

اب نہ تو ہے اور نہ کالج میں ترا کوئی نشاں
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

	نمبر شمار	١
	نام قصبہ یا شہر یا تحصیل محلہ	
	نام بزرگ خاندان / ذات و فرقہ	انصاری [illegible]
	پیشہ	[illegible]
	اندازہ آمدنی ماہوار	[illegible]
	تعداد بچگان خاندان جنکی عمر ۲ سال تک ہے	۶۸
تعداد بچگان	لڑکے	۲۲۶۰
	لڑکیاں	۱۵۳۰
	میزان	۹۲۲۲
لڑکے — تعداد لڑکوں کی جو تعلیم پاتے ہیں مع عمر	ایک سال سے کم	۴۹
	ایک سال	۱۵۱
	دو سال	۱۶۶
	۳ سال	۲۲۰
	۴ سال	۱۶۱
	۵ سے ۹ سال تک	۷۲۱
	۱۰ سال اور اس سے زیادہ	۸۷۷
تعلیم	قرآن شریف	۲۰۶
	انگریزی	۱۶۶
	فارسی۔ اردو۔ وغیرہ	۳۶۰
تعداد لڑکوں کی جو تعلیم نہیں پاتے مع وجوہ	صحبت بد	۶۴۳
	افلاس	۱۶۰
	تعصب مذہبی	۵
	والدین کی سخت بے پروائی	۶۲۱
	یتیمی یا لاوارثی	۶
	جسمی بیماری یا نقص خاص زبان	۱
لڑکیاں — تعداد لڑکیوں کی جو تعلیم پاتی ہیں مع عمر	ایک سال سے کم	۲۹
	ایک سال	۱۱۰
	دو سال	۱۲۰
	۳ سال	۱۳۱
	۴ سال	۱۲۰
	۵ سے ۹ سال تک	۵۱۴
	۱۰ سال یا اس سے زیادہ	۴۰۰
تعلیم	قرآن شریف	۳۱۹
	فارسی۔ اردو یا اور زبان	۱۱
	دستکاری	۳۰
تعداد لڑکیوں کی جو تعلیم نہیں پاتیں مع وجوہ	صحبت بد	۵۲۸
	افلاس	۵۰
	تعصب مذہبی	۲
	والدین کی سخت بے پروائی	۴۵۳
	یتیمی یا لاوارثی	۱
	جسمی بیماری و وجہ ناقابلیت	۱

[illegible]

نمبر شمار	نام کتاب / کلام	نام مؤلف	زبان	تعداد [illegible]	[illegible]	کیفیت

A Football match was played on December 22nd with an Eleven of the 5th Lancers who are now in Aligarh at a camp of exercise. The score was one all.

A full account of the splendid achievements of the Cricket Eleven will be published in the next number of the Magazine. They have beaten four of the best English Teams in the Province, namely Meerut, Lucknow, Allahabad and Agra.

THE MILKY WAY.

I said to the stars one night :
" You shine with a sorrowful glow,
" In the boundless blackness your light
Seems full of a tender woe ;

" Like a funeral train in the sky
" Of white-robed maids that flit,
" With their countless candles lit
" Listlessly winding by.

" Are you always kneeling to pray ?
" Are you wounded, or in fear ?
" For in falling, every ray
" Of your light is like a tear.

" You Stars, who shone in the skies
" Ere mortals or gods were known ,,
" You have tears in your radiant eyes " ....
...............The Stars said : " We are alone.

" Each one of us dwells afar
" From the sisters ye deem so near ;
" Though its rays be soft and clear,
" None sees, none cares for the star.

" And the innermost heat of its flame
" In the careless heavens must die."
—" Ye are like our souls," said I,
" Our lot on earth is the same.

" So seeming near is our light,
" Yet like you, we are far apart ;
" And each lonely deathless heart.
" Burns silently in the night."

J. B.

Translated from the French of
Sully Prud 'homme.

Our forwards are not nearly steady enough in front of goal ; — if the centre forward is to score goals the ball must be passed straight and to his feet not kicked wildly in the air. The final game with Bareilly was not a very scientific one and our backs following the example of Bareilly paid too much attention to the man and too little to the ball. This is a mistake and should be avoided.

———o———

THE M. A.-O. COLLEGE, ALIGARH.

The *Punjab Observer* has the following :—

It is very satisfactory to note the high estimation in which the Government holds this institution, the most recent testimony of which is that it has sent there for instruction Agha Mirza Muhammad Khan, son of the late Haji Mirza Abbas Khan, C.M.G., C.S.I , the British Envoy at Mashad. The Government has, out of consideration for the excellent services of the young man's father, taken his education upon itself, and regarding the Aligarh College as the best for Muslims, has sent him all the way from Persia to be educated there. The young man is a Persian by descent as well as by birth, and speaks the language fluently.

COLLEGE NOTES.

We are glad to announce the safe return from England of Professor Morison.

Gholam-us Saqlain Sahib, B. A., has, we hear, been appointed to a post in the Hyderabad State on a salary of Rs. 300 per month.

The following students of the M. A.-O. College have passed the L. L. B. examination of the Allahabad University :— Gholam-us Saqlain, Syed Wazir Hasan and Piari Lal Katara. Six students of the College appeared for the examination, so that the percentage of passes was 50 per cent. In the University at large the percentage of passes was 30 per cent only.

The Brotherhood dinner will be held this year on 29th Feb. All old students are invited to attend.

The criminal prosecuion against Shiam Behari Lal has been brought to an end by the death of the culprit, which occurred through his having obtained and drunk a bottle of Whisky. The civil trial for the recovery of the money stolen will be proceeded with.

pete having hurt his arm. Azmat who entered at the last moment threw well and was only about 3 yards behind the second man.

Mile Race. 1 Ashraf Khan (M. A.-O.) 2 Haji Hosain (M. A.-O.) Ashraf Khan went steadily throughout and won as he liked ; Haji Hosain ran very pluckily, wore down several more likely looking competitors, and secured the second place by a good margin. This year there has been some steady practice for the longer races and our success is on that account the more satisfactory. Praise is due to Ashraf Khan for the way in which he has looked after mile race ; steady practice for a race like the mile requires a good deal of self-sacrifice and perseveranee, but we feel sure that both Ashraf Khan and Haji Hosain will feel that they have been fully rewarded.

Gymnastics. For this competition there were a good many entries but one of the competitors Harnundan Panday from Benares was distinctly the best. Another Benares boy secured the second prize. Gholam Nabi was perhaps the next on the list though the third place was not officially awarded.

This branch of athletics has been neglected in the College ; it is to be hoped that there may be more regular and thorough practice next year.

Lawn Tennis. First Round. M. A.-O. beat St. John's College, Agra.

Agra beat Lucknow.

Second Round.

Muir College beat M. A.-O. College, Agra a bye.

Final Round, Muir College beat Agra.

Ahsan-ul Haq won his first tie pretty easily, but after a good fight was beaten in the second round, his opponent being rather safer though not by any means a brilliant player.

Foot Ball. First Round, Bareilly beat St. John's College (Agra,) M. A.-O. beat Muir College.

Final. M. A.-O. beat Bareilly.

This was rather an easy victory for M. A.-O. We had much the best of the game, but did not make full use of our opportunities to score goals.

ed. Both Mohammad Zaman and Abdul Hafiz jumped well and the former won with 5 ft. 5 : a good performance.

Putting the weight. 1 E. T. Bobb (St. John's College, Agra) 2 R.D. Gordon (Muir College) Distance 28 ft. 7 in. It is to be regretted that no regular pactice of this competition was gone through by our competitors. The standard was not high. Abdul Hafiz who was close behind the second man should another year be able to do better, and we must look out, too, for other weight putters

Hurdle Race. 1 Abdul Hafiz (M. A.-O.) 2 Mohammad Zaman (M. A.-O.) This was a capital race. Abdul Hafiz led all the way. Mohammad Zaman nearly came down in a bad place on the course but picked himself up well and finishing hard beat the third man in the last few yards.

Broad Jump. 1 Mohammad Zaman 2 Abdul Hafiz, distance 18 ft. 2 in. This was a very easy victory, for most of the other competitors were distinctly bad jumpers. Mohammad Zaman could not get off the mark properly at first, but did better eventually and won from Hafiz by a few inches. Hafiz was scarcely up to his usual form.

Pole Jump. 1 Penyel (St. John's College, Agra) 2 Ashraf Khan (M. A.-O.) height 8 ft. 9 in. Only three competitors were able to clear the tape when the jump was started at 7 ft. Hafiz who was tired with his other performances failed at about 8 ft. Ashraf Khan jumped rather higher than Penyel but was not so neat in getting his body over as his opponent and in consequence after both competitors had twice failed at 8 ft. 9 Penyel just pulled himself over while Ashraf fouled the line with his arm when dropping.

Throwing the Cricket Ball. 1 Ata Mohammad (M. A.-O) 2 G. Thomas (St. John's College, Agra). Distance 10 yards 8 in. Ata Mohammad threw well as usual. We ought also to have secured the second place in this event; but Mohammad Abdullah was unable to com-

by encouraging those who shew a liking for this branch of sport; by training novices by example and by precept.

In Gymnastics we are still weak. In the school tournament no competitors presented themselves from the M. A.-O. College; which is a disgraceful state of affairs.

In the University Tournament Gholam Nabi acquitted himself well though he did not secure a first or second place. This is to be attributed to the want of regular practice and the absence of the instructor. The Lawn Tennis of the College needs to be put on a more secure footing. If we are to send in competitors to the tournament there should be a properly organized Club to train and select competitors. This year one competitor was chosen in a very hurried fashion and sent up without sufficient practice.

The following is a summary of the events of the tournament held at Allahabad on January 6th, 7th, 8th, and the 10th.

100 yards. 1st Mohammad Zaman (M. A. O.) 2 Abdul Hafiz (M. A. O.) Abdul Hafiz and Mohammad Zaman were each first in this heat. In the final the start was a distinctly bad one and two of the competitors appeared to leave the match before the word was given. Mohammad Zaman got away last, but made a fine race of it and by finishing hard won on the tape. We cannot too strongly impress upon our competitors the necessity of finishing hard. Many sprint races are won simply by making up one's mind to finish five yards beyond the tape instead of two yards in front of it.

Quarter Mile. 1 Abdul Hafiz (M. A.-O.) 2. Ashraf Khan (M. A.-O.) Thirteen competitors started in this race and consequently the narrow track was rather crowded. Abdul Hafiz got an inside berth and kept in front all the way; but Ashraf Khan had a good deal of difficulty in getting out of the crowd and consequently did not make so good a bid for first place as he might otherwise have done.

High Jump. 1 Mohammad Zaman (M. A.-O.) 2 Abdul Hafiz (M. A.-O.) Several other competitors entered but were left behind some time before 5 ft. was reach-

THE UNIVERSITY SPORTS AT ALLAHABAD.

Our athletes may fairly be congratulated again on the results of the University Tournament. Last year we won 9 medals in the sports and were scarcely hoping again to carry off so large a percentage of the prizes, but the event has more than justified the expectation of the most sanguine among us. This year we have secured 14 out of 18 prizes; seven first and seven second out of nine events. Nine Colleges sent in competitors so that four prizes only remain to be divided among the other eight. This is a result to be proud of, but it need not remain a record. The other Colleges will probably renew their efforts and come to next year's tournament determined to carry off a larger or rather a less small share of the prizes, but there is no reason why by careful consistent practice we should not repeat the triumphs of 1896. We have two unusually good athletes in Mohammad Zaman and Abdul Hafiz both of whom should be with us again next year. A special word of praise is due to Mohammad Zaman, the Secretary of the Athletic Club, for the energy he has displayed in whipping up his men and keeping them in steady practice and for the zealous and intelligent way in which he has gone about his business. Last year the long races the mile, the quarter were our weak point ; this year we won both of them ; not only won them but had the second man too in each event. This is simply due to careful practice. However well untrained men may do in sprint races, it is hopeless for them to compete with trained men in the longer races, *and the results of this year should be an encouragement for* the future. There seems to be a good deal of slackness in the school in regard to athletics : we would therefore urge the Athletic Secretary and those in authority to endeavour to stir up a greater interest in our Athletic Sports among the school boys ; for it is from the school chiefly that we must look to recruit our ranks and fill up vacancies as our older athletes leave the College. It is not too early even now to be on the look out for likely athletes and if there are none—which we are not disposed to believe—to create them, and this is to be done by endeavouring to arouse an interest in Athletics,

Khan and Ala-ul Hasan, have been elected Trustees of the M. A.-O. College. We have every reason to expect considerable zeal for the welfare of the institution from its old students, especially such as have already given proof of their devotion. And no other class of persons can be found whose knowledge of the working of the College is so complete. For some time after the College was started it was of course impossible to have members of its governing body with this latter and very important qualification. But the College is now beginning to produce its own governors; and we can not doubt but that as years go on, and the area of selection increases, the old students will come to play a very important part on the body of Trustees.

BOARD OF MANAGEMENT.

At the last meeting of the Trustees rules for the creation of a Board of Management were passed. This Board will consist of 14 members, the Secretary of the College and the Principal being on it *ex-officio*. Of the 14 members, 6 will be Trustees, one a Hindu gentleman chosen by the Trustees, and 7 will be members of the staff, of whom 2 at least will be Mahomedans, and one a Hindu. This Board will deal with general questions relating to the Boarding-House and the course of studies. It will be subordinate to the Trustees, and will be able to digest business which cannot be adequately discussed in a body consisting of 50 or 60 persons living at a distance and voting by proxy. It will be a most useful means of bringing together those energetic Trustees who live sufficiently near and who take an active interest in the details of the College, and those members of the staff who are devoting themselves to the solution of the same problems. It will thus fulfil the part of a College Council such as exists in every English College, and will unite in itself the representatives of the general public and officers of the College, including the Secretary and Joint Secretary, who have special knowledge and experience of the difficulties to be overcome.

The income for the purpose was to be the interest on the College Debentures in which the subscriptions raised were to be invested.

There is no doubt that the former scheme will have the sympathy of many others than those who were his pupils. And what is more desirable financially, it may be more successful. The Pavilion or Gallery if built will stand out more prominently than the other scheme But the Pavilion will not benefit the College or the students generally Just at present, Boarding-Houses are not sufficient to accommodate the yearly increasing number of Boarders, and for that reason the Debenture-rooms are being built. Personally, I think that this need is much more urgent than that of building a Pavilion.

However, as I am given to understand, the majority of probable contributors to the Memorial think the Cricket Pavilion to be a better thing so let us have it.

I am trying to get the Pavilion drawings and Estimate prepared as soon as possible It is proposed that it ought be 40 or 42 ft. long and about 21 or 22 ft. wide with 2 small rooms to serve as cloak rooms &c. It will have some 3 steps in front and the inside will be of the same level to accommodate the lunch table.

In the end, I want to say that my friend Habib Ullah Khan in his article did not intend to say that any contribution or sympathy shown by the present students will not be welcome.

I think, we old students are so far scattered and removed from the dear old College that we can not effectively carry out any scheme without the active co-operation of the present students of the College. And as this offer comes from persons who did not personally know the kind and much respected Professor so it is all the more welcome.

SIRAJ AHMED.

OLD STUDENTS ELECTED TRUSTEES.

We have much pleasure in announcing that three old students of the College, Messrs. Sajjad Hosain, Aftab Ahmed .

Hence it is desirable that any resolution dealing with a practical matter of this importance should be thoroughly thrashed out and put into proper shape in a section of the Conference devoted to schools; and that this section should be attended by responsible representatives of the different Mahomedan schools. Another section of the Conference might be devoted to female education. Two or three gentlemen interested in this subject were present at the last Conference, but they had no opportunity of meeting together. One of these was anxious to obtain advice as to how to deal with a practical problem which had been satisfactorily solved by a Mahomedan Anjuman in the town from which another of them came, yet these two members never met, nor were aware that any other people present were interested in the same problems. Other sections might by degrees be established, such as a Text-book section, one dealing with Urdu Literature, and so on. And thus by degrees the Conference would expand and become of tenfold greater use in effecting the objects for which it has been established. In making these criticisms on the organization of the Conference we must not be understood to suggest that the institution has not proved of great use for Mahomedan education. We have made some suggestions by which we think its utility can be increased, but we believe that the Conference has done much to create a widespread interest in Mahomedan eduation. And we are not aware that those who are most disposed to deny its utility have produced anything which can better supply its place.

WALLACE MEMORIAL.

During the Xmas vacation, I had an opportunity of visiting the Educational Conference at Shahjehanpur. My chief motive to go there was that I may see some of my old friends and teachers there and discuss with them what form this Memorial ought to take.

Azmat Ullah in his article in Novr. No. of the Magazine, proposed that a Cricket Gallery be made to perpetuate the memory of Mr. Wallace who was President of the Club. My own idea was that some Prize or Medal be given annually.

produced by sending round letters in other places. And thus a practical test was supplied of the value of the methods that have been adopted. The proceedings of this single meeting conclusively prove the utility of such gatherings of practical workers, who devote themselves to the discussion of definite problems. We maintain that there should be a census section of the Conference sitting simultaneously with the other meetings. Another section might with advantage be devoted to questions relating to Mahomedan schools. Several persons came to the Conference who were connected with the management of such institutions, and sought advice as to how they should overcome difficulties that had arisen. It would have been most useful for them to have met together and assisted each other by their experience. A Resolution was brought before the Conference with reference to the affiliation of Mahomedan schools to the M. A.-O. College. This Resoultion contained clauses which might have been offensive to the managing commitees of such institutions. It was amended in the general meeting and passed. But the difficulty of dealing with the details of the subject in a big meeting was manifest, and the Resolution as passed, although superior to the original proposal, can hardly be regarded as perfect. No allowance was made in that Resolution for the relative distance of different institutions from Aligarh, nor for their different standing. It is quite clear that the powers that could with advantage be exercised by a Director of Mahomedan education at Aligarh would vary enormously with reference to an institution in a different Province teaching up to the First Arts Examination, and another teaching up to the Middle within two or three hours journey of Aligarh. In the former case perhaps the only kind of affiliation possible would be to offer advantageous terms as to scholarships to the students of such an institution to enable poor students to read up to the B. A., coupled with the condition that the Managing Committee should appoint on its staff teachers who commanded the confidence of the central institution ; while in the latter case regular inspection could be provided. But all these points could be settled only in consultation with representatives of the managing bodies of such institutions, as any arrangements entered into must be voluntary on both sides.

general public of which the members who come from neighbouring localities form the chief part. A large fraction of the funds of the Conference is derived from the fees of these members, and it is essential for its financial prosperity that an interesting programme should be arranged for their amusement and edification. Popular lectures, with an occasional animated discussion over a disputed resolution are the best means of effecting this object. And no one can complain that the wants of this section of the public have been neglected. But inasmuch as the practical workers have less taste for general discourses on the advisibility of English education, of the need of which they have for years been fully convinced, and are moreover anxious to obtain some tangible good, some new ideas that may assist them in their undertakings, in exchange for their sacrifice of time and money in attending the Conference, it is necessary to provide for them special meetings devoted to the consideration of specific measures for advancing the community. Such meetings would be tedious to members of the general public, and should therefore be carried on simultaneously with the popular lectures. It is the custom in European Conferences for one or two general meetings to be held, and then for the Conference to split up into sections each one of which devotes itself to hearing papers and discussing problems connected with its own special subject matter. At the last two Conferences special meetings have been held for the Census, but they have been in the evening after a long day's work when the members were tired or hungry. The last of these meetings, a copy of the proceedings of which is printed in this Magazine, did some useful business in settling the ages of the boys whose names should be entered in the Census, and other points which very materially improve the forms which will be distributed for Census work. The meeting was attended by about 40 persons, who showed the keenest interest in the subject, and many of whom had had actual experience of taking the Census, while others were employed as school-masters. The information they supplied enabled the meeting to come to a better conclusion as to these points than could have been arrived at by any single individual. Information was also given as to the practical effects of taking the census in Almora, and the useful result

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 3.	FEBRUARY 1, 1896.	No. 2.

THE MAHOMEDAN EDUCATIONAL CONFERENCE.

The complaint is often made that the Mahomedan Educational Conference does less practical work than it ought to. We think that there is some ground for this complaint. We do not mean to imply that a large body of men who meet together for three or four days in the year can do executive work such as can be accomplished by individuals, or small groups of people living in the same town, working steadily throughout long periods of time. We should mistake the functions of a deliberative body if we supposed it capable of founding and supervising schools or otherwise taking the direct management of practical education. But a conference of practical workers can do a great deal to direct and stimulate practical work, by bringing people together, discussing difficulties, and arousing interest in schemes for the advancement of education. Our criticism on the Conference is that it does not attract enough practical workers, nor when they come does it give them that amount of assistance which they might expect, so that they feel disinclined to become regular attenders of the annual meetings. In the last Conference the number of persons who came from a distance was conspicuously small, though the local attendants was large. The Conference cannot of course neglect the

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A.-O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs 3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. p. for Rs. 3 or for Rs. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 2 annas per line or Rs. 2 per page in Urdu.

THEODORE BECK,
English Editor.

MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,
Urdu Editor.

NIAZ MUHAMMAD KHAN,
Manager.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 3. | FEBRUARY 1, 1896. | No. 2.

CONTENTS.

ENGLISH.

Printed at the Institute Press, Aligarh.

For Siddon's Union Club.

محمدن اینگلو اورینٹل کالج میگزین

نمبر ۱	یکم ۱۰ ۱۵ جنوری سنہ ۱۸۶۶ ع	جلد ۳

فہرست مضامین

انگریزی

اُردو

علیگڈہ انسٹیٹیوٹ پریس میں محمد ممتاز الدین کے اہتمام سے چھپا

کالج میگزین

قریباً چار برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی اور اُردو ملا ہوا ـ علیگڈہ کالج سے نکلنا شروع ہوا ـ اول اول وہ علیگڈہ انسٹیٹیوٹ کا ضمیمہ بن کر نکلتا رہا ـــ لیکن سنہ ۱۸۹۴ع میں اس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی ـــ اس کے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اُس کے متعلقات پر محدود ہوتے تھے ـــ اور اِس وجہہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھہ چنداں دلچسپی نہ تھی *

اِس خیال سے اِس کے منتظموں نے اِس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جائے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ ـ مسلمانوں کے علوم و فنون ـــ تاریخ اور لٹریچر کے متعلق مفید اور پر زور مضامین لکھے جائیں ـ اِس غرض سے اِس کے ۲۴ صفحہ بالکل اُردو کے لیئے مخصوص کردیئے گئے ـ اور اِس صیغہ کا اهتمام خاص میری سپردگی میں دیا گیا میں اِس رسالہ کے ترقی دینے میں حتی الامکان کوشش کرونگا *

ملک کے مشہور اهل قلم یعنی مولانا حالی ـ نواب محسن الملک ـ مولوی نذیر احمد ـــ اور منشی ذکاءاللہ ـــ وغیرہ بزرگوں نے اِس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا هی ـــ اور اهل قلم بھی اگر اِس کی اعانت فرمائینگے تو هم نهایت فخر کے ساتھہ قبول کرینگے *

هم کو اُمید هی کہ هندوستان کی اِسلامی جماعت خریداری سے اِس کی اشاعت میں مدد دیگی ـــ میگزین کے کل صفحات ۴۰ هیں اور قیمت مع محصول ڈاک ـ (۲) *

شبلی نعمانی ـــ پروفیسر

مدرسۃ العلوم علیگڈہ

ایجی ٹیشن ان انڈیا

اس مقام پر ہم کو ایجی ٹیشن سے اُسکے عام معنی مراد نہیں ہیں نہ عام معنوں پر بحث کرنا مقصود ہے۔ بلکہ ایک خاص قسم کے ایجی ٹیشن سے ہمکو بحث ہے۔ یعنی وہ جو ایک گورنمنٹ کی رعایا کا گورنمنٹ کے کسی کام کو بے قاعدہ یا رعایا کے مقاصد یا اُسکی یا ملک کی بہتری کے خلاف سمجھکر کل رعایا کا یا جو اُس میں شامل ہوئے ہیں سخت جوش میں آنا اور نیک دلی سے اُسپر بحث کرنا اور اُس کے تمام جوانب پر غور کرنا اور اُس کے حصول کے لیئے گورنمنٹ سے استدعا کرنا اور اُسپر زور ڈالنا ہے۔

مگر ہمکو صرف اتنے ہی بیان پر بس کرنا نہیں ہے۔ بلکہ اُس کے ساتھ ان اُمور پر بھی غور کرنا لازم ہے کہ ایجی ٹیشن کامل یا قوی ہونے کو کیا کرنا لازم ہوتا ہے۔ دوسرے اُس ایجی ٹیشن سے مقصود کیا ہوتا ہے اور اگر وہ مقصود حاصل ہو یا نہ حاصل ہو تو دونوں صورتوں میں اُسکا لازمی نتیجہ کیا ہے

ایجی ٹیشن کے کامل اور قوی ہونے کو ضرور ہے کہ تمام رعایا یا اکثر حصہ رعایا کا اُسمیں شریک ہو اور اس لیئے ایجی ٹیشن پیدا کرنے والوں کو ضرور ہوتا ہے کہ اپنے ایجی ٹیشن کی

خوبیاں اور گورنمنٹ کے کاموں کی بُرائیاں تمام رعایا پر ظاہر کریں اور رعایا کو گورنمنٹ کے اُس کام سے جو گورنمنٹ نے کیا ہے مخالف اور اپنے ایجی ٹیشن کے موافق بنا دیں اور اس مقصد کے حاصل کرنے کو وہ ملک میں پھرتے ہیں اور شور مچاتے ہیں اور لوگونکو برانگیختہ کرتے ہیں اور اس کے لوگ اُن کے ساتھ ہو جاتے ہیں جو اُس مسئلہ کے سمجھنے کے لائق بھی نہیں ہیں جسپر ایجی ٹیشن کیا جاتا ہے۔

وہ ایجی ٹیشن کرنے والے صرف اُسی امر پر جو ایجی ٹیشن کے متعلق ہے منحصر نہیں رہتے مگر عام لوگوں کے سامنے موجودہ گورنمنٹ کی بُرائیاں جسقدر کہ وہ بیان کرسکتے ہیں کرتے ہیں اور گورنمنٹ کو ایک پوری ظالم گورنمنٹ کی صورت میں دیکھاتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ اُن لوگوں کو ایسی توقعیں دلاتے ہیں جنکو وہ خود سمجھتے ہیں کہ ہونیوالی نہیں ہیں۔ اور صرف اُنکو ایک دہوکا دیتے ہیں تاکہ وہ اُن کے ساتھ ہو جاویں۔

اُن لوگوں کا مقصود جو ایجی ٹیشن سے ہوتا ہے وہ بہت صاف ہے۔ یعنی یہ کہ گورنمنٹ کے جس کام یا پالیسی کے برخلاف اُنہوں نے ایجی ٹیشن شروع کیا ہے۔ جمہور کو اپنے ساتھ متفق کرکے گورنمنٹ پر زور ڈالیں کہ گورنمنٹ اُس کام کو یا اپنی پالیسی کو چھوڑ دے اور جو خواہش ایجی ٹیشن کرنے والوں نے کی ہے اُسکو اختیار کرے۔ اور جب تک کہ یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا ایجی ٹیشن کو پھیلاتے جاتے ہیں اور رعایا میں گورنمنٹ سے ناراضگی کو ترقی دیتے جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جس قدر رعایا اُنکی شریک ہو جاویگی اُسیقدر زیادہ زور گورنمنٹ پر پڑیگا۔

ان ایجی ٹیشنوں کا لازمی نتیجہ تو گورنمنٹ سے رعایا کا ناراض ہو جانا ہے۔ پھر اگر گورنمنٹ نے اپنی پالیسی کو تبدیل کیا اور جو کچھ ایجی ٹیشن کرنے والے چاہتے تھے اُسکو

منظور کر لیا تو ہندوستان میں لوگوں کی آنکھ میں گورنمنٹ کے کمزور اور ضعیف ہونے میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا۔

ایسے ملک میں جہاں گورنمنٹ اور رعایا دونوں ایک قوم یا مثل ایک قوم کے ہیں جیسے کہ گریٹ برٹن تو اُن ملکوں میں شاید اسکا بد اثر چنداں محسوس نہوتا ہو۔ مگر ایسے ملکوں میں جہاں گورنمنٹ اور رعایا مختلف قوم کے ہیں اور ایک قوم فاتح اور ایک قوم مفتوح ہے اور رعایا میں بھی مختلف اور متضاد قومیں ہیں اور اُس ملک کی حدود ایک زیادہ تر نیم وحشی اور جنگجو اور متعصب قوموں سے پیوستہ ہیں۔ جیسا کہ ہندوستان ہے تو اُس ملک میں اسکا بد اثر زیادہ تر اثر کرتا ہے۔

اس قسم کے ایجی ٹیشنوں کے بد اثر سے کوئی گورنمنٹ بری نہیں رہ سکتی۔ اگر وہ گورنمنٹ ایک پبلک گورنمنٹ ہے تو اُسکا ضروری نتیجہ پریسیڈنٹ کی تبدیلی ہے۔ اور اگر پارلیمنٹری گورنمنٹ ہے تو اُسکا لازمی نتیجہ اُن وزرا کی تبدیلی ہے جن کے ہاتھ میں گورنمنٹ کا انتظام سپرد ہے۔ لیکن اگر وہ مازکی گورنمنٹ ہے تو اُسکا سیدھا اثر اُس گورنمنٹ پر پہنچتا ہے۔ پس یا تو لوگ بغاوت کرتے ہیں اور اُس گورنمنٹ کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ یا تبدیل کرنا چاہتے ہیں اور کم سے کم یہ کہ اُس کے تبدیل کر دینے کی خواہش اُن کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ ہندوستان کی گورنمنٹ کو کن لفظوں سے تعبیر کروں۔ ریپبلک تو وہ کسی طرح نہیں ہے اور نہ میں اُسکو پارلیمنٹری گورنمنٹ کہہ سکتا ہوں۔ اُس کے ساتھ بلاشبہ ایک کونسل واضع آئین و قوانین ہے جس سے گورنر جنرل ملک کے لیئے قانون بنانے میں صلاح لیتا ہے۔ مگر صرف اس کونسل کی وجہ سے میں ہندوستان کی گورنمنٹ کو مازکی

گورنمنٹ سے خارج نہیں کرسکتا۔ تمام سلاطین ہندوستان کے جو گذرے ہیں گو وہ اپنے ذاتی افعال میں کیسے ہی خود مختار گذرے ہوں مگر چند لوگ اُن کے پاس ایسے ہوتے تھے کہ انتظام ملکی میں اُنسے صلاح لیجاتی تھی صرف اتنا فرق ہے کہ گورنر جنرل کے ساتھ وہ صلاح کار ایک باضابطہ طریقے سے مقرر ہیں اور سلاطین کے ساتھ بے ضابطہ طور پر وہ صلاح کار ہوتے تھے باوجود اس کے کہ گورنر جنرل کے ساتھ ایک کونسل ہے مگر میں یقین کرتا ہوں کہ گورنر جنرل اور وہ کونسل بالکل آزاد اور خود مختار نہیں ہے۔ بلکہ سکرتری آف سٹیٹ کے تابع ہے اور جو اُصول حکمرانی کے یا قانون بنانے کے سکرتری آف سٹیٹ نے قرار دئیے ہیں اُس کے برخلاف کرنیکا نہ گورنر جنرل کو اختیار ہے نہ اُس کونسل کو۔ بلکہ جو اُصول کہ سکرٹری آف سٹیٹ نے مقرر کیے ہیں اُنکو شائستگی اور عمدگی سے ملک میں چلانا اور اُن کے لیے قانون بنانا گورنر جنرل اور اُسکی کونسل کا کام ہے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر کبھی ان اُصول میں فرق آویگا تو ہندوستان کی گورنمنٹ ایک تزلزل کی حالت میں پڑجاویگی اور اس لیے میں ہندوستان کی گورنمنٹ کو بجز ایک شایستہ اور مہذب مانز کی ہونے کے جو ملک میں امن رکھنا اور رعایا کے حقوق کو انصاف اور نیک دلی سے فیصل کرنا چاہتی ہو اور کوئی دوسرا لقب نہیں دیسکتا۔ ایسی گورنمنٹ کی پالیسی کے برخلاف اگر ہندوستان میں کوئی ایجی ٹیشن پھیلایا جاوے اور وہ ایجی ٹیشن کامیاب نہو تو غور کرنا چاہیے کہ رعایا کا خیال کس طرف مائل ہوگا۔ کیا اُنکا خیال اس طرف مائل ہوگا کہ کونسل تبدیل ہوجاوے یا اس طرف مائل ہوگا کہ موجودہ گورنر جنرل کی جگہ کوئی دوسرا گورنر جنرل بھیجا جاوے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ خاص گورنمنٹ سے ناراضی پھیلنا اُسکا نتیجہ ہوگا۔ اور گو وہ ناراضی پھیلانے والے گورنمنٹ کے تبدیل کرنے پر کچھ قابو نرکھتے ہوں مگر خود گورنمنٹ

سے ناراضی کا پہیلنا گورنمنٹ کے لیئے اور رعایا کے لیئے اور ملک کے لیئے شدید نقصان کا باعث ہوتا ہے۔

اب ہمکو اُن لوگوں کی حیثیت پر خیال کرنا چاہیئے جو ایجی ٹیشن پہیلاتے ہیں یا اُسمیں شریک ہوتے ہیں۔ کیوں کہ ہم ایسے لوگوں کے ایجی ٹیشن پہیلانے میں جو کسیقدر تعلیم یافتہ بہی ہیں اور جنگجو طبیعت بہی نہیں رکہتے اور اُن میں جو شخص جاہل اور جنگجو طبیعت رکہتے ہیں بہت تفاوت خیال کرتے ہیں۔ کوئی شخص اس سے انکار نہیں کریگا کہ ہمارے ملک کے فرانٹیر کے رہنے والوں کی حالت بہ نسبت بنگال کے رہنے والوں کی حالت کے اگر انہیں یعنی فرانٹیر کے رہنے والوں میں ایجی ٹیشن پہیلایا جاوے بالکل مختلف ہوگی۔ بلکہ میری رائے یہ ہے کہ بنگال و مدراس و بمبئی کے ایجی ٹیشن کی جو خبریں فرانٹیر کے رہنے والونکو پہنچتی ہیں وہ بہی کوئی نیک نتیجہ اُن کے حق میں یا ملک کے حق میں پیدا کرنیوالی نہیں ہوسکتیں۔ اس لیئے میری یہ رائے ہے کہ ہندوستان میں عام طور پر کوئی ایجی ٹیشن پہیلانا جیسا کہ اس زمانہ میں ہو رہا ہے گو کہ وہ کیسی ہی نیک نیتی سے ہو گورنمنٹ کے لیے۔ ملک کے لیئے۔ رعایا کے لیئے کچھ مفید نہیں ہے۔

میں اسواسطے خوش ہوں کہ موجودہ ایجی ٹیشن جو ہندوستان میں ہو رہی ہیں انمیں مسلمان ہندوستان کے شریک نہیں ہیں اور نہ اُنکو شریک ہونا چاہیئے اور نہ اُنکو خود کسی عام طریقہ پر قوم کو ایجی ٹیشن پر برانگیختہ کرنا چاہیئے۔ انگلش گورنمنٹ میری رائے میں مسلمانوں کے حق میں جب کہ اُنکی سلطنت کا زوال ہوچکا تہا ایک خدا کی رحمت ہے انگلش گورنمنٹ میں ملک میں امن و امان ہر ایک کے لیئے بخوبی حاصل ہے کہ ایسا امن و امان کچھ شبہ نہیں ہے کہ مسلمانی سلطنتوں میں بہی نہیں تہا۔ مذہبی آزادی مسلمانونکو

بخوبی حاصل ہے یہانتک کہ انگریزی عدالتوں میں جو مقدمات مذہبی مسلمانوں کے رجوع ہوتے ہیں وہ بھی موافق شرع اسلام کے فیصل ہوتے ہیں۔ پس مسلمانوں کا بڑا فرض یہ ہے کہ ہمیشہ انگلش گورنمنٹ کے وفادار دوست رہیں اور اپنی آسودگی اور سلامتی اور ملک کی بہتری اسی میں سمجھیں کہ انگلش گورنمنٹ ہمیشہ ہندوستان میں مضبوط اور قائم رہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ مسلمانوں کو کوئی ایسے امور نہیں جنکی درخواست گورنمنٹ کے سامنے پیش کرنے کی انکو حاجت نہو اور نہ میرا یہ مطلب ہی کہ مسلمان اپنی کوئی درخواست اور کوئی حاجت گورنمنٹ کے سامنے پیش نکریں۔ بلکہ جہانتک کہ میں صلاح دیتا ہوں وہ یہ مقصد ہے کہ عام ایجی ٹیشن کرنا اور قوم کو اُس ایجی ٹیشن میں شریک کرنا اُن کے لیئے میری رائے میں مفید نہیں ہے۔ عام لوگ نہ اُصول گورنمنٹ سے واقف ہوتے ہیں نہ اُس پالیسی سے واقف ہوتے ہیں جو گورنمنٹ کو ایسے ملک میں جہاں کہ مختلف قومیں بستی ہیں اختیار کرنی چاہئیں اور نہ عام لوگوں کو اس بات کی تمیز ہوتی ہے کہ کونسی درخواستیں گورنمنٹ میں پیش کرنی مناسب ہیں اور کونسی نہیں۔ پس وہ ایک ناسمجھی سے غوغا مچاتے ہیں جو ملک کے لئے کچھ فائدہ نہیں دیتا۔

مسلمانوں کو مناسب ہے کہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لیئے اپنی قوم میں سے ایک عظیم الشان کمیٹی بنائیں۔ اور بعوض اس کے کہ عام طور سے ایجی ٹیشن پھیلائیں چند لوگوں کو جنکو کہ قابل اور معتمد علیہ سمجھتے ہوں منتخب کر کے ایک کونسل بنادیں اور گورنمنٹ سے خط و کتابت کا اور جو اغراض کہ مسلمانوں کو ہوں اُنکو گورنمنٹ میں پیش کرنیکا اُس کونسل کو اختیار دیں۔ اس صورت میں جو کام کہ کونسل کرے گی وہ تمام قوم کی طرف سے یا ممبروں کی طرف سے جو اس کمیٹی میں شریک ہیں سمجھا جاوے۔ میری سمجھ میں یہ طریقہ

اختیار کرنا۔ بعوض عام ایجی ٹیشن پھیلانے کے زیادہ تر مفید ہوگا اور گورنمنٹ کو بھی اسبات پر غور کرنے کا زیادہ موقع ملیگا اور خود گورنمنٹ سمجھے گی کہ وہ درخواست سمجھدار آدمیوں نے اور گورنمنٹ کے خیرخواہوں نے اچھی طرح سمجھکر پیش کی ہے۔ اور بہ نسبت عام ایجی ٹیشن کے زیادہ تر وقعت کے لائق ہے"

خیرالدین پاشا

پچھلی صدی کی اسلامی تاریخ میں خیرالدین پاشا نہایت قابل وقعت جگہ رکھتا ہو اور بلحاظ علمی و دماغی۔ ملکی و فوجی اعلیٰ کی لیاقت کے اس زمانہ کے اسلامی ہیرو میں شمار کیئے جانے کے قابل ہے۔ جو نمایاں کام ٹیونس میں اس کی ذات سے ظاہر ہوے جو اصلاح سلطنت ٹیونس کے ہر امور جزئی و کلی میں اس کے ہاتوں سے ہوئے۔ جس خوبی اور لیاقت اور روشنضمیری سے عہدہ وزارت ٹیونس کا کام اسنے انجام دیا اور جس حسن انتظام و لیاقت کی وجہ سے سلطان المعظم عبدالعزیز نے اسکو سلطنت ٹرکی کا وزیر اعظم بنایا۔ یہ سب فخر کے ساتھ بیان کئے جا سکتے ہیں۔ اور جو مقصد کہ ایک سوانح عمری سے ہوتا ہے یعنی آیندہ نسلوں کو اہم اور اعلیٰ امور پر تحریص اور تنبیہ وہ ان واقعات سے پوری طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ چند سال گذرے کہ ایک نہایت مفید کتاب "اقوم المسالک" جو اسی لائق مصنف کے قلم سے نکلی ہے۔ عربی سے اردو میں ترجمہ کرکے "نظم الممالک" کے نام سے علی گڈہ سائنٹیفک سوسائٹی نے شائع کی ہے۔ اس نامور شخص کا مختصر حال اور چند مختصر اصلاحوں کا جو اُس کے ہاتھ سے ظہور میں آئیں مختصر ذکر ہدیۂ ناظرین ہے۔

وزیر خیرالدین کا اصلی وطن جبال قوقاز میں تھا۔ قسطنطنیہ میں پیدا ہوا۔ اور ٹیونس میں

احمد پاشا کے سایہ عطوفت میں پرورش پائی۔ شروع زمانہ طالب علمی میں ہی اُس کی
ذہانت اور اولوالعزمی کے آثار ظاہر تھے۔ چنانچہ تحصیل قرارت اور کتابت کے ساتھ ہی فوجی
تعلیم۔ پالٹیکس۔ تاریخ۔ فقہ۔ کو نہایت توجہ سے پڑھا۔ اور زبان فرنچ میں ملکہ پیدا کیا۔ وہ
اگرچہ یورپین علوم۔ اور یورپین زبانوں سے بخوبی ماہر تھا۔ یا اینہمہ شریعت اور علمار شریعت
کی نہایت وقعت کرتا تھا۔ مذہبی رسوم کا محافظ تھا۔ بلند ہمت تھا۔ اس کے مزاج میں اسقدر
وقار تھا کہ جو شخص اُس سے واقف نہ تھے اُسکو متکبر سمجھتے تھے۔ مگر ملاقات ہو جانے پر
اُنکو معلوم ہوتا تھا کہ وہ خوش خلق۔ تکبر سے پاک۔ راسخ الطبع۔ ثابت قدم۔ اولوالعزم تھا۔

زمانہ احمد پاشا میں فوجی صیغہ میں ایک اعلیٰ عہدہ تک پہنچا اور وزیر مصطفےٰ افسر خزانہ
کی بیٹی سے شادی کی۔ اس کے بعد ۱۲۶۴ھ میں احمد پاشا نے اسکو امیر الامرا مقرر کیا۔
کریمیا کی لڑائی میں بھی اسنے بڑا حصہ لیا یعنی ٹرکی سلطنت کی مدد کے لیئے فوجی اور مالی
قوت فراہم کرنے میں مشغول رہا۔

محمد پاشا نے ۱۲۷۳ھ میں اسکو عہدۂ وزارت بحریہ پر مامور کیا۔ وہ اس عہدہ کا
کام انجام دیتا رہا۔ اور چونکہ والی ملک کو اسپر پورا اعتماد تھا۔ ایسلئے انتظامات ملکی میں بھی ہمیشہ
اس سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ اسوقت حلق الوادی کی جو ٹیونس کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے
حتے الامکان حالت درست کی۔ اسوقت تک محکمہ وزارت کا کام کسی قواعد کی پابندی سے نہیں
ہوتا تھا مگر وزیر موصوف نے ہی اول اول تمام کارروائی روزانہ کے لئے ضوابط مقرر کیئے۔ ٹیونس
کی اکثر آراضی پر غیر ملک والوں نے بلاوجہ قبضہ کر رکھا تھا اُسنے اس قبضہ کی بابت مختلف
معاہدہ تحریر کرائے۔ ان معاہدات سے دول خارجیہ کے سفیروں نے اتفاق کیا اور اس
تجویز سے بڑا نفع پہنچا۔ اور جو کرایہ آراضی کا اُن معاہدات کی رو سے مقرر ہوا وہ جامع مسجد

حلق الوادی پر وقف کیا اور اس ذریعہ سے جامع مسجد مذکور کو بہت رونق حاصل ہوئی۔ حسن نامی پل کا از سر نو بنوانا اور سڑکوں کو وسعت دینا اور پوری طرح انکا انتظام کرنا۔ محکمہ وزارت کے لیئے ایک عالیشان عمارت بنوانا وغیرہ وغیرہ یہ سب ترقیاں وزیر موصوف کے زمانہ وزارت بحریہ میں اور خاص اسی کی کوشش سے ہوئیں۔

چونکہ وزیر خیرالدین کا میلان آزادی اور عدالت کی طرف تھا اور نہایت خوش تدبیر اور فصیح تھا۔ اسیلئے قوانین کے وضع کرنے میں اسکو بہت کامیابی ہوئی اور مجلس واضع قانون کا عرصہ تک صدر رہا۔

جس زمانہ میں کہ وزیر موصوف مجلس الخاص کا ایک ممبر تھا اسوقت ایک مسئلہ پیش ہوا کہ اوقاف سے جو بعد اخراجات کے رقوم فاضل ہوتی ہیں انکو اخراجات فوج میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں۔ ایک عالم مالکی نے جو اُسوقت مفتی تھے اس بنا پر جواز کا فتوی دیا کہ اوقاف کی بچی ہوئی رقم کا نیک کاموں میں صرف کیا جانا امام مالک بن انس سے مروی ہے اور چونکہ فوج کا قیام نیک کاموں میں ہے اسوجہ سے اس آمدنی کا فوج میں صرف کرنا جائز ہے۔ وزیر خیرالدین نے اسکی مخالفت کی اور یہ دلیل بیان کی کہ فوج کے مصارف کے لیئے بیت المال سے ایک حصہ شرعاً مقرر ہے۔ پس جب حصہ مقررہ اخراجات فوج میں تمام وکمال صرف ہو چکے اور بھی ضرورت باقی رہجاوے اُسوقت یہ فتویٰ جائز ہے مگر جب بیت المال کی آمدنی مصارف بیجا اور غیر مشروع میں صرف کردیجاوے جیساکہ سب کو معلوم ہے کہ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اوقاف کی رقم کو قیام فوج میں صرف کرنا بالکل ناجائز ہے۔ حقیقت میں امر حق یہی ہے

نہایت قابل قدر صفت جو وزیر خیرالدین میں تھی اور جو اُمراء اسلام میں فی زمانا

بہت کم ہوگئی ہے۔ یہ تہی کہ جب امور ملکی میں سرگرمی کم ہوجاتی تہی اور مشاغل علمی کے لیئے فرصت ملتی تہی اُسوقت مطالعہ کتب اور تصنیف و تالیف میں سرگرمی سے مصروف ہوجاتا تہا۔ چنانچہ کتاب اقوم المسالک ایسے ہی فرصت کے زمانہ کی تصنیف ہے۔

جب کبہی معاملات ملکی میں پیچیدگی ہوجاتی تہی تو وزیر خیرالدین پر ہی سب ملک والی ملک۔ اور غیر قوموں کی نظر پڑتی تہی۔ ایسے موقع پر جو تقریر وزیر موصوف کی ہوتی تہی وہ ہمدردی اور حب الوطنی اور وفاداری سے بہری ہوئی ہوتی تہی۔ چنانچہ جب دول ثلاثہ۔ فرانس اٹلی۔ و انگلینڈ نے ۱۲۸۶ھ میں بنسبت شکایت ممبران کمیشن مالی زور دیا اور والی ٹیونس نے مجلس شوریٰ میں اسپر رائے چاہی اور سب نے باتفاق رائے وزیر خیرالدین کا اسکی تحقیقات و عملدرآمد کے لئے مقرر کیا جانا تجویز کیا۔ اُسوقت وزیر موصوف بہی موجود تہا اور ان عجیب الفاظ میں گفتگو کی۔ "آپ صاحبوں نے جو یہ خدمت میرے سپرد کی ہے۔ مجہے کچھ عذر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہمارے آقا والی ملک اور ہمارے ملک کی خدمت ہر حالت میں مجہپر فرض ہے۔ البتہ اس امر اہم میں آپ سب صاحبوں کی مدد کی ضرورت ہے اگر آپ صاحب مدد کریں گے تو آپ کی مہربانی ہے اور اگر صرف مجہپر ہی بار رہیگا تب بہی کسی طرح مجہسے پہلوتہی نہ ہوگی۔ میرے کہنے کی یہ غرض ہے کہ میں کچھ عرصہ تک خدمت کروں اُس کے بعد کوئی دوسرے صاحب اس خدمت کو انجام دیں۔"

اُس موقعہ پر وزیر موصوف نے نہایت قابلیت کیساتھ حقوق حکومت کا پورا خیال رکہکر کمیشن کے حقوق کا خاطر خواہ تصفیہ کیا۔ یہ ایسی نازک حالت تہی کہ اگر دوراندیشی سے کام نہ لیا جاتا تو ممبران کمیشن کو اندرونی انتظام ملکی میں دخل ہوجاتا۔ مگر اسنے والی ٹیونس کو یہ رائے دی کہ کمیشن کے پریسیڈنٹ کو اپنا ایک وزیر بنائے اور وزیرالاکبر کا خطاب دے یہ

تاکہ وُہ نگرانی حکومت اپنی خدمت انجام دے۔

اب ہم چند خاص خاص اصلاحوں کا ذکر کرتے ہیں جو وزیر خیرالدین کے ہاتھ سے ظہور میں آئیں۔

(۱) سابق میں زیتوں پر اسقدر سختی سے خراج مقرر کیا گیا تہا اور ایسی سختی سے وصول کیا جاتا تہا کہ جو لوگ زیتون کی زراعت کرتے تہے اُنہوں نے اس خیال سے کہ بیجا مطالبات حکومت سے محفوظ رہیں زراعت چہوڑ دی تہی۔ اور اُن جنگلوں کو جسمین زیتون کے درخت تہے جلا کر صاف کر دیا تہا۔ وزیر موصوف نے اس خراج میں تخفیف کی اور بجائے ڈیڑہ ریالؔ[له] فی درخت کے ایک ریال سے نصف ریال تک فی درخت مقرر کیا۔ اور اکتیس ہزار (۳۱۰۰۰) درخت زیتون کا خراج جو جلا دیئے گئے تہے معاف کر دیا۔ اس کے بعد خراج شرعی یعنی جسقدر زیتون پیدا ہوا اُسکا عشر مقرر ہو گیا اس سے زمینداروں اور عام رعایا کو بیحد نفع پہنچا۔

[له] ریال تقریباً دو روپیہ کے برابر ہوتا ہے۔

(۲) زیتون اور خرما کی زراعت بڑہانے کے لئے یہ ترغیب دلائی کہ جو شخص نئی زراعت زیتون اور خرما کی کرے اُس سے پندرہ سال تک محصول نہ لیا جاوے۔

(۳) اہل ساحل کو قرضخواہوں کے پنجوں سے رہائی دلائی۔ یہ قرضخواہ اسقدر ظلم کرتے تہے کہ جائداد پر قابض ہو کر قرضداروں کو قید کر دیتے تہے اور جو جائداد منقولہ اور غیر منقولہ قرضداروں کی غیر اشخاص کی شرکت میں ہوتی تہی اُسے بہی بیچ دیتے تہے۔ اور سب پر قبضہ کر لیتے تہے اور مدیون کو دیوالیہ ثابت کرانیسے پہلے ضامن طلب کرتے تہے اور جو قرضدار مر جاتا تہا اُسکی جائداد متروکہ پر قبضہ کر کر بغیر اجازت عدالت کے بیچ ڈالتے تہے۔ اور اگر ایک قرضدار دیوالیہ ثابت ہو جاتا تہا تو اُس کے بدن پر کپڑا اور گھر میں کہانے

کے لیے اناج تک نہ چھوڑتے تھے قرضدار کو بلا قید مدت قید خانہ میں رکھتے تھے۔ وزیر خیرالدین نے ان تمام تعدیوں کو یک قلم موقوف کرا دیا۔ اور بجائے ان کے احکام شرعی قائم کیے۔

(۴) جو لوگ کہ ٹکسوں کی سختی۔ یا ارتکاب جرائم کی وجہ سے ملک سے نکل گئے تھے انکے لیے امن اور عفو منظور کرا کر اور اُن کو مطالبات حکومت سے بری کرا کر بلوا لیا اور اسی طرح سے فوج کے جو لوگ بھاگ گئے تھے اُنکو بھی دوبارہ ملک میں آنے کی اجازت دی۔

(۵) جو ذیتیے کہ ٹونس والوں پر غیر ملک والوں کے تھے اُنکو محدود کیا اور ایسی تجویز اس کے متعلق کی کہ جانبین کے لیے مناسب تھی یعنی سود کا غیر معمولی حد تک بڑھنا موقوف کر دیا گیا اور قرضہ کے ادا ہونے کے لیے چند طریقے مقرر کیے گئے مثل تعین اقساط وغیرہ وغیرہ

(۶) سرکاری مطالبات جو لوگوں پر مدت سے چلے آتے تھے اُن سب کو چھوڑ دیا اور اسکی وجہ سے جو زمینیں غیر آباد پڑی ہوئی تھیں کیونکہ مالکان اراضی کو یہ خیال ہوتا تھا کہ اُن کی ساری محنتوں کا پھل ان بقایا سابقہ کے ادا کرنے میں چلا جاتا ہے وہ سب آباد ہو گئیں

(۷) بعد معزولی وزیر مصطفےٰ کے وزیر خیرالدین کو وزیر اکبر کا خطاب ملا۔ اور شہر رمضان المبارک سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں باشندگان شہر اعیان مملکت نے اس موقعہ کی خوشی میں تمام شہر میں روشنی کرائی اور اور شہروں میں بھی ایسی ہی خوشی منائی گئی۔ کیونکہ وزیر خیرالدین بسبب اپنی نیک نیتی۔ حب الوطنی۔ اور فیض رسانی محنت اور جانفشانی کے ہر دل عزیز تھا۔ اسی سنہ میں اسنے اوقاف کے انتظام کے لیے ایک کمیٹی قائم کی اور تمام علاقہ میں نگرانی اوقاف کے لیے مختلف جماعتیں (کمیٹیاں) سربرآوردہ لوگوں کی مقرر کیں۔ ہر کمیٹی میں ایک ایک رئیس (پریسیڈنٹ) ایک نائب (وائس پریسیڈنٹ) اور دو عضو (ممبر) مقرر کیے۔ اس زمانہ میں

اوقاف کی حالت بہت اچھی ہوگئی اور ہر جگہ جامع مسجد و دیگر مساجد اور مدارس قائم ہوئے اور قرآن مجید کی تعلیم اور دیگر مختلف مدات خیرات کے لیئے اوقاف مقرر ہوئے۔

(۸) جامع زیتونہ جو تمام ملک مغرب کی یونیورسٹی ہے اس کے مدرسین کی تنخواہیں بڑہائیں اور تمام اضلاع میں قاضی و مفتی مقرر کیئے اور ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔

(۹) جو لوگ مفلسی کی وجہ سے عدالت میں مقدمات رجوع نہیں کرسکتے تہے انکے لیئے وکلا مقرر کیئے اور ان کی تنخواہیں سرکاری خزانہ سے مقرر کیں۔

(باقی آیندہ) بہادر علی ایم اے)

جاپان

ہمارے اخوان الصفا کے سکرٹری مسٹر آرنلڈ کی بیوی صاحبہ مسیز آرنلڈ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس انجمن میں ویسا ہی انٹرسٹ لیتے ہیں جیسا کہ مسٹر آرنلڈ مسیز آرنلڈ کے لیاقت میں بہی ہم پلہ ہیں اور وہ جاپان کی خوب سیر کرچکے ہیں اور اُس کے حالات سے خوب واقف ہیں۔ اور اس ملک کے حالات دریافت کرنے سے بہت رغبت رکہتی ہیں۔ اسی سے اُنہوں نے مہربانی فرماکر مورخہ ۸۔ دسمبر کو اخوان الصفا کے ایک جلسہ میں جاپان کے حالات پر ایک مضمون پڑہا۔ جسکو ہم بجنسہ نقل کرتے ہیں اُمید ہے کہ ناظرین اسکو پسند فرمائیں گے۔ وَهُوَ هٰذَا

جاپان

گذشتہ تعطیلات میں میں نے کچھ کتابیں جاپان کے حالات کے متعلق پڑہی ہیں۔ مدعا غرض کہ میں آپ صاحبوں کو کچھ حالات اُس عجیب و غریب ملک کے بتاؤں جسکی طرف پچہلی

چند سالوں سے تمام دنیا کی توجہ مبذول ہے۔ وہ کتابیں مسٹر گرفس کی دی مکاڈوز امپائر (Mekado's Empire)۔ اور جاپانی اشیاء مصنفہ مسٹر چیمبرلین ہے جو ٹوکیو یونیورسٹی میں بہت سالوں تک پروفیسر رہے ہیں اور جن کے معلومات جاپانی معاملات میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور تیسرا ذریعہ جس سے کہ میں نے یہ چند اوراق جمع کئے ہیں کونسل ڈیگورو گوب (Consul Dargoro Gob) کا ایک مضمون ہے جو انہوں نے جاپان کی خانگی حالت پر لکھا تھا۔

ایک ایسی مجلس کو جیسی یہ اخوان الصفا ہے کسی کتاب یا کتابوں کا بیان بتانے میں انکا انتخاب خاص اہتمام سے کرنا چاہیئے۔ اول تو صاحب مضمون کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ کونسے مضامین اُس کے سامعین کو خصوصاً پسند ہوں گے۔ دوسرے اُسکو چاہیئے کہ اُن مضامین کو جو اُسکو خصوصیت کے ساتھ مرغوب ہوں منتخب کرے اور اُنکو سامعین کے سامنے بہت ہی دلفریب طریقہ پر ظاہر کرے۔ یہ دونوں باتیں پوری کرنے کی میں نے کوشش کی ہے۔

اب میں اول آپ لوگوں کے سامنے جاپان کی ابتدائی اور حال کی تاریخ کا کچھ تھوڑا سا بیان پیش کروں گی اور اس میں کچھ مذہب کا بیان بھی کروں گی۔ کیونکہ مذہبی خیالات تمام قوموں کی ابتدائی تاریخ کے ساتھ اس طرح پر ملے جلے ہیں کہ اُنکو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس کے بعد میں اُس ملک کے فنون کا کچھ حال بیان کروں گی کیونکہ مجکو اُسنے ایک خاص رغبت ہے۔ اور ان سب کے بعد میں کچھ تھوڑا سا بیان جاپانیوں کے خانگی تعلقات کا کروں گی اور یہ بھی بتاؤں گی کہ عورتوں کا وہاں پر کیا درجہ ہے۔

سلطنت جاپان ایک بے تعداد جزیروں کا مجموعہ ہے۔ جو بحر الکاہل میں ایشیا کے

مشرق کی جانب واقع ہیں۔ یہ جزائر خط استوا سے شمال کی جانب ۳۰ - اور ۴۶ درجہ عرض بلد کے درمیان واقع ہیں۔

گریفس صاحب (Griffiee) فرماتے ہیں کہ یہ ملک مجمع الجزائر ایشیا کے ساحل سے پرے ہلال کی صورت میں واقع ہے۔ اسمیں چار بڑے جزیرے ہیں اول ہونڈو (Hondo) دوم کینشن (Konshin) سوم شکوکو (ShiKoKu) چوتھا ایک جزیرہ سب کے شمال میں ہے اسکا نام جیو (Jeyu) ہے اسمیں اور جزیروں سے ایک نرالی قوم بستی ہے جسکو اینوس (Ainos) کہتے ہیں۔

وجہ تسمیہ) ان جزائر کو اول ہی اول یہ نام یعنی جاپان چینیوں نے دیا تھا۔ سنہ عیسوی کے ابتدا میں جب کہ وہ اپنی جونکس (کشتیوں) میں بیٹھا کیجانب چل رہے تھے تو انہوں نے صبح کی شفق میں ایک خشکی دیکھی اور اسکا نام Nihpan (جیپون) یا مطلع آفتاب رکھا۔ یعنی وہ زمین جہاں سے آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ سب سے ابتدائی حالات اس ملک کے جو ہمکو معلوم ہوسکتے ہیں وہ صرف دو کتابوں سے دستیاب ہوتے ہیں۔ اول کتاب مسمی کوجیکی (KojiKi) یعنی پرانی روایات کی کتاب جو آٹھویں صدی مسیحی میں لکھی گئی ہے۔ دوسری کتاب نیہونجی (NiHongi) جو اسی مضمون پر ہے اور اس سے کچھ سال پیچھے لکھی گئی ہے۔ ان کتابوں میں متھہ (یا جھوٹی روایات) اور تاریخ کو اس طرح پر خلط ملط کیا ہوا ہے کہ جھوٹ سے سچ کو تمیز کرنا نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے۔ ان کتابوں میں دنیا یعنی جاپان کی پیدایش کی ابتدا بیان کی گئی ہے اور لاتعداد دیویوں اور دیوتاؤں کے حالات اور اقوال درج ہیں۔ مگر یہ تمام دیویاں اور دیوتا شنٹو پینتھیون (Shinto Pantheon) خاندان سے بتائے گئے ہیں۔ آخر کار دیوتاؤں کی بہت سی نسلوں سے آدمی پیدا ہوتا ہے

اور شمسی دیوی اماتراسو (Amaterasu) اپنی نسل کی قریبی اولاد کو جاپان کی سلطنت عطا کرتی ہے۔ اس نیم دیوتا اور نیم انسان میکاڈو کی پیدایش کی تاریخ ۶۶۰ سنہ قبل مسیح ہے اور اس کی تاریخ بھی جھوٹی روایات اور سچی تاریخ کے بین بین ہے۔ اسکا نام جموٹیمیوں (Jimmu Temo) ہے۔ جس کے معنی ہیں آسمانی شہنشاہ۔ لفظ مکاڈو یعنی شہنشاہ جس سے کہ آپ لوگ خوب واقف ہوں گے کیونکہ ابھی اُسکے متعلق اخباروں میں بے تعداد خبریں آپ صاحبوں نے پڑھی ہوں گی۔ یہ لفظ اغلباً دو چینی لفظوں سے نکلا ہے جنکے معنے شاندار دروازہ ہے۔ اور یہ خیال روم کی سلطنت سبلائم پورٹ سے ملتا جلتا ہے (متسوہیٹو) (Mutsuheto) متسوہیٹو حال کا بادشاہ جاپان اپنے آپ کو اسی جموٹیمیوں کی اصل نسل سے بتاتا ہے اور تمام جاپانی اگرچہ انہوں نے حال کی مغربی تعلیم پائی ہے اور اگرچہ وہ مذہبی اور علمی نکتہ چینیوں میں خوب ماہر و مشاق ہیں تاہم اپنے مکاڈو کے آسمانی الاصل ہونے کے یقین میں ویسا ہی وثوق رکھتے ہیں جیساکہ پہلے زمانہ جاہلیت میں رکھتے تھے جیمو کے بعد جو ۱۲۷ سال تک زندہ رہا بہت سے بادشاہوں اور شہزادیوں کا ذکر ہے جنہوں نے بڑی بڑی عمریں پائیں یعنے اکثر انمیں سے ۱۳۷ - ۱۲۸ - ۱۴۳ سال تک زندہ رہے۔

دوسرا بڑا ضروری سنہ ۲۰۰ قبل مسیح معلوم ہوتا ہے۔ اس سنہ میں لکھا ہے کہ ملکہ جنگو (Jingo) نے کوریا کو فتح کیا۔ اول دیوتاؤں کے ذریعہ سے یہ ظاہر ہوا کہ کوئی ملک کوریا بھی ہے۔ اس الہام کو موجودہ مکاڈو نے یقین نہیں کیا۔ اس لیے اسکو موت کی سزا ملی اور وہ مرگیا۔ اس فتح کی نام آوری ملکہ جنگو کو نصیب ہوئی۔ جو اپنا بیڑا لیکر چلی اور تمام سمندر کی مچھلیوں نے اور ایک معجزنما بہت بڑی سمندر کی لہر نے اس کی

امداد کی۔

پانچویں صدی مسیحی تک یہی عجیب و غریب روایتیں چلی جاتی ہیں مگر اسوقت آکر یہ بند ہوتی ہیں اور اسوقت نیہونجی (Nihonji) کی پرانی تاریخ میں لکھا ہے کہ "اول ہی مرتبہ مورخ ہر ایک صوبہ میں مقرر کیئے گئے تھے تاکہ وہ ہر ایک بات کو اور ہر ایک واقعہ کو قلمبند کریں اور ہر طرف سے پوری حالت لکھکر بھیجتے ہیں"

چھٹی صدی مسیحی میں ایک بہت بڑا واقعہ ہوا۔ جوکہ ابتدائی تاریخ کے سب واقعات سے بڑھ کر ہے یعنی اس صدی کے درمیان چین سے آکر بدھ مذہب نے اس ملک میں بھی اپنا قدم جمایا۔ اور چینی علوم اور چینی رسوم کے ساتھ یہ بھی بڑے زور شور کے ساتھ اس ملک میں پھیل گیا۔ اس ملک کے اصلی مذہب شنٹو (یعنی دیوتاؤں کے طریقہ) میں تو اسقدر جان کہاں تھی کہ اس کے حملہ کو روک سکتا۔ کیونکہ اس نئے مذہب کی بنیاد فلسفہ کے مضبوط اصولوں پر تھی اور اسکی عملی طاقت اخلاقی قواعد سے مضبوط۔ برخلاف اس کے مذہب شنٹو تو اس قابل ہی نہ تھا کہ اُسکو مذہب کہا جائے۔ نہ اسمیں کوئی اخلاقی اصول تھے اور نہ کوئی مذہبی قانون۔ ایک مصنف کہتا ہے کہ اسکے اُصول صرف یہ ہیں کہ اپنے فطرتی جذبات کی پیروی کریں۔ مکاڈو کی اطاعت کریں۔ اور اپنے اباو اجداد کی پرستش کریں۔

اس اخلاقی اُصولوں کے نہ ہونے کی وجہ جاپانی یہ بتاتے ہیں کہ ہماری قوم کامل ہے اور اُسکو ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ یہ صرف چینی اور مغربی مردود قومیں ہیں جن میں کبھی کبھی اُنکی فطرتی خباثت کی وجہ سے دانا اور مصلح آدمی پیدا ہونے کی ضرورت پڑتی ہے۔ بدھ مذہب اور چینی تصانیف اور چینی فلسفہ نے جاپان کے اوپر ۱۸۶۸ء تک تعلیمی اور مذہبی دونوں اثر کیئے۔ مگر اس زمانہ کے بعد یورپ کے علوم نے اپنا رنگ

جمانا شروع کر دیا۔

اس زمانہ یعنی ۱۱۸۶ء تک مکاڈو اپنی مغربی دار الخلافہ کیوٹو میں ہی بڑی شان و شوکت کے ساتھ پڑا رہتا تھا۔ اور بودھ مذہب نے جب اپنے اُصول یعنے تمام دنیاوی خواہشوں کو پامال کرنا اور امن و امان کی زندگی بسر کرنا جاپانیوں میں رائج کر دیئے تو انکا اثر یہ ہوا کہ ابتدائے زندگی میں ہی دنیا کو ترک کر دینے کی رسم پڑ گئی اور مکاڈو اپنے تخت کو بالکل جوانی میں ترک کرنے لگے۔ چنانچہ بعض اُنمیں سے ۱۷ سال اور بعض ۲۰ سال کی عمر میں تخت کو ترک کر بیٹھتے تھے۔ اسطرح پر وہ بالکل کم عمر تیلیاں ہوتے تھے جنکو اُمرا جس طرح چاہتے نچاتے تھے اور برائے نام بادشاہ بنائے رکھتے تھے۔ حقیقت میں حکومت مختلف جماعتوں اور خاندانوں کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ ان فرقوں میں سے چونکہ ہر ایک اپنی برتری کا خواہاں ہوتا تھا۔ اس لیئے اُنمیں ہمیشہ لڑائیاں رہتی تھیں اور اسی وجہ سے تمام جاپان ایک میدان جنگ بنا ہوا تھا۔ اور ۱۱۸۵ء تک اسی طرح پر رہا۔ اس زمانہ میں اگر میناموٹو (Minamoto) خاندان کا ایک سردار مسمی یوریٹومو (yoritom بہت بڑھا اور عنان حکومت اُسی کے ہاتھ میں آگئی۔ اُسکو کیوٹو (Kiyoto) کے دربار شاہی سے شوگن (Shogun) کا خطاب ملا جس کے لغوی معنے سب سے بڑا جنرل ہیں

اس زمانہ سے شوگنوں کی حکومت شروع ہوئی۔ اور سات صدیوں تک قائم رہی۔ مکاڈو جو بالکل بچہ ہوتا تھا عموماً اپنے محلوں میں بند رہتا تھا جہاں سے اُسکو صرف اُسکی عورتیں ہی دیکھ سکتی تھیں۔ اسکو صرف برائے نام سلطنت کا حاکم بنا رکھا تھا۔ حقیقت میں تمام طاقت شوگنوں کے ہاتھ میں تھی یہ شوگن مشرقی دار الخلافہ ٹوکیو میں رہتے تھے (جسکا پرانا نام یدو بھی تھا) اور اُس کے گرد و نواح میں حکومت کرتے تھے۔ یہ علوم و فنون

کو ہر قسم کی امداد دیتے تھے اور تمام جنگ وجدل بھی یہی کرتے تھے۔ شوگنوں کے بہت سے خاندان جدّو میں سترہویں صدی تک حکمراں رہے اس صدی کے شروع میں انکا آخری اور سب سے بڑا مشہور خاندان ٹوکوگاوا (Tokogawa) جانشین ہوا۔

جس زمانہ میں جاپان کے حالات اچھی طرح پر معلوم نہیں تھے۔ یہ خیال کیا جاتا تھا۔ اور مجھے یاد ہے کہ میں نے بھی اپنے سکول کے جغرافیہ میں پڑھا تھا کہ جاپان کے دو بادشاہ ہوتے ہیں ایک دینی دوسرا دنیوی۔ مگر یہ بالکل خلاف قیاس ہے کیونکہ شوگنوں نے اپنے آپ کو کبھی بادشاہ نہیں کہلایا۔ ہر ایک شوگن کو یہ خطاب دربار شاہی سے عطا ہوتا تھا۔ اور مکاڈو ہمیشہ سلطنت کا سردار خیال کیا جاتا تھا۔ مختلف جرگوں کے سرکش سرداروں کی بغاوتوں سے بہت مشکلات واقع ہوتی تھیں۔ یہ سردار انگلستان کے برنس (Barons) سے بہت مشابہ ہوتے تھے۔ اور یہ ہمیشہ اجتماعی گورنمنٹ سے آزاد رہنے کی خواہش کرتے رہتے تھے۔ ٹوکوگاوا خاندان کے پہلے شوگن ٹیاسو (Ieyasu) نے ان جھگڑالو سرداروں کی سرکشی کو مٹایا۔ اور اُنکو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ آدھے سال تک تو اُس کے دارالخلافہ جدّو میں رہیں اور باقی چھ مہینے وہ اپنے اہل وعیال کو وہیں چھوڑکر باہر جایا کریں تاکہ وہ بطور یرغمال کے رہیں اُسکی اور اسکی جانشین کی حکومت کا زمانہ بہت امن وامان کا وقت تھا انہوں نے باہر کے آدمیوں یعنی پرتگال والوں اور ہسپانیہ والوں کی آمدورفت اپنے ملک میں بالکل بند کردی۔ کیونکہ انہیں لوگوں نے اُسوقت ملک میں عیسائی مذہب کی بنیاد ڈالی تھی۔ مسٹر چیمبر لین (Mr. Chamberlain) کہتے ہیں کہ "اُسوقت کے بعد پُرانا جاپان دوسو پچاس سال تک بالکل ایک ہی حالت میں رہا۔ ولندیزوں کے بیانات اور اُنکی تصاویر اور ڈراما سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ

سڑا ا ملک کہ ملکوں سے پیوند جسکا جدا تہا۔ اُسوقت بڑی خوشنما جاگیروں سے مرکب تہا۔ ایسی قوم سے آباد تہا جو مختلف جرگوں میں منقسم تہی۔ اور ہر ایک جرگہ کے اوپر جاسوس گویا حکومت کرتے تہے۔ اس پُرانے جاپان کی مہارت برتنوں کے بنانے اور روغن کرنے میں ہمیشہ بڑہتی جاتی تہی۔ اور برتن جو وہ بناتے تہے بڑے امیرانہ تکلف کے اور نہایت ہی نفیس سلیقہ سے بنے ہوئے معلوم ہوتے تہے۔"

مگر یہ توسب جانتے ہیں کہ مغربی دنیا والے ہر ایک جگہ اپنا قدم جا لیتے ہیں خواہ کوئی اپنے ملک میں اُنکو آنے دے یا نہ آنے دے یہ ضرور موجود ہو جاتے ہیں اس سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ جاپان بہت عرصہ تک بند ملک نہیں رہا۔

سنہ ۱۸۵۳ عیسوی میں کموڈور پیری امریکہ کا باشندہ بڑی بڑی توپیں لیکر وہاں آ موجود ہوا۔ اور اسوقت میں جو شوگن تیاسو (Tayasu) خاندان کا تہا وہ مجبور ہوا کہ چند بندرگاہوں کو تجارت کے لئے کہولدے۔ اس سے اُن فرقوں کو جو مدت سے یہ چاہتے تہے کہ شوگنوں کی حکومت جاتی رہے اور میکاڈو کی طاقت قائم ہو جاوے۔ ایسا غصہ آیا کہ اُنہوں نے ان وحشیوں کے (یعنی امریکہ والوں کے) جہازوں پر گولہ باری شروع کردی اور اس طرح پر جب شوگنوں کی حکومت بیرونی حملہ اور اندرونی بغاوت کے درمیان میں آگئی تو اسکا قیام ناممکن ہوگیا۔ اور سنہ ۱۸۶۸ء میں شوگنوں کی حکومت بالکل جاتی رہی۔ اور اب کے بعد ہمیشہ کے لئے مکاڈو کی حکومت قائم ہوگئی۔ اور تجویز ہوئی کہ مکروہ وحشیوں یعنی مغربی حملہ آوروں کو نکالدیا جائے اور جاپان پہر اپنی ابتدائی حالت میں آجائے۔ عوام الناس یہ خیال کرتے تہے کہ جو کچہ سنہ ۱۸۵۳ مسیحی کے بعد کا ہے وہ سب اُڑا دیا جائے۔ اور یہ خیالات اُن کے سنہ ۱۸۶۸ عیسوی میں تہے۔ چیمبرلین صاحب مانتے ہیں مگر۔

اُن کو اس خواب سے بہت جلدی جھنجوڑ کر جگا دیا گیا۔"

جو اشخاص زیادہ سمجھدار تھے اُنہوں نے فوراً یہ سمجھ لیا کہ ہماری یہ امید بالکل بیکار ہے۔ اور جن اشخاص نے شوگنوں کی حکومت سے بیزار اور متنفر ہو کر مکاڈو کو مطلق العنان بنوایا تھا وہ بھی اب پچھلی باتوں کے طرفدار ہو گئے اور بڑے زور کیساتھ وہ یہ چاہنے لگے کہ ان کے ملک میں یورپ کے خیالات اور یورپ کی تعلیم پھیلے اور ہر ایک بات میں یورپ کی پیروی کی جائے۔

چنانچہ مکاڈو کے مطلق العنان بنانے کو ایک سال بھی نہیں گذرا تھا کہ یوروپین طریقوں پر اصلاحیں ہونی شروع ہو گئیں۔ اور اگر اس کے بعد کی چند سالوں کو معہ اُن کے واقعات کے کسی کتاب سے دیکھیں تو معلوم ہو جائیگا کہ کسقدر لمبے قدموں کے ساتھ یہ ملک ترقی کی طرف بڑھا۔

سنہ ۱۸۷۱ء میں پرانی جاگیرداری یا فیوڈلزم بالکل موقوف ہو گئی۔ اور اس کے بجائے مجموعی شاہنشاہی مقرر کی گئی۔ اور ڈاکخانجات اور تار کے دفتر مقرر کیئے گئے ۱۸۷۲ء میں اول ہی اول ریلوے کی بنیاد ڈالی گئی۔

سنہ ۱۸۷۳ء میں یورپ کے سنہ و تاریخ استعمال ہونے لگے۔ ٹیکا لگانا۔ عکسی تصویریں کھینچنا۔ گوشت کھانا اور عہدہ داران گورنمنٹ کے لیئے یوروپین لباس کا پہننا جاری ہو گیا۔

سنہ ۱۸۷۷ء میں اول اہل ہنر کی نمائش قائم ہوئی۔

سنہ ۱۸۷۸ء میں تجارت کی کامل ترقی ہوئی۔ اسٹاک یا راس المال جاری ہوا اکسچینج کا طریقہ استعمال میں آیا اور ٹوکیو (Tokyo) کی چیمبر آف کمرس (کمیٹی تجارت)

مقرر ہوئی۔

۱۸۸۰ء میں موجودہ لبرل اور ریڈیکل پارٹی کی ترتیب ہوئی۔ کوریا سے جھگڑا شروع ہوا۔ اور عام مدارس میں انگریزی زبان جاری ہوئی۔

۱۸۸۹ء میں ایک نظام سلطنت قائم ہوا۔ اور جاپان جو پہلے سے (مونارکی) شہنشاہ مطلق کی حکومت میں تھا اب اُسکو (کانسٹی ٹیوشنل مانارکی) شہنشاہ کی آئینی حکومت میں آنا پڑا۔ یہ کانسٹی ٹیوشن یا نظام حکومت زیادہ تر جرمنی کی نقل ہے۔ اس میں ایک ہاؤس آف کامنز اور ایک ہاؤس آف لارڈز ہے اور تمام آدمیوں کو جو ۲۵ برس سے زیادہ عمر کے ہوں اور جو ٹیکس میں پانچ پونڈ سے زیادہ دیتے ہوں ووٹ یا رائے دینے کا اختیار حاصل ہے۔ انگریزی کیبینیٹ (Cabinet) یا مجلس وزرا زیادہ تر پارلیمنٹ پر منحصر ہے۔ مگر جاپان کی مجلس وزرا کا انحصار زیادہ تر بادشاہ کی مرضی پر ہے۔ اور اس بات میں یہ ملک بالکل جرمنی کے قدم بقدم چلتا ہے۔

میں نے آپ صاحبوں کے سامنے اس عجیب ملک کی تاریخ جہاں تک مختصر الفاظ میں بیان ہوسکتی تھی کر دی ہے۔ یہ ملک عجیب ہر اس لحاظ سے کہ اسقدر زمانہ تک اس ملک نے اپنی آزادی قائم رکھی اور کسی دوسرے کا اُسمیں دخل نہ ہونے دیا۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب معلوم ہوتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پچھلے ۲۵ سال کے عرصہ میں یہ اسقدر بڑھا ہے اور اس نے مغربی تہذیب میں وہ درجہ حاصل کر لیا ہے جسکو یہ اب پہنچ چکا ہے اور یہ سب کچھ اس ملک کی عام رعایا کی حکمت عملی اور جانفشانی سے حاصل ہوا ہے۔ میں حکمت عملی کہتی ہوں اور اس میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جبوقت پیری کموڈور (Perry Commodore) اپنی توپیں لیکر حملہ آور ہوا تھا اور اس نے درخوست کی تھی

کہ بعض بندرگاہ تجارت کے لیئے کھولدیئے جائیں۔ اگر اُسوقت دانا آدمی اُسکی درخواست کو نہ منظور کر لیتے اور اپنی حکمت عملی سے بندرگاہ نہ کھولدیتے۔ اور اگر اس کے چند سال بعد مکاڈو کے مشیر یہ نہ سوچ لیتے کہ ملک کو بند کرنا اور بادشاہ کو مطلق العنان بنانا اس زمانہ میں ہرگز ممکن نہیں ہوسکتا تو آج کے دن جاپان بجائے اسکے کہ آزاد سلطنت ہو کسی دوسری طاقت کے زیر حکومت ہوتا۔ جو شخص اس ملک کی ابتدائی تاریخ اور اُس کی حال کی ترقی سے واقف ہیں انکو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کس طرح پر فوجی اور بحری ہتھیاروں اور اوزاروں میں ترقی کی ہے اور اُسی ترقی کے باعث چین کی افواج پر فتح حاصل کی ہے تو یہ اسکو اور بھی حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے جاپانیوں نے اب ۲۵ برس کے عرصہ میں اپنے آپ کو بڑا حکمت عملی کا برتنے والا ثابت کر دیا ہے۔ مگر اس سے پہلے ہمیشہ سے وہ اپنے آپ کو نہایت ہی عمدہ سلیقہ کی قوم ثابت کرتے رہے ہیں۔ جاپان کے ہنر مثلاً نقاشی۔ رنگ سازی۔ کشیدہ کاڑھنا اور ہر قسم کے برتن بنانا اور باغبانی۔ سب کی سب اُن کی روزمرہ کی زندگی کی ضروریات میں سے چلے ہیں۔ اور خصوصاً ٹوکیاوا (ToKugawa) خاندان کے شوگنوں کی حکومت کے ۲۵۰ سال میں تو انکو بہت ترقی دی گئی تھی اور عام بنا دیا گیا تھا۔ جاپانیوں کا اگر پچھلے زمانہ کے مسلمانوں سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہو وہ علم عمارت میں کبھی نہیں بڑھ سکے۔ اُن کے سب سے زیادہ خوبصورت مندر نکّو کے مندر ہیں وہ بھی عمارتی لحاظ سے خوبصورت نہیں ہیں۔ چنانچہ اُن کی نسبت ایک ضرب المثل ہے کہ جب تک تم نکّو (Nikko) کے مندروں کو دیکھ نہ لو اُن کے لیئے لفظ عظیم الشان استعمال نہ کرو۔ اُن کی خوبصورتی صرف اِن وجوہ سے ہوتی ہے کہ ان میں لکڑی کی بہت خوشنما منقش جالیاں کھود کر او

بہت عمدہ رنگ کی لگائی ہوئی ہیں اور وہ تفع زمیں کے دامنوں پر بڑے شان دار درختوں کے جھنڈوں میں اور نہایت عمدہ موقعوں پر بنائے گئے ہیں۔ یہ مندر بہت سے ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہیں اور جبکہ میں ایک مندر سے دوسرے کی طرف جاتی تھی اور جب ان کی آہستہ آہستہ بلند ہوتی ہوئی سیڑھیوں پر میں چڑھتی تھی تو مجھکو یہ خیال گذرتا تھا کہ ایسا خوبصورت نظارہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ چیمبرلین صاحب فرماتے ہیں کہ "اگرچہ ان مندروں میں شان و شوکت نہیں ہے مگر رنگینی بہت ہے۔" ان جنگل دار پہاڑیوں کی چوٹی پر ٹوکوگاوا (ToKugawa) خاندان کے ابتدائی شوگنوں کے مزار ہیں۔ یہ مزار بالکل سادہ دہات کے بنے ہیں۔ اور انمیں نہ کہیں سونا استعمال کیا گیا ہے اور نہ کسی قسم کی سجاوٹ ہے۔ مگر بہت ہی خوشنما انداز پر بنے ہیں اور بمقابلہ نیچے کے رنگین مندروں کے بہت خوشنما اختلاف ظاہر کرتے ہیں۔

اگرچہ جاپانی۔ ہنرمندی کی بڑی بڑی چیزوں میں بڑھ کر نہیں ہیں۔ نہ اُن کے ہاں کوئی بڑی عمارتیں ہیں اور نہ ایسی بڑی تاریخی تصاویر ہیں جیسی کہ وینس کے ڈوجیس پیلیس (Doges Palace) کی دیواروں کو مزین کرتی ہیں۔ تاہم چھوٹی چھوٹی باتیں تمام کاموں میں جو وہ بناتے ہیں نہایت ہی کامل اور خوشنما ہوتی ہیں۔ مسٹر ایلفرڈ ایسٹ (Alfred East) ایک بڑے انگریز صناع نے کچھ عرصہ گذرا کہا تھا کہ "جاپانی بڑے ہوتے ہیں چھوٹی چیزوں میں اور چھوٹے ہوتے ہیں بڑی چیزوں میں۔" میں خیال کرتی ہوں کہ اسمیں اُنکا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ وہاں پر کوئی مثال بڑی عمارت کی یا بڑی تصویروں کی نہیں۔

ہمارے نزدیک چھوٹی اور قریبی اشیا میں خوبصورتی اور سلیقہ کا ہونا زیادہ مفید ہے۔ اگر عام آدمی اپنے گھروں میں اور باغوں میں عمدگی۔ خوش سلیقگی اور صفائی ظاہر کریں

تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ خوبصورتی سے محبت کرتے ہیں اور خوشنمائی کو پسند کرتے ہیں۔ وہاں پر جو لوگ روپیہ خرچ کر کے مزدوروں سے باغ نہیں بنوا سکتے تو انہیں اسقدر عذر بھی نہیں ہوتا کہ خود اپنے ہاتھ سے باغ نہ لگالیں۔ اور کوئی گھر خواہ کیسا ہی غریب کا کیوں ہو انمیں بھی سب سے اچھے کمرے میں ایک طاق یا قبہ ضرور ہوتا ہے جہاں کہ یا تو ایک منقش رنگین پردہ لٹکا ہوتا ہے یا ایک خوبصورت رنگین تحریر کا لمبا کاغذ ہوتا ہے۔ یا اُس قبہ کی تھوڑی سی زمین اونچی کر کے اُسپر ایک خوشنما پھولوں کا گملہ رکھا ہوتا ہے۔ میدان میں باغ لگانا تو وہاں کے (فائین آرٹس) ہنرمندی میں داخل ہے۔ اور بہت سے کاریگر اسکو پورا کرنے اور درست کرنیں مصروف رہ چکے ہیں۔

میں خیال کرتی ہوں کہ وہ اشخاص جو اپنے ارد گرد بدصورتی رکھنے پر قانع ہوتے ہیں اُنکو کبھی خوبصورتی کی محبت نہیں ہوتی۔ اور اسبات کی دلیل کہ جاپان والے تمام مشرقی قوموں سے بڑھ کر قدرتی خوبصورتی کے شیدا ہیں یہ ہے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی کی چھوٹی چھوٹی ضروریات کو ایسا خوبصورت اور دلپسند بنا رکھتے ہیں کہ اُس سے زیادہ امکان نہیں۔ جو پھول اُن کے ملک میں زیادہ ہوتے ہیں اُنکے کھیلنے کے دنوں میں انہوں نے اپنے تیوہار مقرر کئے ہیں اور بڑی بڑی دور سے چلکر اُن تیوہاروں میں وہ ایسی جگہ جاتے ہیں جہاں کہ وہ پھول کثرت سے ہوتے ہیں اور بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔ چیری بلوسم پھول کے تیوہار کے دن ٹوکیو کے نواح میں نہایت ہی خوشنما تماشہ ہوتا ہے۔ جبکہ تمام آدمی جوان سے بوڑھے تک کیا مرد کیا عورت معہ لڑکے لڑکیوں کے اپنی اپنی سب سے اچھی خوشرنگ کیامو (جو کہ جاپان کے عورت مرد کا قومی لباس ہے اور جسکا ایک نمونہ معزز مقررہ ذی اخوان کو

پہلے سے دکھا دیا تھا) پہنکر پھولے ہوئے درختوں کے جھنڈوں کے نیچے چلتے ہیں کھیلتے ہیں اور ناچتے ہیں۔ پھر زنبق کے پھولوں کا میلا بہت خوشنما ہوتا ہے۔ میدان کے میدان اُن قرمزی نما پھولوں سے پٹے ہوتے ہیں اسی طرح پر تقریباً ہر ایک مہینے میں ایک میلا ہوتا ہے۔

جاپانیوں کے ہنر وغیرہ کی نسبت اور بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے مگر میں اسکو چھوڑتی ہوں اور اُن کے کنبہ اور خانہ داری کے حالات شروع کرتی ہوں میں نے جو کچھ بیان کیا وہ اس غرض سے ہے کہ آپ صاحبوں کو یہ جتا دوں کہ ہنرمندی ایک قوم کی ترقی تہذیب میں کہاں تک اثر کرتی ہے اور تہذیب کے اندازہ کرنے میں کہانتک ضروری ہے۔ اور تاکہ آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ہندوستان کی موجودہ سوسائٹی میں اس مضمون کے اوپر کیسی بے پروائی کیجاتی ہے۔

چار پانچ برس سے لنڈن میں ایک انجمن قائم کی گئی ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ جاپان کے متعلق جو کچھ معلوم ہو سکے وہ معلوم کرے اور سیکھے۔ اسکا نام جاپان سوسائٹی رکھا گیا ہے۔ اسمیں جاپان کے متعلق مضامین پڑھے جاتے ہیں۔ ایک لائبریری ہے جسمیں جاپان کے متعلق تمام کتابیں جمع کی گئی ہیں۔ اور اگر کوئی جاپانی زبان سیکھنا چاہے تو اُس کے لیئے بھی یہ سوسائٹی سامان کر دیتی ہے۔ اسکے اور کام بھی علی ہذالقیاس جاپان کے متعلق ہی ہوتے ہیں۔ اس سوسائٹی میں کچھ عرصہ گذرا ایک مضمون پڑھا گیا تھا یہ مضمون ایک بڑے لائق شریف آدمی نے پڑھا تھا جو لنڈن میں جاپانی سفارت کا ایک ممبر تھا۔ اسمیں جاپان کے خاندانی تعلقات کے اوپر بحث کی گئی تھی۔ اور ابتدا میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ خاندانی تعلقات کس طرح شروع ہوئے۔ پھر اسمیں یہ بیان کیا گیا کہ خاندانی

معاملات کیا ہیں اور اُن کے قواعد اور رسوم کیا کیا ہیں۔ کیونکہ جاپان تمام قوموں سے زیادہ رسوم کا پابند ملک ہے۔ انہیں مضامیں سے صاحب مضمون عورتوں کی حالت کی طرف رجوع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "پرانے زمانہ میں چونکہ شنٹو ابتدائی مذہب تھا۔ اور چونکہ اسمیں اپنے ابا و اجداد کی پرستش ضروری تھی اس لیئے یہ تمام خاندانی تعلقات کی بنیاد تھا۔ تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارے قومی اخلاق اور دانائی سب کچھ بالکل اسی مذہب سے قائم ہوئے ہیں۔ کیونکہ اس کی رسوم اور اخلاقی تعلیم بالکل بے بنیاد اور کم اثر ہوتی تھی۔" وہ خیال کرتا ہے کہ ابا و اجداد کی پرستش سے بڑے بوڑھوں کی بڑی عزت سب کے دلوں میں پیدا ہوگئی۔ اور اسی عزت کے اوپر منحصر ہے اطاعت والدین جسکو یہ لوگ سب اوصاف سے بڑھ کر خیال کرتے ہیں۔ ایک شنٹو رشی کہتا ہے "اپنے ابا و اجداد کی یادگار کا بندہ ہونا تمام خوبیوں کی بنیاد ہے۔ جو شخص اپنے فرض کو اُنکے لیئے اچھی طرح پر پورا کریگا۔ وہ کبھی نہ اپنے دیوتاؤں سے بے ادب ہوگا اور نہ اپنے والدین سے ایسا آدمی اپنے بادشاہ کا نمک حلال ہوگا۔ اپنے دوستوں سے وفادار۔ اور بیوی بچوں کے ساتھ بڑا مہربان اور حلیم۔ کیونکہ فی الحقیقت اس تمام بندگی کی اصل فرزندانہ اتقا ہے۔"

ادب اور محبت دو چیزیں کنبے میں امن و آرام سے خانگی زندگی بسر کرنے کے لیئے ضروری جزو ہیں۔ اور جاپانی انہیں سے پہلی بات کو دوسری بات پر ہمیشہ ترجیح دیتے ہیں۔ مسٹر گوپ اُس مضمون کا مصنف کہتا ہے کہ یہی ایک بات ہے جسمیں مغربی قومیں اُس قوم سے مختلف ہیں اور وہ خیال کرتا ہے کہ اگر انہیں سے ایک خوبی کی جگہ دوسری کو دیدیں تو یہ اُس کی قوم کے لیئے کچھ مفید نہ ہوگا۔ بزرگوں کو

ادب کی کافی تعلیم کے بغیر محبت کے باعث اکثر لوگ راہ راست سے پھر جاتے ہیں۔

عورتوں کے رتبہ پر جاپان میں چینی تعلیم کا بہت بڑا اثر پڑا۔ مسٹر گوب یقین کرتا ہے کہ جاپان کے اندر ابتدا میں عورتوں کا مرتبہ اُس سے زیادہ بلند .. اب ہے۔ کیونکہ اگر عورتوں کا درجہ بڑا نہیں تھا تو انکی مذہبی روایتوں میں سب سے بڑی طاقت کیوں عورت کہی گئی یعنی اسکو سورج کی دیوی اماترا سو کیوں رکھا ہے اور اسکو اسقدر طاقت ور کیوں کہا ہے کہ ایک بہت بڑا سلسلہ تمام بادشاہوں کا اُسی کی نسل سے قائم کیا گیا ہے اور اسکی کیا وجہ ہوسکتی ہے کہ کم از کم آٹھ شہزادیاں ۸۰۰ء سے پہلے تخت سلطنت کے اوپر بیٹھیں اور یہ کیوں ہے کہ تمام آسمانی اشیا ایک بارود کے سپرد کیجاتی ہیں اور وہی انکی محافظ ہوتی ہے۔ اگرچہ اسوقت بھی یہ درجہ مرد کے درجہ کے برابر ہرگز نہ تھا۔ مختلف متعلقین کے درجہ ۸۰۰ء میں چینی تقسیم کے مطابق بہت تعین کے ساتھ مقرر کیے گئے۔ متعلقین کی پانچ جماعتیں تھیں اور ان سب میں عورت کا درجہ سوائے والدہ کے بہت ہی ادنے ہوتا تھا۔ خاوند کا درجہ اول ہے اور بیوی کا درجہ دوسرا ہے۔ باپ کی طرف کے رشتہ دار وں کا درجہ ماں کی طرف کے رشتہ داروں سے بہت بڑا ہوتا ہے۔ چینی اصولوں کے علاوہ بڑے بے امن درمیانی زمانہ یعنی اُس زمانہ کا بھی جو ٹوکوگاوا خاندان کی حکومت سے پہلے ہوا ہے عورتوں کی حالت کو پست رکھنے میں بڑا اثر پڑا ہے۔ بودھ مذہب کے اُصول بھی عورات کے رتبہ کو بڑھانے کے خلاف تھے۔ تینوں دنیاؤں۔ یعنی گذشتہ حال اور آیندہ میں عورت کا کوئی گھر نہیں ہے مسٹر چیمبرلین کہتے ہیں۔ ایک جاپانی عورت کی قسمت ان تین اطاعتوں میں آجاتی ہے یعنی اول جبتک اُس کی شادی نہیں ہوتی تو اپنے باپ کی اطاعت دوم جب شادی ہو جاوے تو اپنے خاوند کی اطاعت - اور

ساتھ ہی خاوند کے متعلقین کی اور سوم بعد بیوہ ہونے کے اپنے بیٹے کی اطاعت"۔ اُس وقت جو سب سے بڑی رئیسہ اُس ملک کی ہے وہ بھی اپنے خاوند کی خادمہ ہے۔ جو تعلیم وہ اپنی ماں سے پاتی ہے وہ صرف اطاعت۔ حلم اور حیا میں ختم ہو جاتی ہے۔ اور اُنکو صرف ایک کتاب پڑھنے کو ملتی ہے جو ایک کنفوشس کے پیرو اخلاق نویس کی تصنیف سے اور جسکا نام ہے "عورتوں کا سب سے بڑا علم" اور یہ کتاب بھی صرف اطاعت اور اور تمام ایسی ہی خوبیاں سیکھنے کی تاکید کرتی ہے۔

اس سے آپکو معلوم ہوا ہوگا کہ جاپان میں عورتوں کا بہت ہی ادنیٰ درجہ ہے اور اُنکی تعلیم بہت ہی محدود رہتی ہے۔ مگر پردے کی طرح کی کوئی رسم وہاں پر نہیں۔ سب جماعتوں میں عورتیں اور مرد سب کے سب موقعوں پر آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ جب خاوند کے دوست واحباب کسی کے گھر آتے ہیں تو بیوی اُنکو شراب یا چاء پلاتی ہے۔ اور جب بیوی کے احباب بھی جمع ہوتے ہیں تو یہ تمام کُنبے کا کنبہ مِل بیٹھ جاتا ہے اور باتیں شروع ہوتی ہیں۔

مسٹر گوب پرانے طریقہ کے مطابق رہنے والے بہت سے خوش باش خاندانوں کا ذکر کرتا ہے اور اُسکو خوف ہے کہ مغربی خیالات کا پھیلنا کہیں اُنکی خوشی پر اُلٹا اثر نہ پیدا کرے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ عورتوں کی آزادی۔ اُس شریف رسوم کے ملک یعنی جاپان کے لئے مفید نہ ہوگی۔ اور میں بھی اُسکے اس خیال سے اتفاق کرتی ہوں کہ اُسکے ملک کی عورتیں۔ اگر اپنی شرافت۔ حلم۔ شیریں کلامی۔ مہربانی۔ اپنے متعلقین پر اپنے کو فدا کرنا۔ اور خودداری کو کھو بیٹھیں تو وہ گویا سب کچھ کھو دیں گی۔ کیونکہ یہ خوبیاں اس قسم کی نہیں ہیں کہ مغرب کے موجودہ زمانے کی عورتوں میں زیادہ تر پھیلی ہوئی ہوں۔ مسٹر گوب

ایک بڑی عمدہ تجویز بتاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ عورتوں کی آزادی کی اتنی ضرورت نہیں جتنی کہ مردوں کے بندش کی۔ یہ بات تمام ایسے مشرقی قوموں کے خیال کے قابل ہے جنہیں عورت کو وہ رتبہ حاصل نہیں ہے جو اُس کے لیئے مناسب ہے،

مردوں کو جابر کم ہونا چاہیئے۔ اور حلیم زیادہ اور عورتوں کی ملائم خوبیوں میں برابر ہاتھ بٹانا چاہیئے۔ عورتوں کو کچھ زیادہ بہادر بننا چاہیئے اور اپنا وہ منصب حاصل کرنا چاہیئے جسکی وہ حقدار ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی اُنکو چاہیئے کہ اپنی شرافت اور حیا کو ہاتھ سے نہ دیں جیسا کہ لارڈ ٹینیسن اپنی پرنسس میں خوبصورتی کے ساتھ کہتا ہے۔

"مرد کو بہت کچھ عورت سے سیکھنا چاہیئے اور عورت کو مرد سے۔ مرد کو عورت سے شیریں کلامی اور اعلیٰ اخلاق حاصل کرنے چاہئیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی اُسکو اپنی وہ زورآوری نہ کھو دینی چاہیئے جس سے وہ تمام دنیا کو تہ و بالا کر سکتا ہے۔ عورت کو مرد سے فراخ حوصلگی سیکھنی چاہیئے۔ مگر اپنی بچہ داری کی صفت کو نہیں کھو دینا چاہیئے۔ اور ساتھ ہی جب اُسکا دماغ فراخ ہو جاوے تو اپنے بچپن کی سادگی کو بھی نہیں چھوڑنا چاہیئے یہاں تک کہ آخر کار وہ اپنے آپ کو مرد کے لیئے ایسا بنا دے جیسا کہ ایک کامل راگ اچھے الفاظ کے لیئے ہوتا ہے"۔

میں ڈرتی ہوں کہ ایسے تھوڑے وقت میں ایسے بڑے ضروری اور اہم مسئلوں کا اشارہ بھی کرنا اچھا نہیں تھا۔ اور اس میں آپکو خیال ہوگا کہ میں بہت حریص تھی البتہ اگر میں نے آپکے دلوں میں اسقدر مذاق (انٹرسٹ) اس مضمون کے لیئے پیدا کر دیا ہے کہ آپکو یہ خواہش ہو کہ آپ اس پیاری اور کارکن قوم کے حالات اور زیادہ معلوم کریں تو میں نے اپنا مقصد جس کے لیئے میں نے یہ چند اوراق جمع کیئے تھے پورا کر لیا"۔

اسکے بعد اخوان میں سے کچھ صاحبوں نے جاپان کے متعلق اور کچھ حالات دریافت کیے، جنکا جواب (اخت الصفا) مسز آرنلڈ نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ دیا۔ پھر برادر آفتاب احمد خاں صاحب نے ریمارک کرتے ہیں ہندوستان کی تعلیم نسوان کا مسئلہ چھیڑا اور کہا کہ یہاں پر بھی عورتوں کو نہ آزادی ہے اور نہ کچھ تعلیم ہے۔ یہ حالت قوم کی ترقی کے لیے تسلی بخش نہیں ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو اور خصوصاً اس کالج کے طلبا کو ضرور کوشش کرنی چاہیے کہ عورتوں میں آزادی اور تعلیم پھیلائی جائے۔ مگر برادر ابو طالب صاحب بی اے نے اسکی تردید کی اور کہا کہ اگرچہ تعلیم نسوان ضروری چیز ہے مگر ابھی تک وہ زمانہ نہیں آیا کہ ہم اپنی عورتوں کی آزادی کے لیے کوشش کرسکیں بلکہ اول مردوں کو تعلیم دینی چاہیے۔ عورتیں پھر خود تعلیم یافتہ ہونے لگیں گی۔ مگر برادر ابو طالب کے بہت سے اخوان بہت سختی کے ساتھ برخلاف ہوگئے اور مولوی بہادر علی صاحب اور شیخ عبیداللہ صاحب نے بڑی تقریروں میں اس اختلاف کو ظاہر کیا۔

آخر میں پھر مسز آرنلڈ نے برادران اخوان الصفا کو اس مسئلہ کے متعلق یہ نصیحتیں کیں۔ اول ہمکو آہستہ آہستہ ابتدا سے شروع کرنا چاہیے۔ اور ابھی تک ہمکو عورتوں کی آزادی نہیں ڈھونڈنی چاہیے بلکہ اُن کی تعلیم میں کوشش کرنی چاہیے۔ اور تعلیم ابھی تک پردہ کے اندر ہی ہوسکتی ہے۔ جس وقت عورتوں کو خود تعلیم سے اپنے حقوق معلوم ہوجائیں گے تو وہ خود اُن حقوق کو مانگیں اور کوئی ضرورت نہیں ہوگی کہ جبراً اُنکو آزاد کیا جائے اسکے بعد مجلس اخوان کا جلسہ ختم ہوا۔"

ایک عمدہ تجویز

مسٹر تھیوڈور بک پرنسپل ایم۔اے۔او کالج علی گڈھ کی سنس رپورٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شہر و قصبہ میں کثرت سے ایسے مسلمان موجود ہیں جو اپنی اولاد کی تعلیم کرانے کی استطاعت تو رکھتے ہیں مگر اس کام سے غافل ہیں اسوجہ سے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا رسالہ جاری کیا جائے جو تعلیم کے فوائد اور ضرورت سے ان حضرات کو آگاہ کیا کرے۔لیکن چونکہ یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ ایسے رسالہ کی اشاعت قیمت لیکر حسب دلخواہ ہو سکے اس لیئے اب انتظام ہونا چاہیئے کہ ایک رسالہ مفت جاری اور شایع ہوا کرے۔اور جس کی کم سے کم پانچہزار کاپیاں نکلا کریں اور اسوجہ سے کہ تھوڑے سرمایہ سے ہی یہ کام شروع ہو جاوے یہ کافی ہو گا کہ یہ رسالہ صرف سہ ماہی جاری کیا جائے۔اور غالباً اس کام کے انصرام کے واسطے ایک ہزار روپیہ سال بھر کے لئے کفایت کر جائیگا۔لہذا اصحاب قوم سے خواہش ہے کہ وہ راقم کی اعانت فرمائیں۔اگر دس دس روپیہ دیئے جائیں تو ایک ایک اہل خیر ہی اس کام کو انجام دلا سکتے ہیں لیکن جسقدر جو کوئی عنایت کریگا اجر عظیم پائیگا۔

راقم اسمعیل عفی عنہ
علی گڈھ ڈگی والی کوٹھی۔

انجمن الفرض مدرسۃ العلوم علیگڑھ

فہرست وصولیابی زرچندہ

عبدالسلام صاحب طالب علم تھرڈایر کلاس نے عمہ حسب تفصیل ذیل جمع کیے۔

مولوی مزمل حسین صاحب رئیس فتحپور	عمہ	منشی اطہر علی صاحب	۲ر
مولوی عبدالغفور خانصاحب فتحپور	۸ر	منشی اعجاز حسین صاحب	۲ر
مولوی محمد قیوم صاحب۔ بدایوں	عمہ	منشی سید اقبال حسین صاحب	۲
مولوی سید علی اطہر صاحب فتحپور	عمہ	محمد سلیمان اشرف صاحب	۲
سید موسی صاحب طالب العلم فتحپور	عمہ		

سعید محمد خانصاحب طالب العلم درجہ چہارم نے عـــہ مسجد کے لئے حسب تفصیل ذیل جمع کیے۔

ہمشیرہ سعید محمد خاں صاحب	۸ر	عبدالرحمن خاں صاحب	عمہ
والدہ رشید محمد خاں صاحب	۸ر	نیاز محمد خاں صاحب	۲ر
حافظ بقاءاللہ خانصاحب	عمہ	اولاداد خاں صاحب	عمہ
حاجی محمد خاں صاحب	عمہ	یونس خاں صاحب	سے ر
دوست محمد خانصاحب رئیس خانپور	عـــہ		

محمد حنیف خانصاحب طالب العلم ایف اے کلاس نے بمد وظائف صہ حسب تفصیل ذیل وصول کیے

اکرام الدین صاحب رئیس بریلی	للعہ	محمد حنیف خانصاحب بطور نذرانہ کتخدائی	عمہ

محمد اکبر صاحب طالب علم نے بمد وظایف مبلغ عمہ ۲ر حسب تفصیل ذیل وصول کیے۔

حافظ غلام رسول صاحب	عمہ	محمد علی صاحب مدرس وزیر آباد	۲ر

راجہ منی لال صاحب طالب علم بی۔ اے کالج بانکیپور نے بمد وظائف عـصـعـا جمع کئے۔

مولوی علی احمد صاحب	عـصـہ	منشی مخدوم بخش صاحب۔	عـصـہ

میر بشارت علی صاحب طالب علم ایف اے کلاس نے ۱۴ حسب تفصیل ذیل وصول کئے۔

سید عباد اللہ صاحب	عـہ	بلند خانصاحب	۱۴
میر دوست علی صاحب	عـصـا	محمد حسن خانصاحب	صـہ

محمد احمد صاحب طالب علم درجہ دوم نے لـہ حسب تفصیل ذیل جمع کیئے۔

اسلام محمد صاحب	عـصـہ	مولوی اشفاق حسین صاحب	صـہ
جمیل احمد صاحب	عـصـہ	مولوی قطب الدین صاحب بی اے	۱۴
اقبال احمد صاحب	عـصـہ	خدا بخش ملازم	۲
محمد احمد صاحب	عـصـہ		

مختار احمد صاحب طالب علم نے مسجد کے لیئے ۱۴۵ حسب ذیل وصول کیئے۔

مولوی برکت اللہ صاحب ڈپٹی کلکٹر آگرہ	صـہ	خان بہادر منشی عبد المجید خانصاحب انسپکٹر	صـہ
منشی قادر علیخاں صاحب مہتمم مطبع مفید عام آگرہ	صـہ	منشی سراج الدین صاحب جج آگرہ	صـہ
حکیم سید اشتیاق علی صاحب رئیس آگرہ	صـہ	منشی علی احمد خاں صاحب وکیل آگرہ	صـہ
محمد حکیم داد خاں صاحب رئیس قادر گنج	صـہ	ڈاکٹر محمد امین الدین صاحب	عـصـعـا
منشی تجمل حسین صاحب انسپکٹر آگرہ	صـہ	حافظ محمد صدیق صاحب	عـصـہ
محمد غلام امام خاں صاحب اسٹیشن ماسٹر آگرہ	عـصـہ	محمد علی صاحب آگرہ	عـصـہ
ڈاکٹر محمد فائق صاحب آگرہ	۸	خواجہ فیاض حسین صاحب	عـصـہ
محمد اللہ داد خاں صاحب رئیس من پور	صـہ	وزیر الدین صاحب	۸

پال الگزنڈر صاحب ناظر فتح آباد	عصہ/	مرزا محمود بیگ صاحب	۸/
انتظام الدین صاحب	۲/	مرزا غضنفر بیگ صاحب	۸/
واحد خانصاحب	۲/	محمد شرف الدین صاحب	۸/
حفیظ الدین صاحب	۲/	منشی بشیر الدین صاحب	۴/
احمد خانصاحب ولایتی	عصہ/	محمد فیاض الدین صاحب	۲/
عباس علی صاحب	عصہ/	محمد وحید الدین صاحب	۲/
نثار حسین صاحب	عصہ/	محسن حسین صاحب	۲/
حکیم قربان حسین صاحب	عہ/	عظیم داد خانصاحب	۲/

ریاض الدین صاحب و غلام بشیر صاحب نے للعہ حسب تفصیل ذیل وصول کیے۔

ماشاء اللہ صاحب	۲/	فیاض الدین صاحب	عہ/
علی رضا صاحب	عہ/	حمید الدین صاحب	عہ/
امیر حسن صاحب	عہ/	غلام بشیر صاحب	۸/
غلام امیر صاحب	۸/	شیخ صداقت اللہ صاحب	۸/
فدا حسن صاحب	۱/	عنایت اللہ صاحب	۲/
علی احمد صاحب	۲/	سلطان بخش صاحب	۲/
محمد احسن صاحب	۲/	وحید الدین صاحب	عہ/
شہزاد علی صاحب	۱/	میزان کل ۱۲	

الٰہی بخش صاحب طالب علم فورتھ ایر نے عصہ مسجد کے واسطے حسب تفصیل ذیل جمع کیے

محمد حسین صاحب	عصہ/	الٰہی بخش صاحب	للعہ/

۱۱ صدیق احمد خانصاحب نے ۳۵ کلدار حسب تفصیل ذیل جمع کیے

جناب نواب غلام احمد خانصاحب احمدی سیکنڈ جاڈیسی	عـه	عطاء الرحمن خانصاحب	عـہ/
سید ظہور علیصاحب اسٹنٹ دربارہ	للعہ/	دین محمد صاحب ڈپٹی انسپکٹر	عـما
حکیم کاظم علی صاحب وکیل گوالیار	/عـما	ننھے خانصاحب	عـہ/
عبدالعلی شاہ صاحب	/للعہ/ ۱۴	گھسیٹو خانصاحب	عـہ/
حسن خاں صاحب بھیا	/عـمـ/	نیاز محمد خانصاحب	عـہ/
محمد حق دار خاں صاحب	عـمـ/	شیخ نبی بخش صاحب	عـہ/
احسان الرحمٰن خانصاحب	عـمـ/	محمد حسین خانصاحب	عـما

۱۲ عثمان اشرف صاحب طالب علم درجہ اول نے ۲/ وصول کیے۔

۱۳ عبدالعزیز صاحب نے مسجد مدرستہ العلوم کے لیے مبلغ لو عـه/ وصول کیے۔

۱۴ فیاض حسین صاحب طالب علم نے مسجد کے لیے للوعـه/ جمع کیے۔

۱۵ مصباح العثمان صاحب طالب علم تھرڈایر کلاس نے لو ۳۹ وصول کیا۔

۱۶ علی حسن صاحب طالب علم نے مبلغ ــلے/ وصول کیے۔

۱۷ محمود حسن صاحب نے عـمـ/ جمع کیا۔

۱۸ محمود احمد صاحب طالب علم نے لو ۶۹ جمع کیے

۱۹ اعجاز احمد صاحب طالب علم درجہ اول نے للعه حسب تفصیل ذیل جمع کیے

حکیم محمد حسن خانصاحب رئیس آنولہ	عـه	حکیم محمد حشمت علیخاں صاحب رئیس آنولہ	صہ/
حکیم محمد احسن علیخاں صاحب رئیس آنولہ	صہ/	حکیم محمد صادق علی خانصاحب رئیس آنولہ	ــلے/
حکیم محمد ارشاد علیخاں صاحب رئیس آنولہ	عـمـ/	محمد نور خانصاحب میندار	عـہ/

محمد سہراب خانصاحب میسندار	عہ ر	شیخ محمد امین	عمقا
عبد الغفور صاحب	عقا	عبد الرزاق صاحب	عہ ر
کریم بخش صاحب	عقا	الہٰ بخش و نور احمد صاحبان	عقا

منشی محمد عبد الغفار صاحب ڈپٹی کلکٹر گونڈہ نے للعہ حسب ذیل وصول کئے

منشی محمد عبد الغفار خانصاحب	عہ ۲ ر	حسین بخش صاحب چپراسی	۱ ر
ایزد بخش صاحب نقل نویس	۲ ر	عبد اللہ خانصاحب نقل نویس	۲ ر
محمد تفضل خان صاحب نائب سید قانونگوے	۴ ر	اظہار نام سے منع کیا۔	۲ ر
منشی مشرف علی صاحب وکیل	عہ ر	مولوی محمد عبد السمیع صاحب	۲ ر
دوست محمد خانصاحب نقلنویس	۱ ر	امداد حسین صاحب اسٹامپ کلرک	۲ ر
خلیل احمد صاحب ناظر شن ججی۔	۲ ر	قاضی عبد العلی صاحب وکیل	عص

عظمت اللہ صاحب نے منشی رحمت اللہ صاحب سے صہ ر وصول کئے۔

عبد علیخاں صاحب نے غنی محمد خانصاحب کورٹ انسپکٹر سے عقا ر وصول کئے

قاسم خانصاحب طالب علم فورتھ ایر نے ۱۲ ر ۹ حسب ذیل جمع کئے

غلام حسین صاحب	عص	شیخ علی صاحب	عہ ر
عثمان جمال صاحب	عہ	حاجی کریم صاحب	۸ ر
ہاشم سالک محمد صاحب	عص	محمود جی صاحب	۴ ر

بابت تعمیر فری بورڈنگ ہاؤس حسب ذیل چندہ وصول ہوا۔

ریاض الدین صاحب نے جمع کئے . . . . عہ ر ۴ ر

مولوی عبد الہادی صاحب وکیل متھرا معرفت محمد اسمٰعیل صاحب . . . . صہ ر

مقبول الہی صاحب رئیس متھرا معرفت محمد اسمٰعیل صاحب .... للعہ

مرزا محمد بہادر نے جمع کئے عـــہ ، عبہ ۔ ئ صاحب ...... سہ

والدہ صاحبہ محمد یوسف مرحوم معرفت عزیز مرزا صاحب ...... صہ

جناب محمد موسیٰ خانصاحب رئیس دتاولی معرفت احسن شاہ صاحب نے جمع کئے صعہ

علی محمد صاحب نے جمع کئے للعہ ۱۴

سلام الحق صاحب طالب علم فورتھ ایر کلاس نے حسب ذیل چندے وصول کئے۔

غلام محمد حسن خاں صاحب بی اے	عـــہ	نواب فیض احمد خانصاحب	عہ
حکیم احمد الدین صاحب	عـــہ	منشی ابراہیم خاں صاحب	عہ
متفرق	عـــہ		

میزان عـــہ

میزان کل چندہ للعہ ۱۱

نوٹس

جملہ طلبا سے جو فی الحال مدرسۃ العلوم میں تعلیم پاتے ہیں اور دوستوں سے جو یہاں تعلیم پا چکے ہیں اور نیز دیگر ناظرین سے اس نوٹس کے ذریعہ سے التماس کیا جاتا ہے کہ یونین کلب مدرسۃ العلوم نہایت ممنون ہوگی اگر وہ کچھ انگریزی کتابیں جو اُنکے زیر استعمال نہوں کلب کو عنایت فرمائیں گے۔ ہمکو خصوصاً قرآن شریف کے انگریزی ترجمہ کی ضرورت۔ جو صاحب ہدیۃً پیش کریں گے کلب اُنکی نہایت مشکور ہوگی۔ فقط

المشتہر

خواجہ محمود حسین وائس پریسیڈنٹ یونین کلب

give a most valuable training to the students who took part in it in practical energy aud public spirit.

FOOTBALL ASSOCIATION RULES.

The last one month or so has passed away very quietly with Football, our record consists of only two or three matches against some Highland regiments in which we had to meet very powerful adversaries who always had the best of it.

There is a period of real bustle and activity awaiting our College Football in the next term when annual matches for the College Class challenge shield will be contested between the various classes of the College, and it is hoped we will have some very interesting games at Fotball in the University Tournament at Allahabad where our College is going to face the Football Elevens of all the other Colleges in these provinces.

Our School Football Eleven defeated the Furrukhabad, Zila School by a substantial margin of four goals to none in the first tie of Football matches for the annual inter-School Tournament which is held again at Aligarh this year. The final will be played against the Aligarh Zila School. Our XI. as is generally hoped stands for championship this year.

NOTICE.

The next course of Law Lectures will be delivered on the 23rd January to 3rd February 1896 (both inclusive) instead of the 6th and 17th January 1896 as previously notified.

THEODORE BECK,

December 24, 1895.

It was therefore the duty of every Indian Musalman who had the interests of his nation at heart, and wished to do something practicable, to give up weeping and wailing and set to work to support the national institution, which had already proved itself so beneficial to the community. The students of the College in particular could give very material assistance by organizing and uniting together all the supporters of the College, living in their respective towns, into an association to be called Anjuman Hami Madrasat-ul-Ulum. He then set forth in detail the aims of such Anjumans, and the method of their working and organization.

After Maulavi Nazir Ahmad had further recommended the proposed scheme, the Principal (who was in the chair) made a short speech in support of the proposal. He said he thought the chief defect of the Indian Muhammadans of to-day was the want of practical energy. Those persons who had this quality were able to accomplish a great deal, and if any student of the College were really to work hard and continuously he could certainly establish such an Anjuman and insure its ultimate success. He believed that the education given in the College increased the practical energy of the students and he hoped that as the institution progressed its effect would be still greater in this direction. In all professions energy was necessary. Some persons objected that it was no good to educate their sons because the only object of education was to obtain a Government appointment, and the number of candidates for such appointments was far in excess of the demand ; to which he would apply that if education increased the practical energy of the students it would certainly help them if they went into trade. There were two advantages in the proposed scheme. First it would supply the College with the means of increasing in size and improving its organisation, And secondly it would

THE DUTY.

On Sunday, December 22nd, a meeting of the students of the College was called by the Keeper of the Duty, in order to lay before them a scheme for extending the sphere of working of the Duty beyond the somewhat narrow limits within which its activity has hitherto been confined. This scheme proposes that the students of the College and others interested in its welfare should establish in their city or village an association to be called Anjuman Hami Madrasat-ul-Ulum. The members of this Anjuman will be expected to impress upon their friends and fellow-townsmen the importance of English education for the advancement of the Musalman community, to enlist their sympathies for the M. A.-O. College, to remove the prejudices that are still entertained by some persons against the institution and to get the rule established that on the occasion of every Muhammadan marriage at least one rupee should be given to the College. Each of theses Anjumans will be in communication with the central organisation of the Duty in Aligarh.

The proceedings were opened by the Keeper, who referred to the hitherto unsuccessful attempts that had been made to establish branches of the Duty outside Aligarh and recommended the scheme that was now proposed of establishing branches of the society, to be named Anjuman Hami Madrasat-ul-Ulum. Mr. Aftab Ahmad Khan, Barrister-at-Law, was then called upon to explain the scheme, which he did in a very eloquent and inspiriting speech. He first set forth the importance of a good education and training as the best remedy for the present needs of the Musalman community, and after describing the essential characteristics of good education and good training showed how these were supplied by the M. A.-O. College,

VIII. Throwing the Cricket Ball

(1) Ata Mohamed Khan, (2) Mahomed Abdullah, (3) Jalil-ur-Rahman.

111—1—3—¾ 109—2—10 98—1—2

IX. Putting the weight.

(1) Bashir Mirza, (2) Abdul Hafiz, (3) Abdul Hamid.

24—7½ 24—2½ 23—11

X. Small Boys' 100 Yards Race.

(1) Mahomed Zakir Husain, (2) Hidayat Ali, (3) Ashiq Ali.

XI. Gymnastics.

(1) Ghulam Nabi, (2) Shams-ul-Haq, (3) Ashraf Khan.

XII. Blind Fold Race.

(1) Haji Husain Khan, (2) Ahsan Husain Khan, (3) Khair-ud-Din.

XIII. Spoon Race.

(1) Akhtar-uz-Zaman, (2) Abdul-Majid Khan. (3) Md. Sultan.

XIV. Sack Race.

(1) Hamid Husain, (2) Mahomed Sultan, (3) Akhtar-uz-zaman.

XV. Three-Legged Race.

(1) Md. Sultan and companion (2) Riaz and companion (3) Ali Hasan and companion.

XVI. Servants Race.

(1) Kallan (2) Hurmat, (3) Fathe Mohamed.

XVII. Bhishti Race.

(1) Bhulan (2) Rahim Bakhsh, (3) Amir Bakhsh.

XVIII. Tug of war.

School V. Second Year Class.

MOHAMED ZAMAN.

COLLEGE NEWS.

Shaikh Elahi Bakhsh of the 4th Year Class has been elected Secretary to the Lajnatul-Adab in succession to Maulvi Bahadur Ali, M. A.

They won the return match also making 136 in the first innings and 19 for 2 wickets in the second, and disposing of the opposite team for 62 and 89. Aziz and Masud bowled very well. Masud has made great improvement and promises to become an all round Cricketer. Jamil, Abid, Mansur Haji and Mohamed Ali played very well.

We must not forget to thank our ex-students at Badaun, especially Alaul Hassan and Kasim Hassan, who took so much trouble in entertaining our men there. They showed that true and sincere sympathy which we should expect from the students of our College.

MOHD. ABDULLAH.

RESULT OF THE COLLEGE ANNUAL ATHLETIC SPORTS.

I. Mile Race.

(1) Ashraf Khan, (2) Haji Hasan Khan, (3) Hafiz.

II. Quarter Mile Race.

(1) Abdul Hafiz, (2) Ashraf Khan, (3) Haji Husein Khan

III. 100 Yards Race.

(1) Abdul Hafiz, (2) Assad Ullah, (3) Mahomed Zaman

10 seconds.

IV. Hurdle Race.

(1) Abdul Hafiz, (2) Mahomed Zaman, (3) Ashraf Khan.

V. High Jump.

(1) Mahomed Zaman, (2) Hafiz Khair-ud-Din.

height 5—3 height 5—2

VI. Broad Jump.

(1) Abdul Hafiz, (2) Mahomed Zaman, (3) Abdul Hamid.

19 ft. 18—2 ft. 15—5 ft.

VII. Pole Jump.

(1) Jalil-ur-Rahman, (2) Hafiz, (3) Ashraf Khan.

8—3

all through. We had bad luck in the 2nd innings also, Ziaullah only played a steady game and saved the wicket pretty fairly, but he too was bowled by a yorker from MacIver for 41. The time was called out before the last wicket fell, we had 8 runs to win as we had scored 96. It was an even and exciting game indeed but we won the match. We had a large attendance of Ladies and Gentlemen on the occasion.

The next match came off on our own ground against the Delhi Mission College. We were put in first. The first 6 wickets fell very easily for 51 but Jalil and Ziaullah who played a better game than the rest pulled the score up. Jalil who has improved wonderfully slogged the balls. It was very interesting to see them play. While the one played a dashing good game the other played steadily and carefully. Ziaullah was again bowled by a yorker for 51 and Jalil who survived him scored 85. Our last wicket fell for 200. We gave them only 52 runs in the 1st and 56 in the 2nd innings. The Rev. Mr. Wright made 28 the first time and played a beautiful game. We had an easy victory by an innings and 92 runs We went to play the Meerut Station Club just after this match. The Station brought forth a very strong batting team but it was of no avail against our bowling. They went in that and the 2nd wicket fell for 59, Col. Bowers scoring 42. The tail fell very easily and the total scored was 101. Our first wickets scored very little, but at the end the total was 189, Jalil 44, Sarfraz 37. Abdullah also played a faultless game all through and scored 19.

In the 2nd innings the Station Club made 108, Lt. Bush, the well-known fast scorer, made 34. Robinson made 22. We had only 51 runs to make up the score which we did after the fall of the 2nd wicket. Jalil and Ziaullah played very well this time. Ali Hassan had a success in his bowling, and we hope to turn him into a very good fast bowler with a slight break from on in a short time.

We have got a strong Second XI this year. They went to Budaun to play the Station people, and won the match by 86 runs, making 75 and 79 in both the innings, and gave them 43 and 25 only.

8. Haidar Hassan — An Urdu poem of his own.
9. Mumtaz Hosein — Green's Friar Bacon and Bungay Scene VII.

In honor of the Anniversary an evening party was given on the 10th December 1895 and was a splendid success. It was very well attended and the delicacies served were heartily enjoyed by the students.

The Delhi Mission College Team, including in its members two European Professors of that College, was here that day and was invited. We hope they took away pleasant recollections of our hospitality.

The ladies and gentlemen of the station honoured us with their presence in both entertainments for which we tender our best thanks to them. The Venerable Sir Syod took the trouble of coming over to the Club and participated in the little festivities of the students.

CRICKET.

We had many fixtures in Cricket for this Season before our Annual Tour.

The first of them came off on the 23rd of November—a one-day match against Tundla.

We went in first but could not score as we expected on account of the rough and bumpy ground we played on. Most of us scored nothing or next to nothing, but Jalil, Ziaullah and Azmat pulled the score up to 116 by scoring double figures. We disposed them off for and in the two innings thus winning the match by an innings and runs.

The next match was played on our own ground against the Aligarh Station Club who have mustered a pretty good Team. We sent them in and their last wicket fell for 63. We made a poor show of batting, our total innings being 79 in which Sarfraz and Mughni added 20 and 25 respectively. The Station people played very well in the 2nd innings and made 119; O' Brien, Athim and MacIver making 20, 26 and 32 respectively. MacIver played a faultless and interesting game

suggestion was, no doubt, most excellent and met with the approval of all the members. It is then no wonder to find that the whole assembly received it with vociferous cheering, when the President announced in his remarks on the report that in future the prize would be given in the form of a medal. He also noted with extreme satisfaction the rapid progress of the Club.

The recitations and the acts (some scenes from Friar Bacon and Friar Bungay) especially the latter, were very nicely done The performance of the scenes elicited peals of laughter and continued applause from the audience. The Urdu poem by our little smart poet Mohamed Ismail B. was a piece of very good poetry. We congratulate him for it.

We append the programme, the whole of which was most successfully gone through.

PROGRAMME.

PART. I.

1.	The Vice-President	Report.
2.	Shamsul Haqq	An Urdu poem of his own.
3.	Salamul Haqq	A speech.
4.	Mahomed Ismail	An Urdu poem of his own.
5.	S. Ahmed Ali, B. A.	A speech.
6.	Mumtaz Hosein	Do.
7.	Aftab Ahmed Khan	Do.
8.	The President	Remarks on the report.

PART. II.

1.	Syed Mahomed	A visit to the Zoological gardens.
2.	Akhtar Zaman	An infant orator.
3.	Mahomed Ali Khan	An M. P.'s maiden speech.
4.	L. Tipping, Esquire	A reading.
5.	Ashruful Huqq	How the waters came down at Lodore.
6.	T. Beck, Esquire	A reading.
7.	Mumtaz Hosein and other	Green's Friar Bacon and Bungay Scenes V, VI, VIII.

should be reduced to a second rate institution. We have on the one side the honour and efficiency of the University, and the progress of the people of India ; and on the other—well, we should be glad to hear what is to be said on the other side. The gentlemen who wish to turn out the present Registrar are honourable men. In the case of many of them their character is such that the theory that they would allow presonal motives to interfere with their sense of public duty is quite untenable. We believe therefore that either through their not being sufficiently acquainted with the University business, or through their not having devoted sufficient time to considering the ultimate probable consequences of the step they are taking, they have been misled into taking a course of action adverse to the welfare of the University. Should such be the case, and should further consideration convince them of the inadvisability of their intended action, we have every hope that they will vote solely according to their consentious convictions in the responsible position they hold as senators of the Allahabad University.

ANNIVERSARY OF THE M. A.-O. COLLEGE SIDDONS' UNION CLUB AND EVENING PARTY.

The Eleventh Anniversary of the Siddons' Union Club came off successfully on the 7th December 1895. The building was illuminated and decorated most tastefully.

In the beginning the Vice-President read his report which was a record of uninterrupted progress. He said the condition of the Club was as good as any of the previous years could boast of, probably better. He proved that the subjects brought forward for debate showed an appreciable increase in intelligence and thought. They were more eloquently discussed than before. He dwelt upon many other important points but for want of space we cannot allude to them. One thing, however, should be mentioned. The Vice-President complained bitterly against the existing system of awarding the Cambridge Speaking Prize. He said it was disgraceful to award the speaking-prize in cash. It should take, he maintained, a more decent form. He suggested a medal. The

as keen an interest in the progress of their pupils and of learning as judges have in the honest administration of justice, civilians in the orderly government of the country, and doctors in the alleviation of suffering, then Mr. Dodd's position would be secure so long as he continued to give the general satisfaction he has hitherto done. It happens however that the Senates of Indian Universities are very anomalous bodies unlike any existing in Europe, containing many persons who have no direct connection with education. And it remains to be seen whether those member are actuated by the same sensitive feelings of public duty in their connection with the great work of education, on which the progress of India so much depends, as they display in their ordinary work. We would ask them on what principles they employ even their menial servants; whether they could, for example, dismiss a cook who had served them well for two years for no reason connected with his work and for no fault? And whether they would expect, if they did, to be well served? Would such of them as are government officials like to exchange their secure posts for the four years system prevailing in the corrupt administration of the American republic? Are the posts of the Allahabad University to be regarded as "spoils" to be awarded to the candidate of the victorious party? We certainly cannot expect able retired officials to give up the idea of living in England when we have nothing better than a two years appointment to offer them. And if this vicious system be once inaugurated how can it be stopped? The new Registrar will feel less secure in his appointment than the former one did; and with such a precedent it is difficult to imagine that good service can ever be held a sufficient ground for permanency. As the *personel* of the Senate changes from year to year; as the friends of the Registrar retire and new competitors for the favour of the University appear with a strong body of their contemporaries to back them; the Registrar will find that the longer his service the weaker will be his position. The Syndicate which is alone in a position to form a judgment as to the efficiency of his work may pronounce in his favour and enumerate his services, but this will have little weight on men who can appeal to such a precedent and who experience no particular inconvenience or disappointment if the University

of educational work in India and has also learnt the business of the University, the other would be new to the work. As regards the capacity of the present Registrar, the Syndicate has unanimously resolved that he "has discharged his duties with the "utmost punctuality and courtesy, to the complete satisfaction "of the Syndicate and especially of the Heads of Colleges, "who are in constant correspondence with the Registrar and to "the advantage of the University." We have on the other hand every reason to suppose that the other candidate is a gentleman of good natural capacity, subject only the disqualification above-mentioned of want of professional experience.

Now to decide the question of principle whether the post of Registrar shall be held under conditions similar to appointments under the British Government, in which good work is the guarantee of security, or under those of an Oriental despotism in which the favour of the monarch may appoint or dismiss an officer without assigning any motive other than his own caprice, we have only to ask which will be best for the University. We suppose we may assume that the Registrar exists for the good of the University, and not the University for the good of the Registrar. In which way is the University likely to get its work done best? By keeping officials when they know the work, or by constantly appointing new men? By encouraging its officers to work hard and discharge their duties well in order to be continued in their posts, or by teaching them to look to the individual favour of the senators? We do not see how there can be any doubt as to the answer. A post of Rs. 500 per month without any security is no better than one of Rs. 300 with security. If the Senate abolishes security it wantonly throws away Rs. 200 per month of University money. The business of the University will be most seriously interfered with if every Registrar is to spend the first year of his appointment in learning his work, and the second year in efforts to secure a majority of electors to retain his appointment. If the question were to be decided by the men who would suffer if the business of the University went wrong, the Principals and Professors of Colleges, there can be no doubt which way it would be decided. If it were to be settled by those members of the University Senate whose lives are employed in the education of the people of this country, who have

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 3.	JANUARY 1, 1896.	No. 1.

THE REGISTRARSHIP OF THE ALLAHABAD UNIVERSITY.

---o---

It is expected that a lively contest will take place at the Annual Meeting of the Senate of the Allahabad University held in March next about the appointment of Registrar of the Allahabad University. The facts are as follows: The Registrar is elected by the Senate for two years, and is eligible for re-election at the end of that period. When the University was founded the first Registrar Mr. Gough was elected for five years, and at the end of that time was re-elected for a period of two years. After one year however Mr. Gough resigned, and the present Registrar, a retired educational officer, was elected. He stands for re-election, but another candidate, a retired Civilian, has also been proposed for the post. The question of principle at stake is whether the post of Registrar should be held under the normal condition of security of tenure so long as the work of the occupant is satisfactory, or should be treated by the Senate as a two years gift presented on arbitrary grounds among which good service and proved capacity for the post find no place. We do not propose to enter into the question of the respective merits of the two candidates, beyond remarking that while one candidate has had a long professional acquaintance with the details

M. A.-O. COLLEGE MAGAZINE.

This Magazine will contain articles on political, literary and other subjects of interest to the Muhammadan community. At least 24 pages of the Magazine will be in the Urdu language. Several Muhammadan gentlemen distinguished for their abilities and learning have promised to contribute towards the Urdu portion of the Magazine. It will also review books relating to Islam published in Europe and India. Translations will be published from Arabic papers printed in Egypt and Syria.

The Magazine is also the organ of the Educational Census, and will publish monthly reports of the progress of the work. It will likewise give the latest news of the Muhammadan Anglo-Oriental Defence Association of Upper India.

The Magazine will contain information of all sorts with regard to the M. A.-O. College. It will thus form a history of the College, both of its external relations and its internal life.

The Magazine will be ready also to publish short accounts of the progress of all Muhammadan Schools throughout India. Persons connected with such schools are invited to supply the Editor with information about them.

The annual subscription is Rs 3 including postage, and is payable strictly in advance. Ten numbers will be issued in the year. Subscribers should either send the subscription to the Manager, or allow him to send the first number by v. p. p. for Rs 3 or for Re. 1 As. 8 for half a year.

The Magazine will insert advertisements at the rate of 2 annas per line or Rs. 2 per page in Urdu.

THEODORE BECK,
English Editor,
MAULVI MUHAMMAD SHIBLI,
Urdu Editor.
NIAZ MUHAMMAD KHAN,
Manager.

The Muhammadan Anglo-Oriental College Magazine.

New Series VOL. 3. | JANUARY 1, 1896. | No. 1.

CONTENTS.

ENGLISH.

URDU.

Printed at the Institute Press, Aligarh.
For Siddon's Union Club.